الله نور السموات والارض مثل نوره كمشكوة فيها مصباح

بشد الحمد والمنة کہ عالیجناب معلی القاب شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب عظیم آبادی المتخلص اثر مصنف کتاب
مرأت الحکما و کاشف الحقائق و ہدیہ قیصریہ و معیار الحق و کتاب الاثمار و کتاب التجربہ و رسالہ طاعون و دیوان اثر وغیرہ وغیرہ
بغرض تفتیش و تلاش اسباب و اظہار موجبات کہ منجر بہ واقعہ ہائلہ قربانی بزرگان اہلبیت رسالت در کربلائے معلی شد یہ کتاب مستطاب

مصباح الظلم
ایضاح المبہم

بالکل تصنیف فرمائی اور بعد تصحیح جناب علامۂ فرید مجتہد العصر والزمن حضرت مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ ظلہم العالی
بزمانہ الایام والیالی و بعد نظر ثانی استاد المفسرین سند المتکلمین [illegible] سلطان الاذکیاء جناب مولوی حکیم سید مقبول احمد صاحب دہلوی
بعد حصول اجازت مصنف صاحب بخواہش سید سخاوت علی و سید وزارت علی باہتمام سید [illegible] حسین

مطبع [illegible] آگرہ [illegible] طبع شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علے حبیبہ محمد وآلہ الطاہرین

مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم فی کل بدإ و مختوم بہ الکلم

اما بعد فقیر امداد امام خدمت اہل انصاف مین عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب **مصباح الظلم** محض تحقیق حق کی نظر سے لکھی گئی ہے اس سے کسی بنی آدم کی دل آزاری مراد نہین ہے اسکے ملاحظہ سے ایسے حضرات غیر متعصبین پر جو دریافت حق کی ضرورت رکھتے ہین واقعہ کربلا کے اسباب آسانی کے ساتھ روشن ہوجائینگے اور بھی سیکڑون امور کے انکشاف کی صورت پیدا ہوجائیگی جن سے ایک بڑا حصہ اہل اسلام کا تاہنوز مبتلائے بیخبری ہے توکلت علی اللہ وھو حسبی نعم المولی ونعم الوکیل۔

عرب کی تمدنی حالت آنحضرت کی بعثت کے وقت

جسوقت آنحضرت کا ظہور ہوا۔ ملک عرب کا کچھ حصہ فارس اور کچھ روم کے زیر حکومت تھا بقیہ حصون مین قبائل عرب کے شیوخ سرداری کرتے تھے۔ اُس وقت مکہ اور مدینہ بھی اپنے اپنے شیخون کے ماتحت تھے مکہ کی سرداری رسول اللہ کے خاندان مین تھی جو بنی ہاشم کہلاتا تھا۔ مگر اُنکے گوتیا جو بنی اُمیہ کے لقب سے مشہور تھے ان سے دولت اور قوت مین زیادہ تھے کم نہ تھے بنی ہاشم اور بنی اُمیہ مین اتفاق نہ تھا۔ مگر رسول اللہ کے ظہور رسالت تک ان دونون خاندانون مین بہت کشت وخون کی نوبت نہین پہنچی تھی۔ معاشرت واطوار مین یہ دونون قبیلے ایک رنگ کے نہ تھے بنی ہاشم عموماً بہادر صاف دل رحیم مزاج سیر چشم فیاض اور نیک اندیش تھے۔ بنی اُمیہ ان صفات حمیدہ سے قریب قریب کوئی مناسبت نہین رکھتے تھے ہرچند دونون قریشی تھے مگر دونون مین معاشرت و اطوار کا بعید فرق تھا اگر ایک ایک عمدہ کے دو دو آدمیون کو یعنی ایک بنی ہاشم اور

ان امور کے درج کرنیکی یہ ضرورت ہے کہ اُن سے ناواقف رہکر کوئی شخص واقعہ کربلا کی حقیقت سے واقف نہین ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک ناواقف شخص بڑے تعجب کے ساتھ پوچھ سکتا ہے کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ حسینؑ جب رسول اللہ کے نواسے تھے تو اُن کو مسلمانون نے اس بیرحمی کے ساتھ کیون شہید کیا۔ مگر جب ایسے سائل کو حقیقت حال سے اطلاع ہوجائیگی تو اسکا تعجب بالکل زایل ہوجائے گا اور واقعہ کربلا اُسے قرین قانون فطرت معلوم ہونے لگیگا۔ یہ عالم عالم اسباب ہے۔ یہان ہر مسبّب کے لئے سبب کا ہونا ضرور ہے۔

عہدِ رسول اللہ مین عبادات اور معاملات کا طور

عہد رسول اللہ مین پیروانِ اسلام کے عبادات و معاملات کا وہی طریقہ ہوگا جو خود رسول خدا کا ہوگا مثلاً اگر آپ ہاتھ باندھکر نماز پڑھتے ہونگے تو سب مسلمان بھی ہاتھ باندھکر نماز پڑھتے ہونگے اسی پر حج و زکوۃ وغیرہ کو بھی قیاس کرنا چاہئے کہ تمام ارکان دین کی تبعیت آنحضرت کیساتھ ہوتی ہوگی۔ بیع و شریٰ اور دیگر معاملات کا بھی یہی طور ہوگا کہ آپ کو جس طور پر مسلمان عمل ہوتے دیکھتے ہونگے ویسا ہی کرتے ہونگے۔ کوئی شک نہین کہ یہی طور آپ کیساتھ آپکی اُمت کا آپکی وفات کے قریب تک رہا مگر جب آپ مرض الموت مین مبتلا ہوئے اُسوقت آپ کے اور آپکے بعض اکابرِ اُمت سے ظاہر طور پر دو بھاری اختلاف ظہور مین آئے ایک کو قصۂ قرطاس کہتے ہین اور دوسرا تخلّفِ جیشِ اسامہ کہلاتا ہے۔ اول کی سرگذشت یہ ہے کہ جب (بیان صاحب شرح مواقف جو اکابر علمائے اہل سنت سے ہے) رسول اللہ کی رحلت کا وقت قریب ہوا تو آنحضرت نے اپنے حضّار مجلس سے فرمایا۔ اِیْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ اَکْتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ یعنی میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ ہم کچھ ایسی تحریر حوالۂ قلم کرین کہ جس سے بعد ہمارے تم گمراہ نہ ہوجاؤ (دیکھو صحیح مسلم کتاب الوصایا و بخاری کتاب العلم کا باب العلم صفحہ ۱۸ و مشکوۃ شریف بعد باب الکرامات) حضرت عمرؓ اس پر راضی نہوئے اور فرمایا اِنَّ الرَّجُلَ غَلَبَہُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسْبُنَا یعنی اس شخص پر بیماری کا درد غالب آیا ہے درحالیکہ ہمارے پاس کتاب خدا کی ہے اور وہ ہم لوگون کے لئے کافی ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری مین یہ حدیث اس طرح پر ہے اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَدْ غَلَبَہُ الْوَجَعُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ اس جھگڑے مین آوازین بلند ہوگئین جس سے رسول خدا نے بیزار ہوکر یہ فرمایا۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ عِنْدِیَ التَّنَازُعُ یعنی میرے پاس سے تم لوگ اُٹھ جاؤ میرے نزدیک لڑائی جھگڑا سزاوار نہین ہے۔ مختصر یہ ہے کہ رسول اللہ کوئی آخری تحریری حکم نہین چھوڑ سکے۔ اس قصہ پر نظر غور ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُس وقت پورے طور پر ہوش و حواس مین تھے اور موجودگی ہوش و حواس مین کچھ تحریر کرنا چاہتے تھے۔ ہرگز ایسا نہ تھا کہ مغلوب مرض ہوکر نعوذ باللہ ہذیان بکنے لگے تھے اُس وقت بھی آپ ایسے پورے ہوش و حواس مین تھے کہ اپنے کو نبی سمجھتے تھے اور سمجھ کے ساتھ اپنے رتبۂ نبوت کا اُس قدر امتیاز رکھتے تھے کہ اپنے سامنے شور و غل کا ہونا اپنی عظمت کے خلاف جانتے تھے یہ نہین معلوم کہ آپ کیا لکھجانے کو تھے۔ مگر کوئی ایسی ہی ضروری بات تھی کہ جس کو

حوالۂ قلم کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات ضرور دین کیساتھ تعلق رکھتی تھی اور نہایت اہم انداز کی بھی تھی۔ ایسی ہی اہم صورت تھی کہ اُمت کو گمراہی سے بچانے کی حیثیت رکھتی تھی جیسا کہ آپ کے فرمودہ بالا سے عیاں ہوتا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا علیؑ کو تحریری طور پر اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اہلِ سُنت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو تحریر کی رو سے اپنا خلیفہ گردانتے کو تھے مگر چونکہ جب کوئی تحریر وقوع میں نہ آسکی تو قیاس کے سوا کوئی دوسرا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اگر اہلِ سُنت کا قیاسِ عقیدہ یا بیان درست ہے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ بلکہ تمام مسلمانوں پر بڑا ستم کیا کس واسطے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ رسولِ خدا کی کسی تحریر کے مطابق خلیفہ قرار پا جاتے تو کسی مسلمان کو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے انکار نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسی صورت میں خلافت کا کوئی جھگڑا اسلامی دنیا میں نہیں پیدا ہوسکتا تھا جس سے تمام مسلمان ایک ہی مذہب کے پابند رہتے۔ شیعہ جو کہتے ہیں کہ رسولِ خدا کو تحریری وسیلہ سے علیؑ کو اپنا خلیفہ بنانا منظور تھا وہ اس رو سے کہ چند مہینے پیشتر آنحضرت علیؑ کو زبانی اور عملی طور پر خم غدیر میں اپنا جانشین بنا چکے تھے (دیکھو تاریخ کی کتابیں) راقم آئندہ قصہ غدیر درج کتاب ہذا کرنے کو ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ شیعوں کا دعویٰ بے بنیاد نہیں معلوم ہوتا ہے۔ خیر حقیقتِ حال جو کچھ ہو ظاہرا ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تحریری خلافت کے خلاف میں کوئی مخالفانہ کارروائی اختیار کی ہوگی۔ اگر حضرت عمرؓ کو اس کا یقین ہوتا کہ رسولِ خدا حضرت ابوبکرؓ کو تحریری طور پر اپنا خلیفہ بنانے کو ہیں تو حضرت عمرؓ آنحضرت کو ایسی تحریر سے روکنے کے عوض اور بھی ایسی تحریر کے اہتمام پر آمادہ فرماتے۔ اس لیئے کہ ایسی تحریر کا انجام وہی ہوتا جو حضرت عمرؓ کی تائید سے سقیفہ بنی ساعدہ میں صورت پذیر ہوا بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس کا یقین تھا کہ حضرت رسولِ خدا علیؑ ہی کو تحریری طور پر بھی اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں جیسا کہ احمد بن ابی طاہر نے تاریخ بغداد میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں خود حضرت عمرؓ کی زبانی مذکور ہے کہ رسول اللہ بحالتِ مرض میں علیؑ کے نام کی صراحت کرنا چاہتے تھے لیکن میں مانع ہوا۔ اس لیئے فرمودۂ رسولؐ سے آپ کو مخالفت کی ضرورت پڑی۔ یہ امر کہ علیؑ خلافت سے دُور پڑ جائیں اسکی کوششیں حضرت عمرؓ کو ہمیشہ ملحوظ رہیں جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا۔ یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ اپنی حیات میں حضرت عمرؓ نے علیؑ کو خلافت سے پوری کامیابی کے ساتھ دور رکھا اور اپنے بعد بھی اپنی لاجواب پولیٹکل تدبیر سے اپنا جانشین ہونے نہ دیا۔ کیا شک ہے کہ حضرت رسول اللہ کی ہدایت تحریری کا عمل میں نہ لایا جانا اہل اسلام کی بڑی بدنصیبی سے خبر دیتا ہے حیف بر اسلام و اہل اسلام انا للہ و انا الیہ راجعون اگر ایسی تحریر عمل میں لائی گئی ہوتی تو اسلام ہزاروں مفسدوں سے مامون رہتا اور آج تک جن نکبتوں میں مبتلا ہے اُن سے اُسے پوری نجات مل رہتی۔

تخلف از جیش اُسامہ

دوسرا امر جو آنحضرت کی رحلت کے قریب وقوع ہوا اور جسنے رسول اللہ کے ارادہ کو پورا ہونے نہ دیا وہ جیش اسامہ سے تعلق رکھتا ہے۔ رسول اللہ

نے اُسامہ کی سرکردگی مین کفار کے مقابلہ کو لشکر بھیجنا چاہا تھا اور اسقدر آپکو اس امر مین کد تھی کہ آپ نے یہ فرمایا کہ جو لشکر اُسامہ کی شرکت سے اختلاف کریگا وہ مورد لعنت ہوگا (دیکھو ملل و نحل علامہ شہرستانی اَلْخِلَافُ الثَّانِیْ فِیْ مَرَضِہٖ قَالَ جَهِّزُوْا جَیْشَ اُسَامَةَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا اور بھی دیکھو شرح مواقف کا آخر جو تذییل الکتاب کے عنوان سے لکھا گیا ہے صفحہ ۷۴۴ مطبوعہ نولکشور) بلا شبہہ اگر آپ کچھ روز اور بھی زندہ رہتے تو یہ لشکر اُسامہ کی کمان مین اعدائے اسلام کی طرف روانہ ہو جاتا۔ مگر بعض اکابر صحابی اور دیگر مسلمانان وقت نے بھی اُس سے پوری مخالفت کی۔ اس لیے جیش اُسامہ بمقابلہ کفار کے روانہ نہو سکا اور رسول اللہ کو اپنے ارادے مین ناکامی مرتب ہوئی تعجب ہے کہ اُن حضرات مسلمانون نے مورد لعنت ہونا گوارا کیا اور گھر بیٹھے رہے۔ کیس طرح کا ایمان ہے کہ رسول اللہ تاکید اکید کیساتھ کسی امر کیلیے حکم دین اور وہ حکم نہ بجالایا جائے۔ کوئی شک نہین کہ اس نافرمانی کا کوئی سبب خاص تھا ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُسامہ لشکر اسلام لیکر کفار کیجانب چل نکلتے تو سقیفہ بنی ساعدہ کا اجماع ظہور مین نہ آسکتا اور یقیناً امر خلافت کسی اور پہلو پر قرار لیتا۔ المختصر یہی دو قصے رسول اللہ کے عہد کے ایسے ہین جو آپکی رحلت کے قریب مین وقوع ہوئے اور بانی اسلام اور پیروان اسلام کے درمیان مخالفت سخت کا نقشہ دکھلاتے ہین۔ ان دو قصون کے علاوہ کوئی اور اہم قصہ تخالف کا اُس زمانہ مین نظر نہین آتا ہے مگر آپکی رحلت کے بعد تو مسلمانون مین بڑی پھوٹ پڑی جیسا کہ عبادات و معاملات مین اسوقت بھی اہل اسلام اختلاف باہم مین گرفتار نظر آتے ہین۔ پہلا اختلاف مسلمانون مین جو آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی پیدا ہوا امر خلافت تھا۔ مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ مین خلافت کا جھگڑا پڑا۔ انصار کہنے لگے مِنَّا اَمِیْرٌ وَّمِنْكُمْ اَمِیْرٌ، یعنی اے مہاجرین ایک تم مین سے اور ایک ہم مین سے امیر مقرر کیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے انصار سے یہ بات کہی کہ کیا تم نے رسول اللہ سے نہین سُنا ہے آپنے فرمایا ہے کہ میرا جانشین قریش کا آدمی ہوگا۔ اس پر انصار ساکت ہو گئے۔ تب حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ نے خلیفہ بنانا چاہا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ ہونے کے واسطے ارشاد فرمایا حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونا قبول نہین کیا اور فوراً حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بناکر اُن کے دست مبارک پر بیعت فرمائی۔ (دیکھو بخاری شریف کتاب المحاربین من اہل الکفر والردہ باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت و فتح الباری وغیرہ) اسی کے ساتھ جو لوگ اُسوقت سقیفہ بنی ساعدہ مین موجود تھے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے گئے۔ یون تو قصہ خلافت کا سقیفہ ہی مین طے پا گیا۔ مگر بنی ہاشم وہان نہ تھے اسلیئے بنی ہاشم کی طرف سے اہل سقیفہ کو پورے طور پر اندیشہ لگا ہوا تھا۔ مگر چونکہ اُن کے سردار علی ابن ابی طالب کسی سخت کارروائی کی طرف متوجہ نہین معلوم ہوئے جس کا اصل سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی رحلت کے قریب حضرت رسول اللہ نے آپ کو سمجھا دیا تھا کہ میرے بعد تم فوری طور پر اپنے مخالفین کے مقابلہ مین تلوار نہ کھینچنا تاکہ اسلام جو اُس وقت ایک ابتدائی حالت مین تھا برباد نہ ہو جائے بنی ہاشم بھی بہ تبعیت علیؑ خاموش رہے

اس پر بھی یہ بات اہل سقیفہ کی طرف سے مناسب سمجھی گئی کہ علیؑ سے بیعت لی جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ابن خطاب رضی اللہ عنہ علیؑ کے پاس گئے اور علیؑ کو حضرت ابوبکرؓ کے حضور میں لے آئے۔ اس جلسہ میں علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ کہا کہ آپ نے انصار کو یہ کہکر کہ حدیث نبوی کی رو سے شخص قریش کو خلیفہ ہونا چاہیے انصار سے حصول حق فرمایا۔ اب آپ سے میں طالب داد ہوتا ہوں کہ جو داد آپ نے انصار سے پائی ہے وہی داد اب آپ مجھے دیتے ہیں قریش ہوں ہاشمی ہوں برادر رسول اللہ ہوں داماد رسول اللہ ہوں وغیرہ وغیرہ (دیکھو روضۃ الاحباب جلد دوم صفحہ ۳۳ و ۳۴) اس کا جواب ہی کیا تھا جو اہل خلافت کی طرف سے ملتا بہر حال جب علیؑ سے بیعت کے لئے ارشاد کیا گیا تو علیؑ نے بیعت نہیں کی۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ علیؑ نے بی بی فاطمہؑ کی رحلت کے بعد بیعت کی (دیکھو صحیح مسلم صفحہ ۱۲۵) مگر شیعہ بیعت سے تمامتر انکار رکھتے ہیں راقم کو حضرت علیؑ کے تمام معاملات ملکی ومالی واخلاقی پر نظر غور ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ کی رحلت کے بعد بھی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت خلافت یا اور کسی قسم کی بیعت نہیں کی کس واسطے کہ آپ نہایت سچے اور صاف دل آدمی تھے۔ اگر کسی قسم کی بیعت کی ہوتی تو اپنے خطبۂ شقشقیہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت پر حضرت ابوبکر کے بعد اس قدر کی سخت بیزاری نہ دکھلائی ہوتی اور نہ اسطرح کا اظہار ملال کیا ہوتا ظاہر ہے کہ اگر حضرت معاویہ نے کسی شخص پر دست بیعت ہونیکے بعد اس کی نسبت اس طرح کی تقریر اختیار فرمائی ہوتی تو یہ آپکی ذات بابرکات سے کوئی امر بعید متصور نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ اقتضاء طبیعت سے عند الضرورت حضرت خال المومنین ہر طرح کی قولی اور فعلی کارروائی کے اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یوں تو حضرت معاویہ تمامتر ساختہ و پرداختہ حضرت خلیفہ اول صاحب کے تھے لیکن اگر وقت آپڑتا تو ذاتی نفع کے مقابلہ میں حضرت خلیفہ کے برخلاف دو ہزار خطبے ارشاد فرما سکتے تھے یہی طور حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ کا بھی نظر آتا ہے جیسا کہ آپ ہر دو بزرگوار نے اس کو کرکے دکھلا بھی دیا یعنی علیؑ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور فوراً نکث بیعت کرکے خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں نبرد آزما بھی ہو گئے۔ مگر حضرت علیؑ کا کیرکٹر یعنی انداز طبیعت ہرگز اس کا مقتضی نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر آپ بیعت کرتے اور پھر وقت پاکر حضرت ابوبکر کی خلافت کو بلائے تیرہ و تار قرار دیکر اس طرح پر اظہار بیزاری فرماتے جیسا کہ خطبہ بالا میں دیکھا جاتا ہے اور جیسا کہ آئندہ آنیکو ہے جس شخص نے حضرت علیؑ کے اطوار پر نظر غور ڈالی ہے وہ بخوبی کہہ سکتا ہے کہ آپ سراسر معدن صدق وصفا تھے۔ اور آپ ہرگز ایسے نہ تھے کہ حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور پھر حضرت ابوبکر کے خلاف میں کسی وقت بیعت کی بیزاری کے الفاظ زبان پر لاتے۔ پس اس معاملۂ بیعت پر لحاظ کرنے سے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خاتون جنت علیہا الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی یہاں پر مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ خلافت حق طور پر

قایم ہوئی یا نہین۔ یہان پر صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس خلافت کا اثر آلِ محمد پر کیا ہوا۔ فوری اثر تو یہ ہوا کہ بنی ہاشم سے حکومت دور ہوگئی جس کے باعث جو منزلت آلِ محمد کی عہدِ رسولِ خدا مین تھی باقی نہ رہی۔ میری دانست مین آلِ محمد کے ظاہری تنزّل کی فعلی ابتدا یہین سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ہم دکھلا سکینگے کہ آلِ محمد کی بے توقیریان بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہونچ گئین کہ کربلا کی بے ادبیون کے بعد اہلِ حرم دمشق کے کوچہ و بازار مین بڑی بیرحمی کیساتھ تشہیر کیے گیے اور اس کے بعد بھی خون ائمہ خاندانِ پیغمبر کا ہوتا رہا اور سادات کُشیان بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ ہوتی رہین۔ مجھ کو اس سے یہان بحث نہین ہے کہ آلِ محمد ان بے اعتنائیون کے مستحق تھے یا نہین۔ مگر کوئی شک نہین کہ سخت سے سخت کاروائیان آلِ محمد کے خلاف مین ہوتی گئین جنکی شاہد سیر و تاریخ کی کتابین دیکھی جاتی ہین ؎

قول حسبنا کتاب اللہ پر نظر

واضح ہو کہ یون تو عملی طور پر توہین آلِ محمد کی ابتداے امرِ خلافت سے ظہور مین آئی مگر دراصل اس کی ابتدا کی صورت حضرت عمرؓ ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قول معروف یعنی حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ سے ہوئی۔ یہ قول ایسی ابتدا ہے کہ جس انواع و اقسام کے ایسے امورِ اسلام کو پیش آتے گئے کہ جو پیغمبرِ خدا کے عہد کے مسلمانون کے وہم و گمان مین بھی نہ آے ہونگے۔ ہرچند رسول اللہ نے اپنی رحلت کے قریب یہ فرمایا کہ "ہم تم مین دو امر بزرگ چھوڑے جاتے ہین یہ ایسی ہین کہ اگر تم ان سے متمسک ہوگے تو میرے بعد ہرگز ہرگز تم گمراہ نہوگے اور وہ دونون امر بزرگ قرآن اور میرے اہلبیت ہین" مگر شانِ کبریائی سے حضرت عمر ابن الخطاب کے قول حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کے عشرِ عشیر کے برابر بھی یہ قولِ نبوی عملی تاثیر نہین پیدا کرسکا۔ یہ قولِ نبوی جو فریقین کے نزدیک مستند ہے حدیث اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ کِتَابُ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ دیکھو تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز صاحب تتمہ الباب باب چہارم صفحہ ۲۰۱) لاریب یہ اُس ذاتِ پاک کا قول ہے جس کی نسبت خداے تعالےٰ فرماتا ہے کہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یعنی حضرت محمد بے سر و پا تقاضاے نفسانیت سے باتین نہین کرتے ہین۔ آپ مورد وحی ہین۔ وحی خداوندی ہی کے مطابق آپکے ارشادات ہوتے ہین اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ ایسی ہی حدیث ہے کہ جس کی نسبت اپنے تحفہ مین جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے ہین کہ "در مقامات دین و احکام شرعی ما را پیغمبر حوالہ باین دو چیز عظیم القدر فرمودہ است پس مذہبے کہ مخالف این دو باشد در امور شرعیہ قیدتاً و عملاً نامعتبر است و ہر کہ انکار این دو بزرگ نماید گمراہ و خارج از دین باشد" دیکھو تحفہ شاہ صاحب باب چہارم صفحہ ۲۰۱) الاریب حکم نبوی ایسا ہی تھا کہ امت محمدی ضرور قرآن اور عترت نبوی کی متمسک ہو مگر امت محمدی کہان تک اس حکم کی متمسک ہوئی راقم اس کو دکھلانے کو ہے۔ مین اس جگہ اس سے کوئی بحث نہین رکھتا ہون کہ حضرت

عمرؓ ابن الخطاب کا قول "حَسْبُنَا کتاب اللہ" اچھا تھا یا برا۔ مگر اسکی تاثیر پر نظر ڈالنا اس کتاب کے احاطۂ مقاصد سے ہے۔ ظاہراً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حسب قولِ نبویؐ تمسک بالقرآن کے ساتھ تمسک بالعترت بھی ایک ضروری امر سمجھا جاتا تو اسوقت کی اسلام کی تاریخ نے واقعاتِ مذہبی و ملکی کے اعتبار سے ایک دوسرا رنگ پیدا کیا ہوتا۔ مگر حضرت عمرؓ کے صرف ان تین چار لفظون نے ایک ایسی نئی اسلامی دُنیا قایم کردی ہے کہ آج تک بڑے زورون کے ساتھ قایم ہے۔ ہرچند حضرت رسولؐ کا قول بڑی تاکید سے خبر دیتا ہے مگر حضرت عمرؓ کے قول بالا نے قول نبویؐ کو عملی پیرایہ حاصل ہونے نہ دیا جس کے باعث ارشاد نبویؐ ایک قولی حیثیت تک محدود رہگیا۔ اگر قولِ نبویؐ کو کامیابی نصیب ہوتی تو نہ سقیفۂ بنی ساعدہ کا اجماع ظہور مین آتا نہ بنی ہاشم کو طرح طرح کی مصیبتین پیش آتین نہ بنی ہاشم کی عظمت مین کسی طرح کا فتور پڑتا نہ بنی ہاشم کے عقاید کے خلاف مذاہب ایجاد ہوتے اور نہ وہ واقعاتِ عظیمہ ظہور مین آتے جو شہادتِ علیؑ و شہادتِ حسنؑ و شہادتِ حسینؑ و شہادتِ دیگر آلِ محمد و دوستداران آلِ محمدؐ پر مشتمل دیکھے جاتے ہین۔ ظاہراً تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ قول "حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ" نے عامۂ مسلمانان کو تمسک عترت نبوی سے آزاد کردیا اور گو حدیث ثقلین بقول صاحب تحفۂ فریقین کی ایک مقبولہ حدیث ہے مگر اس حدیث پر عامۂ مسلمانان یعنی مسلمانان غیر امامیہ کا نہ کبھی سابق مین عملدرآمد رہا ہے اور نہ آج ہے۔ یہ حدیث نبویؐ ڈیڈ لیٹر Dead letter یعنی ایک قول مردہ کی طرح کتابون مین حوالۂ قلم پائی جاتی ہے اور اس سے زیادہ حیثیت کبھی اسکو حاصل نہین رہی ہے چنانچہ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ رسول اللہ کے رحلت فرماتے ہی بنی ہاشم اور دوستداران بنی ہاشم کے سوا عامۂ مسلمانان سے کوئی بھی عترتِ محمدؐ کا متمسک نہین ہوا۔ عترت محمدؐ سے مراد فاطمہؑ علیؑ حسنؑ اور حسینؑ ہین ان چہار تن کے ساتھ عامۂ مسلمانان نے پیغمبر صاحب کی رحلت کے بعد کیا تمسک کی کارروائی اختیار کی کسی کتاب سے کچھ پتہ نہین لگتا۔ ابھی رسول اللہ دفن بھی نہین ہوئے تھے کہ سقیفہ کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اس معاملہ کو کوئی شخص صحیح الحواس تمسک بالعترت قرار نہین دیسکتا ہے یہ ہنگامہ تو فوری نتیجہ قول "عِندَنا کِتابُ اللہِ حَسْبُنا" کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی علیؑ سے حصول بیعت کا جبریہ بی بی فاطمہؑ کے گھر پر قصدِ احراق کے ساتھ مخالفانہ چڑھائی قصۂ فدک کی بے سروپا کارروائیان جناب فاطمہؑ سے بے ادبانہ خطابات وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب ایسے وحشت انگیز معاملات ہین جو مردِ حق پسند کے نزدیک تمسک بالعترت سے منزلون دور نظر آتے ہین۔ اسی طرح جتنے معاملات خلافت ہاے حضرات ثلثہ رضوان اللہ علیہم کے دیکھے جاتے ہین عترتِ نبویؐ کے تمسک سے تمام تر بے لگاؤ پائے جاتے ہین۔ قرآن کے جمع کرنے مین خلافت اولیٰ کی طرف سے کیا تمسک علی مرتضیٰ کے ساتھ ظہور مین آیا۔ اجتہاداتِ مسائل مین خلافت ثانیہ کس طرح پر علی مرتضیٰ کی تمسک ہوئی۔ خلافتِ ثالثہ مین حدیث ثقلین کی کیا پیروی کی گئی امام حسنؑ کے تمسک مسلمانان وقت کس وضع پر ہوئے خلیفۂ وقت حضرت معاویہ کی کارروائیون

نے تمسک بالعترت سے کیا تعلق رکھا۔ آپکے جانشین حضرت یزید نے کیا تبعیت حدیث بالا کی۔ اسی طرح امام عسکری تک اس غروہ کہ رسول اللہ کی تمیں کیا کیا ہوتی گئی۔ ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے بعد تمسک بالعترت کا مضمون بھولے سے بھی کسی کو نہیں یاد آیا۔ پیغمبر صاحب کے بعد کے ہر عہد کی کارروائیاں ایسی ہی دکھائی پڑتی ہین جو تمسک بالعترت سے ذرہ بھر بھی علاقہ نہیں رکھتی ہین اور جب ہوا تو یہی ہوا کہ بڑی ناانصافی کیساتھ اہلبیتِ نبوی محکوم بنائے گئے۔ بڑی بے رحمیون سے مختلف عہدون مین اُن کے خون پانی کی طرح بہائے گئے۔ اُن کے ذی علم اور باخبر ہونے پر بھی اُن کے ائمہؑ کے احکام اور روایات سے علمائے غیر امامیہ کنارہ کش رہے اور آج بھی کنارہ کش ہین۔ ان امور کی تفصیل آئندہ حوالۂ قلم ہونے کو ہے۔ اے حضراتِ حق پسند کیا انھی کارروائیون کو تمسک بالعترت کہتے ہین؟ حق یہ ہے کہ تمسک بالعترت کا مضمون مسلمانانِ غیر امامیہ کے لئے ایک مردہ قولِ نبوی کا حکم رکھتا ہے۔ کتابون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانانِ غیر امامیہ از وقتِ حضرت خلیفہ اوّل تا ایندم حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کے متمسک رہے ہین اور یہ وہ قول ہے کہ جس نے اہلبیتِ نبوی کے نابود کر ڈالنے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا اور بھی اہل بیتِ نبوی کی علیحدگی کیساتھ ایک ایسے مذہب خاص کی بنا ڈالی کہ جس مین تمام غیر امامیہ داخل ہین اور یہ غیر امامیہ بہت سے فرقے ہین کہ جن کا ذکر غنیۃ الطالبین مین حضرت پیران پیر عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے نام بنام فرمایا ہے اس قول حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کی بدولت ایک بڑا تفرقہ عقیدہ کا جو درمیان امامیہ اور غیر امامیہ کے پیدا ہوگیا ہے وہ مشتمل مسئلہ امامت پر ہے جو شیعون کے نزدیک اصولِ عقاید مین داخل ہے اور غیر امامیہ اس کو فروعی جانتے ہین۔ دونون فرقون کے اختلافِ عقیدہ کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امامیہ حدیث ثقلین کے متمسک ہونے کی وجہ سے امامت کو ایک امر من جانب اللہ جانتے ہین اور اُس پر یہ دلیل رکھتے ہین کہ جب رسول اللہ دنیا سے رحلت فرما گئے تو حسب ارشادِ نبوی جو درحقیقت حکم خدا ہی ہے اُن کی عترت اُن کی قایم مقام ہوگئی۔ پس یہ قایم مقامی آپکی عترت کی من جانب اللہ ہونے کے سوا کوئی اور حیثیت نہین رکھ سکتی ہے اور امر واقعی بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جب آپکی عترت داخل ثقلین ہے تو اُسکی حیثیت کے من جانب اللہ ہونے مین کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔ اس حدیث کی رو سے آپکی عترت یا قرآن کے برابر ہے یا قرآن سے کم تنزلاً اگر قرآن سے کم بھی ہے تو اتنی ضرور ہے کہ دو امر بزرگ سے ایک امر بزرگ ہے اس تنزل پر بھی یہ عترت آپ کی ایسی نہین معلوم ہوتی کہ بالکل چھوڑ دیجائے اور قرآن کے ساتھ اختیار نہ کی جائے۔ حق تو یہ ہے کہ قرآن اور اہل بیتِ نبوی ایک دوسرے سے جدا نہین ہو سکتے۔ راقم کی تجویز مین عترتِ نبی قرآن سے افضل ہے۔ اس لیئے کہ قرآن قرآنِ صامت ہے اور عترتِ نبی قرآن ناطق ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا اپنے قرآنِ ناطق فرمانا مرد مومن کے لئے افضلیت عترت کی بڑی دلیل متصور ہے۔ اس سے وہی انکار کر سکتا ہے جو علیؑ کا محارب یا مخالف ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حدیث

ثقلین اس بات کی ہادی نظر آتی ہے کہ امامت ایک امر من جانب اللہ مانی جائے ۔ فرقہ غیر امامیہ جو امامت کو ایک فروعی امر سمجھتا ہے اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قول حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کی تبعیت سے وہ مضمون امامت جو رسول اللہ کے لفظ ثقلین پر مبنی ہے بالکل نمار رد ہو جاتا ہے پس امامت من جانب اللہ اگر اس قول کی بدولت لاشے مانی جاتی ہے تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب امامت ایک امر من جانب اللہ نہیں قرار دی گئی تو فرقہ غیر امامیہ کے عقیدے کے مطابق ائمہ اثنا عشر کی امامت ائمہ اربعہ کی امامت سے کوئی موقر تر درجہ نہیں رکھ سکتی ہے بلکہ ائمہ اربعہ کی امامت بدرجہا فرقہ غیر امامیہ کے نزدیک زیادہ قابل امتیاز ہے ۔ اس لیئے کہ ان مجتہدین سے اس فرقہ کی فقہی ضرورتیں تمام تر متعلق ہین ۔ برخلاف ائمہ اثنا عشر کے کہ جن سے اس فرقہ کو نہ اصولی اور نہ فروعی تعلق حاصل ہے ۔ اس فرقہ کے نزدیک ائمہ اثنا عشر کی اماموں کو امام غزالی اور امام فخر رازی کی اماموں سے ممتاز تر حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی ہے ۔ المختصر قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" سے جب امامت قرار پا سکتی ہے تو من جانب الناس قرار پا سکتی ہے ۔ جیسا کہ فرقہ غیر امامیہ کے ائمہ عموماً من جانب الناس کی حیثیت رکھا کرتے ہین ۔ اس مین شک نہین کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے اس قول نے بڑی کامیابی پیدا کی ۔ اس قول نے عملی طور پر حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا ۔ بہت بڑا حصہ حضرت عمر ابن الخطاب کے عہد کے مسلمانون کا اور بھی آپ کے بعد کے زمانون کے مسلمانون کا حتی کہ اس عہد کے مسلمانون کا اس قول کی تبعیت کی بدولت امور اصولی اور فروعی مین تمسک اہل بیتؑ نبوی سے کنارہ کش دیکھا جاتا ہے اور اگر اس قول کے تابعین کو تمسک اہل بیت نبوی کا دعوی ہے بھی تو صرف زبانی دعوی ہے ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے اس لئے کہ جب صرف تمسک بالقرآن کی ہدایت قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" سے ظہور مین آئے تو اہل بیت نبوی سے بے سروکاری اس کا ایک فطری نتیجہ متصور ہے ۔ اس کے برخلاف معاملہ اُن مسلمانون کا ہے جو حکم نبوی کے مطابق قرآن کے ساتھ اہل بیت نبوی کے بھی متمسک ہونے کو فرض سمجھتے ہین ۔ ظاہر ہے کہ ایسے مسلمانون کو اہل بیت نبوی سے کنارہ کشی کرنے کی کیا صورت پیدا ہو سکتی ہے ۔ ایسے مسلمان آج تک ہر امر مین متمسک بہ اہل بیت نبوی ہین اور دل سے ارشاد نبوی کے بجالانے والے ہین ۔ لیکن ایسے مسلمانون کی تعداد ابتدا مین بہت کم تھی اور آج بھی بہت نہین ہے ۔

مذہب امامیہ اور مذہب غیر امامیہ کی ابتدا اور دونون کا اجمالی بیان

راقم کی دانست مین وہ امر کہ جس سے مسلمانون مین مذہبی تفرقہ کی ابتدا ہوئی اور جو درحقیقت تفرقہ کے تخم کا حکم رکھتا ہے وہی قول بالا یعنی "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" ہے ۔ اگر یہ قول حضرت عمرؓ کی زبان مبارک تک نہ آیا ہوتا تو ہر مسلمان رسول اللہ کی رحلت کے بعد آنحضرت کے فرمودہ کے مطابق قرآن اور عترت رسول کا

یکسان طور پر متمسک ہوتا مگر اس قول نے بتعداد کثیر مسلمانون کو عترت رسول کے تمسک سے کنارہ کش کردیا۔ بہت تھوڑے سے مسلمان قولِ نبوی کے متمسک ہوئے اور یہ وہ لوگ تھے جو یا خود بنی ہاشم یا بنی ہاشم کے دوستدار تھے کتابون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان متمسکانِ قولِ نبوی نے متمسکانِ قولِ عمری سے اپنے کو بے لگاؤ رکھا صرف امرِ خلافت ہی مین متمسکانِ قولِ عمری کا ساتھ نہین دیا بلکہ ہر مذہبی معاملہ مین اُن سے کنارہ رہے چنانچہ جب حضرت خلیفہ اول کے وقت مین حضرت کے حکم سے قرآن جمع کیا جانے لگا تو یہ لوگ جامعانِ قرآن کی مجلسون سے علیحدہ رہے اور اسیطرح جب حضرت عمر کے وقت مین حضرت کے حکم سے اجتہادات مسائل عمل مین لائے جانے لگے تو اجتہادات کی کمیٹی سے بھی دور رہے۔ مختصر یہ ہے کہ متمسک قولِ نبوی ہونے کے سبب سے وہ قلیل التعداد اشخاص ہر امر مین صرف پیروی عترت رسول کرتے گئے۔ چنانچہ جو کچھ شرع کے احکام حضرت علیؑ بیان فرماتے تھے اُنھی کی تبعیت یہ متمسکانِ قولِ نبیؐ کیا کرتے تھے امور بالا واضح طور پر دکھلاتے ہین کہ قولِ عمری نے جو پھوٹ کی راہ رسول اللہؐ کی وفات کے قریب نکالی تھی مرور ایام سے اُس مین ترقی ہوتی چلی یہان تک کہ رفتہ رفتہ دو مذہب مسلمانون کے پورے طور پر قایم ہوگئے۔ ایک وہ جسکی ابتدا حدیث ثقلین سے ہوئی اور دوسرا وہ جس نے قول حسبنا کتاب اللہ سے آغاز پکڑا۔ جو مذہب کہ تبعیت ثقلین پر مبنی ہے وہی مذہب امامیہ ہے۔ اس لئے کہ تمسک بہ اہلبیت نبوی کا فطری نتیجہ اس کے سوا دوسرا نہین ہوسکتا ہے کہ امامانِ خاندانِ پیغمبر کے سوا کسی اور خاندان یا قوم یا مذہب کے امامون کی اقتدا کی جائے۔ اسی طرح جس مذہب کی بنا قول حسبنا کتاب اللہ پر قایم ہوئی اس کے لئے اس سے چارہ نہ تھا کہ اُس کے پیرو غیر اہلبیت کی محکومیت اختیار کرین اور تمام امور مذہبی مین ائمۂ غیر اہلبیت کے اجتہادات پر عمل درآمد رکھین پس جیسا کہ کتب فریقین سے ثابت ہوتا ہے یہ وہی مذہب ہے جو مذہب دوسری صدی ہجری مین مذہب اہل سنت کہلایا اور جس کو کسی طرح کا خس برابر بھی تعلق ائمۂ خاندان پیغمبر کے مذہب کیساتھ نہین ہے۔ ان امور کی وضاحت آیندہ ہونے کو ہے۔ جاننا چاہئے کہ جب بوضع بالا مسلمانون مین رسول اللہؐ کی وفات کے قریب پھوٹ کی ابتدا ہوئی اور اشخاص غیر بنی ہاشم بعد ازان عترت نبوی سے کنارہ کشی کرکے اجتہادات مسائل آزادی کے ساتھ کرنے لگے تب ایک مذہب حضرات اہلبیت کے مذہب سے علیحدہ قایم ہوگیا یہ مذہب حضرت عمر کی قایم کردہ اجتہادی کمیٹی کی بدولت ظہور مین آیا مگر آپ کے وقت مین اس نے کوئی خاص لقب یا نام نہین حاصل کیا اور نہ اُس کو حضرت عثمان کے عہد مین کسی طرح کا امتیازی لقب نصیب ہوا۔ اسی طرح حضرت معاویہ کے عہد خلافت مین یہ مذہب بے نام رہا۔ مگر آپ کے بعد دوسری صدی ہجری کی ابتدا مین اس مذہب کے پیروون نے اس مذہب کو السنت والجماعت کے نام سے ملقب کیا۔ اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے اس سنہ کا نام جس مین آپنے امام حسنؑ سے خلع خلافت فرمایا تھا عام الجماعت اور جس سنہ مین آپنے حضرت

علیؑ پر تبرا جاری کیا تھا اُس کا نام عام السنت رکھا۔ پس مخالفینِ عترت نبوی از قسم خوارج و نواصب و معتزلہ وغیرہ جو عہد حکومت معاویہ ابن ابی سفیان برابر علیؑ کے ساتھ دلی خلاف رکھتے چلے آئے تھے دوسری صدی ہجری میں اپنے کو اہل السنت والجماعت کہنے لگے اور یہ اس غرض سے کہ حضرت معاویہ کی صلح جو امام حسنؑ کے ساتھ عمل میں آئی تھی اور علیؑ پر تبرا کی رسم جو بعد ازآن قایم ہوئی تھی اس لقب کے ذریعہ سے فراموش ہو جائے (دیکھو تاریخ ابو الفدا جلد اول صفحہ ۲۱۲) اس زمانہ کے ناخواندہ اہلِ سُنت کو اس توجیہ سے وحشت کا پیدا ہونا خلافِ توقع نہیں ہے مگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بالا مین بیان ہوا چنانچہ اہل سنت کے عالم ابن عبد ربہ کتاب العقد مین فرماتے ہین کہ لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنُ مُعَاوِيَةَ سُمِّيَ ذَالِكَ الْعَامُ عَامَ الْجَمَاعَةِ یعنی جب امیر معاویہ نے امام حسنؑ سے مصالحہ کیا تو اُس سنہ کا نام سنہ جماعت رکھا۔ پھر تاریخ الخلفا صفحہ ۱۳۶ مین علامہ جلال الدین سیوطی رقم فرماتے ہین کہ فَاسْتَقَرَّ فِيهَا (فِي الْخِلَافَةِ) مِنْ رَبِيعِ الْآخِرِ اَوْ جُمَادِي الْاُولٰى فِي سَنَةِ اِحْدٰى وَّ اَرْبَعِيْنَ فَسُمِّيَ هٰذَا الْعَامُ الْجَمَاعَةَ لِاجْتِمَاعِ الْاُمَّةِ فِيْهِ عَلَى الْخَلِيْفَةِ وَاحِدٍ یعنی حضرت معاویہ نے خلافت پر قرار پکڑا ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ سے پس آپ نے اُس سنہ کا نام سنہ جماعت رکھا۔ اس لئے کہ اب اُمت کا اجتماع خلیفہ واحد پر ہوگیا۔ اسی طرح عام السنت کی تحقیق یون ہوتی ہے کہ علامہ یحیی بن الحسن القرشی اپنی کتاب منہاج التحقیق مین تحریر فرماتے ہین کہ اِنَّ مُعَاوِيَةَ حِيْنَ مَنَّ سَبَّ عَلِيًّا سُمِّيَ ذَالِكَ الْعَامُ عَامَ السُّنَّةِ یعنی حضرت معاویہ نے جس سنہ مین علیؑ پر تبرا جاری کیا اس کا نام آپ نے سنہ سنت رکھا اور اسی سنت سے اہل سنت نے نام پکڑا۔ اسی طرح حسن سہیل نے کتاب انوار البدایہ مین اسی تحریر کا اعادہ کیا ہے اور یہی شیخ العسکری کتاب الرواج مین فرماتے ہین کہ اِنَّ مُعَاوِيَةَ سُمِّيَ ذَالِكَ الْعَامُ عَامَ السُّنَّةِ یعنی حضرت معاویہ نے اُس سنہ کا نام سنہ سنت رکھا۔ المختصر یہ نام اہل سنت والجماعت حضرت معاویہ کے دو سال کے نامون سے مرکب ہے مگر ہزاران ہزار بیچارے ایسے اہل السنت و الجماعت اسوقت مین موجود ہین جو اپنے مذہب پاک کی وجہ تسمیہ سے بالکل بیخبر ہین۔

معاملات قرآنی

واضح ہو کہ جناب رسالتمآب نے حدیث ثقلین کی رو سے تمام مسلمانون کو قرآن اور اہلبیتؑ کیساتھ متمسک ہونے کیواسطے تاکید اکید کیساتھ فرمایا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے صرف قرآن کیساتھ متمسک ہونیکو کافی سمجھا۔ اب اہل اسلام دیکھین کہ خود قرآن کیساتھ متمسکانِ قرآن کس نہج سے پیش آئے عہدِ حضرت ابوبکرؓ مین حکم حضرت سے قرآن جمع کیا گیا۔ اس کام کے لئے خلافت اولیٰ کی طرف سے زید بن ثابت۔ ابی ابن کعب وغیرہ واسطے جمع کرنے قرآن کے مقرر کئے گئے۔ چنانچہ ان حضرت نے قرآن کو جمع فرمایا۔ یہی جمع کردہ قرآن حضرتِ بالا کا مسلمانون مین عہد شیخین تک مروج رہا مگر جب زمانہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آیا تو آپ نے چند

اشخاص کے ذریعہ سے قرآن کی تصحیح و ترتیب از سر نو فرمائی - اس تصحیح و ترتیب سے نہ صرف مقدم آیتین سابق
کے نسخہ ہائے قرآن کی مؤخر مین داخل ہوگئین بلکہ یہ بھی کہ بہت سی مدنی آیتین مکی آیتون مین اور مکی آیتین
مدنی آیتون مین جا ملین بلکہ کچھ الفاظ کے ترک سے منصوصی حیثیت علی مرتضیٰ اور آل محمد کی بھی جاتی رہی -
لاریب اہل بیت نبوی کی حیثیت کا یہ نقصان حضرت عمرؓ کے قول "حسبنا کتاب اللہ" کا معین تو ہوا لیکن ایسے
نقصان قرآنی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہین - کوئی شک نہین کہ ایسے متروکات سے قرآن کے ظاہری کمال
مین نقص آگیا عقل صحیح کے نزدیک یہ ترتیب عثمانی ہرگز مکمل نہین سمجھی جا سکتی ہے - واضح ہو کہ حضرت عثمانؓ
نے قرآن کی تصحیح و ترتیب کا حکم اس بنیاد پر دیا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے نسخہ ہائے قرآن مین جو اختلافات قرآنی
وغیرہ پائے جاتے تھے تصحیح و ترتیب سے مٹ جائین گے وہ اختلافات تو مٹ گئے - مگر حضرت علی اور آل
محمد ایسی کارروائی سے بہ اسباب ظاہر بڑے گھاٹے مین پڑ گئے - قرآن کی تصحیح و ترتیب کے لیئے زید
بن ثابت - عبد الرحمن بن زبیر - سعید بن العاص - اور عبد اللہ بن الحارث بن ہشام مقرر کیئے گئے تھے -
اور ان حضرات کو علی کیساتھ کھلے طور پر عداوت تھی اختلافات قرأت کی بنیاد پر ان حضرات نے لفظ آل محمد
اور بھی علی کے نام کو جو چند مقام پر داخل قرآن تھا قرآن سے خارج کر دیا - بلا شبہ یہ امر بھی قول عمری کی طرح حدیث
ثقلین کی تاثیر کو مٹانے والا ثابت ہوا اس واسطے کہ جب علی اور آل محمد کی منصوصی حیثیت باقی نہین رہی تو
آئندہ آپ حضرات کیساتھ کیون کوئی متمسک ہونے لگا - چنانچہ حضرت معاویہ اور حضرت کے صاحبزادے
اور دیگر اشخاص بھی جو آپ صاحبون کے اندازہ و مذہب کے تھے حضرت علیؑ - امام حسنؑ - امام حسینؑ کے کبھی
متمسک نہوئے - جائے لحاظ ہے کہ قول "حسبنا کتاب اللہ" کی بدولت دو امر بزرگ مین سے ایک
امر بزرگ یعنی تمسک بہ اہل بیت تو متروک ہو ہی چکا تھا - اب دوسرا امر بزرگ جو قرآن تھا اس مین اس
طرح کی کتر بیونت کی گئی کہ رسول اللہ کے بعد علی جو اہل بیت کے سردار تھے اُن کی منصوصی سرداری یا امامت
معرض نزاع ہو گئی - عموماً اہل سنت یہی لکھتے ہین کہ قرآن مین تو نام کسی اہل بیت کا نہین دیکھا جاتا ہے پھر
امامت یعنی سرداری علی کی یکسی اور اہل بیت کی کیونکر قرآن سے ثابت ہو سکتی ہے - اب مین دکھلانا چاہتا
ہون کہ حضرت عثمان کے وقت مین ایسے قرآنی انقلابات پیدا ہوئے کہ جو علی مرتضیٰ منصوصی سرداری کو امت
محمدی سے نزاعی بنانے والے ہو گئے - واضح ہو کہ عہد آنحضرت مین آیہ بلّغ پارہ ۶ رکوع ۱۴ کی قرأت یون
ہوئی تھی یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اَنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ الخ یہ ٹکڑا اَنَّ عَلِیًّا
مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کا قرآن موجودہ سے خارج کر دیا گیا - اس ترک کا پورا پتہ تفاسیر قرآن سے لگتا ہے (دیکھو
درمنثور تفسیر علامہ جلال الدین سیوطی و کتاب مفتاح النجا مرزا محمد ابن معتمد خان بدخشانی) اسی طرح مفسرین لکھتے
ہین کہ قرأت ابن مسعود مین کَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ کے بعد بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کا ٹکڑا داخل تھا
چنانچہ اسی درمنثور اور مفتاح النجا مین ایسا ہی لکھا ہوا ہے - پھر ثعلبی اپنی تفسیر مین اپنے اُستادانی داخل

سے روایت کرتے ہین کہ ہم نے مصحف عبداللہ بن مسعود کو جو پڑھا تو آیہ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِيْنَ مین آل عمران کے بعد آل محمد کا لفظ موجود تھا - اس سے معلوم ہوا کہ مصحف ابن مسعود کے وجود تک یہ لفظ آل محمد کا داخل قرآن تھا اور قرآن کے پڑھنے والے اس کو پڑھا بھی کرتے تھے - مگر تعجب ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت کے کارکنان نے اُس لفظ کو نامعتبر سمجھا اور اُسے قرآن سے خارج کر دیا - کیا علیؑ اور آل محمد کے الفاظ کے نکال ڈالنے پر قرآن کی تصحیح موقوف تھی - اہل انصاف خود اس کی تجویز کرلین - راقم کو اس سے زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہین ہے مگر جو روز سیاہ ابن مسعود کو اس قرآنی قضیہ مین پیش آیا وہ نہایت ملال انگیز ہے جب اس جلیل القدر صحابی نے اپنے نسخۂ قرآن کو حضرت عثمان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا تو خوب اُن پر مار پڑی (دیکھو نہایۃ العقول امام فخر الدین رازی اور نجاۃ المومنین ملا محسن کشمیری کی اور بھی معارف ابن قتیبہ) ہائے بیچارے ابن مسعود قرآن کا قرآن گیا اور بدن کی عزت الگ ہوئی - ان بیرحمانہ کارروائیون کا جواب ابن مسعود کیا دے سکتے تھے مار کھا کر چپ ہو رہے - مگر جب ایسی ہی ناروا کارروائی حضرت عائشہ ام المومنین کے والد بزرگوار کے قرآن کے ساتھ ہونے لگی تو حضرت ام المومنین نہایت غضبناک ہوئین اور حضرت خلیفہ کی شان مین جو کچھ ارشاد فرمایا راقم کو اس کے اعادہ کی حاجت نہین ہے - مگر ایسی زبانی خفگی سے کیا ہوتا ہے حکم حضرت خلیفہ سے آپ کے والد بزرگوار کا قرآن بھی ابن مسعود اور دیگر اشخاص کے نسخہ ہائے قرآن کے ساتھ خاک کی برابر کر دیا گیا - علامہ قوشجی نے کتاب شرح تجرید مین حضرت ابن مسعود کے اس قرآنی معاملہ کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اُسکے امر واقعی ہونے مین کوئی شک و شبہ نہین ہے - یہ امر قابل لحاظ ہے کہ رفع اختلافات قرآنی جو عمل مین لایا گیا تو بغرض خارج کر دینے نام "علی" و لفظ "آل محمد" کے عمل مین لایا گیا اس سے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کی ساری قرآنی کارروائیون کا مطلب یہی تھا کہ علیؑ اور آل محمد کی خصوصی حیثیت زائل ہو جائے جس سے سردار بنی ہاشم یعنی علیؑ اور جانشینان علیؑ کی امامت رسول اللہ کے بعد کسی وقت مین قائم نہ ہو سکے اہل انصاف کے نزدیک یہ ساری قرآنی کارروائیان حضرت عثمان کے مقصد درج ہونے کے سوا اور کیا معلوم ہو سکتی ہین اور حضرت عثمان پر سے رفع الزام کرنے کی نظر سے جو ایسے الفاظ مثلاً "قرأت شاذہ" "منسوخ التلاوت" و "بعنوان التفسیر" گڑھے گئے ہین - اہل انصاف کی نظر مین عذر گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتے ہین - نہایت جائے افسوس ہے کہ یہ الفاظ پاک قرآن سے بدر کر دئے گئے اگر حضرت عثمان اُن الفاظ کو جو پیغمبر خدا کے وقت سے قرآن مین چلے آتے تھے اپنی اپنی جگہ پر رہنے دیتے تو مسئلہ امامت کبھی نزاعی مسئلہ نہ ہو جاتا اور پیروان اسلام ایک بڑی گمراہی سے مامون رہ جاتے پس اخراج الفاظ بالا سے جو نتیجہ اس دنیا مین پیدا ہوا اور جس کو اہل انصاف اپنی نظرون سے دیکھ رہے ہین بلا شبہ نہایت افسوسناک ہے ظاہر ہے کہ قرآن سے اُن الفاظ گرامی کا نکالدینا تمام تر اہل خلاف

کے لئے مبنی بر مصلحت تھا۔ یہ مصلحت کی راہ حضرت عثمانؓ کو خود سوجھی ہو یا سجھائی گئی ہو اس کی راقم کو کوئی اطلاع نہیں ہے۔ مگر قیاس راقم یہی ہے کہ یہ راہ آپ کو سجھائی گئی تھی۔ آپ کے ساتھ کچھ ایسے ذی بین اشخاص رہا کرتے تھے جو اہلِ بیتِ نبوی سے قطعی عداوت رکھتے تھے۔ اگر مروان کی ترکیب سے آدمیوں نے یہ راہ سجھائی ہو تو عجب نہیں۔ خیر حقیقتِ حال جو کچھ ہو مگر ایسی کارروائی خلافتِ ثالثہ کی بڑی مصلحت بینی سے خبر دیتی ہے۔ بلاشبہ یہ ساری قرآنی کارروائیاں حضرت عثمان کے عہد کی قول "حسبنا کتاب اللہ" کی تکمیل کی غرض سے عمل میں لائی گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے "حسبنا کتاب اللہ" فرما کر اہلِ بیتِ نبویؐ کے تمسک سے کنارہ کشی کی راہ سجھائی تھی۔ مگر اہلِ بیتِ نبوی کے ذکر سے خود قرآن خالی نہ تھا۔ قرآن تمسک اہلِ بیتؑ کی ہدایت کھلے طور پر صاف صاف لفظوں میں کرتا تھا پس جب تک قرآن سے وہ الفاظ پاک خارج نہ کر دیے جاتے تو قول "حسبنا کتاب اللہ" کی تعمیل آسان طور پر عمل میں نہیں آسکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اہلِ بیتِ نبویؐ کی منصوصی حیثیت مجرد قولِ حضرت عمرؓ سے زائل ہونے والی نہ تھی۔ مگر جب لفظ آلِ محمد اور نام علیؑ سے قرآن خالی کر دیا گیا تو قولِ بالا کو پورا فروغ حاصل ہو گیا یعنی اس قرآنی کارروائی کی بدولت اہلِ بیتِ نبوی سے پوری کنارہ کشی کا سامان بہم ہو گیا اور واقعی امر بھی یہی ہے کہ چونکہ عترتِ نبوی اور قرآن دست و گریبان کا حکم رکھتے ہیں قرآن سے اُن کو جدا کیے بغیر قولِ عمری کی تعمیل امکان نہیں رکھتی تھی المختصر عہدِ حضرت عثمان میں حضرت عمرؓ کی اُس ارشاد کا تکملہ ہو گیا جو رسول اللہ کے وقتِ آخر میں الفاظ حسبنا کتاب اللہ سے ظاہر ہوا تھا۔ اب اہلِ انصاف خود تجویز فرمالیں کہ ان سب کارروائیوں سے شانِ اہلِ بیتِ نبویؐ کی تنقیص عمل میں آئی یا نہیں۔ راقم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کارروائیوں سے اہلِ بیتِ نبوی کی منصوصہ بڑی تنقیصِ شان ہوئی بلکہ جتنی مصیبتیں اُن حضرات پر رحلتِ آنحضرت کے بعد آئی گئیں۔ اُن کا اصلی سبب وہی "حسبنا کتاب اللہ" ہوا اور جس کی پوری تائید حضرت عثمانؓ کے قرآنی معاملات سے عمل میں آئی۔ از سبب ان قولی اور فعلی کارروائیوں سے علیؑ اور جانشینانِ علیؑ کی سرداری یعنی اُن کی امامت کا مضمون عامہ مسلمانان کے دماغ سے جاتا رہا۔ پس جب امامت کوئی نصّی شے باقی نہیں رہی تو خاندانِ پیغمبر کے اماموں کے ساتھ درشتی، بے ادبی، اور بے رحمی سے مسلمانانِ وقت کا پیش آنا ہرگز تعجب انگیز متصور نہیں ہو سکتا۔ تمسک بہ اہلِ بیتِ نبوی کے مضمون کے گاؤ خورد ہو جانے اور قرآن سے آلِ محمد و علیؑ کے ذکر کو دور کر دینے کے بعد اہلِ بیتِ نبوی کے ساتھ مسلمانوں کی جانب سے ہر طرح کا سلوکِ بد امکان رکھتا تھا جیسا کہ واقعی اوقاتِ مختلفہ میں ظہور پکڑتا گیا۔ یہ کوئی مبالغہ کی بات نہیں ہے جو یہ کہا جائے کہ اگر دو ہزار حسینؑ دنیا میں ہوتے تو ایسی تعلیمات کے بعد مسلمانانِ وقت دو ہزار بار واقعہ کربلا کے مرتکب ہو سکتے۔ مگر چونکہ حسینؑ ایک ہی تھے اس لئے واقعہ کربلا بھی صرف ایک بار ظہور میں آیا۔ اگر بہ تقاضائے حدیثِ ثقلین تمسکِ اہلِ بیتِ نبوی ایک ضروری امر مانا جاتا اور

حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی مخصوصی حیثیت مین زوال نہ ڈالا جاتا تو جو واقعات اُن حضرات اور اُن کے جانشینان کو مسلمانانِ وقت کے ہاتھون پیش آتے گئے ہرگز ہرگز پیش نہ آسکتے ساری آفتین جو ائمہ خاندان پیغمبرؐ پر آئین اس کا سبب یہی ہوا کہ وہ حضرات معصومین قابل تمسک اور ائمہ منصوصین نہ سمجھے گئے بنی ہاشم اور دوستداران بنی ہاشم کے سوا اُن حضرات منصوصین کو عامہ مسلمانان اُس زمانہ کے اور مابعد زمانون کے تقاضائے تعلیم سے لاشے جانتے تھے اور واجب الاطاعت نہین سمجھتے تھے جیسا کہ آیندہ آتا ہے - اگر مسلمانانِ وقت اُنھین واجب الاطاعت سمجھتے ہوتے تو حضرت معاویہ جناب علیؑ ابن ابی طالب سے صف آرائیان نہ کرتے نہ جناب امام حسنؑ سے خلع خلافت کراتے اور نہ آپ کے صاحبزادے حضرت یزید رضی اللہ عنہ جناب امام حسینؑ سے بیعت کے خواستگار ہوتے - لاریب اسی قول ”حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ“ اور حضرت عثمان کے معاملاتِ قرآنی کی بدولت اہل بیت نبوی کی کوئی وقعت باقی نہین رہی تھی - حتیٰ کہ علمائے اہل سنت اُن کو جایز الخطا جاننے لگے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ حضرت علیؑ کی نسبت لکھتے ہین کہ آپ نے سترہ چیزون مین خطا کی - مولوی عبدالعلی صاحب بحر العلوم حضرت سیدہ صلوات اللہ علیہا و ابیہا کو خطاوار قرار دیتے ہین - شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین مین علی مرتضیٰ کی فقہی غلطی بتاتے ہین - امام غزالی حسنین علیہما السلام کے ذکر مصائب و شہادت کو حرام ٹھیراتے ہین - اور ابو شکور سلمی شرح عقائد نسفی صفحہ ۷۱ مین لفظ لِمَ یُقْتَلُ الْحُسَیْنُ کے حاشیہ پر یہ فرماتے ہین کہ امام حسینؑ پر یزید کی بیعت واجب تھی عبارت عربی کی یہ ہے - اِنَّ طَاعَتَہٗ کَانَتْ وَاجِبَۃً عَلَی الْحُسَیْنِ وَجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ اور اپنی اس تحریر پر دلیل پیش کرتے ہین کہ یزید کی خلافت بہ استخلاف معاویہ تھی یعنی حضرت یزید کو حضرت معاویہ نے خلیفہ بنایا تھا اور صحابہ اور غیر صحابہ نے یزید کی متابعت کی تھی - جاننا چاہیے کہ استخلاف غیر امامیہ کے نزدیک شروطِ خلافت سے ہے اور یہ ایک ایسی جید شرط ہے کہ اسی شرط کے مطابق حضرت عمر ابن الخطاب باعتقاد اہل سنت حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ کے خلیفہ برحق قرار پائے تھے - ترکِ تمسک اہل بیت اور تبعیت قول ”حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ“ سے اس کے سوا اور کیا نتیجہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ابو شکور جیسے عالم اہل سنت نے حضرت یزید کی بیعت کو امام حسینؑ پر واجب گردانا - کیون آسمان ٹوٹ کر تارکانِ تمسک اہل بیت پر نہین گر پڑتا - ہان ظلم کی رسی دراز ہوتی ہے - مگر ایک وقت خدائے تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا آئے گا تب معلوم ہو جائے گا کہ حضرت یزید واجب الاطاعت تھے یا جناب امام حسینؑ - یون جو کوئی جو کچھ چاہے حضرات اہل بیت کے حق مین کہہ لے - مگر منتقم حقیقی ناپید نہین ہو گیا ہے - وہ زمانہ بہت دور نہین ہے کہ ہر شخص کو اُس کے فعل و قول کی مکافات ملے - اللہ اکبر یہ وہ اہل بیتؑ ہین کہ داخلِ قرآن ہونے کی وجہ سے مخصوصی حیثیت رکھتے ہین اور جن کی نسبت جناب پیغمبر خدا احدیث ثقلین مین دو امر بزرگ مین سے ایک امر بزرگ خود اُن کو فرمایا ہے اور اُن کی نسبت

اُسی حدیث مین یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن واہلبیتؑ ایسے ہین کہ یہ دونون ایک دوسرے سے متفرق اُسوقت تک نہونگے جب تک کہ وہ دونون حوض کوثر پر وارد نہولین۔ قول نبوی یہ ہے وَاِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَىَّ الْحَوْضَ اس قول پاک کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور اہلبیتؑ نبوی ایسے دو امر بزرگ ہین کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہونگے چہ در دُنیا وچہ در آخرت۔ مگر فرمودہ نبویؐ کی اس دُنیا مین اس طور پر تعمیل کیگئی کہ اہلبیتؑ بالکل متروک کر دیے گئے اور صرف قرآن کے ساتھ تمسک کافی سمجھا گیا پھر قرآن سے بھی لفظ آل محمدؐ اور علیؑ کے نام کو خارج کر دینا قرین مصلحت سمجھا گیا۔ واہ کیا خوب حکم نبوی کی تعمیل کی گئی۔ اے سبحان اللہ من چہ سے گویم و تنبورہ من چہ مے سراید۔ اب سُنئے کہ تمسک بالقرآن کا سرگمان جا پہنچا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ نسخہ ہائے قرآنی کے احراق کے بعد حضرت معاویہ نے قرآن کا مصرف یہ نکالا کہ اُس کے سیکڑون نسخون کو جھنڈون پر آویزان کیا اور حضرت کے بعد ولید نے قرآن مجید کو تیر باران کیا۔ ؎ خشت اوّل چون نہد معمار کج ✤ تا ثریا مے رود دیوار کج ✤ واضح ہو کہ قرآن مین دست اندازیون کے قائل حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی دیکھے جاتے ہین۔ آپ فرماتے ہین کہ بہت سا قرآن سے جاتا رہا ہے کما قال ابن عمرؓ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ قَدْ اَخَذْتُ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ مَا يُدْرِيْهِ مَا كُلُّهٗ قَدْ ذَهَبَ مِنْهُ كَثِيْرٌ۔ یہ تو قرآن پاک کی سرگذشت ہے دست اعدا سے نہ اہلبیت نبوی بچے اور نہ قرآن مجید۔ مگر کیا کیا جائے جس قدر اور جس وضع پر اس وقت قرآن مجید موجود ہے اسی کو سُنی اور شیعہ گلے لگائے ہوئے ہین۔ راقم بھی اس قرآن کو اپنا ہادی جانتا ہے لیکن اگر علیؑ مرتضیٰ کا جمع کردہ قرآن یا منزلاً ابن مسعودی کا قرآن دستیاب ہوسکتا تو راقم کو قرآن موجود سے آزاد ہوجانا پڑتا۔ راقم کی تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن موجود مین کوئی شئے افزود نہین کی گئی ہے۔ اس وقت جس قدر قرآن وجود رکھتا ہے یہ سب کا سب قول خدا ہے قول البشر نہین ہے۔ مگر اس مین بھی شک نہین کہ قول خدا ناتمام ہے جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ وہ حضرات جو کہتے ہین کہ قرآن کا حافظ خود خدا ہے اس مین کوئی شک نہین کہ قرآن کا حافظ خدا ہے مگر ضرور نہین کہ نقوش کتابی کا بھی حافظ خدا ہو اگر نقوش کتابی کا بھی بالضرور حافظ خدا ہوتا تو ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا عہد حضرت عثمان ابن عفان مین نہ جلایا جاسکتا اور نہ اُس کے بعد کبھی قرآن کے نقوش کتابی کو کسی طرح کا آسیب پہنچ سکتا۔ حال مین ایک کافر نے کسی مسجد مین گھس کر ایک نسخہ قرآن کو جلا ڈالا ہے اگر بالضرور نقوش کتابی کا حافظ خدائے تعالیٰ ہوتا تو اُس عاقبت برباد سے ایسا فعل قبیح صادر نہ ہوسکتا پس جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ قرآن کا حافظ ہے مگر ضرور نہین کہ نقوش کتابی کا بھی حافظ ہو۔ قرآن قول خدا ہے اور علم خدا مین محفوظ ہے اور کوئی شئے ماسوا ایسی نہین ہے کہ اس کی حفاظت مین اپنے فعل سے خس برابر بھی کمی کرسکے جس کے باعث کسی طرح کا نقص قرآنی پیدا ہوسکے۔ آخر مین راقم کا یہ عرض کر دینا خلاف محل نہ ہوگا کہ قول

"حَسْبُنَا کِتَابُ اللهِ" کس اعلیٰ درجہ کا پولٹیکل وزن رکھتا ہے۔ اللہ اکبر اس قول نے کیا کیا پولٹیکل نتائج تاریخ عرب میں پیدا کیے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر یہ قول حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے لب مبارک تک نہ آیا ہوتا تو اس وقت عرب کی تاریخ نہ صرف تمدن بلکہ مذہب کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے رنگ کی دکھائی دیتی۔ حق یہ ہے کہ قابل آدمی دنیا میں کیا نہیں کر سکتا ہے۔ امر واقعی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کی پولٹیکل قابلیت اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان گو ایک بہت بڑے مدبر ذہین اور فطین بزرگ تھے مگر حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے پولٹیکل دماغ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے یہ حضرت عمرؓ ہی کا کام تھا کہ صرف ایک مختصر قول سے جناب رسول اللہ کی حدیث ثقلین کو بے اثر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی ہاشم باوجود اس کے کہ عہد رسول اللہ میں بہت کچھ قدر و منزلت حاصل کر چکے تھے نہایت آسانی کے ساتھ حکومت سے دور کر دیے گئے اور پھر انھیں کبھی دنیا میں فروغ حاصل نہ ہوا۔

معاملۂ فدک

خلافت کے قایم ہونے کے تھوڑے ہی روز کے بعد بی بی فاطمہؓ کو دار القضا میں فدک کے مقدمہ کی تقریب سے جانا پڑا۔ جاننا چاہیے کہ فدک صوبہ حجاز کا ایک ایسا علاقہ ہے جو مدینہ سے دو تین روز کی راہ پر واقع ہے صاحب صراح لکھتے ہیں کہ فدک خیبر کا قریہ ہے۔ واضح ہو کہ خیبر داخل حجاز ہے پس اس رو سے فدک کا قریہ حجاز ہونا نہایت درست ہے۔ پہلے یہ قریہ کفار خیبر کی ملک تھا مگر ان سے مصالحہ کے بعد رسول اللہ کے قبضہ میں چلا آیا اور رسول اللہ کا خالصہ قرار پایا شرح ابن الحدید جلد ۴ صفحہ ۲۹۲ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو فدک کے مال نبی ہونے سے انکار تھا مگر جمیع مفسرین کہتے ہیں کہ فدک رسول اللہ کا مال تھا اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ یہ ایسا ہی تھا۔ آخر اتفاق مفسرین بھی کوئی شے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جمیع مفسرین کے اتفاق کی کیا صورت ہوتی۔ بہر حال ایک نہایت آباد اور زرخیز قریہ تھا۔ اس میں چشمے اور باغات وغیرہ بہت تھے اور جناب رسول اللہ کو اس سے ایک اچھی صورت آمدنی کی تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ رسول مقبول امیروں کی طرح زندگی بسر نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کی وافر آمدنی سے محتاجوں کے بہت سے کام نکلتے تھے رسول اللہ نے اپنے حین حیات اس قریہ کو بحکم قرآنی "وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ" حضرت بی بی یعنی صاحبزادی صاحبہ صلوات اللہ علیہا و ابیہا کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس رو سے حضرت سیدہ اس قریہ پر قابض تھیں تفسیر درمنثور سیوطی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فدک کا قریہ از روئے مصالحہ کے رسول اللہ کے قبضہ میں آیا۔ تب جبرئیل علیہ السلام یہ آیت بالا لیکر نازل ہوئے اور رسول اللہ سے عرض کی کہ فدک کو اپنے عزیزوں کو دیدیجیے۔ آنحضرت نے پوچھا کہ عزیز کون۔ جبرئیل نے کہا کہ فاطمہ و حسن و حسین۔ جناب رسالتمآب نے

حکم خدا کی تعمیل کی اور فدک کو تحریر ہبہ کے ذریعہ سے جناب فاطمہؑ کے قبضہ میں دیدیا (دیکھو مدارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۲۲۱ و حبیب السیر و روضۃ الصفا صفحہ ۱۳۵ جلد ۲)۔ اگر جب خلافت حضرت ابوبکرؓ پر قرار پائی تو خلیفہ صاحب نے اُسے ضبط کر لیا کتب بالا کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک کی ضبطی کیوقت فدک حضرت سیدہ کے قبضہ میں تھا۔ جواہر العقدین کی روایت کے الفاظ سے بھی صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ قبضۂ حضرت سیدہ سے فدک لیا گیا۔ بہرحال جب ازالۂ قبضہ میں حضرت سیدہ نے اس بے دخلی کی نسبت یہ جتلایا کہ میرے والد ماجد نے مجھے علاقہ ہبہ کر دیا ہے تو حضرت ابوبکرؓ جو فطرتاً ایک نیک مزاج آدمی تھے نہایت آشتی سے بولے کہ میرا یہ گمان تھا کہ آپ میراث کی حیثیت سے اس کی دعویدار ہوئی ہیں درحالیکہ قول رسول اللہ کا یہ ہے کہ نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ، یعنی ہم گروہ انبیا میں وراثت کوئی شے نہیں ہے ہم جو ترکہ چھوڑ جاتے ہیں صدقہ کا حکم رکھتا ہے مگر ایسی صورت میں کہ تمہارے باپ تم کو یہ علاقہ اپنی حیات میں ہبہ کے طور پر دے گئے ہیں تمہارا قبضہ اس پر ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ کہکر حضرت خلیفہ ردِ فدک کے بارے میں کوئی تحریری حکم دینا چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خلیفہ کو ایسی تحریر سے منع کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ ایک عورت سے زیادہ نہیں ہے یعنی جس طرح سب عورتیں ہیں فاطمہؑ بھی ایک عورت ہے اُس سے گواہ طلب کیجئے اس پر حضرت بی بی نے اپنے شوہر حضرت علیؑ اور اُم ایمن اور اسماء بنت عمیس کو گواہی میں پیش کیا۔ ان شخصوں کی گواہی پر حضرت خلیفہ نے ردِ فدک کا تحریری حکم صادر فرمایا جب اسکی خبر حضرت عمرؓ کو ہوئی آپ نے حضرت خلیفہ کے ہاتھ سے اس تحریری حکم کو چھین کر چاک کر ڈالا۔ (دیکھو شرح ابن الحدید جلد ۴ صفحہ ۵۵ ۱۰۳) اور یہ فرمایا کہ فاطمہؑ علیؑ کی زوجہ ہے۔ علیؑ کی گواہی کیونکر قابل پذیرائی ہو سکتی ہے علیؑ جب کہینگے تو اپنے نفع کی کہیں گے باقی رہیں دو عورتیں اُن کی گواہی ناکافی متصور ہے جب حضرت سیدہؑ نے حضرت عمرؓ کی یہ تقریر سنی تو آپ نے فرمایا کہ اے صاحبو آپ رسول اللہ سے سن چکے ہیں کہ یہ دونوں بی بیاں اہل جنت سے ہیں پس اُن سے دروغ گوئی عمل میں نہیں آسکتی ہے لیکن حضرت سیدہ کا یہ جواب پذیرا نہ ہوا فدک آپ سے لیلیا گیا۔ اس وقت حضرت سیدہ نے ان لفظوں میں فریاد کی کہ یَا اَبَتَاہُ یَا مُحَمَّدَاہُ اور اس کے بعد آپ اپنے گھر کو واپس گئیں۔ اس قصہ کے تھوڑے ہی دن بعد آپ افراطِ شکستگی قلب سے بیمار ہوئیں اور ارباب زمانہ کی طرف سے کمال بیزاری کی حالت میں رحلت فرما گئیں۔ صحیح بخاری جزو خامس اور صحیح مسلم کے جزو ثالث میں مسطور ہے کہ اس فدک کے معاملہ کے بعد حضرت سیدہ حضرت ابوبکرؓ سے بہت آزردہ ہوئیں اور بالکلیہ حضرت خلیفہ سے قطع تعلق فرمایا اور اپنی بقیہ زندگی اُن سے بات نہ کی اور جب حضرت سیدہ نے ودیعت حیات فرمائی تو حضرت امیر علیہ السلام نے آپکی وصیت کے مطابق آپکی نعش مبارک کو رات کے وقت دفن کیا اور اسکی خبر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو نہ دی۔

لفظِ "غضبت" پر رائے

واضح ہو کہ حدیث بخاری میں لفظ "غضبت" دیکھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں غضبناک ہوئیں بلاشبہ یہ محل غضبناک ہونے کا تھا۔ اس لئے کہ فدک آپ کے خیال کی رو سے آپ کا مال تھا جو خلافت اولیٰ کی طرف سے لے لیا گیا۔ مگر نہایت جائے شرم ہے کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے سیف المسلول میں "غضبت" کے معنی "ندمت" یعنی شرمندہ ہوئیں لکھ دیا ہے یہ شرمندگی کا کیا محل تھا حضرت سیدہ فدک کو اپنا مال سمجھے ہوئے تھیں اور اپنے مال کی واپسی کی نظر سے دارالقضا میں دعویدار ہوئی تھیں حضرت علیؑ اور دیگر گواہان نے بھی آپ کے دعوے کو حق سمجھ کر آپکی طرف سے گواہیاں دی تھیں۔ آئندہ بھی اہالیان خاندانِ پیغمبر فدک کو مال فاطمہؑ جانتے رہے اور اسی لئے عمر ابن عبدالعزیز خلیفۂ بنی امیہ اور بھی چند دیگر خلفائے بنی عباس ردِ فدک کرتے رہے ہیں۔ المختصر کہیں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ اور اولادِ فاطمہ فدک کے چھن جانیکو کوئی امر قرین حق مانتی تھی ایسی صورت میں بی بی فاطمہؑ اگر حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہو کر ان پر غضبناک ہوئیں تو یہ امر خلاف عقل نہیں ہوا کس واسطے کہ جب کوئی آدمی کسی سے نہایت ناراض ہوتا ہے تو غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے نہ کہ شرمندگی کا۔ بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ نے حضرت ابوبکرؓ سے ترک کلام کر دیا۔ اسی طرح شرح ابن الحدید جلد ۴ صفحہ ۹۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ نے بوقت وفات یہ وصیت فرمائی کہ ابوبکرؓ آپ کے جنازے کی نماز تک نہ پڑھنے پائیں۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ حضرت ابوبکرؓ پر غضبناک ہوئی تھیں آپ حضرت ابوبکرؓ کے مقابلہ میں کسی طور پر شرمندہ نہیں ہوئیں قاضی ثناء اللہ صاحب کو ایسے بد قرینہ معنی گھڑنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپکو چونکہ اس قول نبوی سے اطلاع تھی کہ فاطمہؑ کا ایذا دینے والا خدا اور رسولؐ کا ایذا دینے والا ہے۔ آپ کو اس کی ضرورت ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ کے وفور محبت میں "غضبت" کے معنی "ندمت" قرار دیں۔ الامان۔ الامان اللہ تعالیٰ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے اناپ شناپ معنی گھڑنے والوں سے بچائے۔ اہل انصاف دیکھیں کہ بھلا "غضبت" کے معنی "ندمت" کیونکر ہو سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ قاضی صاحب نے "غضبت" کے ایسے بے محل معنی گھڑنے سے مذہب اہل سنت کا بڑا کام نکالنا چاہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر "غضبت" کے معنی "ندمت" قرار پا جائیں تو اس سے صاف طور پر ثابت ہو سکے گا کہ حضرت سیدہ نے فدک کی نسبت ایک دعوے باطل پیش کیا تھا جس کے ہار جانے پر آپ کو ندامت لاحق ہوئی۔ مگر دروغ کو فروغ نہیں ہو سکتا ہر انصاف پسند یہی سمجھتا ہے کہ حضرت سیدہ حضرت ابوبکرؓ سے غیظ و غضب کے ساتھ کنارہ کش ہوئیں اور تا دم آخر ان سے بیزار اور کنارہ کش رہیں حتیٰ کہ اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد چھ مہینے کے اندر نہایت دلشکستگی کی حالت میں سفر آخرت اختیار کر گئیں۔ نہایت جائے

حیف ہے کہ وہ حضرات علما جو ضرورتِ مذہبی سے، قوگری کا مشغلہ رکھتے ہین الغرض آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کی مرمت اپنے مطلب کے مطابق کیا کرتے ہین، اکثر توہین آلِ محمدؐ گوارا کر جاتے ہین۔ یہان قاضی صاحب نے معنی "غضبت" کو "ندامت" بناکر کیسی سخت بے ادبی حضرت سیدہ کی شان مین کی ہے اس معصومہ کو ناحق شناس مدعیہ دعوے باطل حریصہ طماعہ وغیرہ وغیرہ قرار دیا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اس طرح کے معنی گھڑنے والون کی کمی علمائے اہلِ اسلام مین نہین ہے۔ ایسے مضامین آفرین حضرات نہایت کشادہ پیشانی کیساتھ واقعات کشی کرتے ہین دیدہ و دانستہ مطالبِ قرآنی کو فوت اور ارشادات نبویؐ کو غتربود کر ڈالتے ہین۔ ایسی ایسی کارروائیون سے آلِ محمدؐ پر اگر حرف آئے تو آئے۔ انکی انھین مطلق پروا نہین مگر کسی طرح پر خلافتِ ثلثہ کی خیر رہے۔ انکی مثالین آیندہ بھی آنے کو ہین۔

حضرت فاطمہؑ کی آزردگی اور راقم

واضح ہو کہ حضرت فاطمہؑ کی آزردگی آپ کے مخالفین کے نزدیک جو کچھ بے وزن معلوم ہو۔ مگر راقم اسکو ایسا دہشت انگیز امر سمجھتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ فقیر آپکی آزردگی کو خدا اور رسول کی آزردگی سمجھتا ہی بلکہ خدا اور رسول کی آزردگی سے بھی اسے زیادہ ہولناک جانتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت سیدہؑ خدا اور رسولؐ دونون کی پیاری ہین۔ ایسی محبوب اور پاک ذات کی آزردگی معاذاللہ عقبیٰ مین کیا عالم پیدا کر سکتی ہے۔ محتاجِ بیان نہین ہے۔ قاضی ثناءاللہ صاحب بھی اس آزردگی کے نتیجہ سے بے خبری نہین رکھتے تھے تب تو "غضبت" کے معنی ندامت قرار دے گئے۔ ہزار شکر خدا کا ہے کہ راقم حضرت سیدہ کے عہد مین موجود نہ تھا۔ اگر اُس وقت مین ذی وجود ہوتا تو نہین معلوم اُس سے کیا لغزش سرزد ہوتی۔ یہ بڑی خوش بختی راقم کی ہے کہ سراپا گناہ ہونے پر بھی حضرت سیدہؑ کی آزردگی سے بحمداللہ مامون ہے۔ الحق اس سے زیادہ خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ للہ الحمد والمنۃ۔

حضرت عمرؓ کی کارروائیون سے استنباطِ مضامین

حضرت عمرؓ کے اس عجلت اور بے تکلفی کیساتھ فیصلۂ حضرت ابوبکرؓ کو چاک کر ڈالنے سے چند باتین ظاہر ہوتی ہین۔ اوّل یہ کہ خلیفۂ وقت کی کوئی عظمت حضرت عمرؓ کے دل مین مرکوز نہ تھی حاکمِ وقت کے فیصلہ کو خواہ اُس کے سامنے اور خواہ اُس کی غیبت مین اس بے اعتدالی کے ساتھ چاک کر ڈالنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی کارروائی کے اختیار کرنے والے کے دل مین اس حاکم کا کوئی وقار نہ تھا۔ وقار و عظمت نہ ہونے کی وجہ پوشیدہ نہین ہے حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ آپ کے بنائے ہوئے خلیفہ ہین اور یہ کہ آپ کی اعانت کے بغیر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا کوئی کام چل نہین سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ سمجھ

آپکی غلط نہ تھی۔ ایسی صورت مین وقار و عظمت خلیفہ کو کیونکر آپ کے دل مین دخل ہوسکتا تھا۔ یہ کوئی خیالی یا قیاسی بات نہین ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ پر اپنا زور ڈالا کرتے تھے یہان تک کہ ایک بار عاجز آکر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا کہ پھر ہمین خلیفہ بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی اس سے بھی بڑھکر ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ نے بے اختیار ہو کر حضرت عمرؓ کی ریش مبارک کو پکڑ کر کمال غیظ مین یہ فرمایا کہ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ "یعنی تیری مان تجھ پر روئے یعنی تو مرجائے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے سے حلم کا آدمی کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے بہت توقع سے باہر ہے۔ مگر عاجز ہو کر حلیم بھی اپنے حلم سے گذر جاتا ہے اہل اطلاع سے پوشیدہ نہین ہے کہ یہ سب معاملات تاریخی حیثیت رکھتے ہین کم سے کم ابوالفدا کی تاریخ المختصر فی احوال البشر کو حضرات ناظرین ملاحظہ فرماوین۔ دوم یہ کہ حضرت عمر کی اس عدالتی کارروائی سے کہ فیصلہ حاکم وقت کا اس طرح کی بدتمیزی کیساتھ چاک کر دیا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا دار القضا نام کا دار القضا تھا۔ ہر چند حضرت ابو بکر مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے مگر اُن کی بحالی اور ڈسمسی کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ مین رہتی تھی۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر کو مصلحۃً خلیفہ بنا رکھا تھا ورنہ درحقیقت حضرت عمرؓ ہی خلیفۂ وقت تھے بعد دو برس کے اس پردہ داری کی ضرورت قطرتی طور پر خود ہی باقی نہ رہی۔ سوم یہ کہ حضرت عمرؓ کی ایسی کارروائی سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا دار القضا کسی طرح پر پابند ضوابط نہ تھا ظاہرا حضرت عمرؓ کو کوئی قانونی حق بلکہ کسی طرح کا حق خلیفۂ وقت کے فیصلہ کو اس طرح پر ضائع کروا لینے کا نہ تھا۔ سرکار خلافت اولی مین حضرت عمرؓ کا کیا عہدہ تھا کچھ معلوم نہین ہوتا اگر حضرت عمرؓ وکیل خلافت تھے تو وکیل خلافت کا یہ کام نہین ہو سکتا کہ خلیفۂ وقت کے فیصلے کو ایسی بے عنوانی کیساتھ چاک کر ڈالے اور اگر آپ خلیفۂ وقت سے بھی کوئی بالادست حاکم عدالت تھے تو فیصلۂ ماتحت مین اس طرح کی دست اندازی قرین ضابطہ نہین معلوم ہوتی۔ چہارم یہ کہ حضرت عمرؓ کی ایسی کارروائیون سے آپ کا عناد حضرت سیدہ اور حضرت علیؑ کے ساتھ بیّن طور پر عیان ہوتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپکی کوششین معاملہ فدک مین ابتدا ہی سے اس نہج پر ہو رہی تھین کہ ردِّ فدک حضرت سیدہ کی طرف عمل مین نہ لایا جاسکے حضرت عمر کا عناد حضرت سیدہ یا حضرت علیؑ کے ساتھ کوئی پوشیدہ معاملہ نہین ہے۔ ہر شخص کو یہ عناد دکھائی دیتا ہے صرف انھی کو نظر نہین آتا جو آنکھین اُس سے بند کیے ہوئے ہین۔ پنجم یہ کہ حضرت عمرؓ کی ساری کارروائیون سے ایک نہایت نامطبوع انداز کی درشتی عیان ہوتی ہے۔ اس درشتی کو ملحوظ رکھکر شارح نہج البلاغۃ لکھتے ہین کہ وہ اگر حق بی بی فاطمہؑ کے ساتھ نہین تھا تو بھی خلافت کو اس کا لحاظ کرنا ضرور تھا کہ فاطمہؑ ایک آزار دیدہ مدعیہ تھین اُن کے باپ مر چکے تھے اور اُنھین مرگ پدر نے سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ راقم کہتا ہے کہ شارح موصوف کو ایسی ہمدردی کے اظہار کے وقت بالیقین یہ یاد نہین رہا کہ اس معاملۂ فدک کے پہلے رسول اللہ کے انتقال کے بعد ہی خلافت کی طرف سے بی بی فاطمہؑ کو جو

پرساد یا گیا تھا وہ اس کارروائی پر مشتمل تہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس غمدیدہ بی بی کے گھر کو جلانے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے روانہ کئے گئے تھے (دیکھو تاریخ ابوالفدا) یا خود روانہ ہوئے تھے۔ جہان رحلت رسول اللہ کے بعد ہی ایسی بہیمانہ کارروائی عمل مین لائی گئی تھی وہان معاملۂ فدک کے انفصال کے دوران مین کسی طرح کے کریمانہ برتاؤ کی اُمید کی ہی نہین جاسکتی تھی۔ ایک اسی معاملۂ فدک پر کیا منحصر ہے۔ عرب کی تاریخ وسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آل محمدؐ کے ساتھ کسی عہد مین اُمت رسول اللہ نے خوش اسلوبی سے پیش آنا حرام جانا ہے۔ اسوقت کیا کم کشیدگی اُمت رسول اللہ کی سادات کرام کیساتھ دیکھی جاتی ہے۔ صرف ایسے سادات کیساتھ جو مذہب بنی ہاشم یعنی مذہب سادات سے کنارہ کش ہوکر داخل مذہب عوام ہو گئے ہین اُمت رسول اللہ کو کم پرخاش ہے ورنہ وہ سادات جو ابھی تک مذہب آبائی پر ہین اُن سے اُمت رسول اللہ کو وہی دلی خرخشہ لاحق ہے جو آنحضرت کی رحلت کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔

معاملۂ فدک پر قانونی نظر

واضح ہو کہ یہ قصہ فدک کا اہل سنّت اور اہل تشیع مین قصہ قرطاس کی طرح ایک بڑی نزاعی شکل رکھتا ہے اہل فراست اِس کے بارے مین اپنی رائے جس طرح چاہین قایم کرین۔ مگر راقم کی یہ بات سمجھ مین نہ آئی کہ حضرت رسولؐ کا ”نحن معشر الانبیاء لا نورث“ فرمانا کیا تھا جو توریت سے بھی مخالفت رکھتا ہے اور قرآن مجید سے بھی۔ قرآن مین تو حضرت سلیمانؑ کا وارث داؤد ہونا صاف صاف طور پر مذکور ہے۔ اسی طرح توریت کا بھی مضمون ہے۔ بہ اسباب ظاہر یہ قول قولِ رسولؐ نہین ہوسکتا۔ اگر حضرت رسولؐ خاص اپنی نسبت ایسا فرماتے تو خیر ایک بات ہوتی۔ تمام انبیا کی نسبت آپ کا ایسا فرمانا بالکل بے محل معلوم ہوتا ہے۔ اس قول کی نسبت علمائے امامیہ کہتے ہین کہ قول ”لا نورث ما ترکنا ہ صدقۃ“ خلاف عربیت و مخل فصاحت ہے۔ پس یہ قول رسول اللہ کا قول نہین ہوسکتا۔ اس لئے کہ آپ افصح عرب تھے۔ اس اعتراض کے جواب مین قاضی شاذان خاموش نظر آتے ہین۔ قاضی موصوف کے پاس اس کا جواب ہی کیا تھا خاموش نہ رہ جاتے تو کیا کرتے۔ یہ ایک موضوع قول تھا اس لئے کہ بخاری جلد ۵ صفحہ ۵۹ اکی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے سلاح و بغلہ سفید و دلدل و زمین فدک کو ترکہ چھوڑا تھا۔ اسی طرح اور اشیاء کا ترکہ چھوڑنا کتاب اسعاف الراغبین صفحہ ۱۰ وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب اشیاء متروکہ عدم ارث کا حکم نہین رکھتی تھین۔ اس لئے کہ واقعہ کربلا کے وقت چند چیزین رسول اللہ کی مثلاً دستار آنحضرتؐ جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس ارث کے طور پر نہ بسبیل صدقہ موجود تھین۔ خیر قصۂ فدک کی بنا پر جو ایک فقہی اختلاف سنی اور شیعہ کے درمیان واقع ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ امر شہادت مین حضرات علمائے اہل سنت کے نزدیک شوہر کی شہادت اُسکی زوجہ کی طرف سے یا باپ کی شہادت اُس کے بیٹے کی جانب سے ناجائز قرار پا گئی ہے۔ (دیکھو شرح مواقف نولکشوری پریس

مقصد رابع از مرصد رابع صفحہ ۲۳۵ ۔ اس کے برخلاف شیعون کے علمانے اس طرح کی شہادت کو قابل پذیرائی مانا ہے ۔ ظاہر اس امر مین زمانے کی قانونی ترقی علمائے شیعی کی طرفدار معلوم ہوتی ہو عقل بھی یہی کہتی ہے کہ کوئی ضرور نہین کہ شوہر یا باپ رشتہ مندی کی وجہ سے بہ حیثیت گواہ دروغگوئی کا مرتکب ہو جھوٹ گواہی ایک غیر رشتہ مند بھی اسیطرح دیسکتا ہے جس طرح شوہر یا باپ ۔ مجرد رشتہ دار ہونے سے ایسے اشخاص ناقابل گواہی کیون کر قرار دئے جاسکتے ہین ۔ قاضی کو دیکھنا چاہئے کہ گواہ کس رنگ کا آدمی ہے مجرد شوہر یا باپ ہونے سے ناقابل سماعت گواہ کسیکو قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہے ۔ فدک کے قضیہ مین عدالت کو دیکھنا تھا کہ علیؑ کس ترکیب کے گواہ ہین ۔ علیؑ سے دروغگوئی عمل مین آسکتی تھی یا نہین ۔ مجرد یہ امر کہ علیؑ مدعیہ کے شوہر تھے اس لیئے اُن کی گواہی قابل وثوق نہین ہوسکتی ہے یہ ایک امر ایسا ہے جو قانونی کم حوصلگی سے خبر دیتا ہے عدالت کو علیؑ کی گواہی ضرور لینا تھی اسلئے کہ علیؑ ایک ایسے شخص تھے جن سے اُسوقت کی دنیا خوب واقف تھی ہر شخص علیؑ کے فضایل علم و عمل سے خبر رکھتا تھا اور ہر شخص یہ جانتا تھا کہ علیؑ دو ہزار فدک کے لئے بھی کبھی جھوٹ نہین بول سکتے ۔ حق یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونون صاحب علیؑ کی راست بازی اور راست گفتاری سے پورے طور پر باخبر تھے ۔ مگر حضرت عمر نہین چاہتے تھے کہ رد فدک حضرت بی بی کی طرف عمل مین لایا جاوے یہ ایک فطری امر ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن یا مخالف کا دوستدار نہین ہوتا ہے حضرت عمر کو ایک دیرینہ خلش حضرت بی بی کیساتھ لاحق تھی ۔ ایسی صورت مین حضرت علیؑ کی گواہی کو بے وزن قرار دینا حضرت عمر کے لئے دور از توقع نہ تھا ۔ یہ خلش کا مضمون بیان عقد حضرت امّ کلثوم مین درج ہوگا ۔ یہان اُس کے اعادہ کی حاجت نہین ہے ۔

فیصلہ فدک کے معاونین

معاونین فیصلہ فدک فرماتے ہین کہ "اگر فدک ناحق طور پر حضرت سیدہ سے چھین لیا گیا تھا تو حضرت علیؑ نے اپنے عہد خلافت مین فدک کو کیون نہ واپس لیلیا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ کا دعویٰ برحق نہ تھا ۔" اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امام رازی کی تحقیق درست ہے تو فدک حضرت علیؑ کے عہد خلافت مین حضرت علیؑ کے قبضہ مین تھا ۔ ایسی صورت مین علیؑ کس چیز کو کس سے واپس لے لیتے ۔ امام موصوف لکھتے ہین کہ خلیفہ اول نے باوجود شہادت اُمّ ایمن کے فدک جناب سیدہ کو نہ دیا اور حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو دے دیا ۔ اور بوقت خلافت چہارم فدک حضرت علیؑ کے قبضہ مین تھا ۔ اس سے معترض کا جواب ہوجاتا ہے مگر راقم کے نزدیک یہ تجویز امام رازی کی محض خلاف قرائن ہے حضرت عمر ایسا کیون کرنے لگے ۔ فدک آل محمدؐ سے برابر نکلا رہا بار اول اُسے خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز نے آل محمدؐ کو رد کیا ہو ۔ بہرحال اعتراض بالا کا جواب راقم اس طور پر دیتا ہے کہ اگر حضرت سیدہ حضرت علیؑ کے عہد خلافت مین زندہ رہتین تو حضرت علیؑ حضرت سیدہ کو ضرور رد فدک کر دیتے

اس لئے کہ آپ اُس سے پورے طور پر واقف تھے کہ حضرت رسولؐ نے فدک کو حضرت سیدہؑ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اگر آپ اس امر سے واقف نہوتے تو معاملہٴ فدک مین آپ حضرت سیدہ کے گواہ مقدمہ قرار نہ دئے جاتے۔ اب چونکہ حضرت فاطمہ زندہ نہ تھین آپ نے اپنے عہد مین فدک کی طرف اپنی توجہ مبذول نفرمائی حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی رحلت کا غم حضرت علیؑ کے دل پر بیحد تھا۔ کبھی آپ کا دل قبول نہین کر سکتا تھا کہ حضرت سیدہ کے گذشتہ معاملات اندوہگین کو از سر نو تازہ کرین۔ جو حضرات معاملات قلبی سے خبر رکھتے ہین میری اس تھوڑی تحریر کو بہت مان سکتے ہین۔ سنگدل۔ نفس پرور شقی المزاج کیا جانے کہ معاملات قلبی کیا ہوتے ہین اور اُن کے تقاضے کیا ہوتے ہین۔ علاوہ اس کے آپ کے خلیفہ ہوتے ہی اہل زمانہ نے آپ کو نہایت تنگ کرنا شروع کر دیا۔ امیر معاویہ نے اغوا کر کے اُم المومنین حضرت عائشہؓ کو آمادہ جنگ کرا دیا حضرت زبیر او طلحہ نکث بیعت کر کے اُم المومنین کیطرف جا ملے۔ واقعہ جنگ جمل کا پیش آیا پھر امیر معاویہ سے آپکی شہادت کے وقت تک ہنگامہ عظیم قایم رہا ان مکروہات مین مبتلا رہکر آپ فدک کی طرف کیون کر متوجہ ہو سکتے تھے۔ امر واقعی یہ ہے کہ معاملات خلافت جو قومی اور دینی کام تھے اُن سے حضرت علی کو اپنے چار برس اور پانچ مہینے کی خلافت مین اتنی فرصت ہی کہان حاصل ہوئی کہ اپنے ذاتی اور خانگی امور کی طرف رخ کر سکتے۔ پس ان اسباب کی وجہ سے فدک جو خاندان پیغمبر سے عہد خلافت اولی مین نکل گیا تھا حضرت علی کے عہد خلافت مین بھی نکلا ہی رہا۔

بقیہ حشر فدک

بقیہ حشر فدک کا اس طور پر ہوتا رہا کہ فدک کو عمر بن عبد العزیز نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو تفویض کیا۔ جاننا چاہئے کہ خلفائے بنی اُمیہ مین بھی ایک ایسا خلیفہ گذرا ہے جس کی طرف انسانیت کی نسبت کیجا سکتی ہے۔ بقیہ خلفا تمامتر قہر آلہی کا نمونہ تھے۔ یا ایسے تھے کہ اُن کو انسانیت چھو بھی نہین گئی تھی اس خلیفہ ثانی نے جب فدک کو امام ممدوح کے حوالہ کر دیا تو لوگون نے اُس سے کہا کہ "طعنت علی الشیخین" یعنی شیخین پر تو نے طعنہ کا کام کیا۔ دیکھو روایت ابو المقدام داخل شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۴۷۸۔ خلیفہ نے ان کے جواب مین یہ کہا "ھما طعنا علیٰ انفسھما" یعنی شیخین نے فدک کو لیکر اپنے نفس پر طعن کا دروازہ کھولا جاننا چاہئے کہ عمر بن عبد العزیز آخر کے خلفائے بنی اُمیہ سے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ خلفائے بنی امیہ مین یہ ایک نہایت انصاف پسند خلیفہ تھے۔ اس انصاف پسندی کی بدولت اُنھین ردِ فدک کرنا پڑی۔ مگر اُن کی انصاف پسندی کے صلہ مین اُن کی قوم نے اُنھین زہر دیکر اُن کا کام تمام کر ڈالا معاملہٴ اہلبیت مین حق گوئی کوئی آسان بات نہین ہے۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے زمانون مین۔ اس طرح کی حق گوئی جان کا سودا ہو جاتی تھی۔ مگر اب یعنی اس زمانہ مین کہ سلطنت انگلشیہ بر سر فروغ ہے ہر چند اس میں خوف جان

نہین ہے تو بھی طرح طرح کی مضرتون کے لاحق ہو جانے کے احتمالات سے یہ بھی پاک نہین ہے۔ خیر جب بنی اُمیہ سے خلافت نکل گئی تو خلفائے بنی عباس سے جو جو خلفا اہلبیت کے حقوق کا لحاظ رکھتے تھے مثلاً مامون معتصم اور واثق فدک کو اولاد فاطمہؑ کو رد کرتے گئے۔ مگر متوکل ناصبی نے اولاد فاطمہؑ سے فدک کو چھینکر اپنے حجام کو دیدیا۔ بعد ازان پھر معتضد نے رد فدک کی۔ مکتفی نے اُسے پھر چھین لیا۔ مگر معتمد نے پھر اُسے اولاد فاطمہؑ کے سپرد کر دیا۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۱۰۳ مین ردِّ فدک کا مضمون اس طور پر واقع ہے "جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے اور واپس کیا فدک کو اولاد حسنؑ پر اور بروایتے واپس کیا امام زین العابدین کو تو فدک برابر بنی فاطمہؑ کے ہاتھ مین رہا لیکن اپنے عہد مین یزید بن عاتکہ نے اُسے ضبط کر لیا۔ تب سے اولاد مروان کے ہاتھ مین جا پڑا۔ بعدہ سفاح عباسی نے عبد اللہ بن حسنؑ کو واپس کیا مگر ابو جعفر منصور نے پھر اُسے ضبط کر لیا۔ اُس کے بعد مہدی عباسی نے بنی فاطمہؑ پر اُسے رد کر دیا۔ بعدہ موسیٰ بن مہدی اور اُس کے بھائی ہارون الرشید نے ضبط کر لیا اور تب عباسیون کے قبضہ مین فدک رہا کیا آخر مین مامون الرشید نے اُسے بنی فاطمہؑ کو واپس کر دیا۔

مخالفین حضرت سیدہؑ کی طرف سے معاملۂ فدک کو خفیف صورت بنانیکی کوشش

معاملہ فدک کو خفیف اور بے وزن قرار دینے کی نظر سے مخالفین حضرت سیدہؑ کہتے ہین کہ "فدک کا معاملہ بھاری کیا۔ فدک ایک باغ تھا جس مین چند درخت کھجور وغیرہ کے تھے اور اس وجہ سے اُسکی آمدنی کوئی موقر صورت نہین رکھتی تھی۔ حال کے ایک وعویدار ہمہ دانی فرماتے ہین کہ وہ باغ سولہ یا سترہ درخت کھجور اور ایک چشمہ پر مشتمل تھا اور اُسکی سالانہ آمدنی چودہ آنہ فلوس سے زیادہ نہین ہوتی تھی۔ ایسے بیانات اس غرض سے سکئے جاتے ہین کہ مردمان بے اطلاع سمجھا کرین کہ معاملۂ فدک ایک بے حقیقت امر تھا جس کی نسبت طرفداران فاطمہ اس وقت تک بیکار ہنگامے کرتے چلے آئے ہین۔ مگر ارباب تحقیق سے پوشیدہ نہین ہے کہ فدک ایک قریہ تھا جو نہایت زرخیز اور آباد تھا اور اُس مین باغات اور چشمے بھی تھے صاحب روضۃ الصفا وغیرہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی سالانہ آمدنی چار ہزار درہم طلائی تھے ایک درہم طلائی دس روپیہ کی برابر ہوتا ہے۔ اس رو سے اسکی آمدنی اس وقت کے سکہ مروّج کے اعتبار سے چالیس ہزار روپیہ کی برابر ہوتی ہے۔ تاریخی حیثیت سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن بہر حال مین اسکی آمدنی ضرور ایک حیثیت معقول رکھتی تھی۔ ہرگز ایسا نہ تھا کہ فدک کی آمدنی بے حقیقت صورت رکھتی تھی یا صرف چودہ آنہ سال کی تھی۔ بدلایل ذیل فدک کی مالی حیثیت غیر موقر نہین سمجھی جا سکتی۔

اگر فدک کی آمدنی قلیل محض یا ۱۴ سال کی ہوتی تو فدک کا حشر حسب بیان بالا نہ ہوتا کہ کچھ خلفا اُسے آل محمد کو رد کرتے گئے اور کچھ اُسے چھینتے گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کو ان خلفا کے نزدیک

کوئی ممتاز صورت حاصل تھی۔

عمر ابن العزیز نے فدک آلِ محمد کو واپس کر دیا۔ اگر یہ جائداد ویسی ہی لاشے ہوتی جیسا کہ مخالفین حضرت سیدہ اسے قرار دیتے ہیں تو خلیفۂ حق پسند کو اپنے عہد میں ایک سو برس کے بعد اسکی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ خود اُس خلیفۂ نامی کا یہ قول کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے فدک کے چھین لینے سے اپنے اوپر طعن کا دروازہ کھولا فدک کی حیثیت معقول سے خبر دیتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اگر فدک کو کوئی معقول حیثیت حاصل نہ ہوتی تو نہ خلیفۂ وقت سے اُس کے وقت کے لوگ "طعنت علی الشیخین" کہتے اور نہ خلیفۂ وقت سے بوضع بالا جواب پاتے۔ اس سوال و جواب کا انداز ایسا ہی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک کی حیثیت ایسی تھی کہ خلیفہ اور اُمت خلیفہ دونوں کو اُسکی طرف توجہ کرنیکی حاجت پڑی۔ لاریب معاملاتِ بالا سے عیاں ہوتا ہے کہ سو برس کے بعد بھی فدک کی روداد توجہ طلب تھی۔ تب تو خلیفۂ وقت نے اسکی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی اور اُمتِ خلیفہ کے بھی کان کھڑے ہوئے۔ اگر فدک کو کوئی موقر حیثیت حاصل نہوتی تو خلیفہ اور اُمتِ خلیفہ کو اسکی طرف توجہ کرنیکی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

اگر فدک کوئی علاقہ نہ تھا صرف چند کھجور کے درختوں کا ایک مختصر باغ تھا تو فطرت کی رو سے ایسا باغ حضرت ابوبکرؓ کے وقت سے لیکر عمر ابن عبدالعزیز کے وقت تک قائم نہیں رکھ سکتا تھا خاص کر ایسی حالت میں کہ وہ باغ حضرت ابوبکرؓ کے عہد کے پہلے سے خدا جانے کب سے موجود تھا۔ مخالفین حضرت سیدہ سوچیں کہ جب کوئی باغ اتنے عرصہ تک موجود نہیں رہ سکتا ہے تو عمر ابن عبدالعزیز نے کیا شے آلِ محمدؐ کو واپس دی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک مجرد باغ نہ تھا بلکہ کوئی علاقہ تھا جس میں مثمر اشجار اور چشمے بھی داخل تھے اور جس کو اس خلیفۂ گرامی نے آلِ محمدؐ کو تفویض کیا یہ بھی معلوم ہو کہ اُس خلیفۂ عالی کے بعد کچھ خلفائے بنی عباس فدک آلِ محمدؐ کو رد کرتے رہے اور کچھ خلفا اُن سے چھینتے رہے عمر ابن عبدالعزیز کے بعد بھی اتنے عرصہ دراز تک اُس باغ کا موجود رہتے چلا آنا اور بھی زیادہ تر خلاف توقع ہے یہ امر کافی طور پر اس کا مثبت ہے کہ جس شے کو یہ خلفائے بنی عباس آلِ محمدؐ کو رد کرتے گئے یا آلِ محمدؐ سے چھینتے گئے وہ علاقہ تھی کوئی باغ نہ تھا۔ متوکل ناصبی نے جو فدک چھینکر اپنے حجام کو دیدیا وہ ضرور علاقۂ فدک تھا عقل باور نہیں کر سکتی کہ متوکل نے اپنے حجام کو فقط چودہ ہزار سالانہ کی آمدنی کی بخشش کی ہو۔ بلا شبہ اس قدر قلیل آمدنی کی جگہ کو اپنے معتمد حجام کو متوکل کا بخشنا خیال سے باہر ہے خاص کر ایسی حالت میں کہ وہ جگہ دار السلطنت بغداد سے تین مہینے کی راہ پر واقع ہو ایسا دینا نہ دینا برابر متصور ہوتا۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ خلفائے بنی عباس متمول ترین سلاطین زمانہ تھے۔ لکھوکھا روپیہ مقتضائے نفسانیت سے اپنے ہوا خواہوں کو دے ڈالتے تھے۔ پس ہرگز یہ امر قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ متوکل نے اپنے خاص معتمد کو محض چودہ ہزار سالانہ کی آمدنی کی جگہ جو بغداد سے ایک فاصلۂ دراز پر واقع تھی آلِ محمدؐ سے چھین کر دے ڈالی ہو۔ فدک وہ جگہ آمدنی کے اعتبار سے ایک موقر حیثیت رکھتی تھی۔ تب تو اُس خلیفہ نے اُسے اپنے آدمی کو دے ڈالا۔ واضح ہو کہ جو حضرات یہ سمجھے

ہوئے ہین کہ فدک جس کا دعویٰ حضرت سیدہؑ نے فرمایا تھا صرف چند درختون پر مشتمل تھا۔ اُن کی اس غلط فہمی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ علاقہ فدک کو وہ اشجارِ مثمر و سمجھے ہوئے ہین جو علاقہ فدک مین حضرت رسول اللہ کے لگائے ہوئے تھے اور اُن کی تعداد گیارہ سے زیادہ نہ تھی علامہ ابن میثم بحرینی شرح نہج البلاغہ کے صفحہ ۲۰ مین لکھتے ہین کہ فدک مین گیارہ درخت ایسے تھے جن کو جناب رسولؐ خدا نے اپنے دستِ خاص سے نصب فرمایا تھا اور وہ درخت اولادِ فاطمہؑ کے قبضہ مین تھے اور اولادِ فاطمہؑ اُن کے ثمر حاجیون کو ہدیہ دیتے تھے اور حضرات حجاج اُن اثمار پر درود پڑھتے تھے مگر پھر بار لوگون نے کسی شخص کو حکم دیا کہ اُن اشجار کو قطع کروادے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ راقم کہتا ہے کہ میری روح اُن درختانِ نصب کردۂ پیغمبرؐ پر فدا ہو۔ اے کاش ایک پل کے لئے بھی ہمین اُن درختون کا سایہ نصیب ہوتا۔ یا رسولؐ اللہ آپکے اُن لگائے ہوئے درختون پر ہزار درخت ہائے طوبیٰ صدقے ہوجائین۔ المختصر جاننا چاہیے کہ فدک ایک زرخیز علاقہ تھا۔ ہرگز اُس سے چند درختانِ مثمر مراد نہین ہے جیسا کہ بعض نافہمون نے قیاس کرلیا ہے۔ ابن عباس اپنی تفسیر مین لکھتے ہین کہ رسولؐ اللہ بنی عبدالمطلب کو مالِ فدک تقسیم فرمایا کرتے تھے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کثیر المحاصل تھا۔ اسی طرح روایتِ صحیحین سے ثابت ہوتا ہے کہ فدک ایک علاقہ قریب بہ خیبر ہے اور مفسرینِ معتبرین لکھتے ہین کہ جناب رسولؐ مقبول نفقۂ ذاتِ خاص و قرابت مندان و ازواج مین غلۂ فدک کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ تعجب ہے اُن نافہمون سے جنھون نے علاقۂ فدک کو وہ گیارہ درختانِ مثمرہ سمجھ لیا ہے جو علاقہ فدک مین نصب کردۂ آنحضرتؐ تھے۔

آلِ محمدؐ کی بے توقیری کے اسباب

واضح ہو کہ راقم الحروف کو اس جگہ اس سے کوئی بحث نہین ہے کہ معاملۂ فدک مین بی بی فاطمہؑ برسرِ حق تھین یا نہین۔ یہان صرف اسیقدر دیکھنا ہے کہ فدک کی بیدخلی سے آلِ محمدؐ پر کیا اثر پیدا ہوا۔ ظاہر ہے کہ علاقہ فدک سے آلِ محمدؐ کو ایک کثیر جمع وصول ہوا کرتی تھی جس کو وہ حضرات زیادہ غربا و مساکین مین تقسیم کیا کرتے تھے پس اس کے باقی نہ رہنے سے آلِ محمدؐ کی دُنیوی وجاہت مین بڑا فرق آگیا۔ کوئی شک نہین کہ جس طرح حکومت کے نکل جانے سے پبلک بے توقیری آلِ محمدؐ کو لاحق ہوگئی اسی طرح فدک کے نکل جانے سے پرائیوٹ نقصان وجاہت بھی اُن کے لئے ہوگیا۔ بلاشبہ فدک کی بیدخلی آلِ محمدؐ کی بے توقیری کا دوسرا زینہ نظر آتی ہے۔ اُن دونون مصیبتون کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسرا خوف آگین معاملہ آلِ محمدؐ کو پیش آگیا۔ وہ یہ کہ بنی اُمیہ جن کو جناب رسولِ خدا کی حیرت انگیز قابلیت نے بڑی مشکل سے دس برس کے عرصہ مین زیر و زبر کر ڈالا تھا۔ جناب رسولِ خدا کی رحلت کے بعد امرِ خلافت کے طے پاتے ہی فرمانروائے ملکِ شام ہوگئے۔ شام مین جس قدر جلد یہ ثروت بنی اُمیہ کو نصیب ہوگئی۔ ایسی کامیابی ہر قبیلہ کی توقع سے باہر تھی اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ بنی اُمیہ کا فروغ آلِ محمدؐ کے حق مین سم ہوا۔ بنی اُمیہ نے آلِ محمدؐ سے خوب بدلے

لیے جیساکہ خود قول حضرت معاویہ کے صاحبزادے کا ہے حضرت یزید ابن معاویہ فرماتے ہین کہ "کہاں ہین کشتگانِ بدر وہ دیکھیں تو کہ ہم نے آل محمد سے کیسا بدلا لیا ہے" ۔ یہ قول اُسوقت کا ہے کہ جب واقعہ کربلا کے بعد جناب امام زین العابدین دمشق مین لائے گئے ہین اور دربار مین مغنّی نے یزید صاحب کی وہ غزل جشن مین گائی ہے جس کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلَا خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلْ

یعنی بنی ہاشم نے مخلوق خدا مین ایک کھیل نکالا تھا کیسی وحی اور کیسی نبوت ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نامراد بنی اُمیہ پیغمبر خدا کی نبوت کو ملاعبت سمجھے تھے اور درحقیقت اُس کے معترف نہ تھے خیر۔ کوئی شک نہین کہ بنی اُمیہ کے فروغ نے آلِ محمد کی دنیوی عزت و وجاہت کا خاتمہ کردیا ۔ بنی اُمیہ کے اہل ثروت ہوجانے کی یہ صورت ہوئی کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ قرار پاچکے تو حضرت ابوسفیان ابن الحرب جو قبیلۂ بنی اُمیہ کے سردار تھے حضرت علیؑ کی حضور مین تشریف لائے اور نہایت بھی خواہی کے انداز سے حضرت علیؑ سے فرمانے لگے کہ اے علیؑ امرِ خلافت طے پاگیا اور آپ نے کوئی تدبیر خلافت کے حاصل کرنے کی نہ کی ۔ اگر آپ فرمائین تو مین صحراے مدینہ کو سواران مکہ سے بھردون اور اس خلافت کو دم کے دم مین تہ وبالا کردون حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے ابوسفیان تم ایامِ جاہلیت مین بھی فسادات کیا کرتے تھے ۔ اب کہ مشرف باسلام ہوچکے ہو تب بھی تمہارے مفسدے اپنے حال پر ہین حضرت علیؑ کو ابوسفیان سے ایسے کلام کرنیکی وجہ یہ تھی کہ ابوسفیان بنی اُمیہ سے تھے اور بنی اُمیہ سے رسول اللہ کو بیحد نفرت تھی ۔ یہان تک کہ اس قبیلہ پر آنحضرت نے لعنت تک کی تھی ۔ ایسی صورت مین حضرت علیؑ ابوسفیان سے میل جول کا رکھنا گوارا نہین کرسکتے تھے ۔ علیؑ ہر امر مین تمامتر رسول اللہ کی پیروی کرتے تھے ۔ آپ کا ابوسفیان سے کنارہ کشی کرنا بجا تھا اگر ابوسفیان کی طرف کچھ بھی میلان دکھلاتے تو بلاشبہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف عامل ہوتے ۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ بنی اُمیہ دینِ خدا اور رسولؐ خدا دونون کے سخت دشمن تھے ۔ آنحضرت نے دس برس کے عرصہ مین اس قبیلہ کو درست کیا تھا اب اس قبیلہ مین شیطنت کی طاقت نہین رہی تھی ۔ پس اگر علیؑ ابوسفیان کے فریب مین آجاتے تو آپ اُس فعل کے عامل ہوجاتے جو حضرات شیخین سے عمل مین آیا یعنی خلافت کے بچانے کے لیے ابوسفیان شریکِ سلطنت بنائے گئے جس سے بنی اُمیہ کی نہ صرف زایل شدہ قوت عود کرآئی بلکہ یہ قبیلہ تھوڑے عرصہ مین تمام بلادِ اسلام کا بادشاہ ہوگیا حیف صد حیف کہ خلافتِ اولیٰ کی طرف سے یہ ایک ایسی کارروائی عمل مین لائی گئی ۔ جو سراسر رسول اللہ کے مقاصد کے خلاف کا پہلو رکھتی تھی ۔ اس ایک لغزش کے نتایج اہل اطلاع سے پوشیدہ نہین ہین ۔ خود اسلام مین جو جو فتور لاحق ہوے اُن کو کیا کہیے ۔ خاندان پیغمبر پر جو آفتین پڑی گئین بیان سے باہر ہین ۔ لاریب اگر علیؑ ابوسفیان کی سن لیتے تو تمام خرابی اسلام وواقعہ کربلا و جمیع سادات کشی وغیرہ وغیرہ کے الزام آپ کے سر ہوتے ۔ بہرحال اس طرح کا جواب حضرت

علیؑ سے پاکر ابوسفیان صاحب حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور حضرات شیخین سے فرمانے لگے کہ تم حضرات تو اپنے مقاصد مین کامیاب ہو گئے مگر ہمکو تمہاری کامیابیون سے کوئی حصہ نصیب نہین ہوا مین ایکدم مین تمہاری خلافت کے معاملہ کو ہوا کر ڈالتا ہون۔ حضرات شیخین ایسی تقریر سے حضرت ابوسفیان کی نہایت گھبرائے۔ دونون حضرات جانتے تھے کہ امر خلافت کو تہ و بالا کر ڈالنا حضرت ابوسفیان کے لئے کوئی دشوار امر نہ تھا۔ نہایت آشتی سے فرمانے لگے کہ اے ابوسفیان تم بھی اس کامیابی کے شریک ہو جاؤ ہماری خلافت کو درہم برہم کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ پس مصالحہ کی رو سے یہ بات قرار پائی کہ حضرت ابوسفیان شام کی حکومت اپنے ہاتھ مین لین۔ جب شام کو جانے کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ مین تو پیر ہو گیا ہون مین اپنے عوض اپنے بڑے بیٹے یعنی یزید ابن ابی سفیان کو حکومت شام پر بھیجتا ہون۔ یہ صاحبزادے شام مین چار برس مسند حکومت پر جلوہ گر رہے انکی رحلت کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی کی جگہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے وقت حکومت شام پر قایم ہوئے۔ آپ کے برادر متوفی کوئی قابل شخص نہ تھے اُن کا رحلت کرجانا قبیلۂ بنی اُمیہ کے لئے برا نہ ہوا۔ حضرت معاویہ کے عنان حکومت لیتے ہی اس قبیلہ کی دنیوی ثروت تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگی یہان تک کہ ایک وقت مین حضرت معاویہ تمام بلادِ اسلام کے بادشاہ ہو گئے۔

جاننا چاہیے کہ جسقدر بنی اُمیہ قوی اور صاحب حکومت ہوتے چلے گئے اسیقدر بنی ہاشم قوت اور حکومت سے دُور پڑتے گئے۔ اسباب بالا سے بنی ہاشم داخل عوام ہو گئے اور اُن کی وجاہت ظاہری بالکل جاتی رہی پھر علیؑ کی خلافت سے جو بنی ہاشم مین حکومت آئی بھی تو آلِ محمد کی گئی ہوئی وقعت عود نہ کر سکی۔ جناب علیؑ مرتضیٰ خلیفہ قرار پاکر بھی معاویہ کو معزول نہ کر سکے۔ علیؑ سے بنی اُمیہ کا مقابلہ ہوتا رہا اور تمام فسادات کے بعد حضرت معاویہ ہی برسر اقتدار رہے۔ بنی ہاشم کی مختصر ثروت علیؑ کی شہادت کے ساتھ ختم ہو گئی۔ حضرت امام حسنؑ جو اپنے والد ماجد کے جانشین ہوئے بھی تو چھ مہینے کے اندر ہی اندر حضرت معاویہ کے زور آور غلبہ کی وجہ سے اُن حضرت کے خلع خلافت کی نوبت آگئی۔ ہم یہان پر اس سے بحث نہین رکھتے کہ علیؑ حق پر تھے یا حضرت معاویہ یا حضرت معاویہ کا امام حسنؑ خلع خلافت کرانا امر حق ہوا یا امر ناحق۔ ہم ایسے ایسے معاملات صرف اس غرض سے دکھلاتے جاتے ہین کہ بتدریج کیا کیا ذلتین آلِ محمد کو جناب رسالتمآب کے رحلت کے بعد پیش آتی گئین جن سے آلِ محمد کی توقیر مسلمانون مین روز بروز کم ہوتی چلی گئی اور آخر کار آلِ محمد کی بے توقیری اُس حد کو پہنچ گئی جس کا نام واقعۂ کربلا ہے۔ خیر۔ خلع خلافت کے بعد جناب امام حسنؑ حضرت معاویہ کے پنشن خوار ہو گئے۔ یہ کچھ کم بے توقیری آلِ محمد کی نہین سمجھی جا سکتی۔ اُس وقت اسلام کے تمام بلاد بنی اُمیہ کے ہاتھ مین تھے۔ حضرت معاویہ صرف بنی اُمیہ کے سردار اور شام ہی کے حاکم نہ تھے بلکہ خلیفہ وقت ہونے کے باعث مکہ اور مدینہ بھی آپ کے زیر حکومت تھا۔ البتہ مدینہ مین جناب امام حسنؑ و جناب امام حسینؑ اور دیگر بنی ہاشم رہتے تھے مگر بنی ہاشم مین سے کسی کو بھی کسی طرح کی حکومت حاصل نہ تھی۔ حکم و رقم تمامتر حضرت معاویہ کا قایم تھا۔ اس پر بھی حضرت معاویہ بنی ہاشم

کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ بہرحال جناب امام حسنؑ کی شہادت نے خلیفہ صاحب کے دل کو استراحت بخشی (دیکھو تاریخ خمیس) اگر امام حسینؑ زندہ تھے یہ کچھ کم خلش کی بات ان حضرت کیلئے نہ تھی آپ جانتے تھے کہ حسینؑ میں اپنے باپ کی شجاعت موجود ہے حسینؑ کی طرف سے مطمئن رہنا خلاف عقل ہے چنانچہ اپنے صاحبزادے یزید صاحب سے فرمایا کرتے تھے کہ اے بیٹے تو اپنی سلطنت کو مامون نہ سمجھو۔ ابھی حسینؑ زندہ ہیں یوں حضرت معاویہؓ کو حسینؑ کی طرف سے جو خطرہ ہو مگر بنی ہاشم کی حالت خراب ہو چکی تھی انکی دنیوی وجاہت روز بروز روبہ تنزل تھی۔ رفتہ رفتہ مسلمانان وقت محمد مصطفےٰ کے نواسوں کو قابل پیروی نہیں سمجھتے تھے۔ اس عدم توقیر کی ایک مثال یہ ہے کہ جب امام حسنؑ بنی اُمیہ کے مقابلہ کو جہاد کے واسطے نکلے تو شہر سے باہر نکلکر آپ کے پاس ڈیڑھ سو آدمی سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ یہ حالت مسلمانوں کی دیکھکر آپ شہر کو واپس چلے آئے ظاہر ہے کہ بنی ہاشم کے ہاتھ میں زمامِ حکومت کے نہ رہنے سے بنی ہاشم کا ساتھ عامۂ مسلمانانِ عرب نہیں دیسکتے تھے صرف وہی چند افراد بنی ہاشم تھے جو منہ نہیں موڑ سکتے تھے جن کے دل میں سچی محبت رسول اللہ کی جگہہ کئے ہوئے تھی جس کے سبب سے ایسے حضرات بنی ہاشم کی توقیر کو اپنے اوپر فرضِ عین جانتے تھے۔ ورنہ بنی ہاشم اور دوستدارانِ ہاشم کے سوا تمام مسلمان بنی اُمیہ ہی کا دم بھرتے تھے اور کیوں نہ ایسا کرتے جب حکومت تمام بلادِ اسلام کی بنی اُمیہ کے ہاتھ منتقل ہو چکی تھی۔ دوسری مثال بنی ہاشم کی بے توقیری کی عہد بنی اُمیہ میں یہ ہے کہ جب جناب امام حسنؑ شہید ہوئے تو وقت رحلت آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ مجھے میرے نانا کے پہلو میں دفن کرنا۔ یہ ایک فطری وصیت تھی اور جناب امام حسنؑ اپنے کو اس کا مستحق بھی سمجھتے تھے۔ لاریب کوئی غرضی خیال آپ کے دل میں نہ آیا تھا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جناب امام حسینؑ اپنے بھائی کا جنازہ لیکر نانا کے مدفن کی طرف بڑھے تو بدخواہانِ آلِ محمد جنازہ پر امام حسنؑ کے تیر چلانے لگے۔ نہیں معلوم کہ کتنے تیر چلائے گئے ہونگے جب حال یہ ہے کہ ساٹھ سے زیادہ تیر جنازہ پر اُس معصوم کے آلگے۔ تو جناب امام حسینؑ نے مسلمانوں کی یہ بے عنوانیاں دیکھکر تلوار کھینچنا چاہی مگر کشت وخون کی نوبت نہ آئی جناب امام حسنؑ کی حلیم مزاجی کا خیال کرکے امام حسینؑ نے بھائی کی نعش کو جنت البقیع میں لیجا کر دفن کر دیا۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم اس وقت تک بہت کچھ دنیوی تنزل میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اُن میں اتنی وجاہت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ عوام کے مقابلہ میں ایک سردارِ بنی ہاشم کی ایک معقول وصیت کی تعمیل بھی کر سکتے۔ ہم جناب امام حسنؑ کی اس وصیت کو معقول اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تمامتر قرینِ فطرت تھی۔ اہل انصاف کی نظر میں جناب امام حسنؑ سے اُن کے جد کے قریب میں دفن ہونیکا زیادہ تر مستحق کون ہو سکتا تھا۔ مگر اہل دنیا کی ناانصافی کا جواب ہی کیا ہے۔ اللہ اللہ۔ اب ہم بنی ہاشم کی بے توقیری کی ایک اور مثال جو بنی اُمیہ کے سبب سے ہوئی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ دمشق میں علیؑ کے نام پر بعد ہر نماز خاص کر بعد نماز جمعہ تبرا ہونے لگا تھا اور جیسا کہ راقم نے اوپر لکھا ہے اس رسم کے موجد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوئے تھے یہ رسم ایک عرصہ دراز تک جاری رہی یہاں تک کہ

عمر ابن عبد العزیز خلیفہ بنی اُمیہ نے موقوف کرایا معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں نے اسی ہی رسم کو غصہ کے باعث اختیار کرکے اُسے اپنے مذہب میں رواج دیا ہے شیعوں کو خیال کرنا چاہئے کہ اس طرح کا تبرا حضرت معاویہؓ کی سنت ہے۔ اس سُنّت کو شیعہ نہ اختیار کرتے تو اچھا تھا۔ تبرا کی بحث آیندہ آنیکو ہے۔ بہرحال اگر شیعہ اس طرح کے تبرا سے اجتناب کرتے تو اُن کے مخالفین میں سے بہت اشخاص کو اُن کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جاتی اور خود یہ امر مذہب امامیہ کی توسیع کا ایک قومی آلہ بن جاتا۔ آخر میں آلِ محمدؐ کی دنیوی بے توقیری کی ایک اور مثال بھی عرض کر دیتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ آلِ محمدؐ کی عظمت حضرت رسالتمآب کے بعد کس قدر کم ہو گئی تھی قصہ یہ ہے کہ جناب امام حسنؑ نے ایک خط زیاد کو کسی امر کی نسبت لکھا۔ زیاد صاحب چونکہ مجہول النسب تھے ابن سمیہ کہلاتے تھے۔ جناب امام حسنؑ نے بھی زیاد صاحب کو ابن سمیہ کے ایڈرس سے خط بھیجا جناب امام حسنؑ کا مطلب کسی طرح پر زیاد کو بُرا کہنے کا نہ تھا۔ مگر زیاد نے جوابی خط جو امام علیہ السلام کو لکھا اس میں اُس دشمنِ خدا نے جناب امام حسنؑ کو حسنؑ ابن فاطمہؑ کے خطاب سے مخاطب کیا۔ امام حسنؑ جو ایک نادر وضع کے عمدہ مزاج بزرگ تھے اس سے مطلق برہم نہ ہوئے بلکہ نہایت متانت اور حلم کے ساتھ فرمایا کہ میرے باپ کو تو ہر شخص جانتا ہے اور میں علیؑ کا بیٹا ہوں۔ اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خاندانِ پیغمبرؐ کی توقیر آنحضرتؐ کے بعد اس قدر کم ہو گئی تھی کہ زیاد جیسے مجہول النسب اشخاص جناب امام حسنؑ جیسے سردار بنی ہاشم کی عزت و توقیر ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ زیادِ عاقبت برباد نے صریحاً ایک سخت بے ادبی حضرت نبیؐ کے لختِ جگر کے ساتھ کی اور اُس وقت کی اسلامی پبلک کو کچھ بُرا نہ معلوم ہوا۔ واہ رے اُس وقت کی مسلمانی۔ ماشاء اللہ اُس وقت کی مسلمانی کا کیا کہنا ہے۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے زمانہ کی اُسی مسلمانی کو نالہ و فریاد کے ساتھ اس وقت کے مسلمان یاد کئے جاتے ہیں اور اس عہد کے مسلمانوں کی آنکھوں سے آنسو روکنے سے بھی نہیں رکتے واقعہ کربلا کے متعلق زیاد اپنے واقفوں کو واقف ہونا ضروری ہے۔ یہ وہی زیاد صاحب ہیں جن کے صاحبزادے ابن زیاد لشکر یزید کے سردار مقرر ہو کر جناب امام حسینؑ کے مقابلہ کو بصرہ سے آئے تھے۔ خود زیاد صاحب کی یہ حقیقت ہے کہ آپ ایک بے پدر شخص تھے۔ مگر اپنے وقت کے ایسے قابل آدمی تھے کہ حضرت معاویہؓ کو اِن سے بھائی چارہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوئی۔ کوئی شک نہیں کہ زیاد صاحب خلیفہ صاحب کے کام کے آدمی تھے آپ سے بھائی چارہ اس طرح پر پیدا کیا کہ خلیفہ صاحب نے پبلک کو اس بات کی اطلاع دی کہ زیاد صاحب حضرت ابوسفیان ابن الحرب کے صلبی بیٹے ہیں۔ مگر اس کی تصدیق کیلئے کوئی حسب دلخواہ گواہ دستیاب نہ ہو سکا الا ایک کلال جس نے یہ گواہی دی کہ ایک روز حضرت ابوسفیان میری کلالی میں تشریف لائے میری کلالی مکہ سے بیس کوس پر واقع تھی اور وہ حضرت سفر میں تھے۔ کلالی میں پہنچکر حضرت نے شراب طلب فرمائی۔ میں نے شراب حضرت کے آگے رکھ دی۔ جب حضرت کو نشہ ہوا تو آپ نے عورت کی خواہش کی۔ وہاں کوئی عورت نہ تھی الا میری ایک لونڈی جس کی نسبت میں نے حضرت سے یہ بات عرض کی کہ فلاں

عورت تو حاضر ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ وہ عورت اچھی نہین ہے اس کا پیٹ بہت بڑا ہے مگر جب حضرت کا نشہ زیادہ ہوا تو پھر آپ نے ارشاد کیا کہ خیر اُسی کو لے آؤ۔ اس پر حسب فرمودہ حضرت کے وہ عورت حاضر کردی گئی۔ اُس کلال نے جو کچھ آگے گواہی مین کہا نامہذب ہونے کے باعث وہ یہان ترک کردیا جاتا ہے جس کو حقیقتِ حال سے آگاہ ہونا منظور ہو وہ ابوالفدا کی تاریخ المختصر فی احوال البشر کو معائنہ کرے۔ خیر۔ اس فحش گواہی پر زیاد صاحب نے کلال سے برہم ہو کر یہ فرمایا کہ تو گواہی دینے آیا ہے یا گالیان دینے بہرحال اُس کلال کی گواہی پر زیاد صاحب کی برادری خلیفہ صاحب کے ساتھ ثابت ہوگئی اور اُس وقت سے زیاد صاحب صاحب نسب ہوگئے۔ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کو بھی ایسے برادرِ گرامی کا حاصل ہونا مبارک اور جمیع مخالفانِ آلِ محمدؐ کو بھی۔

آلِ محمدؐ کو کیا کیا ایذائین دی گئین اور اُنھون نے کس کس طرح صبر فرمایا

اے اہلِ انصاف دیکھیے تو آلِ محمدؐ کو رحلتِ جناب محمد مصطفےٰؐ کے بعد ہی کیا کیا جانگزا معاملات پیش آتے گئے واقعی دنیا مین کسی کی اولاد نے اتنی ایذائین نہین اُٹھائی ہین جتنی کہ رسولِ عربیؐ کی اولاد نے اور وہ بھی خود آپ ہی کی اُمت کے ہاتھون سے۔ یہ میرا کچھ نیا خیال نہین ہے بلکہ جناب رسولِ خداؐ کے اہلبیتؑ کے ماننے والے صحابہ رسولِ خدا کے بعد اہلبیت کی ایذاؤن کو دیکھ دیکھ کر بے تابانہ دوسرون سے کہہ بیٹھتے تھے مَا رَاَیْتُ مِثْلَ مَا اُوْذِیَ بِہٖ اَھْلُ ھٰذَا الْبَیْتِ بَعْدَ نَبِیِّھِمْ یعنی ہم نے کسی کو اتنی اذیت اُٹھاتے نہین دیکھا جتنی رسولؐ کے بعد رسولؐ کے اہلبیتؑ نے ایذائین اُٹھائین۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ (دیکھو مروج الذہب تصنیف علامہ مسعودی صفحہ ۱۶۶۔ اور تاریخ کامل ابن اثیر جلد پنجم) الغرض ایذاؤن کی حد نہین معلوم ہوتی ہے ایک طرح کی ایذا نہین طرح طرح کی ایذائین اُنکے سامنے پیش آتی گئین۔ مگر آلِ محمدؐ سب کو برداشت کرتے رہے۔ واقعی آلِ محمدؐ کے صبر کے سامنے صبرِ ایوبؑ کوئی حقیقت نہین رکھتا۔ جناب امام حسین علیہ السلام کا امیر معاویہ کی ظالمانہ کارروائیون کے مقابلہ مین یا اُس امام عالیمقام کے برادرِ بزرگوار کا صبر اپنے زہر کھلائی جانے پر کس درجہ حقانیت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح جناب امام حسین علیہ السلام کا صبر و رضا پر ثابت قدم رہنا حوصلۂ انسانی کو پست کرنیوالا نظر آتا ہے۔ سبحان اللہ آلِ محمدؐ کے چھوٹے بڑے سب ایک طرح کے صابر و شاکر نظر آتے ہین۔ حضرات غور کی بات ہے کہ واقعۂ کربلا کے زمانہ مین سن جناب امام محمد باقر علیہ السلام کا چار برس کا تھا جب اہلِ حرم کے ساتھ آپ دمشق مین پہنچے اور بحکم حاکم شام یعنی حضرت یزید ابن معاویہ اہلِ حرم شہر مین تشہیر کیے جانے لگے تو حسبِ رواج ملک ایک شخص نے ایک روٹی اپنے فرزند پر وار کر جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو دینا چاہی۔ یہ ایک قدیم دستور تھا کہ اہلِ شہر اپنے اپنے بچون پر سے روٹیان وار کر قیدیون کے حوالہ کیا کرتے تھے۔ ہرچند جناب امام محمد باقر علیہ السلام چار برس کی عمر کے تھے اور یقیناً بھوکے بھی تھے۔ مگر آپ نے اُس روٹی کے لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ ہم آلِ محمدؐ ہین ہم پر صدقہ حرام

ہے۔ اے قدر دانان عصمت آلِ محمد اس طرح پر حرام و حلال کا خیال اس صغر سنی مین اُسی کو ہو سکتا ہے۔ جو معصوم پیدا ہوا ہو اور معصوم ہی مرا ہو۔ یہ قصہ پورے طور پر حقیقی اور صنوعی امام کا فرق دکھلاتا ہے۔ عقل کہتی ہو کہ ایسا ہی امام جناب رسول اللہ کا سچا جانشین ہو سکتا ہے۔ لاریب رسول اللہ معصوم تھے تو ان کے جانشین کو بھی معصوم ہونا چاہیے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ہرگز عقل یہ قبول نہین کر سکتی کہ معصوم کا جانشین غیر معصوم ہو جن حضرات نے ایسا سمجھا ہے بلا گفتگو عقل سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔

آلِ محمدؐ کی دینی سرداری پر نظر

حضرات حق آگاہ ملاحظہ فرماوین کہ مذکورہ بالا مین فقیر نے صرف ایسے ایسے امور آل محمد کے لگاو سے درج رسالہ ہذا کیے ہین جنسے آلِ محمد کی دنیوی تنزلی کی کیفیتین مختصر طور پر ظاہر ہوتی گئی ہین۔ اب ہم اُن امور کو دکھلاتے ہین جن سے اُنکی دینی وجاہت مین بھی بہ اسباب ظاہری لاحق ہو گئی جس کے سبب سے آل محمد کی دنیوی سرداری سے اسلامی دنیا کا زیادہ حصہ معترف نہین رہا۔ اسمین کوئی شک نہین کہ دنیوی تنزلی اور دینی وجاہت کے زوال سے خود آل محمد کا کچھ نہین بگڑا مگر حیف ہے اُن پر جو آلِ محمد کی دنیوی اور دینی منزلت کے زوال کے باعث ہوتے گئے اور آج بھی بد اندیشی سے خالی نہین ہین اس وقت نہ بنی اُمیہ باقی ہین نہ بنی عباس اور نہ اُنکی گزشتہ سلطنتون سے کسی قسم کے فائدہ کی امید کیجاتی ہو مگر دلی شغف ہزارون اشخاص کو ان کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا کہ اون کی سلطنتون کی موجودگی کے زمانہ مین تھا۔ آج بھی ایسے لوگون کو آل محمد کے نام سے وہی خلش پیدا ہو جاتی ہے جیسی کہ دشمنان آلِ محمد کو آل محمد کے زمانہ مین آل محمد کے نام سے ہوتی تھی۔ البتہ حسین نہین ہین مگر شمر و ابن زیاد کی اسوقت بھی کوئی کمی نہین ہے ؎

یک حسینے نیست کو گردد شہید ورنہ بسیار اند در عالم یزید

حال کی ایک سرگزشت یہ ہے کہ کسی اہل سنت کے ایک عالم نے کسی اردو کے اخبار مین ایک تحریر چھپوائی جو حضرت علی کے کچھ حالات اور مناقب پر مشتمل تھی۔ اس تحریر کی اشاعت سے مخالفان علیؑ کے پیٹ مین چوہے کودنے لگے نہایت بیزاری سے کچھ اشخاص نے اُن عالم صاحب کو اس مضمون کے خطوط لکھے کہ کیون صاحب آپنے تفضیلیہ مذہب کب سے اختیار کیا ہے فرمایئے تو آپ کو ایسی تحریر کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ بیچارے عالم صاحب اس کا جواب ہی کیا دے سکتے تھے وہ تو خاموش ہو رہے۔ بہر حال دوسرے دن کے پرچے مین ایک بڑی تعریف معاویہ صاحب کی نکلی۔ افسوس ہے کہ زمانہ معاویہ صاحب کا اسوقت نہین ہے ورنہ تعریف نگار صاحب کو دولت شام سے ایک موقر بہرہ نصیب ہو جاتا۔ یہ تو نقشہ عناد کا اہل بیت کیساتھ اسوقت مین موجود ہے تو بھلا اُسوقت کیا کچھ عناد نہ ہوگا جبکہ بنی اُمیہ کی سلطنت قائم تھی۔ خیر۔ اب حضرات اہل انصاف اُن معاملات پر توجہ فرمائین جن سے آل محمد کی دینی وجاہت مین کمی پیدا ہوتی چلی گئی تحریر ذیل توجہ طلب ہے۔

قرآن کا جمع کیا جانا اور اس سے بنی ہاشم کی دینی سرداری کا متضرر ہونا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حضرت رسول اللہ کے وقت مین جمع ہوچکا تھا اور اُس کے جمع کرنیوالے علیؑ تھے جیسا کہ روایت بخاری و سیوطی و دمیری سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے عہد رسول اللہ مین قرآن مجید لکھا جس بناپر بروایت بخاری آپ اعلان کیا کرتے تھے کہ میرے پاس قرآن مجید ترتیب دادہ جناب رسول خدا کا ہے مگر جب امر خلافت طے پاچکا جس کی وجہ سے بنی ہاشم کو حکومت سے دور ہونا پڑا تو اُس کے تھوڑے عرصہ کے بعد یہ خبر مشتہر ہوئی کہ علیؑ قرآن کے جمع کرنے مین مشغول ہین اس امر سے مطلع ہونے پر حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے جمع کرنے کے لئے زید ابن ثابت اور ابی ابن کعب وغیرہ کو مقرر فرمایا ان حضرات نے حسب حکم خلیفہ اس کام کو انجام دیا۔ اس مین شک نہین کہ عہد رسول اللہ مین حضرت علیؑ قرآن جمع کر چکے تھے اور ہر سورہ کا نام اور ترتیب آیات کا نظم خود رسول اللہ سے انجام پاچکا تھا لیکن علیؑ کا جمع کردہ قرآن کیا ہوا اس کا کوئی پتہ نہین لگتا۔ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کے جمع کردہ قرآن کا کوئی نسخہ سفاح عباسی کے وقت تک موجود تھا (دیکھو تاریخ الخلفائی ترجمہ سفاح العباسی صفحہ ۲۶۰) یہ پہلا خلیفہ عباسیون کا ہے اور یہ خلیفہ مذہباً شیعہ تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے بنی امیہ کی سلطنت کا خاتمہ کرکے عباسیون کی سلطنت کی ابتدا کی۔ جب عہد سفاح تک علیؑ کا جمع کردہ قرآن موجود تھا تو عہد حضرت ابوبکرؓ مین اس کے موجود رہنے مین کوئی گفتگو نہین ہو سکتی خاص کر ایسے وقت مین کہ اُسکے جامع حضرت علیؑ بھی بنفس نفیس موجود تھے۔ تعجب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؑ سے اُن کے جمع کردہ قرآن کے طالب نہ ہوئے اُس قرآن کے موجود ہوتے زید ابن ثابت وغیرہ سے قرآن کے جمع کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ فریقین کی کتابون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر مین حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؑ سے تمامتر بے تعلقی رکھی۔ جمع قرآن کے لئے نہ علیؑ کے قرآن کو طلب کیا اور نہ علیؑ سے کسی قسم کا مشورہ لیا۔ حضرت خلیفہ کی اس چشم پوشی سے لاریب حضرت علیؑ کی کمی عظمت کی شکل پیدا ہوئی۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ علیؑ حدیث ثقلین کی رو سے قرآن سے جدا نہین سمجھے جاسکتے ہین اور آج تک بھی جو شخص رسول اللہ کو سچا جانتا ہے وہ اس حدیث نبوی کی بنا پر کہ اَلْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ علیؑ کو قرآن سے الگ نہین سمجھ سکتا۔ پس حضرت خلیفہ کا قرآن کو حضرت علیؑ کے ہوتے چند دیگر اشخاص سے جمع کرانا ایک طرفہ معاملہ ہے۔ تمام قرآنی معاملات انجام کے لئے لاریب علیؑ سے سزاوار تر کوئی دوسرا شخص نہ تھا اس لئے کہ مورد اَلْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ ہونے کے علاوہ فرمودہ حضرت رسول خدا کے مطابق آپ باب العلم بھی تھے۔ مگر جب آپ کا جمع کیا ہوا قرآن رواج نہ پاسکا تو یقیناً آپکی دینی وجاہت فطری طور پر متضرر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر علیؑ کا جمع کردہ قرآن رواج پاتا تو بہ اسباب ظاہریہ امر آپکی رفعت شان کا باعث ہوتا۔ بظاہر قرآن کے متعلق جو جو جمع کئے جانے کا قصہ ایک خفیف امر معلوم ہوتا ہے۔ مگر منجملہ دیگر اسباب کے بنی ہاشم کی دینی سرداری کو زائل کرنے کا یہ بھی ایک قوی سبب واقع ہوا ہے۔ فقیر کی

دانستہ مین یہ قرآنی معاملہ قول حسبنا کتاب اللہ کے بعد دوسرا ام معلوم ہوتا ہے جو دنیا مین بنی ہاشم کی دینی وجاہت کو کم کر دینے والا ہے - اہل اطلاع سے پوشیدہ نہین ہے کہ اس قرآنی معاملہ کا اثر ہر عہد کے مسلمانون پر پیدا ہوا کیا اور اس وقت بھی وہ اثر پورے طور پر محسوس ہوتا ہے مثلاً اس زمانے مین جیسا کہ سابق مین بھی قرآن خوانی کے جلسے ہوا کرتے تھے اہل اسلام بڑی خوشی سے ایسے جلسون مین شریک ہوا کرتے ہین حفاظ آیتین پڑھتے ہین علما آیتون کے معنی بتلاتے ہین اور حدیث پر حدیث اُن آیات کے لگاؤ سے زیر بحث آیا کرتی ہین مگر کبھی بھولے سے بھی یہ حدیث کہ القرآن مع علی وعلی مع القرآن قرآن خوانی کے کسی شریک جلسہ کی زبان مبارک تک نہین آئی - لیکن اگر یہ قرآن جمع کردہ علیؑ کا ہوتا تو چار و ناچار حدیث بالا کو بھی شرکائے جلسہ یاد فرماتے - ایسی صورت مین قرآن صامت کی یاد قرآن ناطق کے ساتھ حفاظ اور عامہ اہل اسلام مین دست و گریبان ہوتی - قرآن ناطق سے مراد حضرت علی مرتضےٰ ہین - آپ نے اپنے آپکو قرآن ناطق فرمایا ہے (دیکھو تاریخ الخلفا صفحہ ۷) اخیر ان قرآن خوانون کی یہ غفلت اگر بنی ہاشم کی کمی توقیر سے خبر نہین دیتی ہے تو پھر اور کیا ہے؟ یاد اُسی کی ہوتی ہے جو قابل یاد سمجھا جاتا ہے - ناقابل یاد سمجھے ہوئے کی یاد ہی کیا - یہان عوام اہل سنت کے ایک عقیدے کا ذکر کر دینا خلاف محل نہ ہوگا - یہ عام عقیدہ عوام اہل سنت کا ہے کہ شیعہ ایسا مغضوب خدا ہوتا ہے کہ وہ حفظ قرآن پر قادر نہین ہو سکتا - ظاہرا ایسے عقیدہ کے پیدا ہو جانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیعہ عموماً حفظ قرآن کی طرف توجہ نہین کرتے - مین نے دو تین حافظ شیعہ دیکھے ہین ان مین سے ایک شخص میر مہدی حسین صاحب مرحوم کے صاحبزادے لودی کٹرے مین ہر سال رمضان المبارک مین محراب سنایا کرتے تھے - اس کے شاہد حافظ عبد المجید خان صاحب حال مقامی تول موجود ہین - خود ریاست رامپور مقام امروہہ اور لکھنؤ مین چند حفاظ شیعہ موجود ہین - نگینہ ضلع بجنور کے رئیس حافظ سید امیر کاظم صاحب ہر جگہہ جانے اور ہر شخص کو قرآن مجید سنانے کے لئے تیار ہین مگر جسے تحقیق حق منظور ہو - اوائل اسلام مین تو بہت سے شیعہ حفاظ موجود تھے - مثلاً عاصم و اعمش و ابن عباس و ابوالاسود وغیرہ جن کو اہل سنت نے بھی بہترین حفاظ قرآن جانا ہے - المختصر یہ محض جہالت کا خیال ہے کہ شیعہ حافظ قرآن نہین ہو سکتا - شیعہ تو شیعہ اگر حفظ کی محنت برداشت کرے تو عیسائی یہودی دہریہ بلکہ ہر شخص بلا قید مذہب حافظ قرآن ہو سکتا ہے تعصب ایک بُری چیز ہے بلاشبہ تعصب تحقیق حق کے لئے مانع عظیم ہے -

بنی ہاشم کی دینی عظمت کی کمی کا دوسرا سبب

دوسرا امر جو بنی ہاشم کی دینی منزلت کی کمی کا سبب واقع ہوا یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ ابن الخطاب کی خلافت کا زمانہ آیا تو عہد حضرت مین یہ بات شایع ہوئی کہ علی اجتہاد و مسائل کرتے ہین علی تقاضائے وقت سے اجتہاد مسائل کرنے لگے تھے اور بنی ہاشم اُن کی تقلید کرتے تھے اور کیون نہ کرتے جب بنی ہاشم جانتے تھے کہ علی

باب علم ہین ماہر قرآن ہین پیغمبر خدا کے گوشت خون نفس اور روح ہین اور یہ کہ اُن کی خلقت اور پیغمبر خدا کی خلقت نورِ واحد سے واقع ہوئی ہے۔ مگر جب اس مجتہدانہ کارروائی کی خبر حضرت خلیفہ کو ہوئی تو آپ نے مصالحِ وقت کو ملحوظ رکھکر اجتہادِ مسائل کے لیے کچھ اصحاب مقرر فرمائے جن مین ممتاز اشخاص حضرت ابن مسعود حضرت ابو موسیٰ اشعری اور وہی حضرت زید ابن ثابت تھے۔ یہ حضرات حکمِ خلیفہ پاکر اجتہادِ مسائل کرنے لگے اور ان حضرات کے اجتہادات اجتہاداتِ علیؑ سے جدا رنگ پیدا کرنے لگے۔ غیر بنی ہاشم نے انھی حضرات کے اجتہادات پر عمل کرنا شروع کیا مگر بنی ہاشم اپنے سردارِ قبیلہ و دین حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے اجتہادات پر استوار رہے۔ اُسی وقت سے دو مذہب مسلمانون میں بیّن طور پر پیدا ہو گئے۔ ایک مذہبِ علیؑ اور دوسرا مذہبِ فاروقی۔ علیؑ تو خود اجتہادِ مسائل فرمایا کرتے تھے مگر حضرت عمر ابن الخطاب اپنے نامور اشخاص کے ذریعہ سے اس کام کو انجام دیا کرتے تھے۔ ظاہرا یہ معاملہ اسلام کے لئے کچھ مفید نہ پڑا۔ اسلام کو اس پھوٹ کے پڑنے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آج تک اسی پھوٹ کی بدولت جو فسادات اہلِ اسلام مین دیکھے جاتے ہین وہ تا قیامت قایم رہین گے۔ خیر ہر چند علیؑ اجتہادِ مسائل کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ حکومت اُن کے ساتھ نہ تھی علیؑ کا مذہب صرف خاندانِ پیغمبر مین یعنی بنی ہاشم مین محدود رہا اور یہ مذہب عام نہ ہو سکا۔ لاریب حکومت کو اشاعتِ دین مین بڑا دخل ہے۔ علیؑ کے مذہب کا فروغ نہ پکڑنا کوئی اختلافِ توقع نہ ہوا۔ اس کے برخلاف مذہبِ فاروقی نے بہت بڑا عروج پکڑا اور آج بھی یہی مذہب اسلامی دُنیا کے زیادہ حصّہ پر جاری دیکھا جاتا ہے۔ اس مین کوئی شک نہین کہ مذہبِ فاروقی کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ عہدِ حضرت عمرؓ مین اس کی ابتدا ہوئی مگر آپ ہی کے وقت مین یہ مذہب تمام بلادِ اسلام مین جگہ کر گیا۔ اس مذہب کو میلانِ طبعی اور مصلحتِ وقتی سے بنی اُمیہ نے اختیار کیا اور اُن کے بعد اکثر بنی عباس بھی اسی مذہب پر رہے۔ اگر خال خال کچھ اشخاص بنی عباس کے علیؑ کے مذہب کے پابند رہے تو اس کا کوئی حساب نہین ہے۔ پھر بڑی بڑی سلطنتین اسی کی پابند رہین حتیٰ کہ ہندوستان کی اخیر سلطنت یعنی سلطنتِ مغلیہ بھی یہی مذہب رکھتی تھی۔ بہر حال اس اجتہادی اختلافات سے علیؑ کی دینی سرداری کو بڑا ضرر پہنچا۔ اس لئے کہ آپ کے باب العلم ہونے کا مضمون اس سے پورے طور پر غتربود ہو گیا۔ حکومت سے دُور ہو جانے کے باعث آپ عوام النّاس مین داخل ہو ہی چکے تھے۔ اب ان معاملات سے آپکی دینی وجاہت بھی نہایت کم ہو گئی۔ میری دانست مین مسبوق الذکر قرآنی بکھیڑے سے یہ اجتہادی بکھیڑا آپکی دینی منزلت کو زیادہ تر کم کر دینے والا نکلا۔ ذیل مین کچھ ذکر مذہبِ فاروقی اور مذہبِ علیؑ کا اس نظر سے کر دیا جاتا ہے کہ ناواقفون کی اطلاع کا ذریعہ ہو۔

مذہبِ اہلِ سُنّت اور مذہبِ امامیّہ کا بیان

جاننا چاہیے کہ حضرات اہلِ سُنّت کے نزدیک حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم مین صرف حضرت عمر ابن الخطاب مجتہد کا درجہ رکھتے ہین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے کوئی مجتہدانہ کارروائی نہین فرمائی البتہ آپ ہر دو حضرات جامع القرآن کہے جاتے ہین۔ اس لیے کہ عہدِ حضرت خلیفہ اول مین قرآن جمع کیا گیا اور عہدِ خلیفہ ثالث مین قرآن کی ازسرِنو ترتیب دی گئی جیسا کہ سابق مین عرض کیا جاچکا ہے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت عمرؓ کے اجتہادات حضرت علیؓ کے اجتہادات سے علیحدہ رنگ رکھتے ہین پس ایسے ہی اختلافِ اجتہادات کی بنا پر دو مذہب قایم ہوگئے۔ ایک مذہبِ فاروقی دوسرا مذہبِ علوی۔ ہر چند اختلافِ مذہب کی ابتدائی صورت حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت مین ہوئی مگر اختلافات مرورِ ایام سے بڑھتے ہی گئے یہان تک کہ حضرت عمرؓ کے اجتہادات کی تدوین ہوکر مذہبِ فاروقی قایم ہوگیا جس کا دوسرا نام مذہب اہل السنّت والجماعت ہے اور جس کی تسمیہ کی وجہ سابق مین حوالۂ قلم ہوچکی ہے۔ اسی طرح اجتہاداتِ علیؓ سے وہ مذہب پیدا ہوا جسے اہلِ سنّت مذہبِ علیؓ یا مذہبِ امامیہ کہتے ہین۔ مذہبِ علیؓ کے تکملہ کی یہ صورت ہوئی کہ جون جون ائمۂ خاندانِ پیغمبرؐ کا زمانہ یکے بعد دیگرے آتا گیا۔ یہ حضرات ائمہ مذہبِ علیؓ پر قایم رہکر اجتہادِ مسائل فرماتے گئے اور یہ مذہبِ علیؓ مذہب امامیہ کے نام سے شہرت پذیر ہوگیا۔ واضح ہو کہ ائمۂ خاندانِ پیغمبرؐ کے اجتہادات سے مذہبِ فاروقی کے پابند حضرات ہمیشہ کنارہ کش رہے اور اپنے اپنے طور پر حسبِ ضرورت اجتہادِ مسائل کرتے رہے۔ غرض یہ کہ مرورِ ایام سے ان دونون مذہبون مین اصولاً و فروعاً اختلافات روز بروز بڑھتے گئے اور اختلافات نے اس قدر ترقی کی کہ اب یہ دونون مذہب ایک دوسرے سے کسی طرح کی مناسبت نہین رکھتے ہین۔ یہ محض لاعلمی عوام کی ہے جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ سنی اور شیعہ کے درمیان اختلافی امر صرف خلافت ہے۔ ہرگز ایسا نہین ہر اصولاً و فروعاً ان دونون مذہبون مین کسی طرح کا اتفاق نہین ہے۔ یہان تک کہ اہلِ سنّت کا خدا اہلِ تشیع کے خدا سے علیحدہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح جتنے اصولِ دین ان دونون مذہبون کے ہین ایک دوسرے سے تمام تر علیحدہ ہین اور اسی پر ان کے فروع کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔ واضح ہو کہ پہلے تو مذہبِ فاروقی ایک سیدھے سادے انداز کا مذہب تھا یعنی حکمت اور فلسفہ سے بے تعلق رکھتا تھا مگر آخرکار اس مین فلسفہ کی آمیزش ہونے لگی سب سے پہلے اہلِ علم اہلِ سنّت مین معتزلہ گذرے ہین حسن بصری کے وقت سے اس مذہب کی نشوونما شروع ہوئی اور اپنے زمانہ مین مذہبِ معتزلہ ہی مذہبِ حق مانا جاتا تھا۔ پھر ابوالحسن اشعری نے اپنے استاد سے جو معتزلہ تھے اختلاف کرکے اپنے اُس مذہب کو جو مذہبِ اشاعرہ کہلاتا ہے رونق دینا شروع کیا مذہبِ اشاعرہ کے قایم ہونے کا زمانہ سنہ ۲۹۶ ہجری ہے اُس وقت سے مذہبِ معتزلہ مین تنزل شروع ہوا اور نئے مذہبون کے اختراع کی طرف علما کو رجحان ہونے لگا۔ جو حضرات کہ معتزلا اُستادون

کے شاگرد تھے وہ بھی مذہب معتزلہ سے انحراف کرنے لگے چنانچہ ائمہ اربعہ کہ عبارت ہے امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سے یہ حضرات سب کے سب معتزلہ سے کنارہ کش ہو کر خاص مذہب قایم فرمانے لگے۔ پھر مذہب ماتریدیہ قایم ہوا جاننا چاہیے کہ اہل سنت کے اصولی مسائل کے اجتہادات ابو الحسن اشعری اور ابو المنصور ماتریدی سے ظہور مین آئے اسی طرح فروعی مسائل نے ائمہ اربعہ کے اجتہادات سے صورت پکڑی ان حضرات ائمہ اربعہ نے اجتہادات علیؑ سے کنارہ کشی کر کے ابو موسی اشعری ابن مسعود اور زید ابن ثابت کے اجتہادات کو جو مذہب فاروقی ہے تدوین فرمایا جیسا کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین اس مضمون کو تصریح کے ساتھ حوالہ قلم فرماتے ہین اور اجتہادات علیؑ سے تمام تر بے تعلقی صاف صاف طور پر دکھلا رہے ہین۔ المختصر کسی طبقہ کے علمائے اہل سنت کو لیجیے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب حضرات علمائے مذہب فاروقی کی بنیاد پر تمام اپنے مذاہب کی عمارتون کو قایم کرتے گئے ہین اور اس تعمیر مین خاندان پیغمبر کے کسی امام سے کسی قسم کی مدد نہین لی ہے۔ مذہب اہل تسنن اور مذہب امامیہ پر نظر تحقیق ڈالنے کے بعد صاف منکشف ہوتا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک مذہب علیؑ اور مذہب فاروقی مین کوئی واسطہ نہین رہا ہے اور یہ دونون مذہب ایک دوسرے سے بے سروکار رہے ہین۔ دونون مذہب کے علما اور امامون مین تمام تر بے تعلقی رہی ہے جتنے ائمہ اور علما اہل سنت کے گذرے ہین سب خاندان پیغمبر کے امامون اور ان کے طریقہ کے پیرو علما سے کنارہ کش رہے ہین اور یہی کیفیت خاندان پیغمبر کے ائمہؑ اور ان کے طریقہ کے علما کی بھی رہی ہے کتب اہل سنت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کسی امام اہل بیت کی پیروی نہین فرمائی۔ ہر چند خاندان پیغمبر کے امام حضرت امام جعفر صادقؑ موجود تھے۔ مگر امام اعظم صاحب اپنے اجتہادات الگ فرماتے رہے حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم صاحب اور امام مالک صاحب امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی طرح کا تعلق نہین رکھتے تھے۔ یہ بھی ایک غلط عقیدہ عوام کا ہے کہ یہ دونون امام اہل سنت کے امام جعفر صادق علیہ السلام کی اجازت سے اجتہاد فرماتے تھے۔ جناب جعفر صادقؑ تو خود امام تھے آپ اجتہاد جیسے امر اہم کو غیر مذہب کے کسی مجتہد کو کیون سپرد فرما دیتے۔ جناب امام جعفر صادقؑ مین نہ علم کی کمی تھی اور نہ آپ کو کسی طرح کی مجبوری لاحق تھی جو ایسا کرتے۔ دونون فرقون کے مجتہدین کا یہ عام طریقہ تھا کہ حتی الامکان غیر مذہب کے ائمہ اور مجتہدین سے بے سروکاری رکھتے تھے۔ یہ امر عقل کے بہت خلاف ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب اور امام مالک صاحب جناب امام جعفر صادقؑ کی تبعیت مین اجتہاد فرمایا کرتے ہون۔ اس طرح کی بے سروکاری کے بہت سے ثبوت ذیل مین درج کیے جاتے ہین۔

فریقین کی باخود ہا کی بے سروکاری کی مثالین

حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ صحیح بخاری اہل سنت کی کتنی بڑی مستند کتاب ہے۔ اس کے جامع حضرت اسمٰعیلؒ بخاری نے بھول کر بھی کبھی کوئی حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نہین کی ہے۔ حالانکہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہزارون حدیثین مروی ہین اور صدہا راویون نے امام ممدوح سے اخذِ احادیث کیا ہے۔ پھر حافظ شمس الدین نے امام ممدوح کو کتاب ذہبی مین ضعفا اور مجاہیل کے ذیل مین یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ بخاری نے کوئی حدیث آپ سے روایت نہین کی ہے۔ بخاری کے استاد حضرت یحییٰ ابن سعید القطان بھی فرماتے ہین کہ مین بھی جعفر صادق کی طرف سے اپنے دل مین کھٹکا رکھتا ہون اور امام مالک اُن سے یعنی حضرت امام جعفر صادق سے کوئی روایت نہین کرتے تھے جب تک کسی دوسرے راوی کو اُن کے ساتھ ضم نہین کر لیتے تھے۔ عبارتِ عربی جو کتاب میزان الاعتدال مین موجود ہے اس طرح ہے وَقَالَ یَحْیَی ابْنُ سَعِیْدِ الْقَطَّانِ شَیْخُ الْبُخَارِیِّ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ مِنْہُ شَیْئًا وَکَانَ مَالِکٌ لَمْ یَرْوِ عَنْ جَعْفَرٍ حَتّٰی یَضُمَّہٗ اِلٰی اٰخَرَ۔ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ بھی وہی انداز دیکھا جاتا ہے جو جناب امام جعفر صادق اور اُن کے آبائے کرام کے ساتھ تھا۔ عسقلانی اہل سنّت کے علما مین بڑا پایہ رکھتا ہے۔ اپنی کتاب الضعفا مین جناب امام موسیٰ کاظم کو راویانِ ضعیف سے شمار کرتا ہے اور جناب امام موسیٰ کاظم کے حق مین کہتا ہے کہ حدیثین انکی غیر محفوظ ہین (حَدِیْثُہٗ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ) جناب امام رضا کی نسبت ابو طاہر کا یہ قول ہے کہ جناب امام رضا اپنے باپ سے عجیب باتین نقل کرتے ہین اور وہم کیا کرتے ہین اور خطا کیا کرتے ہین (قَالَ اَبُو الْحَسَنِ الدَّارَقُطْنِیُّ اَخْبَرَنِیْ ابْنُ حِبَّانَ فِیْ کِتَابِہٖ فَقَالَ اِنَّ عَلِیَّ ابْنَ مُوْسَی الرِّضَا یَرْوِیْ عَنْ اَبِیْہِ عَجَائِبَ یَہِمُ وَیُخْطِیْ) اسی طرح جناب امام حسن عسکریؑ کی نسبت جو رائے سر آمد کاملین علمائے اہل سنت کی دیکھی جاتی ہے وہ بھی ویسی ہی ہے جیسا کہ اُن کے آبائے کرام کی نسبت وہی حضرات علما قایم فرما چکے ہین۔ چنانچہ ابن الجوزی اور علامہ سیوطی نے اپنی اپنی تصنیفات مین جو موضوعات حدیث مین ہین اور علی بن محمد عراقی نے اپنی کتاب تنزیہ الشریعہ اور شیخ رحمت اللہ نے اپنی مختصر تنزیہ الشریعہ مین اُس امام عالیمقام کو لیس بشیٔ تحریر فرمایا ہے یعنی (معاذ اللہ) جناب امام حسن عسکریؑ کوئی چیز نہ تھے لاشے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ تحقیقات بالا سے ہویدا ہے کہ ائمہ اور علما اہل سنت کے آلِ پیغمبر کے امامون سے تمامتر بے سروکاری رکھتے تھے۔ حق یہ ہے کہ مذہب امامیہ اور مذہب اہل سنت ایسے دو چشمے ہین جو مختلف سمتون مین بہ نکلے ہین اور تا قیامت آپس مین ملنے کے عوض ایک دوسرے سے دور ہوتے جائین گے۔

خاندانِ پیغمبرؐ کے ائمہ کیسے تھے

یہاں پر یہ لکھدینا خلافِ حق نہیں ہے کہ ہر چند خاندانِ پیغمبرؐ کے ائمہ بطریق بالا غیر قابلِ تبعیت سمجھے گئے مگر انصاف بھی ہے کہ یہ حضرات ائمہ علم و فضل و زہد و تقوےٰ و صدق و حیا و عدالت و مروت و سخاوت و شجاعت و عبادت و حلم و رضا وغیرہ وغیرہ میں نہ صرف اُمتِ محمدی ہی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے بلکہ اور نبیوں کی اُمتوں میں بھی کبھی اُن کا کوئی جواب نہ دکھائی دیا۔ یہ حضرات ائمہ جناب رسالتمآب کا خون اپنی رگوں میں رکھتے تھے جان و دل رسول اللہ کے تھے۔ رسول اللہ کے ہمدم ہمنفس ہم لحم۔ اور ہم روح تھے یہ ائمہ (معاذ اللہ) جاہل اور غیر تعلیم یافتہ بھی نہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک سردارِ دین تھا۔ ان میں سے ہر ایک اعلیٰ درجہ کے مجتہد ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا اور بالیقین ان میں سے ہر ایک سچا رہنما اور ہادی تھا۔ ان میں سے ہر ایک عالمِ باعمل تھا۔ ان میں سے ہر ایک ذاتی طور پر آفتابِ علم و عمل تھا۔ یہ وہ ائمہ ہیں جن کا ذکر توراۃ میں ہے۔ اس وقت بھی جس کا جی چاہے توراۃ کھول کر دیکھ لے نسلِ اسمٰعیل سے خداوند تعالیٰ بارہ شاہزادوں کے پیدا ہونیکی بشارت دیتا ہے اور وہ بارہ شاہزادے یہی ائمہ اثنا عشر ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ اُن سے بڑھکر کون شاہزادے ہو سکتے ہیں۔ یہ حضرات شہنشاہِ رسالت کے لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں۔ یوں کوئی اُنھیں (معاذ اللہ) ضعفا سے شمار کرے یا لاشئے جانے یہ اُسکی سعادت مندی ہے ورنہ یہ ائمہ وہ ہیں کہ ان کو خدا اور رسولؐ جانتے ہیں۔ ظاہر میں تو یہ ایسے ہی بیکس اور مظلوم معلوم ہوتے ہیں کہ جناب علیؑ مرتضیٰ سے لے کر جناب امام حسنؑ عسکری تک سب کے سب آسانی کے ساتھ شہید کر دئے گئے مگر باطناً یہ سب کے سب خدا کے دین کے پہاڑ کے بڑے قوی اور زبردست شیر ہیں۔ اللھم صلِ علیٰ محمدٍ و آلِ محمدٍ

تنبیہِ ضروری

اس بیان بالا میں اور کہیں کہیں اس کتاب کے دوسرے مقامات میں اجتہاد کا تذکرہ آیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ غیر ائمہ اہلبیتؑ کے اجتہادات کا انداز ائمہ اہلبیتؑ کے اجتہادات سے جداگانہ ہوتا رہا ہے۔ حضرات ناظرین خوب سمجھ لیں کہ ہم نے یہ کلمات عرف و رواج کے موافق لکھ دئے ہیں ورنہ درحقیقت اس تقابل کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اسلئے کہ اجتہادِ مسائل سے ائمہ اہلبیتؑ کی شان بہت بلند ہے اجتہادِ مسائل پست مرتبہ ہے اور علوم ائمہ معصومین کی شان مثلِ علوم جناب رسالتمآب کے انسانی ذہنوں کے احاطہ سے باہر ہے۔ اجتہادِ مسائل ائمہ و انبیا کے لئے جائز نہیں بلکہ آنحضرت کی طرف اجتہادِ مسائل کی نسبت دینا ایکقسم کی بے ادبی ہے۔ ان حضرات کے علوم وہبی اور لدنی تھے ان پر بارگاہِ آلٰہی سے فیضانِ علوم ہوتا تھا۔ ان پر خداوند عالم نے ابواب علوم منکشف فرما دئے تھے یہ حضرات علم کے شہر اور دروازے ہیں ان حضرات کو نہ دلیل کی طرف رجوع کرنیکی

ضرورت نہ استدلال کی حاجت نہ قیاسات کی ضرورت نہ مقدمات کی حاجت۔ فقط خدائے عالم وعلیم کی طرف رجوع کرنا کافی ہے۔ تمام مشکلات علوم ومسائل حل ہوجاتے ہین یہ کشف وانکشاف اور نورانیت کا عالم ہے۔ اجتہاد اُن لوگون کے ساتھ مخصوص ہے جو نبی وامام کی خدمت وحضوری سے محروم ہون علم ویقین کی راہین اُن کے لیئے بند ہون پھر اُس کے لیئے بھی شرایط ہین ضوابط ہین اگر وہ اجتہادات قرآن وحدیث سے استنباط کر کے لیئے ہون تو قابل اعتبار ہون گے اور اگر خیالی پلاؤ ہو اور قیاس کے گھوڑے دوڑائے ہون اور اٹکل پچو باتین کی ہون تو ہدایت کی شاہراہ سے کوسون دوری ہوجائیگی پھر ان حضرات کا تو کیا ذکر ہے جو ان حضرات کی خدمتون مین حاضر باش رہتے اور حاضری سے علمی اور دینی فائدے اُٹھاتے رہتے تھے اُنھین بھی اجتہاد کی ضرورت نہ تھی اور ضرورت ہوتی تو کیون ہوتی اس لیئے کہ تحقیق حق کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس مسئلہ کی ضرورت ہوتی دریافت کر لینا کافی تھا۔ اِدھر دریافت کرتے اُدھر فوراً حق بات کا انکشاف ہوجاتا۔ یہ انتہا کی توہین ائمہ معصومین کی ہوئی کہ یہ حضرات موجود ہون اور لوگ خود اجتہاد کرین اور ان حضرات کے وہبی اور لدنی علم سے فائدہ نہ اُٹھائین۔ خلاصہ یہ کہ ائمہ اہلبیت کے علوم کو اجتہادات سے کوئی علاقہ نہ تھا جنھے جو اجتہادات کی نسبت دی ہے تو اُس کا سبب یہ ہے کہ اُس زمانے کے لوگ جو اجتہادات کے ذریعہ سے احکام حاصل کرتے تھے ان حضرات کے بیانات احکام کو بھی ناقدری کی وجہ سے اجتہادات سمجھتے تھے لہذا ہم نے بھی اُنھی کی بان کے موافق یہ الفاظ استعمال کیئے ہین ورنہ جہان جہان یہ کلمات اس کتاب مین نظر آئین اُن کا مطلب علوم حاقّہ وہبیہ ہین اور اجتہادات مسائل سے مراد بیان احکام دین ہے۔

اختلافات مذہب فریقین کی مثالین

اس جگہ راقم الحروف اختلافات مذہبی کی چند مثالین دکھلاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ائمہ خاندان پیغمبر کا طریقہ ائمہ اہل سنت کے طریقہ سے اختلافات رکھتا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ امام ابوحنیفہ صاحب امام مالک صاحب اور دیگر علمائے اہل سنت مسائل دینیہ مین قیاس کو دخل دیتے ہین اور ائمہ اہلبیت اس سے انکار رکھتے ہین۔ ظاہر ہے کہ ان اصول کی پابندی سے اگر کوئی مذہب ابتدا مین واحد ہو بھی تو آخر کار ضرور اختلاف ہوجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی نظر آتا ہے کہ مذہب ائمہ اہلبیت مذہب ائمہ اہل سنت سے تمام تر اختلاف رکھتا ہے۔ شارح منہاج لکھتے ہین کہ انکار قیاس اہلبیت کا مذہب ہے جیسا کہ عمل بر قیاس مذہب امام ابوحنیفہ اور دیگر اہل سنت کا ہے۔ پس شارح موصوف کی تحریر سے صاف ہویدا ہے کہ امر قیاس مین مذہب اہلبیت کا دیگر ہے اور مذہب اہل سنت کا دیگر۔ اس سے یہ بھی روشن ہوا کہ مذہب اہلبیت سے مذہب اہل سنت علیحدہ ہے
دوسری مثال اختلاف کی یہ ہے کہ ملا جلال دوانی شرح عقاید عضدیہ مین فرماتے ہین کہ تہتر فرقون مین سے فرقہ ناجیہ فرقہ اشعریہ ہے اس لیئے کہ یہ فرقہ ایسی حدیثون کا عامل ہے جنھین رسول اللہ سے اصحاب نقل کرتے

گئے ہین اور معتزلہ کی طرح یہ فرقہ ظواہر حدیث سے متجاوز ہو کر اپنی عقلون کو دخل نہین دیتا اور نہ غیر اصحاب سے نقل کرتا ہے جیسا کہ شیعون نے کیا ہے جو بوجہ معتقد ہونے اُن کی عظمت کے اپنے امامون سے روایت کیا کرتے ہین۔ یہان پر یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ ہر چند فرقۂ معتزلہ فرقۂ اشعریہ سے علیحدہ بیان کیا گیا ہے مگر یہ دونون فرقے اصحاب ہی سے نقلِ حدیث کرتے ہین۔ برخلاف فرقۂ شیعہ کے جو غیرِ اصحاب یعنی ائمۂ اہلبیت سے روایت حدیث کیا کرتے ہین۔ عملی طور پر اختلافِ مسائل کی پانچ مثالین راقم الحروف یہان پیش کرتا ہے۔ ایک یہ کہ جناب علیؑ مرتضیٰ ایسی لونڈیون کی بیع کو جو امہات الاولاد ہین یعنی اولاد والی ہین زیادہ صورتون مین جائز قرار دیتے ہین اور مجتہدینِ اہلِ سنّت اس کو ناجائز قرار دیتے ہین۔ علّامہ تفتازانی شرح مختصر الاصول عضدی مین فرماتے ہین کہ "بیع امہات الاولاد کے جواز مین اصحاب نے اختلاف کیا ہے اور علیؑ اس کو جائز جانتے ہین۔ یہی مذہب شیعون کا ہے اور شیعہ علیؑ کے مذہب کو خوب جانتے ہین"۔ دوم یہ کہ ثعلبی ناقل ہے کہ اَلْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ کو علیؑ ناجائز جانتے ہین اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اُس کے جواز کے قائل ہین جیسا کہ شرح وقایہ مین بھی دیکھا جاتا ہے۔ سوم یہ کہ مسئلۂ وراثت مین اُس عورت کے جس کا شوہر قبل وطی کے مر گیا ہو علمائے اہلِ سنّت مذہبِ علیؑ سے کنارہ کش نظر آتے ہین حضراتِ اہلِ سنّت کے مقتدا جناب شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی شرحِ مشکوٰۃ مین مذہب علیؑ سے اختلاف کر کے فرماتے ہین کہ یہ مذہب علیؑ اور اُن کے شیعون کا ہے اور یہ مذہب ابن مسعود کا ہے اس لئے ہم قولِ ابن مسعود پر عامل رہین گے۔ واضح ہو کہ ان دونون مثال ہائے بالا سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ سنّت علیؑ کے مذہب سے اختلاف رکھتے ہین جاہلِ اہلِ سنّت ایسا ہی سمجھتے ہین کہ جو اُن کا مذہب ہے وہی علیؑ کا مذہب ہے۔ حالانکہ ہرگز ایسا نہین ہے۔ مذہب اہلِ سنّت سے مذہب علیؑ کو کسی قسم کی موافقت نہین ہے۔ چہارم یہ کہ خرگوش جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے مذہب مین حرام ہے اور امام ابو حنیفہ صاحب نے اُسے حلال فرمایا ہے۔ ملّا جامی نے اپنی کتاب نفحات مین اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ یہان پر یہ امر قابلِ غور ہے کہ توریت مین خدا تعالیٰ نے خرگوش کو حرام فرمایا ہے۔ چنانچہ سور کی حرمت کیساتھ ساتھ خرگوش کی حرمت کا ذکر بھی توریت مین دیکھا جاتا ہے امامِ اہلبیتؑ کا اس جانور کو حرام فرمانا خالی از علت نہین معلوم ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے مصلحتِ خداوندی کو ملحوظ رکھکر خرگوش کی حرمت کو قایم رکھا ہے۔ پنجم یہ کہ مچھلی بے فلس کی مذہب امامیہ مین حرام ہے اور اہلِ سنّت اُسے حلال جانتے ہین واضح ہو کہ ایسی مچھلی توریت مین بھی حرام لکھی ہوئی ہے جس فہرست مین ذکر سور خرگوش وغیرہ کا توریت مین آیا ہے اسی فہرست مین بے فلس کی مچھلی کی بھی حرمت نصّی طور پر دیکھی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ائمۂ اہلبیت اجتہاد کے وقت اپنی معلومات وسیع سے پورے طور پر کام لیتے تھے۔ امیر المومنین علیؑ کا لقب جو مفتی ہر چہار دفتر کا ہے نہایت قرینِ حق ہے آپ کے جملہ جانشین بھی وفورِ علم کے تقاضا سے آپ کی طرح اس لقب کے سزاوار نظر آتے ہین۔ کیون نہ ہو مفتی ہر چہار دفتر کے جانشینون کو بھی مفتی ہر چہار دفتر ہونا ضرور ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

اہلِ اسلام کو دینی موافقت کی ضرورت

افسوس ہے کہ اسلام مین آنحضرت کے تھوڑے ہی دنون کے بعد اختلافاتِ اصولی اور فروعی بڑی کثرت کے ساتھ پیدا ہو گئے اور اب یہ حالت ہے کہ پیروانِ اسلام مین دینی موافقت کا پیدا ہونا محالاتِ عقلی سے ہے۔ دو ایسے بھاری فرقے اسلام مین پیدا ہو گئے ہین کہ اُن مین سے کسی ایک کا نیست و نابود ہو جانا بھی احاطۂ امکان سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ اب خدا ہی مسلمانون کے اختلافاتِ مذہبی کو دور کرے تو اسلام مین از سرِ نو موافقت کی شکل پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت مسلمانون کی حالت بہت اصلاح طلب ہے مگر اصلاح کی شکل اُس وقت تک قایم نہین ہو سکتی ہے جبتک کہ خود اہلِ اسلام اصلاح مین کوشان نہون بغیر حق جوئی اصلاح ممکن الوقوع نہین یہ کام مناظرہ اور مجادلہ سے نہین نکل سکتا۔ حق جوئی کی استعداد تعصبات کو دور کئے بغیر پیدا نہین ہو سکتی۔ مگر رفعِ تعصبات کی توفیق خود ایک نہایت اہم امر ہے خدائے تعالیٰ جسے چاہے نصیب کرے۔

مذہبِ امامیہ مذہبِ اہلبیتؑ ہے

معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعون کا وہی مذہب ائمہ اہلبیتؑ کا ہے اور مذہب اہل تسنن سے تمام تر علیحدہ ہے جیسا کہ شریف جرجانی صاحب شرح مواقف مین فرماتے ہین۔ كَانَتِ الْاِمَامِيَّةُ اَوَّلًا عَلٰى مَذْهَبِ اَئِمَّتِهِمْ حَتّٰى تَمَادَى الزَّمَانُ فَاخْتَلَفُوْا یعنی ابتدا مین امامیہ اپنے امامون کے مذہب پر تھے پس جب زمانہ زیادہ گذرا تو ان مین اختلافات پیدا ہوتے گئے۔ سادات کرام بیشک اول مین مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ مگر مرورِ ایام سے اُن کے مذہب بدلتے گئے۔ اس وقت سادات سب طرح کا مذہب رکھتے ہین کوئی شیعہ ہے کوئی تفضیلیہ کوئی سنی۔ کوئی وہابی۔ کوئی خارجی۔ کوئی ناصبی۔ کوئی عیسائی۔ اور کوئی لامذہب۔ جاننا چاہیے کہ مذہب مین بڑا دخل صحبت اور سلطنت کو ہوا کرتا ہے۔ اس وقت بہت سے سادات جو ہندوستان مین غیر امامیہ نظر آتے ہین اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ ہندوستان مین مسلمانون کی غیر امامیہ سلطنتین ہوتی گئین معاش و روزگار کی ضرورتون سے سادات کو ہندوستان مین ناچار شاہی مذہب کو اختیار کرنا پڑا۔ جس کے باعث اُن کے اجداد کرام کا مذہب اُن کے خاندانون سے جاتا رہا۔ اب جہالت کا ایسا زمانہ آگیا ہے کہ وہ بیچارے یہ بھی نہین جانتے کہ اُن کے اجداد کیا مذہب رکھتے تھے اور اُن کا اس وقت کا مذہب قدیم ہے یا جدید قول صاحب ملل و نحل کا بھی ایسا ہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ ایک علیحدہ مذہب رکھتے تھے اور اُن کے پیروان کا مذہب رکھنے کے باعث امامیہ کہلاتے تھے۔ مذہب امامیہ کی نسبت ابن اثیر جو اجل علمائے اہل سنت سے ہین اپنی کتاب جامع الاصول مین یون فرماتے ہین۔ وَ نَحْنُ نَذْكُرُ الْاٰنَ الْمَذَاهِبَ الْمَشْهُوْرَةَ فِى الْاِسْلَامِ الَّتِىْ عَلَيْهَا مَدَارُ الْمُسْلِمِيْنَ فِىْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَهِىَ مَذْهَبُ الشَّافِعِىِّ وَاَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٍ

وَابْنِ حَنْبَلٍ وَمَذْهَبُ الْإِمَامِيَّةِ فِيْهَا یعنی اب ہم ذکر کرتے ہین اہل اسلام کے مذاہب مشہورہ کا جس پر اطراف زمین مین مسلمانون کا مدار ہے اور وہ مذاہب مذہب شافعی ومذہب ابوحنیفہ ومذہب مالک ومذہب حنبل ومذہب امامیہ ہین پھر عالم ممدوح نے نام بنام ہر مذہب کے مجددین کو یاد فرمایا ہے اور مذہب امامیہ کے مجددین کے بارے مین لکھتے ہین کہ دوسری صدی ثانی مین مذہب امامیہ کے مجدد علی بن موسی الرضا اور صدی ثالث مین محمد بن یعقوب کلینی اور صدی رابع مین سید مرتضی علم الہدی اور بدیہیات جلیہ سے ہے کہ کل اہل بیتؑ کا ایک مذہب تھا پس جس مذہب کے رواج دینے والے علی بن موسی الرضا تھے وہی مذہب کل اہل بیت کا ہوگا

مذہبِ اہلِ سُنّت کی حسبِ مراد ترقی

واضح رہے کہ اس وقت تک مذہب اہل سُنّت نے جو فروغ پکڑا ہے اور جس وجہ تک ترقی کی ہے اس کا ایک نہایت موقر انداز دکھائی دیتا ہے۔ اس کے اصول وفروع مین کسی طرح کی کمی نہین دیکھی جاتی ہے مذہب اہل سنت کے ائمہ اور مجتہدین نے اس مذہب کو بڑی رونق اور زینت بخشی ہے۔ قرآن وحدیث وآثار واخبار وفقہ وفرائض وغیرہ وغیرہ سے یہ مذہب تمام تر آراستہ وپیراستہ ہے اس مذہب مین بجائے موجود کسی طرح کی قلت نہین پائی جاتی۔ البتہ قلت ہے تو قولاً اور زیادہ تر فعلاً خاندان پیغمبر کیساتھ ہمدردی اور ہم خیالی کی جیساکہ راقم الحروف سابق مین دکھلا چکا ہے اور آئندہ بھی دکھلائے گا۔ مگر یہ امر کسی طرح قابل اعتراض نہین ہوسکتا۔ اس لئے کہ اگر وہی ہمدردی اور ہم خیالی علمائے اہل تسنن خاندان پیغمبرؐ کیساتھ رکھتے جو علمائے امامیہ رکھتے تھے تو مذہب اہل تسنن مذہب اہل تشیع سے علیحدہ ہوکر فروغ نہین پیدا کرسکتا تھا تب تو درحقیقت دونون مذہب ایک ہوجاتے اور ایسی حالت مین مذہب اہل تسنن بے وجود ہوجاتا مذہب اہل تسنن کے فروغ کے لئے ائمہ اہل بیتؑ سے مجتہدین وعلمائے اہل سنت کی کنارہ کشی ایک امر لابدی تھی۔

اصولی اختلافات متعلق واقعہ کربلا

قبل اس کے کہ ہم واقعہ کربلا کے حالات حوالۂ قلم کرین دو تین امور اور بھی ایسے قابل درج معلوم ہوتے ہین جن مین امامیہ اور اہل سنت اختلاف رکھتے ہین۔ اس کتاب مین اتنی جگہ نہین ہے کہ تمام اصولی اختلافات جگہ پاسکین۔ اس پر بھی واقعہ کربلا کے انکار سے کچھ اصولی اختلافات کو بیان حوالۂ قلم کردینا ضروری ہے۔ اس کے بغیر واقعہ کربلا کا بیان نہ صرف غیر مکمل رہجائے گا بلکہ اس واقعۂ عظیمہ کی حقیقت ناواقفون پر غیر منکشف بھی رہجائے گی۔ ذیل مین ہم مختصر طور پر مسئلہ خلافت کو عرض کردینا مناسب سمجھتے ہین۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کو اس واقعہ بزرگ سے ایک تعلق عظیم ہے اور بھی اس مسئلہ سے کچھ اصولی مسائل تعلق خاص رکھتے ہین۔

خلافت کے متعلق اہل سُنّت اور امامیہ کے عقائد

ہر چند امامیہ اور حضرات اہل سنّت خلافت کو ایک امر برحق جانتے ہین مگر دونون کے تمام تر دو رنگ ہین گو دونون فرقے بارہ خلیفہاے برحق کے قائل ہین۔ اس موافقت کی وجہ یہ ہے کہ حدیث خلفاے اثنا عشر فریقین مین صحیح مانی ہوئی ہے لیکن امر مختلف فیہ جو ہے وہ یہ ہے کہ فریقین بارہ خلیفون کے نام زد کرنے مین اختلاف عظیم رکھتے ہین۔ وہ حدیث نبویؐ جو مقبولۂ فریقین ہے یہ ہے عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَۃَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلَی النَّبِیِّ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ لَا یَنْقَضِیْ حَتّٰی یَمْضِیَ فِیْھِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً قَالَ ثُمَّ تَکَلَّمَ بِکَلَامٍ خَفِیَ عَلَیَّ قَالَ فَقُلْتُ لِاَبِیْ مَا قَالَ قَالَ کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ دو دیکھو بخاری و مسلم مع نووی کتاب الامارت صفحہ ۱۱۵) ترجمہ۔ جابر ابن سمرہ سے روایت ہے کہ مین اپنے باپ کے ساتھ خدمت رسول اللہؐ مین گیا۔ مین نے سنا کہ پیغمبر فرماتے ہین کہ ضرور یہ امر پورا نہوگا یہان تک کہ اس مین بارہ خلیفہ نہون۔ جابر کہتے ہین کہ پھر آنحضرت نے ایسا کلام کہا جو مجھ پر پوشیدہ رہا۔ تب مین نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ آنحضرت نے کیا فرمایا۔ انھون نے جواب دیا کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کل خلیفہ قریش سے ہون گے۔ اس حدیث کی بنا پر علماے اہل سنت نے اپنے بارہ خلیفہ یون گنے ہین۔ ابو بکر صدیقؓ [1] عمر فاروقؓ [2] عثمان غنیؓ [3] علیؓ [4] معاویہ بن ابی سفیان اور سات خلیفہ از عبد الملک تا عمر ابن عبد العزیز۔ کچھ علماے اہل تسنن بعد حضرت معاویہ کے حضرت یزید کو اور حضرت یزید کے بعد اور خلفاے بنی امیہ کو مسلسل طور پر خلفاے اثنا عشر مین داخل کرتے گئے ہین۔ راقم الحروف کے اُستاد مولانا مولوی سید محمد گل صاحب جلال آبادی بھی یزید کی خلافت حقہ کے قائل تھے اور راقم الحروف بھی اپنی طالب علمی کے زمانہ مین یہی مذہب رکھتا تھا۔ جاننا چاہیے کہ اہل سنّت کے جس فرقہ نے حضرت یزید کو فہرست خلفاے اثنا عشر سے خارج کر دیا ہے اُسکی حجت یہ ہے کہ یزید چونکہ فاسق اور فاجر تھا اس لئے اسکو خلفاے اثنا عشر مین داخل نہین کر سکتے۔ مگر جس فرقہ نے حضرت یزید کو بعد حضرت معاویہ کے خلیفہ مانا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اصولاً عصمت شرط خلافت نہین ہے اصول کی رو سے خلیفہ برحق ہونے کے واسطے تمام شروط خلافت سے صرف ایک شرط کا ہونا کافی ہے حضرت یزید مین تو بہت سی شرطین موجود ہین۔ حضرت یزید کے حسب حال حضرت ابو بکرؓ کا اجماع موجود ہے اجماع کے لئے صرف دو آدمی کافی ہوتے ہین حضرت یزید کے لئے تو لاکھون آدمی کا اجماع موجود تھا علاوہ اس شرط کے حضرت یزید کے موافق حال حضرت عمرؓ کے استخلاف حضرت عثمان کے شوریٰ اور حضرت معاویہ کے غلبہ و قہر کی شرطین پائی جاتی ہین ایسی صورت مین حضرت یزید کا خلیفۂ برحق شمار کیا جانا اصول خلافت کے خلاف نہین ہے اس رو سے مسلسل طور پر بارہ خلفا کا شمار عمل مین لانا چاہیے نہ کہ کنڈے دار طور پر جیسا کہ دوسرے فریق کے علماے اہل تسنن نے کیا ہے اور اسی اصول کی پابندی سے حضرت یزید کو زمرۂ خلفاے اثنا عشر سے خارج کر دیا ہے یہ تقریر بے سرو پا اندازنگی نہین ہے

لاریب کوئی پابندِ اصول خلافت حضرت یزید کو زمرۂ خلفائے اثنا عشر سے خارج نہین کر سکتا ہے چنانچہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا مین سلسلہ در بارۂ خلفائے اہل سنت کے نام درج فرمائے ہین اور حضرت یزید بھی جناب شاہ صاحب ممدوح کے خلفا مین داخل دیکھے جاتے ہین - یہ تو حساب حضرات اہل سُنّت کے خلفائے اثنا عشر کا تھا جو عرض ہوا - اب فرقۂ امامیہ کے خلفائے اثنا عشر شمار کئے جاتے ہین - اُن کے شمار مین کسی شیعہ اثنا عشری کو اختلاف نہین ہے - ان شیعون کے خلفا یہ ہین -
علیؑ ابن ابی طالب - امام حسنؑ - امام حسینؑ - امام زین العابدینؑ - امام محمد باقرؑ - امام جعفر صادقؑ - امام موسیٰ کاظمؑ امام علی رضاؑ - امام محمد تقیؑ - امام علی نقیؑ - امام حسن عسکریؑ - امام محمد مہدیؑ (صلوات اللہ علیہم) واضح ہو کہ امامیہ رسول اللہ کی خلافت کو قرآنی دلایل اور حدیث ثقلین کی بنیاد پر امر من جانب اللہ سمجھتے ہین اور خلفا کی عصمت کے تمامتر قائل ہین - فرقۂ امامیہ کے نزدیک خلیفہ کا معصوم ہونا ایک ضروری امر ہے - امامیہ کہتے ہین کہ رسول اللہ معصوم تھے - اس لئے آنحضرت کے جانشینون کو بھی معصوم ہونا چاہیئے - معصوم کا جانشین غیر معصوم نہین ہو سکتا حضرات اہل سنّت معاملۂ خلافت مین اس کے برخلاف عقیدہ رکھتے ہین - یہ حضرات خلافت کو امر من جانب اللہ نہین جانتے ہین - راقم دکھلا چکا ہے کہ قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" کی تبعیت سے خلافت من جانب اللہ کا عقیدہ قایم نہین ہو سکتا - چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو مجرد اجماع کی بنیاد پر قرین حق سمجھتے ہین اور اصولاً اسکی حقیّت کے اثبات مین کوئی دلیل قرآن و حدیث سے کامیابی کے ساتھ پیش نہین کر سکتے کچھ نصی دلیلین جو بعض حضرات علمائے اہل سنت کی دیکھی جاتی ہین وہ اُن کے اصول خلافت سے مطابقت نہین رکھتین یعنی اگر وہ نصی دلیلین صحیح مان لیجائین تو خلافت حضرات خلفائے ثلٰثہ کی ایک امر من جانب اللہ قرار پا جائے گی جو عین عقیدہ فرقۂ امامیہ کا ہے اور جس سے فرقۂ اہل سنّت کو تمامتر ابا اور انکار ہے - ان نصی دلیلون پر آئندہ نظر ڈالی جائیگی - یہان اسکی نسبت زیادہ عرض کرنے کی حاجت نہین اسیطرح مضمون معصومیت خلیفہ کا عقیدہ عقیدۂ حضرات اہل سُنّت سے بہت بعید ہے - آپ حضرات رسول اللہ کے سوا کسی کو معصوم نہین جانتے ہین - بلکہ ایک فرقۂ اہل سُنّت کا ایسا بھی ہے کہ رسول اللہ کو صرف نزول وحی کے وقت معصوم جانتا ہے اور بقیہ اوقات مین آپ کو معصوم نہین جانتا - اُن کے ایک فرقہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسالت کے پہلے آنحضرت نعوذ باللہ کافر تھے اور آپ کے والد ماجد بھی کافر رہے - ظاہر ہے کہ معدومیت معصومیت کی بنیاد پر اہل سنت چہاردہ معصوم کا عقیدہ بھی نہین رکھ سکتے - اس لئے کہ اُن کے اصول عصمت کی رو سے کوئی شخص رسول اللہ کے بعد معصوم گذرا ہے اور نہ گذرے گا - اہل سنت کے برخلاف شیعون کو چہاردہ معصوم کے اقرار کا تمامتر موقع ہے اور بلا شبہ یہ چہاردہ معصوم کا عقیدہ خاص شیعون ہی کا ہے - لاریب بہت سے حضرات اہل سنت نے بے اصولانہ یہ عقیدہ شیعون سے کسب کر لیا ہے - ظاہر ہے کہ جب اکثر اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ کے سوا ایک شخص بھی اُمّت رسول اللہ مین معصوم نہین ہے تو یہ تیرہ معصوم

کہاں سے آئے اہل سنت کو تو کوئی موقع رسول اللہ کے سوا کسی کو معصوم ماننے کا حاصل ہی نہیں ہے ایسی صورت میں اگر یہ حضرات اہل بیتؑ نبوی سے کسی کو بھی معصوم مان لیں تو خلافت ثلثہ بدیہی طور پر باطل ٹھہر جائیگی ظاہر ہے کہ اس اعتراف معصومیت سے حضرات خلفائے ثلثہ کو علیؑ پر ترجیح دینے کی پھر کون صورت باقی رہتی ہے۔ غیر معصوم کا معصوم پر مرجح قرار دیا جانا ہرگز قرین عقل نہیں ہو سکتا۔ لاریب حضرات اہل سنت کی یہ بڑی دانشمندانہ کارروائی ہے جو اہل بیتؑ نبوی کو عوام امت کی طرح غیر معصوم قرار دیتے ہیں۔ علاوہ معاملہ خلافت کے اگر اہل بیتؑ کی معصومیت کا اعتراف اس وقت کے اہل اسلام کو ہوتا تو فدک کا قصہ اور شکل سے طے پاتا بیشک اعتراف معصومیت سے دار القضا کی کارروائیاں بی بی فاطمہ کے مقابلہ میں دوسرے نہج سے عمل میں لائی جاتیں۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مقدمہ فدک میں حضرت سیدہ کے ساتھ ایک زن عامی کا سا برتاؤ عمل میں لایا گیا چنانچہ بحث میں حضرت عمرؓ نے فریق مخالف کی حیثیت سے یہ فرمایا کہ فاطمہؑ ایک عورت ہے اس سے زیادہ نہیں ہے۔ المختصر اہل بیتؑ کا جائز الخطا ہونا عین عقیدہ اہل سنت کا ہے۔ چنانچہ مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم حضرات اہل بیت کی نسبت فرماتے ہیں قد یصیبون و قد یخطئون ویجوز علیہم الزلۃ و وقوعہم فی الذنب من غیر تعمد کما وقع من سیدۃ النساء من ھجرھا لخلیفۃ رسول اللہ حین منعہا فدک۔

اس عبارت سے عیاں ہے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک عوام کے مانند اہل بیتؑ کبھی بر سر صواب ہوتے تھے اور کبھی خطا کرتے تھے اور ان سے لغزش بھی ظاہر ہوتی تھی اور یہ لغزش وہی تھی جو ان سے گناہ بلا قصد سرزد ہوتا تھا جیسا کہ بی بی فاطمہؑ سے گناہ سرزد ہوا کہ آپ خلیفہ رسول اللہ پر ہذیان بکیں یا ان سے بالکل جدا ہوگئیں جبکہ خلیفہ رسول اللہ نے منع فدک کیا تھا۔ ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہؑ حضرت خلیفہ صاحب کو رسول اللہ کا خلیفہ نہیں جانتی تھیں ورنہ حضرت خلیفہ پر بقول مولوی عبد العلی صاحب ایسی درشت کلامی روا نہ رکھتیں۔ تمام حالات بالا پر نظر ڈالنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم سب کے سب حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ کا خلیفہ نہیں جانتے تھے اور حضرت علیؑ کا بھی یہی خیال تھا جیسا کہ آئندہ آنے کو ہے۔ بہرحال اہل بیت کی معصومیت کے انکار سے اہل بیتؑ کی عظمت اور وقعت میں ضرور کمی لاحق ہوگئی۔ واضح رہے کہ انہی تنقیصات شان اہل بیتؑ سے رفتہ رفتہ اہل بیتؑ کو وہ معاملہ پیش آیا جس کو واقعہ کربلا کہتے ہیں۔ واقعہ کربلا انہی تدریجی تنقیصات کے نتیجہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اسی لئے مطلق قانون فطرت کے خلاف بھی نہیں ہے۔

میں اس جگہ کسر شان اہل بیتؑ کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک احراق خانہ فاطمہؑ ہے۔ واقعہ احراق تاریخ ابو الفدا و تاریخ طبری و تاریخ واقدی و کتاب المرتضی و کتاب سقیفہ ابوبکر جوہری و کتاب الامامت والسیاست وغیرہ میں درج پایا جاتا ہے جناب شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کو بھی اس سے اعتراف ہے جیسا کہ شاہ صاحب کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ ان ایشیائی تصنیفات کے اپنی اپنی تاریخی تصنیفات میں۔ گبن۔ آسبرن اور ارونگ بھی اس واقعہ کو حوالہ قلم کر گئے ہیں اور لاریب

یہ واقعہ تاریخی پایہ رکھتا ہے کہانی اور افسانہ نہین ہے۔ راقم الحروف نے جب تک ایسی ایسی کتابون کو اپنی آنکھون سے نہ دیکھا تھا تب تک اُسے اس واقعہ کے راست ہونے کا یقین ہی نہ ہوتا تھا۔ مگر عہدِ طالب العلمی کے منقضی ہونے پر جو تاریخ اور علم کلام کی کتابین نظر سے گذرین تو اسلامِ معروف سے بڑی بدعقیدگی پیدا ہوگئی اور اب تو یہ حال ہے کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے بے انتہا شرم آتی ہے۔ افسوس ہے کہ جناب شاہ صاحب ممدوح کے تحفہ سے بھی کسی طرح کا اطمینانِ قلبی نصیب ہوا بلکہ حضرتِ ممدوح کے جوابات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ آپ کے جوابات عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتے ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے تو اور بھی راقم الحروف کو اسلام مروج سے دور کر دیا۔ خیر۔ مین کافر یا جو کچھ ہو گیا ہو گیا۔ مگر الحمد للہ والمنتہ کہ پیغمبر خدا کی ناشناسی کی بلا سے محفوظ رہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ مرنے پر حضرت بی بی فاطمہؑ کے سامنے پیغمبر خدا کو منہ دکھانے مین مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ذیل مین یہ وحشت خیز واقعہ کتاب الامامت والسیاست سے بسبیلِ ترجمہ صحیح عرض کیا جاتا ہے۔

قصۂ احراق

"جب حضرت ابوبکرؓ نے پایا کہ مخالفانِ بیعت علیؑ کے پاس ہین تو حضرت عمرؓ کو اُن کے پاس بھیجا۔ پس حضرت عمرؓ گئے اور اُن کو (یعنی مخالفانِ بیعت کو) بلایا حالانکہ وہ سب علیؑ کے مکان مین تھے۔ مگر اُنھون نے باہر نکلنے سے انکار کیا۔ تب حضرت عمرؓ نے لکڑیان مہیا کین اور فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جسکے ہاتھ مین عمرؓ کی جان ہے ہم ان کو ضرور نکالینگے یا سب کے سب کو جلا کر مار ڈالین گے۔ پس کسی نے کہا کہ اے باپ حفصہ کے اس مین تو فاطمہؑ بھی ہین۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہون۔ تب لوگ نکل آئے اور بیعت کی سوائے علیؑ کے جو نہ نکلے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے سوچا کہ علیؑ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ ہولے گا ہم گھر سے نہ نکلینگے اور نہ دوش پر چادر رکھین گے۔ اس کے بعد ہی بی بی فاطمہؑ دروازے کے پاس کھڑی ہوئین اور کہنے لگین کہ تم جنازہ رسول اللہ کا چھوڑ کر اپنے کام مین مصروف ہوگئے۔ اب ہم پر ظلم کرنیکے لئے آئے ہو اور ہمارے حقوق کا کچھ خیال نہین کرتے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کیا آپ اُس مخالف یعنی علیؑ سے بیعت نہین لینگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام قنفذ کو فرمایا کہ جا اور علیؑ کو بلا لا۔ تب قنفذ علیؑ کے پاس گیا۔ علیؑ نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ قنفذ نے کہا آپ کو خلیفۂ رسول اللہ بلاتے ہین۔ علیؑ نے چھوٹتے ہی کہا کہ کس قدر تم لوگ رسول اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرتے ہو۔ اس پر قنفذ لوٹ گیا اور پیغام سُنایا۔ اس پر ابوبکرؓ دیر تک روئے۔ تب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ تم اُس مخالفِ بیعت یعنی علیؑ سے بیعت نہ لوگے۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے قنفذ سے فرمایا کہ پھر جا اور کہہ امیر المومنین بیعت کے لئے بلاتے ہین۔ تب قنفذ گیا اور جو حکم لایا تھا کہہ سُنایا۔ علیؑ باآواز غضبناک ہو کر بولے سبحان اللہ یہ کیا دعویٰ ہے جس کا انہین یعنی حضرت

ابوبکرؓ کو کوئی حق ہی نہین ہے۔ اس پر پھر قنفذ واپس گیا اور پیغام کہدیا حضرت ابوبکرؓ پھر رونے لگے تب حضرت عمرؓ اُٹھے اور اُن کے ساتھ ایک جماعت بھی چلی۔ یہان تک کہ فاطمہؑ کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹ کھٹایا۔ جب بی بی فاطمہؑ نے اُن کی آواز سنی تو بہت شور سے چلانے اور واویلا کرنے لگین کہ اے بابا۔ اے رسول اللہ اپنی بیٹی کی خبر لیجیے۔ ہم بعد آپ کے ابن خطاب یعنی حضرت عمرؓ اور ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ سے کیا تماشا دیکھ رہے ہین پس جس وقت قوم نے بی بی فاطمہؑ کی فریاد وزاری سُنی روتی ہوئی پھر گئی دران حالیکہ دل اُن کے دُکھتے تھے اور جگر اُن کا پارہ پارہ تھا۔ لیکن حضرت عمر ایک جماعت کے ساتھ ٹھیرے رہے اور علیؑ کو نکال لیا اور ابوبکرؓ کے پاس لے گئے" یہان تک کا واقعہ خانۂ فاطمہؑ کے احراق سے تعلق رکھتا ہے یہ واقعہ کیسا ہے اس کو اہل انصاف خود تجویز کرلین۔ آیا یہ سب کارروائیان حضرت عمرؓ کی جا تھین یا بیجا۔ راقم الحروف اس جگہ پر کچھ عرض نہین کرسکتا۔ مگر لاریب اس طرح کا ہنگامہ اہل بیتؑ نبوی کے گھر پر شان اہل بیتؑ کو افزون کرنیوالا نظر نہین آتا۔ دوسری مثال کسر شان اہل بیتؑ کی یہ ہے کہ جب قصۂ احراق کے بعد علیؑ حضور مین خلیفۂ وقت کے لائے گئے تو علیؑ کے ساتھ معاملۂ ذیل پیش آیا۔

قصدِ احراق کے بعد کا قصہ

ہم یہان پھر کتاب الامامت والسیاست سے لکھتے ہین۔ جب علیؑ کو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس لائے تو علیؑ سے حضرت عمر نے کہا کہ "بیعت کرو" علیؑ نے کہا کہ اگر مین بیعت نہ کرون تو کیا ہو حضرت عمر نے جواب دیا قسم ہے اُس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہین ہے کہ اس حالت مین ہم لوگ تمہاری گردن کاٹین گے۔ علیؑ نے کہا کہ کیا ایک بندۂ خدا اور رسول اللہ کے بھائی کو قتل کروگے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بندۂ خدا تو خیر۔ مگر رسول اللہ کا بھائی غلط۔ اُس وقت ابوبکرؓ ساکت تھے اور کچھ بولتے نہ تھے۔ تب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ کیون اپنے کام کے لئے علیؑ سے نہین کہتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہؑ علیؑ کے پہلو مین ہے مین کسی بات پر مجبور نہین کرسکتا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ قبر رسول اللہ پر تشریف لائے اور نالہ وفریاد ولکار کے کہنے لگے "اے ابن عم میرے یعنی رسول اللہ میری خبر لیجیے قوم نے مجھے بہت ضعیف بنادیا اور میرے قتل کو آمادہ ہین" اہل انصاف سمجھین کہ اہل اسلام پر حضرت عمرؓ کے اس قول کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ سردار بنی ہاشم یعنی علیؑ کو اس ہنگامہ کے ساتھ حضور خلیفہ مین لیجانا اور وہان علیؑ کی گردن مارنے کا بڑے شد ومد کے ساتھ ذکر کرنا اور علیؑ کے برادر رسول خدا ہونے سے انکار کرجانا یہ سب کے سب ایسے معاملات ہین کہ جن سے اہل بیتؑ کی ترقی شان ظہور مین نہین آسکتی تھی۔ مین حضرت عمر کی اس طرح کی وحشت خیز کارروائی پر یہان کوئی اعتراض نہین کرتا۔ مگر بجائے خود یہ باتین اہل بیتؑ کی عزت افزائی کے ذرایع نہین معلوم ہوتین۔ راقم الحروف کو ان سب باتون مین سے سب سے زیادہ حیرت خیز یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علیؑ بقول حضرت عمرؓ رسول اللہ کے

بھائی نہ تھے یوں تو اس وقت کے ہر شخص کو معلوم تھا کہ علیؑ رسول اللہ کے مجازاً بھائی ہیں۔ اس کے علاوہ آپکو رسول اللہ نے مرتبہ ہارون کے ساتھ یاد فرمایا ہے اور اخی فی الدنیا والآخرۃ کا شرف بھی آپ کو بخشا ہے مگر حضرت عمرؓ کے ارشاد بالا کے مطابق لوگوں کے دلوں پر یہ اثر ضرور پیدا ہوا ہوگا کہ علیؑ ایسے ہی بے توقیر بھائی رسول اللہ کے ہیں کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ کی غایت محبت وعظمت سے علیؑ کا رسول اللہ کو بھائی کہنا گوارا نہیں فرما سکتے لاریب اس تکذیب سے علیؑ اور اہل بیتؑ کی کوئی عزت افزائی متصور نہیں ہو سکتی ہے یوں حضرات اہل علم جیسا سمجھیں

تنقیص شان اہل بیت کی اصول اجماع کے پہلو سے

ایک تیسری مثال میں بیان اور بھی پیش کرتا ہوں جس سے حضرات اہل بیتؑ کی تنقیص شان متصور ہے اور وہ یہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک غیر اہل بیتؑ کا اجماع صرف دو آدمی کے مجتمع ہونے سے کامل ہو جاتا ہے مگر اہل بیتؑ کا اجماع نہ دو آدمی کے مجتمع ہونے سے قابل پذیرائی ہو سکتا ہے نہ دو لاکھ کے۔ علمائے اہل سنت اسکی توجیہہ اس طور پر فرماتے ہیں کہ اہل بیت سے خطائیں سرزد ہوا کرتی تھیں مگر یہ ایسی دلیل ہے جو اہل انصاف کی سمجھ میں لاکھ برس بھی جگہ نہیں کر سکتی ہے۔ سائل سوال کر سکتا ہے کہ کیا سقیفہ بنی ساعدہ والے معصوم تھے جو خطا سے بری سمجھے گئے اور اُن کا اجماع اجماع برحق قرار پایا حسب عقیدہ اہل سنت اگر اہل بیتؑ بری از خطا نہ تھے تو غیر اہل بیت بھی بری از خطا نہ تھے۔ یہ بیچارے اہل بیتؑ ہی کا اجماع کیوں ہر حال میں ناجائز قرار دیا جاتا ہے حضرات یہ بھی کوئی بات ہے۔ آخر ہر بات کی حد ہے۔ اس وجہ کی بے اعتدالی کوئی معنی رکھتی ہو۔ آدمی کو لازم ہے کہ کچھ تو خدا سے ڈرے۔ دنیا روزے چند آخر کار با خداوند۔ کہاں ہیں اس وقت اہل بیتؑ نبوی پر ظلم کرنیوالے نہ بنی امیہ باقی ہیں اور نہ بنی عباس۔ دشمنان اہل بیتؑ اپنے سر پر مواخذہ عقبیٰ لیگئے۔ دنیائے غدار نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ موت انھیں آہی گئی۔ یوں تو مظلومان خاندان پیغمبر بھی دنیا سے چل بسے۔ مگر فرق یہ ہے کہ مظلومان اہل بیتؑ مظلوم گئے اور اُن کے اعدا ظالم ؎

دوران بقا چو باد صحرا بگذشت — تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت
پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد — برگردن او بماند و بر ما بگذشت

معاذ اللہ جس مذہب میں ایسے انصاف کش اصول ہوں اُسکی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم بہر حال اس حیرت انگیز اجتہاد سے کوئی شک نہیں کہ غیر اہل بیتؑ کو بہت کچھ دنیوی فائدے مرتب ہوئے اول یہ کہ غیر اہل بیتؑ بہت آسانی کے ساتھ اجماع کی تکمیل عمل میں لا سکے ظاہر ہے کہ جب دو آدمی کے اجماع سے کوئی اجماع تکمیل پا سکتا ہے تو اس سے زیادہ آسان کوئی دوسری شے متصور ہو سکتی ہے۔ دوم یہ کہ جب اہل بیتؑ ناقابل اجماع سمجھے گئے تو اجماع اہل بیتؑ کا کوئی حرف ہی باقی نہیں رہا۔ سوم یہ کہ اس سے شان اہل بیتؑ کی بڑی

سے بڑی تنقیص پیدا ہوئی کہ سرِ شان اہلبیتؑ سے جو دنیوی فائدے غیر اہلبیتؑ کے لئے مرتب ہوتے گئے اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں۔ سابق کی تحریریں راقم الحروف کی ملاحظہ طلب ہیں۔ چہارم یہ کہ یہ اجتہاد اہلبیتؑ کے مضمون معصومیّت کو عامۂ مسلمانان کے دل سے مٹا دینے والا ہوا جس سے غیر اہلبیتؑ کو طرح طرح کے فائدے نصیب ہوتے گئے۔ لاریب ایسے ہی ایسے اجتہادات سے غیر اہلبیتؑ کی ثروتیں قایم ہوئی گئیں ہیں اور انکی دینی اور دنیوی ثروتوں کے مٹا دینے کے لئے بڑے بڑے اہتمام غیر اہلبیتؑ کی جانب سے عمل میں لائے گئے۔ پس کوئی شک نہیں کہ واقعہ کربلا او نتیجۂ اُسی راگ حسبنا، کا ہے جو جناب رسولِ خداؐ کی رحلت کے قریب گایا جانیلگا تھا۔ اور جو جناب امام حسن عسکریؑ تک آثار چڑھاؤ کرتا رہا بلکہ جناب امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد اسوقت تک بھی اُسکا مزا ویسا ہی قایم ہے اور جب تک مخالفت اہلبیتؑ قایم رہیگی وہ بھی قایم رہے گا۔

تنقیص شانِ آلِ محمدؐ کی بہ تعلق خطابات

چوتھی شان تنقیص شانِ آلِ محمدؐ کی ذیل میں جگہہ پاتی ہے واضح ہو کہ راقم کے نزدیک منجملہ دیگر تنقیصات و توہینات آلِ محمدؐ کے یہ امر بھی ہے کہ خطابات حضرت علیؑ سے فاروق اعظم و صدیق اکبر و سیف اللہ کے خطابات منتقل ہوتے نظر آتے ہیں اور عامۂ مسلمانان بھولے سے بھی حضرت علیؑ کو اُن کے ان خطابوں کے ساتھ یاد نہیں کرتے۔ بلکہ یہ امر ایسا نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ لاکھ مسلمانوں میں شاید ایک دو ایسے ہوں جنکو اسکی خبر بھی ہوگی کہ خطاب ہائے بالا حضرت علیؑ کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں یہی حال خطابات صدیقہ کا بھی ہے کہ یہ خطاب خاص حضرت فاطمہؑ علیہا السلام کا ہے مگر جماعۂ مسلمانان نے آپ کے نام پاک سے اسکو بھی علحدہ کر ڈالا ایسے ہی تنقیص و توہین آلِ محمدؐ کی خبر دیتا ہے کہ عامۂ مسلمانان نے خطاب امام کو ایسا عرض بازار کر ڈالا کہ فخر رازی و غزالی تک اس خطاب کیساتھ سرفراز دیکھے جاتے ہیں حالانکہ خطاب بالفظ امام کا مخص ائمۂ خاندانِ پیغمبرؐ کے ساتھ اختصاص رکھتا ہے اگر عامۂ مسلمانان آلِ محمدؐ کی ویسی قدر کرتے جس کے وہ حضرات مستحق ہیں تو اس خطاب پاک کو عوام الناس کی طرف منتقل نہونے دیتے۔ مگر چونکہ ہر قدم پر خاندان پیغمبرؐ کی تذلیل و تنقیص و توہین عامۂ مسلمانان کو ملحوظ رہی ہے ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے۔

خطاب صدیق اکبر پر نظر

جاننا چاہیے کہ صدیق اکبر کو خطاب خاص حضرت علیؑ کا ہے اور آپ کے سوا کسی دوسرے کا ہو نہیں سکتا حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بتحقیق یہ وہ شخص ہے کہ جو سب سے پہلے مجھپر ایمان لایا ہے اور اُس اُمت میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے اور مومنوں کا امیر ہے۔ اور یہ شخص وہ ہے جو قیامت کے روز سب سے پہلے مجھ سے

ملاقات کریگا اور یہ صدیق اکبر ہے۔ حدیث نبوی یوں واقع ہے عن سلمان الفارسی و ابی ذر الغفاری قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بید علی فقال ان ھذا اول من آمن بی و ھذا فاروق ھذہ الامۃ و ھذا یعسوب المؤمنین و ھذا اول من یصافحنی یوم القیامۃ و ھذا الصدیق الاکبر (اخرجہ الطبرانی والدیلمی والطبرانی فی الکبیر من سند سلمان) دوسری حدیث نبوی یہ ہے عن ابی ذر الغفاری قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول لعلی انت اول من آمن بی و صدق و انت الصدیق الاکبر اخرجہ الحاکم نقلت من ریاض النضرۃ یعنی حضرت ابوذر غفاری روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے کہ علی سے آپ فرما رہے تھے کہ تو وہ شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور میری تصدیق کی ہے اور تو صدیق اکبر ہے تیسری حدیث نبوی یہ ہے عن ابن عباس و ابی لیلی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الصدیقون ثلاثۃ حبیب النجار مومن آل یاسین الذی قال یا قوم اتبعوا المرسلین و حزقیل مومن آل فرعون الذی قال اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ و علی بن ابی طالب و ھو افضلھم (اخرجہ البخاری عن ابن عباس و احمد عن ابی لیلی یعنی ابن عباس اور ابولیلی روایت کرتے ہیں کہ حسب فرمودہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدیق تین ہیں اول حبیب النجار جو حواریین حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان لانیوالا تھا اور جس نے یہ کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو ان نبیوں کی متابعت کرو۔ دوم حزقیل جو گروہ فرعون سے تھا مگر خدا پر ایمان لایا تھا اور جس نے یہ کہا تھا کہ اے میری قوم والو کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پالنے والا خدا ہے تیسرے علی ابن ابی طالب اور آپ ان دونوں سے افضل ہیں اس حدیث نبوی سے ظاہر ہو گیا کہ تین حضرات کے بعد کوئی اور شخص صدیق نہیں ہے یوں کہنے کے لئے جس کو جو شخص صدیق کے خطاب سے یاد کرے مختار ہے چوتھی حدیث نبوی یہ ہے۔ عن ابن عباس فی قولہ تعالی "من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم" قال علی یا رسول اللہ ھل نقدر علی ان نراک فی الجنۃ قال یا علی ان لکل نبی رفیقا اول من اسلم من امتہ فنزلت ھذہ الآیۃ اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیا فقال ان اللہ تعالی قد انزل بیان ما سألت فجعلک رفیقی لانک اول من اسلم و انت الصدیق الاکبر (تفسیر ابن الحجام) یعنی حضرت ابن عباس اس قول خدا کے متعلق اور جن لوگوں نے خدا اور خدا کے رسول کی طاعت کی ہے پس وہ لوگ ان کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت اتاری ہے" روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا ہم حضور کو جنت میں بھی دیکھ سکینگے؟ آنحضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا رہا ہے جو اس پر سب سے پہلے اسلام لاتا رہا

ہے پس یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ لوگ اُن لوگون کے ساتھ ہین جن پر خدا نے اپنی نعمت نازل کی ہی یعنی نبیون اور صدیقون اور شہیدون اور نیک لوگون کیساتھ ہونگے اور یہ لوگ اُن کے اچھے رفیق ہونگی" اس کے بعد آنحضرت نے حضرت علیؑ کو بُلایا اور فرمایا کہ اے علیؑ خدائے تعالیٰ نے تیرے سوال کا جواب نازل فرمایا ہی اور تجھے میرا رفیق بنایا ہی کیون کہ تو سب سے پہلے مجھپر اسلام لایا ہی اور تو صدیق اکبر ہی۔ پانچوین حدیث نبویؐ خود بروایت حضرت علیؑ ہے جس مین آنحضرتؐ نے حضرتؐ کو "ہذا الصدیق الاکبر علی ابن ابی طالب" فرمایا۔ اختصار کی نظر سے راقم اس حدیث کو درج ہذا نہین کرتا ہی مگر یہ حدیث نہایت مستند ہی اور اس کے اخراج کرنیوالے ابوجعفر العقیلی ہین۔ اس حدیث کا منشا یہ ہی کہ جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ قیامت مین ہم چار شخصون کے سوا پانچوان شخص سوار نہوگا۔ انصار مین سے اُٹھکر عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ میرے مان باپ آپ پر فدا ہون وہ چار شخص کون ہین آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک تو وہ مین ہون کہ براق پر سوار ہونگا اور میرے بھائی صالح نبی اُس ناقۃ اللہ پر سوار ہون گے جس کے پاؤن کاٹے گئے تھے۔ اور میرے چچا حمزہؓ ناقہ عضبا پر سوار ہونگے اور میرے بھائی علیؑ جنت کی اونٹنیون سے ایک اونٹنی پر سوار ہونگے اور اُن کے ہاتھ مین لوا الحمد ہوگا اور وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پکارتے ہونگے۔ تمام آدمی کہینگے یہ کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل یا حامل عرش۔ عرش کے اندر سے ایک فرشتہ جواب دے گا کہ اے اشخاص نہ یہ مقرب فرشتہ ہی اور نہ نبی مرسل اور نہ حامل عرش۔ یہ صدیق اکبر علیؑ ابن ابی طالب ہی۔ یہان تک تو اقوال نبویؐ درج ہذا ہوئے اب جاننا چاہیے کہ خود حضرت علیؑ نے اپنے آپکو صدیق اکبر فرمایا ہی جیسا کہ روایت ہائے ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔ **روایت نمبر ۱** عَنْ مُعَاذَۃَ الْعَدَوِیَّۃِ قَالَتْ سَمِعْتُ عَلِیًّا عَلٰی مِنْبَرِ الْبَصْرَۃِ یَقُوْلُ اَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ (الرِّیَاضُ الْمُحِبُّ الطَّبَرِیْ) یعنی معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ مینے بصرہ کے منبر پر جناب امیرؑ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ مین صدیق اکبر ہون۔ اسیطرح شرح تجرید علامہ قوشجی کے صفحہ ۴۰۵ سے معلوم ہوتا ہی کہ آپ نے برسر منبر مجمع صحابہ مین یہ فرمایا کہ اَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ۔ اٰمَنْتُ قَبْلَ اِیْمَانِ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی مین صدیق اکبر ہون اور مین ایمان لایا ہون ابو بکرؓ کے ایمان لانے سے پہلے واضح ہو کہ آپنے کوئی نئی بات اپنی نسبت نہین فرمائی۔ یہ سراسر اعادہ قول جناب رسولؐ اللہ کا ہے **روایت نمبر ۲** عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ عَلِیٌّ اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَاَخُوْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ لَا یَقُوْلُہَا ذَالِکَ غَیْرِیْ اِلَّا کَاذِبٌ مُفْتَرٍ صَلَّیْتُ قَبْلَ النَّاسِ سَبْعَۃَ سِنِیْنَ (اَخْرَجَہٗ اَحْمَدُ فِی الْمَنَاقِبِ وَالنِّسَائِیُّ فِی الْخَصَائِصِ وَالْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَحَافِظُ اَبُوْ بَکْرٍ عُثْمَانُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ فِیْ سُنَنِہٖ وَابْنُ عَاصِمٍ فِی السُّنَّۃِ وَحَافِظُ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ وَالْعُقَیْلِیُّ یعنی عباد بن عبداللہ کہتے ہین کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ مین خدا کا بندہ اور خدا کے رسولؐ کا بھائی ہون اور مین صدیق اکبر ہون سوائے میرے جو اپنے کو صدیق اکبر کہے جھوٹا

منقری ہے۔ مین نے سات برس سب سے پہلے نماز پڑھی ہے۔ واضح ہو کہ یہ قول بھی آپ کا قول نبوی پر مبنی ہے پس کسی شخص کو حضرت علیؑ کے سوائے حق نہین ہے کہ اپنے کو صدیق اکبر کہے یا کہلائے ایسی صورت مین لازم آتا ہے کہ حضرت علیؑ کے سوا جو شخص اپنے کو صدیق اکبر کہے وہ جھوٹا ہے اور سب ایسے لوگ جو علیؑ کے سوا کسی کو صدیق اکبر کہین تمامتر جھوٹے ہین۔ **روایت نمبر ۳** عَنْ مُعَاذَةَ الْعُدْوِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ عَلٰى مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ اَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ اٰمَنْتُ قَبْلَ اَنْ يُّؤْمِنَ اَبُوْبَكْرٍ وَاَسْلَمْتُ قَبْلَ اَنْ يُّسْلِمَ اَبُوْبَكْرٍ (نَقَلَهُ اِبْنُ قُتَيْبَةَ فِي الْمَعَارِفِ) یعنی معاذ العدویہ کہتے ہین کہ مین نے بصرہ کے منبر پر حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مین صدیق اکبر ہون قبل اس کے کہ ابوبکرؓ ایمان لائے مین ایمان لا چکا تھا اور ابوبکرؓ کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لا چکا تھا۔ واضح ہو کہ حضرت رسول اللہ اور بھی حضرت علیؑ کے قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صدیق اکبر ہوتے کے لئے ایمان و اسلام مین سبقت کی بڑی ضرورت متصور ہے اب اہل انصاف تجویز فرمائین کہ خطاب صدیق اکبر کے مستحق علیؑ ہین یا کوئی دوسرا شخص۔ مگر نہایت جائے افسوس ہے کہ دنیا سے انصاف اٹھ گیا ہے۔ عامہ مسلمانان یہ بھی نہین جانتے کہ یہ خاص خطاب حضرت علیؑ کا ہے اور اس مین بقول نبوی کسی کو شرکت کا بھی موقع نہین ہے خاص الخاص ہو جانا اس کا کسی شخص غیر کے لئے تو خیال سے باہر ہے۔ یہی حال خطاب فاروق اعظم کا بھی ہو رہا ہے کہ حضرت علیؑ سے لے لیا گیا ہے اس خطاب کو جو تعلق حضرت علیؑ کے ساتھ ہے احادیث ذیل سے ثابت ہے۔

خطابِ فاروقِ اعظم پر نظر

حدیث نمبر ۱ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِعَلِيٍّ اَنْتَ الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ وَالْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ الَّذِيْ يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ (رِيَاضُ النَّضِرَةِ فِيْ خِصَالِ الْعَشَرَةِ لِلْمُحِبِّ الطَّبَرِيِّ) یعنی ابوذر راوی کہتے ہین کہ مین نے جناب رسول خدا کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اے علیؑ تم صدیق اکبر اور ایسے فاروق اعظم ہو کہ حق و باطل مین فرق کر دو گے۔ **حدیث نمبر ۲** عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ هٰذَا اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِيْ وَهٰذَا اَوَّلُ مَنْ يُّصَافِحُنِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهٰذَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ وَهٰذَا الْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَهٰذَا يَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَالُ يَعْسُوْبُ الْمُنَافِقِيْنَ (اَخْرَجَهُ الدَّيْلَمِيُّ) یعنی سلمان فارسی سے روایت ہے کہ آنحضرت نے حضرت علیؑ کی نسبت یہ فرمایا کہ یہ شخص پہلا ہے جو ہم پر ایمان لایا اور یہ شخص پہلے ملے گا ہم سے قیامت کے دن اور یہ شخص صدیق اکبر اور ایسا فاروق اعظم ہے جو فرق کرنیوالا ہے درمیان حق اور باطل کے اور یہ شخص سردار ہے مومنین کا اور مال دنیا سردار ہے منافقین کا۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ فاروق اعظم ہونے کے لئے ویسی ہی سبقت بالایمان درکار ہے جیسی سبقت بالایمان صدیق اکبر ہونے کے لئے۔ پس یہ خطاب فاروق اعظم کا حضرت علیؑ کے سوا کسی دوسرے

شخص کے لئے خاص الخاص ہونا تو درکنار مشترک طور پر بھی لنسبتاً کسی غیر شخص کیلیے جائز نہین ہوسکتا۔

حدیث نمبر ۳۳ عَنْ اَبِیْ لَیْلیٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ فِتْنَۃٌ فَاِذَا کَانَ ذٰلِکَ فَالْزِمُوْا عَلِیًّا فَاِنَّہٗ اَلْفَارُوْقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ (اَخْرَجَہٗ اَلْخَوَارَزْمِیُّ وَالدَّیْلَمِیُّ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِی الْاِسْتِیْعَابِ) یعنی ابولیلی راوی ہین کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ عنقریب میری اُمت مین فتنہ برپا ہوگا جب ایسا ہو تو تم ملازمت علیؑ کی اختیار کرو بتحقیق وہ حق و باطل مین فرق کرنیوالا ہے اس حدیث سے حضرت علیؑ کا فاروق ہونا تو ثابت ہی ہے مگر اور بھی ضروری باتین اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہین سَیَکُوْنُ کے حرف سین سے عیان ہے کہ رسولؐ اللہ اس بات کو جانتے تھے کہ مسلمانون مین فتنہ قریب مین واقع ہونیوالا ہے۔ کوئی ایسا امر جو جناب رسولؐ اللہ کے بعد ہی ایسا رنگ رکھتا ہو جس کو عام مسلمانون سے تعلق ہو اور حضرت علیؑ بھی اُسوقت مین موجود ہون پھر وہ امر ایسا بھی ہو کہ حضرت علیؑ اور عام بنی ہاشم کی مخالفت کیساتھ ہو سقیفۂ بنی ساعدہ کے اجماع کے سوا دوسرا نہین معلوم ہوتا۔ یہ ایک ایسا ہنگامہ یا فتنہ تھا کہ جس نے آجتک اسلامی دنیا کو اختلاف مین ڈال رکھا ہے۔ اگر مخالفین بنی ہاشم اس کو فتنہ نہ سمجھین تو نہ سمجھین آلِ محمدؐ اور عام بنی ہاشم کی نگاہ مین تو سقیفہ کا معاملہ بیشک فتنہ ہی تھا اسی ہنگامہ کا فوری نتیجہ تو یہ ہوا کہ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے ساتھ نہایت سخت بے ادبانہ کارروائیان ظہور مین آئین اور اُس کے بعد آلِ محمدؐ کے ساتھ ایسے سلوک ہوتے رہے جو اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہین ایسے معاملہ سقیفہ کو اگر فتنہ نہ کہینگے تو کیا کہینگے پس جناب رسولؐ اللہ کو اپنے علم نبوت کی رو سے معلوم تھا کہ عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے کو ہے۔ اس علم کی بنیاد پر آپ نے یہ فرمایا کہ جب ایسا فتنہ برپا ہو اور جس کے برپا ہونے مین دیر نہین ہے تو ایسے وقت مین تم اے مسلمانو علیؑ کا ساتھ دینا۔ مگر افسوس ہے کہ چند اشخاص کے سوا ایسے وقت مین حضرت علیؑ کا کسی نے بھی ساتھ نہ دیا اور حکم نبویؐ پر مطلق عامل نہوئے۔ اُن چند متمسکانِ علیؑ مین سے ممتاز حضرات ابوذرِ غفاری۔ سلمان فارسی مقداد اور مالک اشتر ہین۔ اسی معاملہ سقیفہ کا یہ بھی ایک نتیجہ ہے کہ ہزارون مسلمان اس عہد کے بھی اگر بظاہر نہین تو دل مین آلِ محمدؐ سے کشیدگی رکھتے ہین مین کشیدگی کی بہت سی مثالین عرض کرسکتا ہون منجملہ اُن کے دو مثالین مین یہان عرض کرتا ہون **نمبر ۱** تین سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ جناب شمس العلما مولانا مولوی شبلی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کلکتہ مین تشریف رکھتے تھے ہمخانہ ہونیکے باعث مین اکثر اُنکی خدمت مین حاضر رہتا تھا۔ ایک روز مرزا حیرت دہلوی کا ذکر آگیا اہل ہند واقف ہین کہ جیسی ارادت مرزا صاحب کو عموماً خاندان پیغمبرؐ اور خصوصاً علی مرتضیٰؑ کے ساتھ ہے چند منٹ تک تو مرزا صاحب کی مخالفت علیؑ کا ذکر بیش رہا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ مرزا صاحب کے شان مرتضویؑ کے خلاف مین کوئی بات اُٹھا نہین رکھی ہے البتہ یہ امر ہر دوستدار آلِ محمدؐ کے نزدیک مقدوح متصور ہے۔ مگر جب شمس العلما صاحب نے یہ فرمایا کہ بہت حضرات اہل سُنّت مرزا صاحب کے سبِّ علیؑ سے نہایت خورسند ہین تو مجھے کوئی تعجب نہین ہوا اس لئے کہ مین مختلف مذاہب دنیا سے کم و

بیش طور پر واقف ہوں اور اُن کے مختلف تقاضوں سے بالکل بےخبر نہیں ہوں۔ میں تو چپ رہا مگر جناب مولانا نے اس خورسندی کی توجیہ اُن حضرات کی زبانی یوں فرمائی کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم لوگ تو شیعوں کے بزرگواروں کو کچھ کہہ نہیں سکتے اور وہ بے تکلف ہمارے حضرات خلفا کو بد کہتے ہیں اب ہم لوگوں میں ایک ایسا شخص تو ہوا جو شیعوں کے بزرگواروں کو سخت وسست کہتا ہے اور ہم لوگوں کی طرف سے شیعوں کی بدگوئی کا معاوضہ کرتا ہے۔ اس سے اتنا تو ظاہر ہے کہ بہت سے حضرات اہل سنت اگر خود سبِ علیؑ نہ کریں تو نہ کریں مگر سبِ علیؑ سے خورسند تو ہیں ایسے حضرات ایسے فتنہ کے وقت میں جسکی نسبت جناب رسول اللہؐ یہ فرماتے ہیں کہ عنقریب برپا ہونے کو ہے علیؑ کا کیا ساتھ دے سکتے تھے۔ ایک مثل ہے کہ تانت باجی راگ پایا **مثال نمبر ۲**

ایک صاحب ولی کے رہنے والے قوم کے پٹھان جو میرے ایک عزیز کے رفقا میں سے تھے مجھے روز دیکھنے کو آتے تھے اور روز دیر تک میری صحبت میں رہا کرتے تھے میں ان کو سُنی مذہب جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ بڑے سخت سُنی ہیں اسلیئے کبھی ذکر اہل بیت نبوی کا اُن کے سامنے نہیں کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز میری زبان پر بلا قصد یہ مصرع سعدیؒ کا ع کس را چہ زور و زہرہ کہ وصفِ علی کند چڑھ گیا۔ میرا روئے سخن اُنکی جانب نہ تھا مگر اُس کو سنکر خانصاحب کی عجب حالت ہوگئی چہرہ سُرخ ہوگیا غصہ کے مارے منہ پر کف آگیا۔ چاہتے تھے کہ مجھے کچھ سخت وسست فرماویں مگر افراطِ غیظ سے گفتار پر قادر نہیں ہوسکتے تھے آخر کار جب اُن کے مزاج کو افاقہ ہوا تو فرمانے لگے کہ یہ مذہب کی بات ہے اس میں تلوار چل جاسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جائے غور ہے کہ خانصاحب میرے نمکخواروں میں سے تھے اور ہم سے کوئی بات تبرا کے انداز کی نہیں کہی تھی اس پر بھی اُن کے غیظ کی یہ حالت تھی کہ اگر واقعی وہاں پر کوئی تلوار موجود ہوتی تو خانصاحب میرے لیئے ابن ملجم بن جاتے۔ بہرحال میں نے خانصاحب کی بہت دلجوئیاں کیں اور آئندہ بھی اُن کی وفات تک مدارات سے اُن کو محروم نہیں رکھا۔ یہ دو مثالیں ایسی ہیں کہ جن سے بہت سے مسلمانوں کے تولّائے اہل بیتؑ کا پتا لگتا ہے۔ ہزاروں مرزا حیرت دُنیا میں موجود ہیں۔ مرزا صاحب نے چونکہ عداوت اہل بیتؑ سے اپنی شہرت پیدا کرلی ہے اسلیئے اُن کو اہل سنت مخالف اہل بیت جانتے ہیں ورنہ حقیقت میں آپکے انداز کے ہزاروں ایسے اشخاص ہیں جنکے قلبی معاملات پنہان ہیں اور پنہان ہی رہجائینگے۔ اب مجھے دکھلانا ہے کہ سیف اللہ خطاب حضرت علیؑ کا ہے اس کے ثبوت میں یہ حدیث حوالہ قلم ہوتی ہے۔

خطاب سیف اللہ پر نظر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ھٰذَا عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ ھٰذَا سَیْفُ اللّٰہِ الْمَسْلُوْلُ عَلٰی اَعْدَائِہٖ (اَخْرَجَہٗ اَبُوْ سَعِیْدٍ فِیْ شَرَفِ النُّبُوَّۃِ) ابن عباس روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ یہ خدا کی شمشیر برہنہ ہے دشمنان

خدا کے لیئے۔ یہ خطاب بھی آپ سے منتقل شدہ نظر آتا ہی مگر حق یہ ہے کہ آپ کے سوا اس خطاب کا مستحق کوئی دوسرا شخص ہو نہین سکتا۔ واقعی یہ خطاب اُسی کو زیبا ہی جو فاتح بدر و بدر و خندق و احد و خیبر و حنین ہے آخر مین مین خطاب صدیقہ کا ذکر کرتا ہون۔ جاننا چاہیئے کہ یہ خطاب خاص حضرت سیدہ خاتون جنت علیہا الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ مگر یہ بھی مثل خطاب ہائے بالا کے مختص آپکی ذات پاک کے ساتھ نہین رکھا گیا۔ وہ حدیث جسکی رو سے آپ مستحق اس خطاب بزرگ کی ہین یہ ہے۔ عَنْ اَبِی الْحَمْرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ اُوْتِیْتَ ثَلٰثًا لَا یُؤْتٰی اَحَدٌ وَلَا اَنَا اُوْتِیْتَ صِھْرًا مِثْلِیْ وَلَمْ اُوْتَ اَنَا مِثْلِیْ وَاُوْتِیْتَ صِدِّیْقَۃً مِثْلَ بِنْتِیْ وَلَمْ اُوْتَ مِثْلَھَا وَاُوْتِیْتَ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مِنْ صُلْبِکَ وَلَمْ اُوْتَ مِنْ صُلْبِیْ مِثْلَھُمَا وَلٰکِنَّکُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکُمْ (اَخْرَجَہُ الدَّیْلَمِیُّ) یعنی ابو حمرا روایت کرتے ہین کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ ای علی تجھ کو تین ایسی باتین عطا ہوئی ہین کہ کسیکو حتی کہ مجھ کو بھی نہین ملی ہین۔ تجھ کو خسر مجھ سا ملا ہے اور مجھ کو مجھسا نہین ملا۔ تجھ کو صدیقہ میری بیٹی جیسی ملی ہی مجھ کو ویسی نہین ملی۔ تجھ کو حسن و حسین تیری صلب سے عطا ہوئے ہین۔ مگر مجھ کو ان جیسے نہین ملے حق یہ ہی کہ تم مجھ سے ہو اور مین تم سے ہون۔ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہی کہ رسول اللہ کی کوئی بی بی حتی کہ حضرت خدیجہ بھی حضرت خاتون جنت کے برابر نہین ایسی صورت مین صدیقہ کے خطاب کا استحقاق دنیا کی کسی بی بی کو نہین ہو سکتا ہے عقل انسانی تو یہی کہتی ہی مگر ہٹ دھرمی کا جواب تو خدائے تعالیٰ کے پاس بھی نہین ہی۔ حضرات اہل سنت افضل النساء ام المومنین حضرت عائشہ کو جانتے ہین اور حضرت ممدوحہ کے بعد یا ساتھ ہی ساتھ حضرت خاتون جنت علیہا وابیہا التحیۃ والسلام کو بھی افضل النساء مانتے ہین مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قابل ترجیح سمجھتے ہین جیسا کہ حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہی آپ غنیۃ الطالبین مین فرماتے ہین (صفحہ ۱۹۲ نسخہ مطبوعہ) اَوَاِنَّ عَائِشَۃَ اَفْضَلُ النِّسَاءِ الْعَالَمِیْنَ وَبَرَّاَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ قَوْلِ الْمُلْحِدِیْنَ فِیْھَا بِمَا یَقْرَءُ وَیُتْلٰی اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَکَذٰلِکَ فَاطِمَۃُ بِنْتُ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا وَعَنْ بَعْلِھَا وَغَیْرِہٖ وَغَیْرِہٖ اِلَی الْاٰخِرَۃ یعنی بہ تحقیق کہ حضرت عائشہ تمام عالم کی بی بیون سے افضل ہین بدین دلیل کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ممدوحہ کو الزام ملحدین سے پاک فرمایا اس خبر کی نسبت کہ تا قیامت پڑھی جایا کریگی اور اسی طرح فاطمہ دختر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل النساء تمام عالم مین ہین حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہ کے مسبوق الذکر کرنے سے فرق مرتبہ کا اظہار عیان ہی حضرت ممدوحہ کے عالی مرتبت ہونے مین جائے گفتگو کسی صاحب حواس کو نہین ہو سکتی آپ جب ام المومنین ہین تو آپکا مرتبہ بالیقین بہت رفیع ہونا قیاس ہی کسی مسلمان کو اس مین خس برابر عذر نہین ہو سکتا مگر تمام عالم مین افضل النساء ہونے کی یہ دلیل کہ آپکو خدا نے تعالیٰ نے ایک ذنبیاو الزام سی پاک فرمایا۔ یہ کیونکر افضل النساء ہونے کی دلیل خاص ہو سکتی ہے اس سے صرف اسیقدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو ملاعین تہمت نے

زبان طعن کھولی تھی وہ ان شامیتوں کی کمبختی تھی حضرت ممدوحہ مطاعن اعداسے تمامتر پاک تھین ظاہر ہو کہ قرآن
مین ارشاد خداوندی جو اس مادے مین ہو حکم برات تامہ کا رکھتا ہے۔ اسکو کسیکی افضلیت اور معصومیت سے تعلق نہین
ہو البتہ یہ قول نبوی جو داخل حدیث بالا ہو یعنی اُوْتِیْتَ صِدِّیْقَۃً مِّثْلَ بِنْتِیْ وَلَمْ اُوْتَ مِثْلَہَا (اے علی تجھکو
صدیقہ میری بیٹی جیسی ملی ہے مجھکو ویسی نہین ملی) ایک ایسا قول ہو جس سے صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ نہ
حضرت خدیجہؓ نہ حضرت عایشہ اور نہ آنحضرتؐ کی کوئی اور زوجہ حضرت خاتونؑ جنت کے برابر سمجھی جا سکتی ہو۔ یہ صرف حضرت
ابو بکرؓ کے محبت کا تقاضا ہو کہ حضرات اہل سنت حضرت عائشہؓ کو حضرت خاتونؑ جنت سے بھی افضل کیئے دیتے
ہین حقیقت یہ ہو کہ دختر نبیؐ تمام اسلامی بیبیون سے اور نیز تمام عالم کی بیبیون سے افضل اور سب بیبیون کی مخدومہ
ہین اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ راقم کو حاشا و کلا کسی طرح پر تنقیص شان حضرت ام المومنین منظور نہین
ہو جو حضرت ممدوحہ کا مرتبہ ہو وہ خدا پر روشن ہو۔ مگر یہ کوئی مسلمانی نہین ہو کہ حضرت ممدوحہ تمام عالم مین
افضل النسا قرار دیجائین اور حضرت خاتونؑ جنت سے بھی آپکا درجہ رفیع تر سمجھا جائے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ
نہین ہو کہ جب آیہ تطہیر نازل ہوئی اور نص قرانی نے اہل بیتؑ نبوی کو مطہر ثابت کر دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میرے لیئے کیا حکم ہوتا ہو تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تو اپنے درجہ
پر ہے اور حق بھی یہی ہو کہ آپ اپنے درجہ پر ہین محمد مصطفےٰؐ جیسے نبی کی بی بی ہونا کیا کوئی چھوٹی بات ہو یہ ایک بہت
بڑا درجہ ہے مگر وہ ناعقبت اندیش جو بلا ضرورت حضرت ممدوحہ کی بد قرینہ محبت مین آپکے درجہ کو اعتدال کی حد
تک برقرار نہین رکھ سکتے ہین اُن پر حکم دوست نادان کا صادق آتا ہے۔ پانچوین مثال تنقیص شان آل محمدؐ کی
درج ذیل ہوتی ہے۔

تنقیص شان آل محمدؐ کی عقد حضرت ام کلثومؑ کے لگاؤ سے

اس جگہ مجھے ایک ایسے امر سے بحث کرنا ہو جو میرے لئے اور صاحب شرم و حیا کیلیئے ایک بڑا سرمایہ ہولان
روح کا ہو۔ ناچار بضرورت تصنیف مین اس کا اعادہ کرتا ہون گو روح اسکے اعادہ سے لاکھون کوس بھاگتی
ہو۔ خیر جاننا چاہیے کہ ام کلثومؑ حضرت علیؑ کی بیٹی بطن حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم
سے تھین۔ اس معصومہ کی نسبت علماے اہل سُنت نیز بعض علماے شیعہ عبرت خیز اور وحشت انگیز مضامین حوالۂ
قلم کرتے ہین۔ راقم کو دونون فرقہ کی تحقیق سے اختلاف ہے جیسا کہ اینده ظاہر ہوگا۔ کتاب اسعاف الراغبین
مین درج ہے کہ صحیح یہ ہے کہ استدعاے عقد کی حضرت عمرؓ نے درباب عقد ام کلثومؑ بنت فاطمہؑ کے حضرت علیؑ
سے مگر حضرت علیؑ نے حیلہ کیا اور دختر کی کم سنی کا عذر پیش کیا حضرت علیؑ کی نیت مین تھا کہ اُس معصومہ کو حضرت
جعفر طیار کے بیٹے سے بیاہ دین۔ مگر حضرت عمرؓ نے بہت منت و سماجت کی اور منبر پر جا کر بہ اعلان بیان کیا کہ میری
منت علیؑ سے صرف اس غرض سے ہے کہ قرابتمندان جدی و رحمی و دامادی پر رسول اللہؐ کے آتش جہنم حرام ہو۔

پس اُم کلثوم کو بطرز عروس آراستہ کر کے حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدیا جب حضرت خلیفہ نے اُس معصومہ کو دیکھا تو اسے اپنی گود مین بٹھلایا اور اُس کا بوسہ لیا اور اُسکی رعایت کی اور جب وہ معصومہ کھڑی ہوئی تب تھام لیا اُسکی ران کو اور کہا کہ باپ سے کہنا کہ ہم راضی ہین اور جب اُس معصومہ نے باپ سے سب ماجرا بیان کیا تب نکاح پڑھوا دیا حضرت علیؓ نے اور پیدا ہوئے اُس معصومہ سے زید ابن عمرؓ۔ ابن حجر کہتے ہین کہ بوسہ لینا اور سینہ سے لگانا اکرام اور تعظیم کی بنا پر عمل مین لایا گیا تھا اور یہ اس سبب سے کہ وہ معصومہ صغیر سن تھین اور حد بلوغ کو نہین پہنچی تھین۔ ابن صباغ کہتے ہین کہ یہ ماجرا ۱۷ھ ہجری کا ہے اور اس سن کے ذیقعدہ مین حضرت عمرؓ اُس معصومہ کو اپنے تصرف مین لائے اور دین مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا تھا۔ مورخ ابو الفداء اور صاحب سیرۃ المحمدیہ نے بھی حضرت عمر کے اس عقد کے مضمون کو لکھا ہے۔ اسی طرح بعض شیعہ علماء بھی اس عقد کے وقوع سے اقرار کرتے ہین بلکہ مشرح طور پر اپنی اپنی تصنیف مین اس حیرت خیز واقعہ کو جگہ دیتے گئے ہین جیسا کہ حدیقۃ الشیعہ مصنفہ شیخ احمد اردبیلی کے صفحہ ۲۷۷ مین مندرج ہے اور یہی قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین کتاب استغاثہ پر حوالہ کر کے حوالۂ قلم کیا ہے۔ مین یہان حدیقۃ الشیعہ کی تحریر پر اکتفا کرتا ہون۔ صاحب کتاب مذکور لکھتے ہین (ترجمہ) حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حضرت علیؓ کی خدمت مین خواستگاری اُم کلثوم کی بنا پر بھیجا حضرت علیؓ نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ علیؓ ہمسے ننگ رکھتے ہین۔ بخدا مین اُن کے قتل مین کوشش کرتا ہون۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو اسکی خبر کرائی۔ حضرت علیؓ نے اسے سنکر فرمایا کہ قتل کیا جانا اور ہے اور بیٹی دینا اور ہے۔ مین ہرگز اُنہین بیٹی نہ دونگا۔ اسپر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ تم جمعہ کے دن مسجد مین حاضر ہونا تاکہ جو کچھ وہان گذرے اُسے تم سن سکو حضرت عباسؓ روز جمعہ کو مسجد مین حاضر ہوئے حضرت عمرؓ کو بعد خطبہ کے یہ کہتے سنا کہ "ایھا الناس" اصحاب رسول اللہ مین ایک شخص ہے جسنے زنا کی ہے مگر اُسکے اس فعل کا کوئی گواہ نہین ہے "تم سب ایسے شخص کے بارے مین کیا کہتے ہو مسجد کی ہر طرف سے شور اُٹھا کہ امیر المومنین کو گواہ کی حاجت نہین ہے۔ اگر حکم دیا جاوے تو ہم اُس زانی کو قتل کر ڈالین۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ منبر سے اُتر آئے اور حضرت عباسؓ سے فرمانے لگے کہ اگر علیؓ مجھے بیٹی نہین دینگے تو جو کچھ ہم ابھی کہہ چکے ہین۔ ویسا ہی کرینگے۔ حضرت عباسؓ یہ سنکر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور حقیقت حال بیان کی حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ آپ کے کہنے سے پہلے ہم اسکو جان چکے تھے مگر ہم بیٹی نہ دینگے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ عمر ایک شخص بے شرم اور ستیزہ کار ہے اگر آپ بیٹی نہ دیجئیگا ہم بضرورت اُس لڑکی کو حضرت عمرؓ کو دیدینگے اور یہ اس غرض سے کہ خصومت دور ہو جاوے۔ ہم یہی سمجھینگے کہ یہ بیٹی کبھی پیدا ہی نہین ہوئی تھی۔ پس حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر علیؓ کو بیٹی دینے سے انکار ہے تو ہمین انکار نہین ہے اسکی بعد حضرت عمرؓ نے لوگون کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ عباسؓ علیؓ کے چچا ہین وہ وکالتاً علیؓ کی بیٹی مجھے دیتے ہین۔ یہ روایت فرقۂ شیعہ کی ہے۔ عموماً ہم اس تصنیف مین شیعون کی کسی کتاب سے سند نہین لیتے ہین

حضرات ناظرین اس روایت کو جس نظر سے دیکھین دیکھین مجھے یہان پر اسکی نسبت اظہار رائے کی ضرورت نہین ہے۔ المختصر فریقین کی کتابون مین یہ قصہ حضرت اُمِ کلثومؑ کے عقد کا دیکھا جاتا ہے۔ مگر راقم کی دانست مین حضرت عمرؓ کا عقد حضرت اُمِ کلثومؑ بنت فاطمہؑ کے ساتھ ہرگز ظہور مین نہین آیا۔ اسلیئے کہ حسب قول ابن صباغ اس معصومہ کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ سنہ ۱۷ ہجری مین انجام پایا اسوقت وہ معصومہ ضرور ہے کہ بہت صغیر سن ہون۔ اگر کم عمر نہوتین تو حسب قول ابن حجر حضرت عمرؓ قبل از نکاح اُس معصومہ کا بوسہ کیون کر لے سکتے وغیرہ وغیرہ پھر وہی ابن صباغ لکھتے ہین کہ اس سال کے ذیقعدہ مین حضرت عمرؓ اُس معصومہ کے متصرف ہوئے۔ بلاشبہ اسقدر کم سن لڑکی کے ساتھ ہمبستر ہونا ایک امر تمامتر خلاف عقل ہے۔ ظاہرا راقم کو یہ سب باتین بے سروپا معلوم ہوتی ہین۔ راقم کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُمِ کلثوم بنت ابوبکرؓ کے ساتھ عقد کیا تھا اُس اُمِ کلثوم کی ماں حضرت علیؑ کے نکاح مین آئی تھین اور اس رو سے حضرت علیؑ کی دختر ربیبہ تھین۔ راقم کے قیاس مین فریقین کے علماء کا اقرار عقد اُمِ کلثوم بنت علیؑ سے کسی خاص غرض پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ علمائے اہل سُنت اس واقعہ کے قائل اس نظر سے ہوئے ہین کہ اس عقد کی بدولت رسول اللہ کی دامادی کی بنا پر حضرت عمرؓ قطعی جنتی ثابت ہوئے جاتے ہین۔ علمائے امامیہ اس واقعہ سے اقرار اس مطلب کا کرتے ہین کہ اس سے حضرت عمرؓ کا ظالم اور غاصب ہونا ظاہر ہوتا ہے جو عقلاً قطعی جنتی ہونیکی شان نہین ہو سکتی ہے۔ خیر ہم ذیل مین اپنے خیالات علمائے اہل سُنت کی تحریرات کی بنا پر حوالۂ قلم کرتے ہین۔

اگر حضرات اہل سنت کی تحقیق درست ہے تو یہ معاملہ عقد کا بہت سے زشت پہلو رکھتا ہے۔ واہ قطعی جنتی بننے کی حضرت عمرؓ نے خوب راہ نکالی۔ ساٹھ برس سے متجاوز سن مین ایک نہایت صغیر سن بے ماں لڑکی سے اُسکے باپ کی مرضی کے خلاف درآنحالیکہ اُس غریب لڑکی کی ایک مناسب جگہ نسبت ہو چکی تھی عقد فرما لیا خدا کے واسطے اے ساکنان دنیا سن و سال بھی معاملات عقد و نکاح مین قابل لحاظ امور ہوتے ہین۔ اپنے قطعی جنتی بننے کے لیئے اگر کوئی دوسرا شخص جیتے جی دوزخ مین چلا جائے تو چلا جائے ایک طرفہ مضمون ہے ایسے عقد سے اُمِ کلثوم اس دنیا کے دوزخ مین تو ضرور پڑ گئین گو اُن پر آخرت کا دوزخ بالیقین حرام ہے۔ لاریب ایسی حرکت کوئی خیر اندیش بنی آدم کا نہین کر سکتا ایسے فعل کے مرتکب ہونے کیلیئے بڑی شقاوت قلبی کی ضرورت ہے۔ یہ امر کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کی منت و سماجت پر اُس آسان طور سے جیسا کہ کتاب اسعاف الراغبین مین لکھا ہے۔ اُمِ کلثوم کو بطرز عروس آراستہ کر کے حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدیا نہایت توقع کے باہر ہے۔ ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کے ساتھ نہایت درشتی کے ساتھ پیش آئے حضرت عمرؓ نے الزام زنا کا حضرت علیؑ پر عاید کیا یا نہین مگر اسمین خس برابر شک نہین ہے کہ ایسی درشت کارروائی کیگئی کہ علیؑ کو اپنی مرضی کے خلاف اس معاملہ مین سکوت اختیار کرنا پڑا۔ خیر۔ اگر کتاب بالا کا مضمون صحیح ہے تو اوس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم اسقدر کمزور ہو گئے تھے اور اُنکی شان اسقدر کم ہو گئی تھی کہ حضرت خلیفہ اس وقت کے

سردار بنی ہاشم کی ایک نہایت صغیر سن لڑکی کو اس آسانی کے ساتھ اپنے عقد مین لے آئے مجھے اس کتاب مین اسقدر دکھلانا ہی کہ آلِ محمدؐ کی ہر طرح کی ذلتین کیون کر وجود مین آتی گئین یہان تک کہ واقعہ کربلا ظہور مین آیا اور اُسکے بعد سادات کُشیان اور طرح طرح کی آلِ محمدؐ کے ساتھ بے اعتنائیان واقع ہوتی گئین۔ یہ واقعہ عقد اُمِ کلثوم کا حسب بیان علمائے اہلِ سُنّت ایک ملال خیز واقعہ ہے۔ اور بالیقین آلِ محمدؐ کی بڑی ذلت اور کمزوری کی خبر دیتا ہی۔ اس واقعہ کے وحشت انگیز ہونے مین کیا گفتگو ہو سکتی ہی۔ ہر چند مولوی سید مہدی علیصاحب عرف نواب محسن الملک بہادر نے حضرت عمرؓ کی اس حیرت انگیز کارروائی کی بڑی تائید کی ہی مگر چونکہ نواب ممدوح خود لاولد تھے اس عقد بے سروپا کی ایذا رسانیون کو اپنے اوپر قیاس کرنے سے مجبور رہی اے ساکنان دنیا عام اس سے کہ تم یہودی ہو یا ہندو عیسائی ہو یا مسلمان لامذہب ہو یا بامذہب۔ مین تمسے پوچھتا ہون کہ تمہارا دل کیا کہیگا اگر تمہاری کوئی چار یا پانچ برس کی بیٹی ہو اور باپ کی حیثیت سے تم اسے ایک معقول اور مناسب دولہا سے بیاہنا چاہتے ہو لیکن کوئی ایک بوڑھا ساٹھ برس کا بیچ مین کود پڑے اور زور دکھا کر تمہاری معصوم بچی کو اپنے پاس بلوالے اور جب وہ صغیر سن بچی اُس بوڑھے کے پاس پہنچ جائے تو وہ قبل از نکاح اُسکو اپنی گود مین بٹھلائے اور پھر وہ بوڑھا اسکا بوسہ لے اور اسکو اُسکے گھر واپس آنیکے وقت اسکی ران تھام لے۔ اے دنیا مین صغیر سن بیٹی رکھنے والو سچ کہو آیا تم کو یہ سب عمری کارروائیان کبھی پسند آسکتی ہین۔ ضرور تمہاری شرافت اور نجابت چلا اٹھیگی کہ ہرگز نہین ہرگز نہین۔ جائے لحاظ ہے کہ ابن حجر صاحب نے حضرت عمرؓ کے بوسہ لینے کی توجیہ تو اس طور پر کر دی کہ یہ بوسہ لینا براہِ اکرام و تعظیم تھا مگر ران تھامنے کی کوئی توجیہ نہین کر سکے شاید ابن حجر کے قبیلہ مین غیر محرم سے عورتون کا ران تھموانا ایک رسمی امر تھا جو اس محقق نامی کو قابلِ توجیہ نہین معلوم ہوا۔ المختصر حضرت عمرؓ کا یہ سارا قصہ عجب طرح کا ایذا دہ معلوم ہوتا ہی۔ قطعی جنتی ہونیکی تمنا مین ایک ایسی بیگناہ معصوم صغیر سن اور بے مادر لڑکی کی قربانی کو روا رکھنا کسی مذہب مین جائز نہین ہو سکتا۔ تماشا ہے کہ حسب عقیدہ حضرات اہلِ سُنّت حضرت خلیفہ داخل عشرہ مبشرہ ہونیکے باعث قطعی جنتی تو تھے ہی۔ پھر کیا ضرورت آپڑی جو ایسی لڑکی اور اُسکے باپ اور نیز اُسکے تمام قبیلہ پر ایسا ظلم شدید روا رکھا گیا۔ اے اہلِ انصاف اسے ظلم شدید نہ کہینگے تو کیا کہینگے۔ شیعون کے راویون کو تو دور کیجیے اہل سنت کے بیانات سے یہ قصہ عقد امِ کلثوم کا کیا کم مقدوح نظر آتا ہے۔ حق یہ ہی کہ اگر علمائے اہلِ سُنّت کا بیان صحیح ہے تو یہ لڑکی بنی ہاشم سے چھین لی گئی ہو۔ ہرگز ہرگز حضرت علیؑ کی رضامندی سے امِ کلثوم کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ عمل مین نہین آیا حضرت علیؑ بیچارے حضرت عمرؓ سے نافر تھے۔ نفرت کی ہزارون وجہین تھین حضرت علیؑ حضرت عمرؓ کو اپنا جانی اور مالی دشمن جانتے تھے جیسا کہ اہلِ تحقیق سے پوشیدہ نہین ہے۔ یہ امر خیال سے باہر ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی بیٹی حضرت عمرؓ کو خوشی سے دی ہوگی۔ اس پر ایک بھاری دلیل یہ ہے کہ رسولِ خدا نے بھی اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ درخواست آنحضرت عمرؓ پر نہین دی تھی۔ پس علیؑ کہ جو قدم بقدم حضرت رسولِ خدا کی راہ پر چلتے تھے ممکن نہ تھا کہ

حضرت عمرؓ کو اپنی بیٹی دیکر رسول اللہ کی مصلحت کے خلاف عامل ہو سکتے - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت رسول خدا کے اِس انکار کے باعث حضرت عمرؓ کو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ سے قلبی عداوت پیدا ہو گئی تھی اور یہ عداوت حضرت عمرؓ کی آخر عمر تک قایم رہی - یہ ایک بڑا جھوٹ مسلمانون مین مانا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ مین محبت یا اتفاق کی صورت پیدا تھی - اِن دونون کی نااتفاقی حد درجہ کی ہو رہی تھی اور یہ کوئی خلاف توقع امر نہ تھا خاصکر اُس حال مین کہ حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ طبیعت و تعلیم سے کسیطرح کی ہم مذاقی نہین رکھتے تھے - خیر - اگر بالفرض یہ واقع سچ ہے جیسا کہ اہل سنت کہتے ہین تو اتنا کہدینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بڑے بھاری ارادے کے بزرگ تھے - اسلیئے کہ اگر رسول اللہ کے زمانہ مین حضرت فاطمہؑ کو حبالۂ نکاح مین نہ لا سکے تو نہ لا سکے بعد رسول اللہ حضرت فاطمہؑ کی اسقدر صغیر سن بیٹی کو تو اپنے عقد مین لے آئے - قوت ارادہ ایک بڑی چیز ہے آخرکار اُس قوت کی بدولت کس آسانی کے ساتھ حضرت عمرؓ نے اپنے کو قطعی جنتی بنا ڈالا واہ واہ واہ ماشاء اللہ صاحب تدبیر ہونا بھی کیا چیز ہے -

عقیدہ پنجتن پاک کا خاص عقیدہ شیعون کا ہے

اب راقم الحروف اُس اختلاف فریقین کو دکھلاتا ہے جو مضمون پنجتن پاک سے تعلق رکھتا ہے جاننا چاہیے کہ پنجتن پاک شیعون کا عقیدۂ خاص ہے - اس عقیدہ سے اہل سنت خس برابر بھی تعلق نہین رکھ سکتے ہین - اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرات علمائے اہل سنت آیۂ تطہیر کو رسول خدا علیؑ - فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کے ساتھ کسی طرح پر مخصوص نہین جانتے ہین نہ آیۂ مباہلہ کو علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ اور حسینؑ سے بالتخصیص متعلق سمجھتے ہین - آیۂ تطہیر مین حضرت عائشہ حضرت زبیر حضرت طلحہ وغیرہ وغیرہ کو بھی داخل کرتے ہین جس سے پنجتن سے زیادہ تن ہو جاتے ہین - ظاہر ہے کہ اس ترکیب سے پنجتن پاک کا مضمون تمامتر رخصت ہوا جاتا ہے - بعض حضرات اہل سنت جو عقیدۂ پنجتن پاک کے پابند نظر آتے ہین وہ یقیناً بقاعدہ اور بے اصول سُنّی ہین - جو چیز اُنکے مذہب مین نہین ہے اُسکی پابندی اُنکی لاعلمی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے - ایسے سنیون کو شیعہ ہو جانے کیلیے کس نے منع کیا ہے سُنّی ہوکر شیعہ کا عقیدہ رکھنا چہ معنی دارد - یہ اسیطرح کی بات ہے جیسا کہ بعض حضرات اہل سنت سنتے چہاردہ معصوم کا عقیدہ بھی رکھتے ہین حالانکہ مذہب اہل سنت کو عقیدۂ چہاردہ معصوم سے بھی کوئی تعلق نہین ہے -

یہان پر یہ بھی گذارش کر دینا ضرور ہے کہ حضرات اہل تسنن کے عقیدہ کے مطابق خاندان پیغمبرؐ کے ائمہ اثنا عشر علیؑ مرتضیٰ اور امام مہدیؑ آخر الزمان کے سوا کسی طرح عقائد مذہبی مین داخل نہین ہین جناب علیؑ مرتضیٰ چونکہ خلیفہ چہارم ہین اسلئے خلفائے راشدین مین داخل ہین اور یہی یکیے از دوازدہ خلفائے اہل سنت ہین اور امام مہدی علیہ السلام حسب عقیدۂ اہل سنت قیامت کے قریب تشریف لائینگے اسلئے عقیدۂ اہل تسنن مین داخل ہین - ورنہ خاندان پیغمبرؐ کے بقیہ ائمہ اصولاً اہل سنت کے نزدیک نہ خلفائے اثنا عشر مین داخل ہین اور نہ امام یا مجتہد

کا پایہ رکھتے ہیں اصولی اہل سنت کے نزدیک اِن ائمہ کو کسی طرح کی دینی حیثیت حاصل نہیں ہے اور نہ ان کی حدیثیں قابل اعتماد ہیں اور نہ اُن کے اجتہادات قابل پذیرائی ہیں۔ اہل سنت کے برخلاف علمائے امامیہ خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کو از علی مرتضیٰ تا امام آخرالزمان یعنی امام مہدی علیہ السلام خلیفہ رسول اللہ جانتے ہیں اور خلافت کو امامت سے علیحدہ نہیں مانتے۔

خلافت امامت سے جدا نہیں ہو سکتی

علمائے اہل سنت بھی بقول علامہ دمیری خلافت کو امامت سے علیحدہ نہیں کرتے ہیں اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ خلافت امامت سے علیحدہ قرار نہیں پا سکتی ہے۔ یہ امر محض بے معنے ہے کہ خلفا اور ہوں اور ائمہؑ اور ہوں ضرور ہے کہ جو خلیفہ ہو وہی امام بھی ہو حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ بھی اپنی کتاب غنیۃ الطالبین (صفحہ ۱۹۶) میں حضرات خلفائے اربعہ کو لفظ ائمہؑ کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات علاوہ خلفا ہونیکے امام کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ پس جب اہل سنت خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کو جناب حسنؑ مجتبیٰ سے لیکر جناب امام حسن عسکریؑ تک رسول اللہ کا خلیفہ نہیں جانتے تو اُن ائمہؑ کو بھی ایسے ائمہ نہیں مان سکتے جنکی اطاعت اوامر و نواہی میں قطعی طور پر فرض سمجھی جا سکے حقیقت حال یہ ہے کہ حضرات اہل سنت خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کے ساتھ از جناب حسنؑ مجتبیٰ تا امام حسنؑ عسکری کسی طرح کا مذہبی تعلق نہیں رکھتے۔ حضرات اہل تسنن کو جو کچھ مذہبی شغف یا تعلق ہے حضرات ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد حنبل کے ساتھ ہے۔ اسیلئے حضرات اہل تسنن سے صوفی مشربوں کے سوا شاید دس ہزار میں سے ایک ہی دو ایسے آدمی نکلینگے جو خاندان پیغمبرؐ کے ناموں کو ترتیب کے ساتھ زبان پر لا سکتے ہوں۔

ظاہر ہے کہ جب اِن ائمہ خاندان پیغمبرؐ سے کوئی مذہبی تعلق نہیں ہے تو اُنکے اسمائے پاک کو یاد رکھنے سے کیا حاصل۔ اُن ائمہؑ کرام سے حضرات غیر امامیہ کی جب کوئی غرض قرآن و حدیث و فقہ و فرائض کے لگاؤ سے نہیں ہے تو اُنسے حضرات غیر امامیہ کی بے سروکاری خلاف فطرت نہیں ہے۔ اسکے برخلاف فرقہ امامیہ کا معاملہ ہے۔ اس فرقہ کے چار برس کے بچے بھی نہایت رغبت کے ساتھ مسلسل طور پر نام ائمہؑ اثنا عشر کے ورد زبان رکھتے ہیں۔ لاریب یہ صرف ضرورت مذہبی ہے جو خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کے نام فرقہ امامیہ کی زبان پر جاری رہتے ہیں۔ اگر کوئی مذہبی ضرورت حضرات اہل سُنّت کو خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کے ساتھ ہوتی تو یہ حضرات بھی حضرات امامیہ کی طرح اُن اماموں کے ناموں کو ترتیب کے ساتھ یاد رکھتے۔ اب قبل اسکے کہ راقم واقعہ کربلا کی طرف ناظرین کی توجہ کا طالب ہو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے معاملات بھی مختصر طور پر درج ہذا کر دے۔

تحریرات مشتمل بر فضائل حضرت علی علیہ السلام و استحقاق خلافت آنجناب

نام پاک آپ کا علیؑ ہے اور کنیت ابوالحسنؑ اور ابوترابؑ۔ آپکے والد بزرگوار کا نام حضرت عمران اور کنیت حضرت ابوطالب ہے۔ اسلیئے آپ کو علیؑ ابن ابی طالب کہتے ہین۔ ابوطالب پیغمبر خدا کے حقیقی چچا تھے پیدائش آپکی ۲۳ برس ہجرت کے قبل ظہور مین آئی اور شہادت سنہ ۴۰ ہجری مین بمقام کوفہ بدست عبدالرحمن ابن ملجم واقع ہوئی وقت شہادت سن شریف آپکا ۶۳ برس کا تھا۔ آپ مان اور باپ دونون طرف سے بنی ہاشم تھے۔ کسواسطے کہ مان آپکی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہین۔ آپ کے فضائل ومحامد ذیل مین نہایت مختصر طور پر حصول سعادت کی نظر سے عرض کئے جاتے ہین۔

(۱) آپ پیغمبر خدا کے محسن زادے ہین۔ اسلئے کہ حضرت رسول خدا یتیم تھے حضرت ابوطالب نے آنحضرت کو پالا اور بے پدری کے غم کو آپ کے قلب مبارک مین نہ آنے دیا جب تک زندہ رہے آنحضرتؐ کے جان ومال سے معین ومددگار رہے اور کفار مکہ کے وار روکتے رہے (دیکھو کتب تواریخ) اور اپنے عرصہ حیات تک جناب پیغمبر خدا پر کسی طرح کا آسیب نہ آنے دیا۔ اے حضرات ناظرین حضرت علیؑ کی یہ محسن زادگی کوئی خفیف امر نہین ہے۔ کورازلی کو اسکی عظمت نہ سمجھائی دے تو مجبوری ہے چشم بینا رکھنے والے کس نظر سے اسکی بلند پایگی کو دیکھتے ہین۔ لمؤلفہ

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

(۲)۔ حسب ونسب مین آپ جناب رسولؐ خدا کے ہمسر تھے۔ آپس کا رشتۂ خون محتاج بیان نہین ہے۔

(۳)۔ جناب رسولؐ خدا آپکو اپنا جان وتن سمجھتے تھے جیسا کہ فرمودہ آنحضرتؐ کا ہے لَحْمُكَ لَحْمِي وَ دَمُكَ دَمِي وَنَفْسُكَ نَفْسِي وَرُوحُكَ رُوحِي گر لحمک لحمی یہ حدیث نبوی ہے۔ بے مثل علی نام علی بے ادبی ہے۔

(۴)۔ حسب ارشاد نبوی یعنی "اَنَا وَعَلِيٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ۔" جناب رسولؐ اللہ کی خلقت اور آپکی خلقت نور واحد سے تھی۔

اس حدیث کو بڑے بڑے علما نے اپنی اپنی تصنیفات مین جگہ دی ہے اور سب نے اس کو صحیح مانا ہی اس حدیث کے صحیح ماننے والے علما کی ایک پلٹن نظر آتی ہو۔ مگر جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے بحیثیت

ملائے کابلی اس حدیث کو اپنے تحفہ مین موضوع قرار دیا ہے۔ اس حدیث پر کیا موقوف ہے شاہ صاحب کی ساری کتاب ملائے کابلی کی نقل معلوم ہوتی ہے ملائے کابلی اگر دنیا مین نہ ہوتا تو تحفہ کا بھی وجود نہوتا یہ ملا صاحب اہل بیتؑ کے سخت مخالف تھے۔ پس جناب شاہ صاحب کو بھی اُنکی تبعیت سے چارہ نہ تھا نعوذ باللہ کن کن تحریفات کے ذریعہ سے ملائے کابلی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ مگر خاک ڈالنے سے چاند نہین چھپتا جنکو اس حدیث کی اصلیت کی تحقیق منظور ہو وہ اناد حسین صاحب کی تصنیف اتحاف الاسلام کو دیکھین صفحہ ۵۔ واقعی سنیت کی بنا مخالفت اہل بیتؑ پر ہے اہل بیتؑ کی کوئی خوبی اہل خلاف کی نظر مین جگہ نہین کر سکتی۔ اس حدیث نور کو موضوع قرار دینا ملائے کابلی اور جناب شاہ صاحب ہی کا کام تھا فقط۔

(۵) آپ داماد پیغمبر خدا کے تھے اور داماد بھی کیسے کہ حضرت خیر النسا جناب فاطمۃ الزہرا کے شوہر۔

(۶) آپ داخل آل عبا ہین یعنی اُن مین سے ہین جو جناب رسولؐ اللہ کے کمبل مین حکم جناب رسولؐ اللہ سے در آئے تھے اور جناب رسولؐ اللہ نے ان کو کمل مین لیکر آیت تطہیر یعنی اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا پڑھی تھی۔

(۷) آپ یکے از اہل بیتؑ نبوی ہین۔ خدا تعالےٰ آپکو اور آپکی بی بی کو اور آپکے دونون بیٹون کو لفظ اہل بیتؑ کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ مین واقع ہے اور نیز احادیث نبویؐ سے آپکا یکے از اہل بیتؑ ہونا ثابت ہے۔

(۸) آپ یکے از پنجتنؑ پاک ہین پنجتن پاک عبارت ہے جناب رسولؐ خدا جناب علیؑ مرتضیٰ جناب فاطمۃ الزہرا۔ اور حسنین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پنجتن پاک کا مضمون آیت تطہیر سے ثابت ہوتا ہی نیز آیت مباہلہ سے۔

(۹) آپ یکے از چہاردہ معصوم ہین۔ چہاردہ معصوم عبارت ہے جناب پیغمبرؐ خدا حضرت خاتونؑ جنت یعنی جناب فاطمۃ الزہرہ اور دوازدہ امام سے۔ دوازدہ امامؑ کی نسبت ابن عباس یہ حدیث روایت کرتے ہین کہ ایک یہودی رسولؐ اللہ کے پاس آیا۔ نام اس کا نعثل تھا اسنے کہا کہ اے محمدؐ مین سوال کرتا ہون اُن امور سے کہ میرے سینہ مین خلش انگیز ہین۔ اگر اُن کا جواب دوگے تو مین تمہارے ہاتھ پر اسلام لاؤن گا پس مجھے خبر دیجیے کہ اپکا وصی کون ہے۔ ہمارے موسیٰ بن عمران نے وصی اپنا یوشع بن نون کو کیا تھا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہان وصی اور خلیفہ میرے بعد میرے علیؑ ابن ابی طالب ہین وبعدہ دونون فرزند اُنکے حسنؑ اور حسینؑ اور صلب حسینؑ سے نو ائمہ ابرار ہونگے۔ یہودی نے کہا کہ اُن کے نام تو آپ بتلائے آپ نے فرمایا کہ بعد از حسینؑ علیؑ ابن الحسین وبعدہ محمدؑ باقر وبعدہ جعفرؑ صادق وبعدہ موسیٰؑ کاظم وبعدہ علیؑ رضا وبعدہ محمدؑ جواد علی الہادی وبعدہ حسنؑ عسکری وبعدہ محمد المہدی صلوٰۃ اللہ علیہم ابداً ابداً پس یہ

لوگ بارہ امام ہین - نقبائے بنی اسرائیل کے عدد کے برابر یہودی نے پوچھا کہ مسکن اُن کا کہان ہوگا حضرت نے فرمایا کہ جنت مین میرے ساتھ میرے درجہ مین - تب اُسنے کلمہ لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ کہنا شروع کیا اور کہا کہ بیشک یہ اوصیا برحق ہین ایسا ہی ہمنے کتب موسیٰ مین پایا ہو کہ نبی آخر الزمان پیدا ہونگے اور نام اُن کا احمد ہوگا اور بعد اُن کے پھر نبوت نہوگی اور اون کے صلب سے ائمہ ابرار پیدا ہونگے اس حدیث کو روایت کیا ہے شعبی نے کشف الغمہ مین اور خطیب خوارزمی و حموئیہ جوینی و ابن بخار و عبداللہ بن احمد اپنی اپنی تصنیف مین اسکو داخل کرتے گئے ہین - واضح ہو کہ معصوم عبارت ہے ایسے شخص سے کہ گناہ کبیرہ و صغیرہ سے پاک ہو پس جس طرح جناب پیغمبر خدا معصوم ہین اُسی طرح حضرت خاتون جنت اور بقیہ حضرات ائمہ اثنا عشر بھی معصوم ہین - امامیہ کا مذہب یہی ہے کہ یہ چہاردہ تن صغار و کبار سے تمامتر پاک ہین لیکن غیر امامیہ جناب رسول اللہ کے سوا کسیکو معلوم نہین جانتے ہین بلکہ ایک فرقہ اہل سنت کا ایسا بھی ہو کہ جناب رسول اللہ کو بھی نزول وحی کے وقت کے سوا غیر معصوم جانتا ہو - معاذ اللہ ثم معاذ اللہ -

(۱۰) آپ اول خیل ائمہ سے ہین - واضح ہو کہ خاندان پیغمبر کے ائمہ بارہ حضرات ہین اول امام آئین سے علی مرتضیٰ دوم امام حسن مجتبیٰ سوم امام حسین شہید کربلا چہارم امام سید الساجدین زین العابدین حضرت سجاد پنجم امام محمد باقر ششم امام جعفر صادق ہفتم امام موسیٰ کاظم ہشتم امام علی رضا نہم امام محمد تقی دہم امام علی نقی یازدہم امام حسن عسکری دوازدہم امام محمد مہدی صاحب العصر والزمان علیہم الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم القیام - یہ ائمہ معصومین جناب رسول اللہ کے جانشین ہین اور بسبب وفور علم اور دیگر کمالات کے دین محمدی کے فروغ دینے والے گذرے ہین جتنے سادات ہین انہی حضرات سے تعلق نسبی رکھتے ہین اور بقول علامہ ابن قتیبہ ایک وقت مین کل سادات انہی حضرات ائمہ کے طریقہ کے پابند تھے ان جگر گوشگان رسول اللہ کے فضائل شمار سے بیرون ہین - دوستداران خاندان محمد اُن پر درود و سلام بھیجین -

(۱۱) آپ آیت مباہلہ ندع ابناءنا وابناءکم کے رو سے بھی داخل اہل بیت ہین - مسلم سعد ابن ابی وقاص سے روایت کرتے ہین کہ جب یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تب جناب رسول اللہ نے علی و فاطمہ و حسن و حسین کو بلایا اور فرمایا - اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِی -

(۱۲) آپ رسول اللہ کے نزدیک سب اشخاص سے زیادہ حبیب تھے - جیسا کہ حدیث طیر سے ظاہر ہوتا ہے - اس حدیث کو ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول خدا کے آگے ایک مرغ بریان رکھا ہوا تھا اور آپ دعا مانگ رہے تھے کہ "الٰہی اس شخص کو بھیجدے کہ ساری خلقت سے جو تیرا زیادہ محبوب ہے تا کہ وہ میرے ساتھ اس طیر کو تناول کرے" انس بن مالک جو اس حدیث کے راوی ہین کہتے ہین کہ مین خدا سے دعا مانگتا تھا کہ ایسا شخص میری قوم انصار سے ہو مگر کچھ دیر نگذری تھی کہ حضرت علی آگئے اور آپ نے جناب رسول اللہ کے ساتھ اس طیر کو تناول فرمایا -

(۱۳) آپ رسول اللہ کے بھائی دین اور دنیا مین ہین۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

(۱۴) آپ رسول اللہ کے لئے مثل ہارون کی تھے جیساکہ حدیث اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اسپر دال ہے (دیکھو بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰ نیز مسلم جلد ۲)

(۱۵) آپکو رسول اللہ کے ساتھ وجہ عینیت حاصل ہے جیساکہ جناب رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ اس حدیث کو عمران بن حصین سے ترمذی نے روایت کیا ہے علاوہ اسکے حدیث نور و حدیث لَحْمُکَ لَحْمِیْ وغیرہ سے بھی آپکی عینیت جناب رسول اللہ کے ساتھ ثابت ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثون سے حضرت عمرؓ خبر نہین رکھتے تھے ورنہ مواقع بسیار مین حضرت علیؑ کے ساتھ درشتی سے پیش نہ آتے مثلاً حضرت عمرؓ کا حضرت علی سے یہ فرمانا کہ مین تیری گردن مارونگا اور تو رسول اللہ کا بھائی نہین ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۱۶) آپ جمیع مومنین کے ولی و مولی یعنی آقا ہین۔ اس قول کی مثبت حدیث بالا و حدیث خم غدیر مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ ہین۔ ضرورت مذہبی سے جن صاحبون نے ولی و مولی کی معنی دوست محب اور ناصر قرار دئے ہین اور اس ترکیب سے علیؑ مرتضیٰ کے آقائے جمیع مومنین ہونے سے چشم پوشی اختیار کی ہے ان حضرات نے درحقیقت جناب رسول خدا کے آقائے مومنین ہونے سے در پردہ انکار کیا ہے کسواسطے کہ ان حدیثون سے جو نسبت حضرت علیؑ کے ساتھ رسول خدا کے پیدا ہے وہ ایسی ہے کہ محض یگانگی سے خبر دیتی ہے ایسی صورت مین ضرور ہے کہ جو مرتبہ جناب رسول اللہ کا جمیع مومنین و مسلمین سمجھین اپنے مقابلہ مین وہی مرتبہ علیؑ مرتضیٰ کا بھی مانین بقول شاہ حسنؒ علی صاحب سجادہ نشین جائس سنی المذہب ضلع رائے بریلی۔ عبث در معنی مَنْ کُنْتُ مولا میروی ہر سو۔ علیؑ مولا باین معنی کہ پیغمبر بود مولا۔ ان حدیثون کی بنیاد پر کبھی ایسا قیاس نہین کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر خدا کا آقائے مومنین ہونا تو ماننا چاہیے مگر علیؑ مجرد دوست محب اور ناصر سمجھے جائین زنہار ان حدیثون مین لفظ مولی یا ولی اس طور پر نہین استعمال کیا گیا ہے کہ پیغمبر خدا کی نسبت کے ساتھ تو آقائے مومنین کی معنی پیدا کرے اور حضرت علیؑ کی طرف جب منسوب کیا جائے تو اسکے معنی ناصر اور محب اور دوست سمجھے جائین۔ ان دونون حدیثون کے الفاظ نہ مغلق ہین اور نہ ترکیب یہان دشوار ہے نہ فہم معمولی کے خلاف بھی کوئی امر نہین ہے۔ اسپر اگر ناحق کے جھگڑے پیدا کئے جائین تو یہ دوسری بات ہے۔ واقعی محبت علیؑ ایک امر منجانب اللہ ہے جسکو خدا تعالےٰ چاہے عطا فرمائے۔ ۵

این سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

واضح ہو کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو ایک خاص رنگ کا جامہ معنے پہنانے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت کی بنا مخالفت اہل بیتؑ پر ہے اور گو حضرات اہل سنت اس طرح کی مخالفت کا اقرار

نہین کرتے مگر اُنکی تمام تاویلات وغیرہ حقیقت حال کو ظاہر کئے دیتی ہین -

(۱۷) آپ رسول اللہ کی جانب سے اداے حق کرنے کے تمام تر سزاوار تھے اس قول کی مثبت یہ حدیث ہے یعنی عَلِیٌّ مِنِّی وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ وَلَا یُؤَدِّیْ عَنِّیْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِیٌّ راوی اس حدیث کے حبش بن جنادہ ہین معنی اس حدیث کی یہ ہین کہ علیؑ مجھسے ہے اور مین علیؑ سے ہون اور نہین کوئی حق اداکریگا میری طرف سے مگر مین یا علیؑ - اس حدیث کا قصہ نقض عہد مشرکین مکہ سے متعلق ہو حضرت رسول خدا نے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو احکام خداوندی دیکر اہل مکہ کیطرف بھیجا تھا - مگر کچھ منزل حضرت ابوبکرؓ مکہ کی طرف جاچکے تھے کہ وحی نازل ہوئی جس کا منشا یہ تہا کہ رسول اللہ خود مکہ کو تشریف لیجائین یا اپنے برابر کے عزیز سے احکام خداوندی کو اہل مکہ تک پہنچائین - اس وحی کے آنے پر حضرت رسول خدا نے علیؑ کو مکہ کی طرف روانہ کیا اور یہ ہدایت فرمادی کہ راہ مین حضرت ابوبکرؓ سے احکام خداوندی کو لیکر اہل مکہ کو سنادینا - چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابوبکرؓ مدینہ کو واپس چلے آئے - حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل کی صلاحیت یا حضرت رسول خدا رکھتے تھے یا حضرت علیؑ - حقیقت حال تو یہی ہے مگر علیؑ کے مخالفین آپ کی بلند پایگی سے تمام تر چشم پوشی کرتے ہین - معاذاللہ ثم معاذاللہ -

(۱۸) آپکی پیدائش کعبہ مین ہوئی اور شہادت مسجد مین کعبہ مین حیات اور مسجد مین وفات جو کچھ پایا خدا کے گھر سے پایا یہ خاص شرف حضرت علیؑ کا ہے - مگر اس شرف کو ڈہا دینے کے لئے تیسری صدی مین ایک روایت حکیم بن حزام کے لئے وضع کیگئی جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ شخص بھی خانہ کعبہ مین پیدا ہوا تہا - یہ روایت کوئی پایۂ اعتبار نہین رکھتی ہے صرف سنیت کی جلوہ گری رکھتی ہے - خانہ کعبہ مین حضرت مولی کی پیدائش خمیس دیار بکری چھاپہ مصر صفحہ ۹، ۲ و مطالب السول صفحہ ۲، ۳ و تذکرہ خواص الامہ مولفہ سبط ابن الجوزی مین مندرج ہے -

(۱۹) آپ بہ اسباب ظاہر سب سے اول اسلام قبول کرنیوالے ہین - اس لئے یون ارشاد فرماتے ہین ؎

سَبَقْتُکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ طُرًّا ÷ غُلَامًا مَا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلُمِیْ لفظ طرًا قابل لحاظ ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول فرمایا تہا - یہ تو عالم اسباب کی بات ہے ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ جب آپ اور جناب رسول خدا نور واحد سے ہین تو کسیوقت مین بھی آپکی طرف شرک وکفر کی نسبت نہین کیجاسکتی

(۲۰) آپ بڑے صاحب علم وحکمت تھے - اس قول کی مثبت حدیث اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا ہے راوی اسکے ترمذی ہین - یہ حدیث انا مدینۃ العلم کے لفظون کے ساتھ بھی مشہور ہو - آپ کے اقوال خطبات اشعار اجتہادات وغیرہ وغیرہ بڑی علمی حیثیت کی خبر دیتے ہین -

(۲۱) آپ بڑے عالم قرآن تھے جیسا کہ امام کو ہونا چاہیے -

(۲۲) آپکو اور قرآن مجید کو جناب رسول اللہ نے ساتھ ساتھ یاد فرمایا ہے - جیسا کہ فرمودہ آنحضرت کا ہے

اَلْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ وَّعَلِيٌّ مَّعَ الْقُرْاٰنِ اس حدیث کو طبرانی نے الاوسط مین داخل کیا ہی دیکھو دراسات اللبیب صفحہ ۱۲ ۱۲۔

(۲۳) آپ قرآن ناطق تھے جیسا کہ خود فرمودہ حضرت کا ہی آپکو غیر صادق القول ہی سمجھیگا جو گمراہ ازلی ہوگا۔

(۲۴) آپ عترت جناب رسول اللہ مین داخل ہونے کے باعث عظمت مین کتاب اللہ کے برابر مین رسول اللہ فرماتے ہین۔ یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَاۤ اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ عترتی اور اہل بیتی شئے واحد ہین۔ اور مراد ان سے علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ ہین جن حضرات نے عترتی اور اہل بیتی سے صرف نسب مراد لیا ہے عجب حیرت انگیز بات ہے اسقدر عترت اور اہل بیت مصطفےٰ سے فرار کیا معنی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ مذہب غیر امامیہ کی بنا مخالفت اہل بیت پر واقع ہوئی ہے۔ ہر جگہ غیر امامیہ معاملات اہل بیت مین ایک نہ ایک نیش لگا ہی دیتے ہین۔ واہ واہ یہ کیا خوب تعمیل حکم خدا و رسولؐ کی ہے۔

(۲۵) آپ حیرت انگیز قوت قضا رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا جناب رسولؐ خدا نے کہ اَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ۔ اور واقعی آپ کے فیصلے ایسے ہوتے تھے کہ اُسوقت کی دنیا اُنہین تعجب کی آنکھ سے دیکھتی تھی۔ آپ کے بعد لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ قَضِيَّةٌ وَّلَا اَبَا حَسَنٍ لَهَا یعنی مقدمہ تو ہے مگر علیؑ نہین جو فیصلہ کرین۔

(۲۶) آپ نہایت۔ حلیم کریم رحیم متعبد نفس کش حیادار باقل سخی جواد شجاع سیر چشم قانع پاکباز منکسر حق گو خدا ترس مردم شناس علم دان علم پرور علم دوست صابر شاکر جفاکش صاحب یافت خوش جمال خوش خصال خوش خیال صادق المقال باستقلال فہیم ذکی متین اور آخر بین تھے محامد اور مناقب آپ کے ایسے نہین ہین کہ احاطہ تحریر مین آسکین۔ ع۔ کس راچہ زور و زہرہ کہ وصف علیؑ کند۔ اس ناچیز نے مجرد عبادت سمجھکر اسقدر قلم فرسائی کی ہے ورنہ اس سے اوصاف گرامی کا شمار مقصود نہین ہے۔

مسٹر کارلایل اپنی تصنیف نامی مین حضرت علیؑ مرتضیٰ کی نسبت لکھتے ہین کہ "یہ نوجوان علیؑ ایسا شخص تھا جسے ہر ایک ضرور ہی پسند کریگا۔ اس کم عمری مین وعدہ نصرت نبیؐ کے علاوہ اُسکے اور باتون سے جو اُس سے ہمیشہ ظہور مین آتی رہین یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا خلیق فاضل اور حد درجہ کا باوفا اور بہادر شخص تھا جسکی آگ کے مانند تیز اور تند جرأت کے سامنے کوئی چیز نہین ٹھیر سکتی تھی اس شخص کی طبیعت مین کچھ عجب انداز کی جوانمردی تھی" یہ لکھکر صاحب اتحاف اہل الاسلام فرماتے ہین کہ اس مقام پر یہ کہنا غیر موزون نہوگا کہ ہائیکورٹ بمبئی کے ایک یوروپین فاضل جج نے ایک مذہبی فیصلہ مین اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے "کہ علیؑ کو سب لوگ دوست رکھتے تھے اور وہ اس قابل تھے بھی"

اُس زمانہ مین جبکہ شجاعان عرب شہرۂ آفاق تھے ضرغام آل ابو طالب اسد اللہ الغالب آپکا لقب تھا اور لوگ آپکو اشجع عرب کہا کرتے تھے شجاعت ہمت حکمت عدالت سخاوت اور زہد و تقویٰ آپ پر ختم

اور جنکی مثال صفحات تاریخ عالم مین بہت کم نظر آتی ہے" صاحب اتحاف آگے یہ لکھتے ہین کہ منقول ہی کہ عمرو بن عبدود کی بہن جب اُس کی لاش پر آئی اور دیکھا کہ اسکے بدن پر بدستور اسکی قیمتی زرہ اور کپڑے موجود ہین تو اُسنے اپنے بھائی کی لاش سے کہا کہ بتحقیق تیرا قاتل کفو کریم تھا۔ اگر ایسا نہوتا تو ہمیشہ مین تجھ ایسے شیر افگن بھائی کے لئے رویا کرتی مگر اب نہ روؤنگی۔ یہ کہکر کچھ اشعار اُسکی لاش پر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے "اگر قاتل عمرو کا کوئی اور ہوتا تو مین تمام عمر اُس پر رویا کرتی لیکن اس کا قاتل وہ ہی جسمین کسی طرح کا عیب نہین ہے اور ایسا شخص ہے کہ جسکے باپ کا لقب عالم مین پشت و پناہ شہر مشہور ہے۔

(۲۷) آپکی محبت مومنین پر فرض ہے انکا مخالف مومن نہین ہو سکتا جناب رسول اللہ فرماتے ہین لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَّلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ اس حدیث کو حضرت ام سلمہؓ سے ترمذی روایت کرتے ہین جاننا چاہیے کہ محبت علیؑ کی عین ایمان ہے مگر اس حدیث کی تعمیل کسقدر مفقود نظر آتی ہے۔

(۲۸) آپکی شان مین آیات قرآنی بہت ہین بعض اُنمین سے ذیل مین رقم ہوتی ہین۔

(۱) اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یہ آیت جناب علیؑ مرتضیٰ کے تصدق خاتم سے متعلق ہے ناسخ فرماتے ہین ؎

انگشتر اپنی دیکے سلیمان کر دیا   طاعت مین بھی سوال سنا گر فقیر کا

(۲) یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ مراد صادقین سے علیؑ مرتضیٰ علیہ السلام ہین بسند تفسیر امام ثعلبی وغیرہ۔

(۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ الخ یہ آیت حضرت علیؑ علیہ السلام و جعفر طیار و حضرت امیر حمزہ علیہم السلام کے حق مین نازل ہوئی۔ اس آیت مین خدائے تعالیٰ اُن حضرات کو صدیق اور شہید کے خطابون سے یاد فرماتا ہی دیکھو مسند امام حنبل و تفسیر ثعلبی وغیرہ۔

(۴) وَیَتْلُوْہُ شَاہِدٌ مِّنْہُ الخ یہ آیت جناب علیؑ مرتضیٰ کی شان مین نازل ہوئی ہے جمیع علما اوسکی شان نزول مین موافق۔ ملا محتشم کاشی فرماتے ہین ؎

مقصد تنزیل بلغ مظہر اسرار غیب   مطلع تیلوہ شاہد مقطع حبل المتین

(۵) وَلِکُلِّ قَوْمٍ ہَادٍ حافظ ابو نعیم حضرت عبد اللہ ابن عباس امام ثعلبی وغیرہ اس آیت کی شان نزول کو بالاتفاق جناب علیؑ مرتضیٰ کیطرف منسوب کرتے ہین۔

علاوہ آیات بالا کے مشہور آیات۔ آیت تطہیر و آیت مباہلہ و آیت یٰٓاَیُّہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الخ و آیت۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ و آیت یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ ہین۔

(۲۹) آپ حدود اللہ مین نفسانیت کو دخل نہین دیتے تھے بلکہ جہان نفسانیت کا خوف دیکھتے تھے وہان ایسی کارروائی فرما جاتے تھے کہ جس مین نفس کی شرکت کی صورت باقی نرہتی تھی۔ چنانچہ ایکبار کہ

یہ ماجرا ہے کہ حضرت ایک کافر تومی پنجہ سے مقابل ہوئے اور اُسسے بڑی زور آزمائی کے بعد زیر کیا جب چاہا کہ اُسے فی النار کرین تو اُسنے بے ادبانہ روئے مبارک پر تھوک دیا حضرت فوراً اسکے سینہ سے اتر پڑے اس عجب خیز کارروائی کو دیکھکر اُس کافر نے پوچھا کہ یا علیؑ اس محنت و مشقت سے تو آپ نے مجکو زیر کیا اور جب وقت میرے مار ڈالنے کا آیا تو مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہوگئے یہ کیون۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ مین تجھے خدا کے حکم کے مطابق مارا چاہتا تھا کچھ اپنے نفس کی خاطر نہین۔ مگر جب تو نے مجھ پر تھوک دیا تو اب میرا تجھے مار ڈالنا حرکت نفس کے ساتھ ہوتا۔ اسلیئے مین علیحدہ ہوگیا اور تجھے قتل نہین کیا۔ وہ کافر اس تقریر پر تاثیر کو سنکر ایمان لے آیا۔ مولانا روم اس قصہ کے متعلق فرماتے ہین ؎

او خیو انداخت بر روئے علیؑ افتخار ہر نبیؑ و ہر ولی

(۳۰) انکو درجہ شہادت بھی حاصل ہوا۔ بجائے خود یہ بڑا درجہ ہے۔ آپکی شہادت شہر کوفہ مین واقع ہوئی عبدالرحمن ابن ملجم عاشق قطامہ آپکا قاتل ہو۔ آپکی حلیمی اور کریمی ایسی تھی کہ آپنے قاتل سے بھی اپنی خلقی حلم و کرم کو باز نہ رکھا۔

(۳۱) آپ کسب حلال کی نظر سے مزدوری کیا کرتے تھے مثلاً اُجرت پر کنوئین سے پانی نکالتے تھے۔

(۳۲) آپکی غذا محض سادہ ہی تھی۔ بیشتر جو کی روٹی کھاتے تھے اور وہ بھی اُسقدر کہ تن مین جان باقی رہے لباس کا بھی یہی طور تھا کہ تکلف سے تمامتر بری تھا۔

(۳۳) آپ دوسرون کی ضرورتون کو اپنی ضرورتون پر مقدم جانتے تھے۔ اور کبھی سوال رد نفرماتے تھے چنانچہ ایکبار آپنے نذر کے تین روزے رکھے شریک روزہ داری اپنے ہی گھر والے تھے یعنی حضرت بی بی فاطمہؑ اور دونون صاحبزادے۔ اور فضہ کنیز۔ نقد و جنس سے پاس کچھ نہ تھا۔ اسلئے سامان افطار کے خیال سے امیر المومنینؑ کچھ جو شمعون یہودی کے پاس سے قرض لے آئے۔ روزہ دارون نے اُسے کوٹ پیسکر روٹیان پکائین۔ شام کو جب حضرت روزہ دارون کے ساتھ افطار کو بیٹھے۔ افطار فرمایا بھی نہ تھا کہ ایک سائل نمودار ہوا اور اُسنے سوال کیا حضرت نے جو کائنات افطاری کی شکل مین آگے موجود تھی سائل کو دیڈالی اور خود اور گھر والے سب کے سب پانی سے افطار کرکے سو رہے۔

دوسرے اور تیسرے دن پھر بھی صورتین ہوتی گئین۔ اللہ اکبر یہ سخاوت یہ جود یہ بذل یہ کرم کہین دنیا مین نہین دیکھا جاتا ہے یہ آپکا اور آپکے گھر والون ہی کا کام تھا بغیر تائید غیبی کے ایسے کام انسان سے انجام نہین پاسکتے اسی روزۂ نذر کی نسبت خدا تعالیٰ نے قرآن مین آیت یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ الخ سے اشارہ فرمایا ہے۔

(۳۴) آپ صاحب عرفان کامل تھے اور خدا کا یقین ایسا رکھتے تھے کہ اُس سے زیادہ یقین کا امکان دشوار ہے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہین لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا۔ یعنی اگر اُٹھ جاتا پردہ تو میرا یقین نہ بڑھتا۔ آپکی خدا شناسی کا کیا درجہ تھا کیا کوئی بتا سکتا ہے۔

(۳۵) آپ دنیا کو محض بے حقیقت جانتے تھے۔ یہ بات آپکے ہر قول فعل سے ظاہر ہوتی تھی۔

اسباب دنیا سے آپکے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نان جوین کھاتے تھے اور موٹے کپڑے پہنتے تھے اور اکثر زمین پر بیٹھے یاد الٰہی مین مشغول رہتے تھے۔ اسلئے حضرت رسولؐ خدا اور آپ کے وقت کے لوگ آپکو ابوتراب کہتے تھے۔ آپکا زہد و فقر بہت دشوار رنگ کا تھا۔ آپ باتین بھی جو کرتے تھے تمنا ہائے دنیا سے بے لگاؤ ہوتی تھین۔ ایک نقل اس جگہ لکھی جاتی ہے جس سے آپکی اوقات بسری کا اندازہ معلوم ہوسکتا ہو آپکی ایک دن کی سرگذشت یہ ہے کہ آپ مسجد مدینہ مین تشریف رکھتے تھے اور صوم سے تھے۔ ایک مسافر آگیا۔ وقت افطار آپنے اُسے اپنی جو کی روٹی مین سے جو آدھی تھی نصف اُسے دی۔ اُسنے دیکھا کہ اتنی روٹی سے بھوک نجائیگی۔ اُس جگہ چلا گیا جہان امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام مسکینون کو طعام تقسیم فرما رہے تھے شاہزادون نے اوسکو ایک آدمی کا حصہ مرحمت فرمایا وہ ایک حصہ لیکر دوسرے حصہ کا بھی طالب ہوا شاہزادون نے فرمایا کہ تو ایک آدمی ہے دو آدمی کا حصہ لیکر کیا کریگا اُسنے کہا کہ ایک مسکین اور بھی مسجد مین آیا ہے جسکے پاس کھانیکو کچھ نہین ہے اوسکے پاس صرف آدھی نان جوین تھی۔ اسمین سے اُسنے آدھی مجھے دے ڈالی مین اُسی کے واسطے ایک حصہ لنگرخانہ سے لیجانا چاہتا ہون۔ شاہزادون نے پوچھا کہ اُس شخص کی صورت بتا جب اُسنے حسب ارشاد شاہزادگان عالی تبار صورت بتائی تو صاحبزادون نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ وہ شخص کوئی مسکین نہین ہے وہ ہمارے والد ماجد علیؑ مولائے کونین ہین۔ اللہ اکبر یہ عجب قصہ ہے۔ واقعی شان مرتضوی وہم و قیاس سے بہت باہر ہے۔ اللّٰھم صلّ علٰی محمدٍ وّآلِ محمدٍ

(۳۶) آپ اپنے حق کے رو سے ویسے ہی سیدؔ ہین جیسے جناب پیغمبر خدا سیدؐ ہین۔ اسلئے آپکی اولاد جو بطن حضرت سیدہ علیہا السلام سے نہین ہے وہ بھی سیدؔ کہلاتی ہے۔ وہ سادات جو غیر بنی فاطمہ ہین انہین سادات علوی کہتے ہین۔ واضح ہو کہ خلعت سیادت دربار خداوندی سے پنجتنؑ پاک کو مرحمت ہوا ہے۔
حضرت سیدہ سید زادی ہونیکے سبب سے ہی سیدہ نہین ہین بلکہ اپنے حق کے رو سے بھی سیدہ ہین اسی طرح حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ علیہما السلام اپنے حق کے رو سے سیدؔ ہین۔ جاننا چاہیئے کہ سیادت بڑی نعمت ہے اس سے بڑھکر دینی نعمت دوسری نہین ہے۔

حضرات سادات جو اس زمانہ مین موجود ہین اُن پر فرض ہے کہ اس نعمت کی قدر کرین اور اپنے آبائی طریقہ کے پابند رہین۔ اپنے اجداد کرام یعنی ائمہ معصومین علیہم السلام کے پورے پیرو رہین۔ اپنے سب ناموں کو ضایع ہونے سے بچائین۔ طمع دنیاوی مین مبتلا ہوکر اپنی نسل پاک کو خراب نکر ڈالین۔

(۳۷) آپ نہایت مہمان نواز تھے اور مہمان نوازی آپ پر ختم تھی۔ آجتک سادات کرام مین مہمان نوازی کی صفت ممیز طور پر پائی جاتی ہے

(۳۸) آپ کا قاتل اور مقتول دونون اہلِ دوزخ سے ہین۔ حال مین ایک شریر اہلی نے ایک انگریزی پرچہ مین لکھدیا کہ علیؑ حضرت عثمان کے قتل کے شریک تھے یہ الزام دیگر پیروان معاویہ ویزید بھی علی مرتضیٰ پر عاید کرتے گئے ہین۔ چنانچہ ایک شخص اُسی یزیدی طریقہ کا مولانا شمس الدین فاخوری سے

سائل ہوا کہ آپ علیؓ کی نسبت کیا فرماتے ہین علیؓ تو حضرت عثمانؓ کے قاتل تھے۔ مولانا ممدوح نے اوسکے جواب مین فرمایا کہ۔ وائے بر عثمانے کہ علیؓ قاتل او باشد۔

(۳۹) آپکا حارب رسول اللہ کا حارب۔ جابرؓ روایت کرتے ہین کہ جناب رسول اللہ نے علیؓ و فاطمہؓ وحسنؓ وحسینؓ کے حق مین فرمایا۔ اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ یعنی ہم کو جنگ ہے اُس شخص سے کہ جو جنگ کرے ان لوگون سے اور ہمکو صلح ہے اُس شخص سے جو صلح رکھے ان لوگون سے۔ **لمؤلفہ**۔

دشمن ہے جو علیؓ کا وہ دشمن نبیؐ کا ہے | دشمن نبیؐ کا دشمن اللہ پاک ہے
بس دشمن علیؓ و نبیؐ و خدا جو ہو | وہ عاقبت خراب جہنم کی خاک ہے

(۴۰) آپ کے ساتھ جناب رسول اللہ کو بڑا تعلق دلی تھا جیسا کہ روایت عطیہ سے جو صحابیہ تھین معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہین۔ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ جَيْشًا فِيْهِمْ عَلِيٌّ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ لَا تُمِتْنِيْ حَتّٰى تُرِيَنِيْ عَلِيًّا راوی اس حدیث کے ترمذی ہین اور ترجمہ یہ ہے کہ روانہ کیا جناب پیغمبر خدا نے ایک فوج کو جس مین علیؓ بھی تھے پس ہمنے جناب رسول اللہ کو دونون ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے سنا کہ اللہ میرے مت مار مجکو جبتک کہ تو علیؓ کو مجھے پھر دکھلا نہ دے۔ واقعی جگر جگر ہوتا ہے اور دگر دگر۔

(۴۱) آپنے جس طرح بیٹی رسول اللہ سے پائی اُسی طرح ذوالفقار خدا سے پائی۔ بقول ملا کاشی علیہ الرحمہ
ع۔ وز خدا و مصطفےٰ شمشیر و دختر یافتہ۔

(۴۲) آپ بروز ہجرت رسولؐ۔ جان پر کھیل کر بستر رسول اللہ پر سوئے۔ اس بہادری کا جواب کہین بھی نظر آتا ہے۔ نفس بشری کے تقاضے سے اکثر نبیون پر بھی خوف طاری ہوگیا ہے۔ خود حضرت موسےٰ اپنے عصا کو دیکھکر جو حکم خدا سے سانپ ہوگیا تھا ڈر گئے تھے۔ مگر علیؓ ابن ابی طالب شب بھر ایک ایسے مقام مخدوش پر لیٹے رہے۔ جبرئیل علیہ السلام جو خدا سے حضرت علیؓ کے پاس شب کو حاضر تھے کہتے سنے کہ بَخٍ بَخٍ لَكَ مَنْ مِثْلُكَ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يُبَاهِيْ اللّٰهُ بِكَ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی مبارک ہو مبارک ہو آپ کو اے فرزند ابی طالب کون آپکے برابر ہو سکتا ہے۔ حق سبحانہ تعالےٰ آپکے سبب فرشتگان آسمان سے مباہات کرتا ہے۔ اسکے بعد حضرتؓ کی شان مین خدا تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لوگون مین سے کوئی ایسا بھی ہے کہ جو خدا کی رضا جوئی مین اپنی جان بیچتا ہے اور خدا اپنے بندون کے ساتھ بہت مہربان ہے (دیکھو شمس دیار بکری چھاپہ مصر جلد (۱) صفحہ ۳۲۵ و تفسیر کبیر متعلق آیت مذکورہ روضۃ الاحباب صفحہ ۲۸ و مطالب السؤل و تفسیر ثعلبی و احیاء العلوم امام غزالی و تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی

وعلامہ میبذی ومعارج النبوۃ ومدارج النبوۃ وغیرہ)

(۴۳) آپنے صغیر سنی مین جناب رسولِ خدا کے پاس پرورش پائی اور لعاب دہن جناب رسول اللہ کا وقت پیدائش چوسا اور غسل پیدائش جناب رسول اللہ کے ہاتھ سے پایا۔ سب سے پہلے جناب رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی۔

(۴۴) آپ بت شکنی کی غرض سے دوش جناب رسول اللہ پر سوار ہوئے یہ شرف کسیکو حاصل نہ ہوا

(۴۵) آپ علم مین حضرت آدم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔ درجۂ خلت حضرت ابراہیم کا رکھتے تھے۔ ہیبت آپکی موسیٰ کی ہیبت کی مانند تھی اور عبادت آپکی عیسیٰ کی عبادت کی طرح۔

(۴۶) آپ جناب رسول اللہ کے غسل وکفن کے متکفل ہوئے اور خود آپکو غسل وکفن ملائکہ نے دیا ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ کو بے غسل وکفن چھوڑ کر کنارہ ہو جاتے تو ملائکہ آپکو غسل وکفن نہ دیتے۔

(۴۷) آپ حسب حکم رسول اللہ بحالت جنابت مسجد نبی مین جانے کے ماذون تھے۔ یہ اجازت سوائے اہل بیت علیہم السلام کے کسیکو نہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور جمیع اہل بیت مورد آیت تطہیر ہونے کے باعث ہر حال مین مطہر تھے۔ اللہ اکبر کیا درجہ حضرات اہل بیت علیہم السلام کا ہے کسی غیر اہل بیت کو ان باتون کی ہوا بھی نہین لگی ہے۔

(۴۸) آپکا اور آپکے جگر گوشگان ائمۂ معصومین علیہم السلام کا ذکر کتب سماویہ مین آیا ہے۔ کما لا یخفی علی اھل العلم (دیکھو توراۃ موسوی)

(۴۹) آپ مختون جاء ذفرت تھے۔ اسیطرح بقیہ ائمۂ معصومین علیہم السلام بھی تھے۔

(۵۰) آپنے کسیکا حق غصب نہین کیا یہ کوئی معمولی صفت نہین ہے۔

(۵۱) آپنے ناجائز رنگ پر ایک قطرۂ خون کبھی نہ بہایا۔ حریف کے ساتھ مکر وحیلہ کو راہ نہ دیا حریف پر بلا ضرورت سختی کبھی نہ کی اسیران جنگ کو یا کسیکو گالی نہ دی۔ اسیران جنگ کے قتل کو کبھی پسند نفرمایا اور نہ اُنکے قتل کی رسول اللہ کو صلاح دی کبھی فتنہ وفساد کے گرد نہ پھرے اور جب کوئی فتنہ برپا ہوا تو اُسکے فرو کرنے مین دل سے کوشان ہوئے آپ حضرت عثمان کے فتنہ کو بھی فرو کیا چاہتے تھے۔ اس سبب سے مشورۂ مناسب خلیفہ صاحب کو دیا کرتے تھے۔ مگر خلیفہ صاحب تمامتر مروان اور اُسکی طرز کے اشخاص کے ہاتھ مین پڑے ہوئے تھے۔ حضرت علی کا مشورۂ مناسب رائگان جاتا تھا۔ آخر وہی ہوا جو مفسدون کی صحبتون کا نتیجہ عموماً ہوا کرتا ہے۔

(۵۲) آپ بہت حاضر طبیعت اور بڑے حاضر جواب تھے۔ الفصل قضایا مین بھی آپکا یہی انداز تھا۔ لطویل کلام کے خوف سے راقم مثالین آپکی ان صفتون کی نہین لکھ سکتا ورنہ مثالین بہت سی ہین۔

(۵۳) آپ کے زورِ بازو اور شجاعت استقلال اور ہمت سے اسلام قایم ہوا۔ یہ علیؑ ہی کی تلوار تھی جس نے اسلام کو مدینہ مین مضبوط کر دیا۔ مکہ کو مدینہ کے ماتحت کر دیا اور جتنے بدخواہان اسلام عہدِ رسولؐ اللہ کے تھے اُن سب کو زیر و زبر کر ڈالا۔ بلاشبہ جناب رسولؐ اللہ کے عہد کا اسلام سو حصہ مین نوے حصہ تیغ علیؑ ابن ابی طالب کا ممنون ہے۔ سوائے ناسپاس اور ناحق شناس کے کوئی مسلمان واقفیت کی حالت مین اس سے انکار نہین کر سکتا۔ عہد محمدی مین کوئی شخص علیؑ سے زیادہ مددگار اسلام موجود نہ تھا اور سچی شجاعت اور سچی بہادری کے روسے علیؑ کا نظیر کوئی شخص اُمت محمدی مین نظر نہین آتا۔ لاریب علیؑ اسلام کے ہیرو Hero of Islam یعنی شجاع شجاعان تھے۔ اس ہیروازم Heroism یعنی شجاعت کے ساتھ اُن صفات حمیدہ سے بھی متصف تھے جو انبیا و اوصیا و اولیا کیلئے درکار ہین مگر تعجب ہے کہ اس عہد کے کسی سنی مسلمان سیرت نگار نے علیؑ کی لائف life نہین لکھی اور اگر لکھی بھی تو ایسا پہلو لیکر کہ حق کُشی کے ذریعہ سے علیؑ کی ہر امر مین مفضولیت ظاہر ہو۔ راقم کو اُسوقت شکایت نہوتی اگر شد و مد کے ساتھ سیرت نگاری کیطرف بعض ارباب تحقیق مائل نہوئے ہوتے۔ خدا کا غضب ہے کہ سیرتین مشاہیر اسلام کی لکھی جائین پھر ایک فاسق شرابخوار خونی بدکردار عیاش نفس پرور خودغرض بنی عباس کا خلیفہ ہیروز آف اسلام Heroes of Islam مین ٹھونسا جائے اور اُسکی سیرت نگاری مین زور و شور کے ساتھ دفتر کے دفتر سیاہ کئے جائین۔ مگر علیؑ ابن ابی طالب کی دو صفحہ کی سیرت بھی حوالۂ قلم نکیجائے۔ کیون مسلمانو! یہی انصاف ہے کہ عہد محمدی کا اسلام جس شخص کا ممنون در ممنون ہو وہ ہیروز آف اسلام مین شمار بھی نہو اور اُسکے احوال مین دو سطرین بھی اشاعت نہ پائین۔ اگر یہی اسلامی ارباب تحقیق کا انداز ہے تو اسلام کو ایسے مصنفین سے فائدہ پہنچ چکا۔ خلق اللہ کو فائدہ رسانی کے لئے پابندی انصاف شرط ہے۔ اتلاف حق ایک بری شے ہے خاص کر اتلاف حق اہلبیتؑ اسی سے اسلام کو ضرر پہنچ چکا ہے اور آئندہ بھی ضرر پہنچا کریگا۔ اب بھی بہی خواہان اسلام ادائے حقوق اہلبیتؑ کی کوشش فرمائین۔ ورنہ اُنکی جتنی کوششین ترقی اسلام کے لئے ہونگی رائگان جائین گی خدا کی خدائی انصاف پر چل رہی ہے۔ یہ ممکن نہین کہ بے انصافی کی بنیاد پر کسی قسم کی ترقی کی عمارت قایم ہو سکے۔ خدا تعالے دوستداران اسلام کو حق بینی اور حق جوئی کی توفیق اور حق و باطل کی تمیز عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

خیر راقم اب جناب علیؑ ابن ابی طالب کے وہ احوال درج ہذا کرتا ہے جن سے ظاہر ہوگا کہ اُس جناب کے زورِ بازو شجاعت استقلال اور ہمت نے کس طرح پر دشمنان اسلام کے مقابلہ مین اسلام کو غلبہ بخشا اور اسلام کو تباہ و خراب ہونے سے محفوظ رکھا۔ حق یہ ہے کہ علیؑ کی تلوار نے اسلام

سلامت رہ نہین سکتا تھا۔ یہ امر کوئی خیالی رنگ نہین رکھتا تمامتر واقعات پر مبنے ہے۔
افسوس ہے کہ اسلامی دنیا سے بہت کم آدمی اس امر حق سے اطلاع رکھتے ہین اس عدم اطلاع کی وجہ یہ ہے کہ بہت کم لوگ علم تاریخ کیطرف توجہ کرنیکا موقع رکھتے ہین۔ اسکے سوا حق پوشی اور اتلاف حق مسلمانون کا جزو ایمان بنا ڈالا گیا ہے۔ کتمان حق و اتلاف حق کے بڑے بڑے سامان کھائی دیتے ہین نہایت جائے حیرت و عبرت ہے کہ علیؑ جو اتنے بڑے خادم اور محسن اسلام کے تھے۔ بعد رسول خدا کے آپ کے جانشین قرار نہ دے گئے اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان جو خس برابر بھی عہد رسول اللہ مین اسلام کو اعدائے اسلام سے بچانے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور اس سبب سے اسلام کی حفاظت نہ کر سکے یکے بعد دیگرے رسول اللہ کے جانشین یا کسی خاص وضع کے خلیفہ بنتے گئے۔ بحریر ذیل سے حضرت علیؑ اور ان حضرات خلفا کی جہادی کارروائیون کا فرق اہل انصاف پر روشن ہو جائیگا۔ حق یہ ہے کہ عہد رسول اللہ مین اسلام کے حمایتی معاملات کے متعلق حضرت علیؑ کے ساتھ ان حضرات خلفا کو کسی طرح کی مناسبت ہی نہین دیکھی جاتی ہے۔ تعصب اور طرفداری اور شے ہے۔ ورنہ حضرت علیؑ کے ساتھ جہادی پہلو پر کوئی موازنہ کی بات ہو تو ان حضرات خلفا کا موازنہ حضرت علی کے ساتھ کیا جائے۔ تاریخ و سیر نیز احادیث کے رو سے تو صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ عہد رسول اللہ مین بمقابلہ اعدائے اسلام کے کوئی مختصر کارروائی بھی عمل مین نہ لا سکے۔ ذیل مین وہ غزوات مندرج ہوتے ہین جنکی کامیابی کی بدولت اسلام معدوم ہونے سے بچ گیا۔ ان غزوات پر نظر ڈالنے سے اہل انصاف کو اس سے چارہ نہین ہے کہ کہین علیؑ ہی کی تلوار نے محمد مصطفےٰ کے دین کو معدوم نہونے دیا۔ ورنہ ان غزوات مین حضرات خلفائے ثلثہ کی کوئی ایسی کارروائی نظر نہین آتی ہے جس سے اسلام کے سلامت رہجانیکی صورت ہوئی ہو۔

واضح ہو کہ جب کفار مکہ کے ظلمون سے جناب رسول خدا کو مکہ سے ہجرت اختیار کرنی پڑی تو آنحضرت مدینہ کو تشریف لائے اور اہل مدینہ نے آپ کے دین کو قبول فرمایا۔ اہل مدینہ کے اسلام قبول کرنے سے مدینہ ایک اسلامی شہر ہو گیا۔ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ جناب محمد مصطفےٰ نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ مین اپنے دین کو استحکام بخشا تو کفار مکہ اس معاملہ کو بڑے حسد اور عداوت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اور اس فکر مین ہوئے کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے اسلام کی حکومت نو کو درہم و برہم کر ڈالین۔
اس قصد سے سرداران مکہ لشکر کشی پر آمادہ ہو کر مدینہ کیطرف بڑھے۔ انکی پہلی لڑائی مسلمانون کے ساتھ چشمہ بدر پر واقع ہوئی۔ اگر یہ لڑائی اہل اسلام ہار جاتے تو محمد صاحب کے دین کا خاتمہ ایک امر یقینی تھا۔

جنگ بدر کبریٰ

ماہران علم تاریخ سے پوشیدہ نہین ہے کہ پولٹیکل پہلو سے جنگ بدر کو قسطنطین Constantine کے زمانہ کی پل والی لڑائی Battle of the Bridge کی حیثیت حاصل ہے۔

یہ لڑائی مسیح علیہ السلام کے ایک سو برس کے بعد درمیان عیسائیون اور مخالفان دین مسیحی کے واقع ہوئی تہی۔ اگر قسطنطین کو اس لڑائی مین ناکامیابی ہوتی تو دین مسیحی کا عروج دشوار تہا۔ اسی طرح اگر جنگ بدر خلاف اسلام کے انجام پاتی تو اسلام بالکل ٹہنڈا ہوجاتا۔ جاننا چاہیے کہ بے جدال وقتال کوئی دین قایم نہین ہوسکتا ہے۔ قیام وفروغ دین کے لئے جدال وقتال ایک امر ناگزیر ہے ہرچند مسیح علیہ السلام نے خود کوئی جدال وقتال نہین فرمایا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دین اُس معصوم اور برحق ہادی کا بے تیغ وسنان دنیا مین شایع نہین ہوا جسقدر غزوات رسول اللہ مین خون بنی آدم کا حکم خدائے قدیر سے زمین پر بہا ہے۔ اُس سے چند درچند مرتبہ زیادہ حامیان دین مسیحی کی تلوارون سے میدان ہائے دنیا لالہ زار ہوگئے ہین۔ یہ بہی اہل انصاف سے پوشیدہ نہین ہے کہ جتنے غزوات جناب رسول خدا کے وقت مین ظہور مین آئے ہین وہ زبردستی کا پہلو نہین رکہتے ہین۔ اُن کے وقوع کے اسباب ایسے ہی نظر آتے ہین کہ بے جنگ کے اختیار کئے کوئی چارہ ہی نہ تہا۔ اسی جنگ بدر کو دیکہئے کہ کفار مکہ نے خود لشکرکشی کی۔ کیا جناب محمد مصطفےٰ ان کو مدینہ مین داخل ہوکر اسلام کو درہم برہم کرنے کی اجازت دیتے۔ ان دشمنان اسلام سے اگر حضرت نہ لڑتے تو کیا کرتے۔ یہ لڑائی تو تمامتر تقاضائے فطرت کے قرین تہی اگر آج بہی دنیا کی کسی شایستہ ترین قوم پر ایسی چڑہائی کیجاوے تو باوجود حاصل رہنے ہرطرح کی شایستگی کے اُسے اپنے دشمن سے مقابلہ کرنا ایک امر مجبوری ہوگا۔ کفاران مکہ کی تعدی بہی قابل لحاظ ہے۔ پہلے تو یہ دشمنان اسلام پیغمبر صاحب کو مکہ مین طرح طرح کی ایذائین پہنچاتے رہے۔ پہر جب آپنے مجبور ہوکر ترک وطن فرمایا اور ایک غیر شہر مین جاکر امن پکڑا تو وہان بہی اُن کو قتل کرنے اور اُن کے دین کو برباد کرنیکی کوشش اُٹہا نہین رکہی۔ حملے پر حملے ہوتے رہے سبحان اللہ اس پر بہی دشمنان اسلام کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپنے تلوار کہینچی۔ اور خون بنی آدم بہایا۔ خیر۔ اب ناظرین بانصاف جنگ بدر کے معاملہ پر توجہ فرمائین۔ اور دیکہین کہ یہ لڑائی کہ جس پر قیام واستحکام اسلام موقوف تہا کس طرح پر لڑی گئی اور اس لڑائی مین علیؑ ابن ابی طالب کی تلوار نے کیا جوہر دکہلائے کتب تاریخ مین مندرج ہے کہ جب کفار قریش لشکر اسلام کے مقابلہ مین صف آرا ہوئے تو اُن کفار سے تین شخص میدان جنگ مین مبارز طلب ہوئے اُس وقت مہاجرین مین سے کوئی بہی اُنکے مقابلہ کو نہ نکلا۔ الا حضرت علیؑ حضرت حمزہ اور ابوعبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب

جو بنی ہاشم تھے۔ ان تینوں حضرات نے خوب ہاشمیت کی داد دی پھر جب لڑائی عام ہوگئی تو اور بھی حضرات بنی ہاشم نے بہادریاں دکھلائیں اور انصار بھی دلیری کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ جب تحریر ارباب سیر ستّر آدمی لشکر کفار سے اس لڑائی میں مارے گئے اور ستّر آدمی اسیر ہوئے منجملہ ستّر کشتگان کفار کے ۳۶ نفر حضرت علیؓ کے دست خاص سے فی النار ہوئے اور بقیہ مقتولین کا زیادہ حصہ حضرت حمزہؓ کی تلوار سے طعمۂ دوزخ ہوا۔ کشتوں کی فہرست نام بنام کتب تواریخ و سیر میں مندرج ہے اور اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ المختصر یہ بدر کی لڑائی وہ ہے کہ اسلام کی آئندہ کی سرسبزی تمامتر اسکی فتح پر موقوف تھی اگر اس لڑائی میں اسلام کو شکست ہو جاتی تو اسلام کا کام تمام ہو چکا تھا۔ پھر نہ دین اسلام جاری ہوتا اور نہ بعد رسول اللہ کے حضرات خلفائے ثلثہ خلیفہ ہوتے۔ اس لڑائی میں حضرات شیخین موجود تھے مگر کسی کتاب سے ہر دو حضرات خلیفہ کی کوئی کارروائی ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ کی نسبت علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ آپ وقت جنگ رسول اللہ کے ساتھ تھے اور چونکہ آپ بڑے تلور سے تھے رسول اللہ کی حفاظت میں مصروف رہے۔ حق یہ ہے کہ آپ لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے آپ کا شریک جنگ رہنا اور نہ رہنا برابر ہوتا۔ حضرت عمرؓ تمامتر لڑائی سے علیحدہ رہے اور یہ اس لئے کہ تعلقات ابوجہل کے باعث آپ اپنے ماموں ابوجہل اور عزیزان ابوجہل کے خلاف نبرد آزمائی نہیں کر سکتے تھے۔ بہرحال یہ تلوار علیؓ ہی کی تھی جس نے اُسوقت اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور یہی تلوار تھی کہ عہد رسول اللہ میں اُس جڑ کو مضبوطی بخشتی رہی حتیٰ کہ اسلام ایک ایسا قوی درخت ہو گیا کہ جسکی بیخ کنی قیصر روم اور کسرٰے فارس سے بھی نہ ہو سکی۔

جنگ اُحد

واضح ہو کہ جب قریش مکہ نے بدر کی لڑائی میں ہزیمت سخت اُٹھائی اور اُن کے بہادران مثل ابوجہل وغیرہ کے مارے گئے تو اُن کے دلوں میں اسکے معاوضہ کی سخت خواہش پیدا ہوئی چنانچہ بدر کے دوسرے ہی سال مشرکین قریش بڑی تیاری کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ ادہر سے جناب رسول اللہ بھی مہاجرین و انصار کو لیکر اُن کے مقابلے کے واسطے مدینہ سے نکلے۔ کوہ اُحد کے متصل لشکر اسلام اور کفار قریش سے سامنا ہوا۔ کفاران مکہ کے سردار حضرت ابوسفیان تھے۔ چونکہ ان کے بیٹے اور رشتہ دار جنگ بدر میں طعمۂ ذوالفقار حیدری ہو چکے تھے۔ اس سے انہوں نے لشکر آرائی میں بڑی کد کی۔ زنان قریش بھی لشکر کے ساتھ آئیں۔ یہ عورتیں جا بجا جل بجا بجا کر اور اشعار پڑھ پڑھ کر مبارزان قریش کو تہور دلاتی تھیں اور کشتگان بدر کا بدلا لینے پر انہیں آمادہ کرتی تھیں۔ اُن نسوان حبائل شیطان کی سردار ہندہ تھی یہ وہی ہندہ ہے جو حضرت ابوسفیان

کی زوجہ تھی اور جسکی نسبت حکیم سنائی لکھتے ہین - داستان پسر ہند مگر نشنیدی الخ
خیر جب لڑائی شروع ہوئی تو پہلے لشکرِ اسلام کو فتح نمایان ہوئی پھر شکست کا سبب یہ ہوا کہ اسلامی لشکری مال غنائم کے حاصل کرنیکی فکر مین مشغول ہو گئے (دیکھو تاریخ طبری حصہ سوم صفحہ ۱۳۹۴ و سیرت ابن ہشام جزو ثانی صفحہ ۸۲ و روضۃ الاحباب و مدارج النبوۃ وغیرہ) اور جناب رسول اللہ نے جو ارشاد فرمایا تھا اُسے بھول بیٹھے - یعنی جناب رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ پچاس شخص تیر انداز پہاڑ کی ایک گھاٹی پر موجود ہین - مگر جب فتح کی شکل نمایان ہونے لگی اور قریش مکہ گریزان نظر آنے لگے تو اُن تیر اندازون نے اپنی اپنی جگہین چھوڑ دین اور لوٹ مین مشغول ہو گئے - قریش نے یہ طور دیکھکر اپنے منتشر شدہ لشکر کو سمیٹا اور بھر قاعدہ سے لشکرِ اسلام کے مقابل ہوئے - تب تو مال غنیمت کے لوٹنے والون پر سخت آبنی - لشکرِ اسلام کو مقاومت کی تاب نرہی - عوام مہاجرین مع حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمان ایسے بھاگ نکلے کہ نشان بھی نملا کہ کدھر غائب ہو گئے - (آئندہ ان حضرات ثلثہ کے فرار کی بحث حوالۂ قلم ہونے کو ہے) - صرف مہاجرین بنی ہاشم جو قرابت داران رسول اللہ تھے استوار و گرم پیکار رہے اسیطرح انصار بھی شریک جانبازی رہے اور شرافت ذاتی اور شرافت قومی کی داد دیتے گئے -
صاحب مدارج النبوہ جناب شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی لکھتے ہین کہ جب مسلمانون نے شکست کھائی تو حضرت رسولِ خدا کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے (واہ کیا ایمان تھا بھاگنے والون کا!) اُسوقت آنحضرتؐ غضب مین ہوئے اور پیشانی مبارک سے پسینہ گرنے لگا پھر دیکھا تو علیؑ کو اپنے پہلو پر ایستادہ پایا - آنحضرتؐ نے علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمنے اپنے بھائیون کا ساتھ کیون نہ دیا اور اُنسے کیون نہ جاملے - اسپر علیؑ نے عرض کی لَا اَکْفُرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ اِنَّ لِیْ بِکَ اُسْوَۃٌ یعنی بعد ایمان کے کفر نہین ہو سکتا بہ تحقیق کہ مجھے آپ کے ساتھ اقتدا ہے (دیکھو مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ اور روضۃ الاحباب صفحہ ۲۷۷ اور روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ اور معارج النبوۃ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کو میدان جنگ مین چھوڑ کر بھاگ جانا حضرت علیؑ کے نزدیک کفر کے برابر تھا - آنمؐ کے نزدیک عقل کے روسے یہ فرمانا آپکا نہایت قرین حق معلوم ہوتا ہے - ایسے افراد جو ایسے نازک وقت مین اپنی ناپاک جانین بچانے کے لئے فرار اختیار کرین کیون کر صاحب ایمان ہو سکتے ہین ایسون کو کامل الایمان کہنا ایمان کا خون کرنا ہے - خیر اُسوقت مین ایک جماعت کفار کی جناب پیغمبر خدا کی طرف متوجہ ہوئی - آنحضرت نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ مجھے اس جماعت سے محفوظ رکھو - اور حق خدمت بجالاؤ کہ یہ وقت مددگاری کا ہے - حسب الارشاد نبوی جناب علی مرتضیٰ اُس قوم کیطرف متوجہ ہوئے اور اُنھین بدحال کرکے متفرق کر ڈالا اور ایک جماعت کثیر کو دوزخ مین پہنچا دیا - اسکے بعد محدث ممدوح تحریر فرماتے ہین کہ جب علیؑ سے یہ نصرت ظہور مین آئی تو پیغمبر خدا نے

بحق علی مرتضیٰ - اِنَّہٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ فرمایا اور جبرئیل بولے اَنَا مِنْکُمَا (دیکھو تاریخ طبری جلد ۲ حصہ صفحہ ۲۰۲ و کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۷۳ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۲) پھر محدث ممدوح فرماتے ہیں کہ یہ آواز سنائی دی کہ کوئی گوئیندہ غیبی کہتا ہے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ وَلَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۰۲ و سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۲ و مطالب السئول صفحہ ۱۳۱) یہ بھی محدث ممدوح لکھتے ہیں کہ نَادِ عَلِیًّا مَظْہَرَ الْعَجَائِبِ ٭ تَجِدْہُ عَوْنًا لَکَ فِی النَّوَائِبِ ٭ کُلُّ ہَمٍّ وَغَمٍّ سَیَنْجَلِیْ ٭ بِعَظَمَتِکَ یَا اللّٰہُ بِنُبُوَّتِکَ یَا مُحَمَّدُ بِوِلَایَتِکَ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ (دیکھو فواتح میبندی علامہ میبندی کے صفحہ ۲۱۴) کا نزول اُسی معرکۂ احد میں ہوا ہے حضرت محدث کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار مصرعے وحی کا انداز رکھتے ہیں یعنی کلام بشر نہیں کلام خدا ہیں حضرت علیؑ کے لئے نازل ہوئے۔

سبحان اللہ کیا ذات پاک علی مرتضیٰ کی تھی اور آپ کیسے سچے معاون اسلام کے اور کیسے جان نثار حضرت رسولؐ خدا کے تھے کہ بدر میں کسطرح اسلام کو بربادی سے بچایا اور اُحد میں کس طرح جناب رسولؐ اللہ کی جان کے محافظ بنے۔ دشمنان رسولؐ اللہ کو زیروزبر کر ڈالا۔ اے حضرات حق پسند سچ فرمایئے کہ امت رسولؐ میں کوئی شخص ایسا گذرا ہے جس نے رسولؐ اللہ کی اور اسلام کی ایسی بیش بہا خدمتیں کی ہوں۔ یہ کیا انصاف ہے کہ ایسا شخص جو رسولؐ خدا اور دین خدا کے لئے اپنی جان کو جان نہ سمجھے وہ بمقابلہ ایسے حضرات کے جو غزوات نبی میں فرار کے عادی تھے رسولؐ اللہ کی خلافت کا سزاوار نہ سمجھا جائے۔ کیا غضب ہے کہ ایسا شخص مفضول اور فراری افضل سمجھے جائیں تعصب سے بری ہونیکے بعد صاحبان عقل یہی کہینگے کہ فراری رسولؐ اللہ کے سچے جانشین نہیں ہو سکتے اُمت نے اگر ایسے حضرات کو خلیفہ یا امام قوم بنا ڈالا تو بنا ڈالا ایسے حضرات رسولؐ اللہ کے خلیفہ یا امام نہیں ہو سکتے۔ حضرات انصاف پرست غور فرمائیں کہ کسی دوست کو کسی تہلکہ میں چھوڑ کر بھاگ نکلنا بڑی نامردی کی بات ہے۔ ایسے بھگوڑے کو دنیا جو کچھ کہے بجا ہے۔ لیکن ایسے فراری کو کیا کہینگے جو میدان جنگ سے رسولؐ اللہ کو محل خوف میں چھوڑ کر بھاگ نکلا کریں یا رسولؐ اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے میں جان چُراتے تھیں۔ بلاشبہ ایسے اشخاص کامل الایمان کہلائے جانیکا ذرہ برابر بھی استحقاق نہیں رکھتے اسپر بھی یہ تماشا ہے کہ ایسے حضرات کے مقابلہ میں علیؑ مفضول سمجھے جاتے ہیں اور آپکی حیرت خیز کمالات سے چشم پوشی کیجاتی ہے۔

واضح ہو کہ کتب تاریخ و سیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُحد کی لڑائی میں لشکر اسلام میں سے ۶۵ یا ۷۰ حضرات شہید ہوئے ان میں سے بروایت ثانی ۶۶ اور برتقدیر روایت اول ۶۱ انصار شہید ہوئے مہاجرین سے شہیدوں کے عدد ۳ یا ۴ نظر آتے ہیں اور یہ شہداء عزیزان پیغمبرؐ سے تھے عوام مہاجرین سے نہ کوئی شہید ہوا اور نہ کوئی زخمی ہوا اس سے عوام مہاجرین کی عقیدت و وفاداری کو

سمجھنا چاہیے - عوام تو عوام خواص مہاجرین اس مادہ مین کیا فضیلت رکھتے تھے - حضرات
خلفائے ثلثہ سے بڑھکر کون خواص مہاجرین تھا - مگر یہ حضرات بھی عوام مہاجرین کے طریقہ پر عامل
ہوتے تھے - ظاہراً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے جناب رسول خدا بنی ہاشم اور انصار کے کوئی
مہاجرین غزوات جناب رسول اللہ مین لڑتا بھڑتا نہ تھا - یہ تو جنگ بدر و جنگ احد کی سرگذشت
ہے - آئندہ اور غزوات مین بھی یہی کیفیت ظاہر ہوگی - اس جنگ کے متعلق جو نہایت حسرت انگیز اور
الم خیز معاملہ ہے وہ حضرت امیر حمزہؑ کی شہادت ہے - آپ کی شہادت حضرت رسول خدا کے لئے
ایک بڑے غم کی بات ہوئی - آپ لشکر خدا کے بڑے معین و مددگار تھے اور بڑی بہادری کے ساتھ
آپنے اپنی جان نذر اسلام فرمائی - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ اس واقعہ جانگداز سے ایک
عجیب نقل تاریخی متعلق ہے - اور وہ یہ ہے کہ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے بکمال شقاوت سے اس جناب کے
جگر کو دانتون سے چبایا اور آپ کے گوش اور بینی کو جسم اطہر سے علیحدہ کرکے اور ان کا ہار بنا کر اپنی گردن
ناپاک مین ڈالا اس شقاوت کو یاد کرکے حکیم سنائی فرماتے ہین ع - مادر او جگر عم پیمبر بمکید - ہندہ کے
اس فعل قبیح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کی عورت تھی اور جس قبیلہ کی وہ عورت تھی اُس قبیلہ کے
اخلاق کس درجہ تنزل کو پہنچے ہوئے تھے - یہ عورت بھی بنی امیہ سے تھی - بنی امیہ قریش کا ایک ایسا
قبیلہ تھا کہ جو مکاری و دغابازی زناکاری خونریزی شراب خواری وغیرہ وغیرہ مین فرد تھا - پیغمبر خدا کو اُس قبیلہ
سے تمام تر نفرت تھی اور تا رحلت یہ نفرت آپکی قایم رہی چنانچہ عمران بن حصین سے مروی ہے -
مَاتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَکْرَہُ ثَلٰثَۃَ اَحْیَاءٍ ثَقِیْف وَبَنِیْ حَنِفَۃ وَبَنِیْ اُمَیَّۃَ راوی اس
حدیث کے ترمذی ہین اور اسکے معنی یہ ہین کہ وفات پائی نبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے درحالیکہ وہ حضرت
کراہت رکھتے تھے تین قبیلون سے یعنی قبیلہ ثقیف و بنی حنفہ و بنی امیہ سے - شاہ صاحب اپنی شرح
مین لکھتے ہین کہ حضرت رسول خدا نے خواب مین دیکھا کہ بندر آپ کے منبر شریف پر کھیل رہے ہین -
اور آپنے تعبیر اُن بندرون کی بنی امیہ سے فرمائی اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ آپکی رحلت کے بعد بنی امیہ
اپنی حرفتون سے صاحب اقتدار ہوگئے - ملک شام ان کے زیر حکومت ہوگیا - یہان تک کہ تمام بلاد
اسلام کے مالک بن گئے اور نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ منبر رسول اللہ پر مشغول بازی رہے -
نہایت جائے افسوس ہے کہ جس قبیلہ کو رسول اللہ اپنے عہد مین بہت کمزور اور بےحال کر گئے تھے حضرت
کی رحلت کے ساتھ نہ صرف اُس قبیلہ کی قوت رفتہ عود کر آئی بلکہ ہزار درجہ ترقی کر گئی - کاش اس
قبیلہ کو کوئی اختیار رہونے کا موقع نہ دیا جاتا - اگر یہ قبیلہ مرضی رسول خدا کے مطابق حالت ابتذال مین
چھوڑ دیا جاتا تو نہ علی مرتضی کی عمر تلخی مین بسر ہوتی نہ بنی ہاشم مبتلائے تکالیف جسمانی و روحانی ہوتے
نہ حضرت مقداد و دیگر دوستداران علی ذلتین اٹھاتے نہ حضرت زہرا زیر شکست بیعت فرماتے -

حضرت عائشہ جمل کی لڑائی لڑتیں نہ حضرت عائشہ کنوئیں مین گرا کر مار ڈالی جاتیں نہ جناب امام حسنؑ کو زہر کھلایا جاتا نہ حسینؑ شہید دشت کربلا ہوتے نہ امام زادے صعوبتون کے ساتھ مارے جاتے اور نہ اہل حرم رسوا و اسیر ہو کر دمشق کی گلیون مین تشہیر کیے جاتے۔ لاریب قبیلۂ بنی اُمیہ کے صاحب اقتدار ہو جانے سے آلِ محمدؐ کو بڑا نقصان پہنچا اُنسے خوب خوب کشتگان بدر و اُحد کے بدلے لیے گئے۔ اس جگہ سائل سوال کرتا ہے کہ پھر کسنے قبیلۂ بنی اُمیہ کو از سرِ نو قوی کر دیا۔ اس کا صاف اور سچا جواب یہ ہے کہ حضرات شیخین نے یا خلافت اولے نے جیسا کہ راقم سابق مین عرض کر چکا ہے۔ اسمین کوئی شک نہین کہ بنی امیہ کو علیؑ نے سر نہین چڑھایا۔ ظاہر ہے کہ رسولؐ اللہ جس قبیلہ سے نفرت رکھتے تھے اُسکو علیؑ سر نہین چڑھا سکتے تھے۔ اگر سر چڑھاتے تو واقعۂ کربلا کا الزام حقًا علیؑ ہی پر عاید ہوتا کسوا سطے کہ یہ واقعۂ جانگزا مجرد قبیلہ بنی اُمیہ کے سر چڑھانے کا نتیجہ قریب ہے۔

اس جنگ مین لشکر کفار سے صرف ۳۰ آدمی مارے گئے۔ اُنمین سے ۹ نفر تو ابردار لشکر کفار تھے۔ یہ ۹ نفر یکے بعد دیگرے طعمۂ ذوالفقار حیدری ہوتے گئے۔ پھر ۱۲۔ اور بھی حضرت شیر خدا کے ہاتھ سے مارے گئے۔ باقی رہے ۹۔ ان مین سے چند نفر کو حضرت امیر حمزہ علیہ السلام نے فی النار کیا اور بقیہ انصار کے ہاتھ سے داخل دوزخ ہوئے۔ مہاجرین غیر بنی ہاشم سے کسی کافر کا مارا جانا ثابت نہین ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مہاجرین غیر بنی ہاشم جب لڑنے بھڑنے کے گرد نہین رہتے تھے تو کافر کشی اُن سے کیون کر عمل مین آسکتی تھی۔ خواص و عوام مہاجرین بجز بنی ہاشم کے یکسان روبہ فرار ہو جاتے تھے۔ فرار ہونا اُن کے نزدیک کوئی نامردی کا فعل متصور نہ تھا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہاجرین نہایت دور اندیش حضرات تھے نہ مارتے تھے اور نہ مارے جاتے تھے مگر جاننا چاہیے کہ شجاعت ایک ایسی صفت ہے کہ تمام نیکیون کی جڑ ہے اور اُس کے برخلاف بزدلی ہے۔ اور واقعی شجاعت ایک ایسی صفت ہے کہ انسان کے لیے بہت کچھ ذریعۂ عزت ہوا کرتی ہے جیسا کہ خود اس لڑائی مین جناب رسولؐ اللہ کے ایک صحابی نے یہ شعر پڑھا تھا ؎

فِي الْجُبْنِ عَارٌ وَّفِي الْاِقْبَالِ مَكْرُمَةٌ وَّالْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَا يَنْجُو مِنَ الْقَدَرِ

یعنی نامردی مین ننگ ہے۔ اور دشمن سے سامنا کرنے مین بزرگی ہے اور مرد نامردی کے ذریعہ سے مقدر سے نہین بچ سکتا۔ ارباب اطلاع سے پوشیدہ نہین ہے کہ بھاگنے والے تو اُس لڑائی سے بھاگ نکلے مگر علیؑ کی ثابت قدمی آخر جنگ تک اپنے حال پر رہی آپ فرماتے ہین کہ ہر چند مجھے سولہ زخم بدن پر اُس لڑائی مین لگے تھے اور مجھے غش آتا تھا کوئی جو میرا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا کرتا تھا اور مین اس طور پر برابر لڑتا رہا۔ جناب رسولؐ اللہ نے یہ سنکر فرمایا کہ وہ جبرئیلؑ تھے جو تم کو اس طرح پر نظر پڑے (دیکھو روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۹۲ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۳)

یہ لڑائی حضرت علیؑ کے ہاتھ رہی اور آپکی ایسی ہی ثابت قدمی تھی جسکی نسبت خداوند تعالیٰ قرآن شریف مین فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ یعنی بتحقیق اللہ دوست رکھتا ہے اُن لوگون کو جو لڑتے ہین اسکی راہ مین صف باندھکر گویا کہ وہ عمارتین ہین سیسہ پلائی ہوئی (اوائل آیت سورۃ الصف پارہ ۲۸) اسی قول خدا کے انداز کا قول رسولؐ خدا بھی ہے۔ جس سے حضرت علیؑ کی برتری بزرگی اور رفعت کی حد سمجھ مین نہین آتی۔ جناب رسولؐ اللہ حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے ہین کہ اے ابوالحسن اگر تمام خلقت کے عمدہ اعمال اور ایمان ایک پلۂ ترازو مین رکھے جائین اور تمہارے اعمال روز اُحد دوسرے مین تو تمہارا ہی پلہ بھاری ہوگا تمام خلایق کے اعمال پر اور بہ تحقیق خدا نے تمہارے عمل پر فخر و مباہات کی اُس روز تمام ملائکہ آسمان پر اور آسمان کے پردے اُٹھا دیے تھے۔ اور خود جنت اور تمام چیزین تمہین شوق کی نگاہ سے دیکھتی تھین۔ اور خداوند عالمیان تمہارے فعل سے خوش ہوا اور اوس روز کا صلہ خدا تعالےٰ تمہین ایسا دیگا کہ تمام نبی اور رسولؐ اور صدیق اور شہید تک غبطہ کرینگے (دیکھو ینابیع المودۃ چھاپہ قسطنطنیہ صفحہ ۴۶) اہل انصاف دیکھین کہ صرف یہ ایک حدیث ایسی ہے کہ جو حضرت امیرؑ کو خدا ہی جانے کہ تمام خلقت خدا کے مقابلہ مین کیا درجہ عالی بخشتی ہے۔ رسولؐ اللہ تو یون فرمائین مگر مخالفین علیؑ اسکے برخلاف آپکو حضرات خلفائے ثلثہ سے بھی مفضول قرار دین اوّل تو فرار کو کوئی بھی حق غیر فرار پر مرجح سمجھے جانے کا نہین اسپر بھی ایسا غیر فرار کہ جسکی نسبت جناب رسولؐ اللہ فرمائین کہ اگر تمام اعمال نیک کا خلقت خدا کے علیؑ کی روز اُحد کی خدمت کے ساتھ موازنہ کیا جاے تو علیؑ کی خدمت کا پلہ گران ٹھہریگا۔ وہ حضرات جو ایسے ایسے اقوال رسولؐ اللہ کی طرف توجہ کرنیوالے نہین ہین۔ نہین معلوم کس طرح کے مسلمان ہین۔ ایسے مسلمانون نے صرف محبت حضرات خلفائے ثلثہ کو ایمان سمجھ لیا ہے اور اس افراط محبت مین نہ علیؑ کا مرتبہ اُنکی سمجھ مین آتا ہے اور نہ وہ خدا اور رسولؐ کے ارشادات کیطرف توجہ کرنیکی صلاحیت رکھتے ہین۔

ایسے متعصبین کہتے ہین کہ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید مین فرارین اُحد کے قصور کو معاف فرما دیا ہے اسمین شک نہین کہ رحمت خداوندی اسکی مقتضی ہوئی ہے۔ مگر گفتگو یہ ہے کہ یہ معافی بمقابلہ ایک غیر فرار کے فرارین کو کیون کر کسی طرح کی فضیلت بخش سکتے ہین۔ اس پر فخر و مباہات کہ قرآن مین اس معاملہ کا حوالہ ہے۔ البتہ خدا کی رحیمی کا جلوہ اس سے ضرور عیان ہے۔ مگر اس سے کسی فرار کی کیا صفت حمیدہ ظاہر ہوتی ہے فہم انسانی سے باہر ہے۔ فرار فرار ہی رہتا ہے۔ بیشک ازین نیست کہ خدا تعالےٰ نے اپنی کسی مصلحت سے اُس فرار کے ایسے فعل قبیح سے درگذر فرمایا۔ مگر ذرا اُس آیت کو پڑھکے دیکھین تو پتہ لگے گا کہ معافی صرف دنیا کی ہے یعنی اُن کے اس فعل پر کہ ایسے پیغمبر کو چھوڑکر فرار ہی

ہوئے اُنہین بندر یا سُور نہ بنا دیا۔ آخرت کی معافی اُس سے ہرگز نہین نکلتی۔ ثبوت یہ کہ آیت کا خاتمہ غفور حلیم پر ہوا ہے۔ اگر آخرت کی معافی ہوتی تو غفور رحیم فرماتا۔

اُحد کی لڑائی کے بعد چند غزوات اور سرایا پے در پے ظہور مین آئے مگر وہ سب مشہور نہین ہین۔ کتب سیر و تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غزوات و سرایا مین بھی حضرت علیؑ کی تلوار بیکار نہین رہی شاہ مردان نصرت حضرت رسولؐ اور اعانت اسلام سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ غزوہ بنی نضیر مین جو انہی غزوات غیر مشہور سے ہے شیر خدا نے ایک بڑے کافر جری کو مارا۔ یہ شخص بنی نضیر سے تھا اور ایسا تھا کہ جس کا مقابلہ مہاجرین غیر بنی ہاشم نہین کر سکتے تھے۔ نہین معلوم کہ یہ مہاجرین غیر بنی ہاشم کس مرض کی دوا تھے۔ جب لڑنے بھڑنے کی صلاحیت ہی نہین رکھتے تھے تو ہجرت کی زحمت ایسے حضرات نے کیون گوارا کی۔ جب دیکھیے میدان جنگ سے روانہ۔ یا اگر رہے بھی تو اس قاعدہ سے جیسے لشکر کے ساتھ بنیے بقّال یا کوئی وغیرہ رہتے ہین۔ غضب خدا کا ہے کہ ایک غزوہ رسولؐ اللہ مین بھی یہ مہاجرین غیر بنی ہاشم کسی چھوٹی سی جنگی کارروائی کا تماشا نہ دکھلا سکے اِس پر یہ طرہ ہے کہ ایسے ایسے ڈرپوک افراد کو اہل تعصب شاہ مردان و شیر یزدان پر فضیلت دیتے ہین ذرہ بھر بھی شرم نہین کرتے۔ بہرحال وہ بنی نضیر کا ایک رات کو رسولؐ اللہ پر حملہ آور ہونے کو نکلا اور اسی قصد سے اپنے قلعہ سے نکلا تھا۔ حضرت علیؑ اسکے انداز کو سمجھکر اُسی شب کو اُسکی طرف رسولؐ اللہ کی فرمایش کے بغیر تشریف لیگئے۔ وہ عاقبت برباد قصدِ بالاے خیمۂ رسولؐ اللہ کی طرف چلا آتا تھا کہ راہ مین شیرِ خدا سے اس کا سامنا ہوگیا اور حضرت سفے اُسے دم کے دم مین جہنم واصل فرمایا۔

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ جناب رسولؐ اللہ کی فرمایش کے بغیر بھی نصرت رسول اللہ اور اعانت اسلام فرمایا کرتے تھے۔ یہ تو کیفیت آپ کے جہاد فی سبیل اللہ کی تھی۔ حضرات اہل انصاف آپ اسکا موازنہ فرمائین جنگ اُحد کے فرّارین کی کارروائیون سے کہ وہان رسولؐ اللہ چیخ چیخکر فرارین کو جنگ گاہ مین ٹھہرنے کے واسطے فرما رہے تھے۔ اور کوئی بھی آپ کی نہین سنتا تھا۔ بھاگنے والے بھاگے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ واقدی فرّارین کی نسبت لکھتے ہین کہ جب مسلمان بروز اُحد پہاڑ پر بھاگے جاتے تھے تو جناب رسولؐ خدا فرماتے تھے اِلَیَّ یَا فُلَانُ اِلَیَّ یَا فُلَانُ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اور کوئی شخص حضرتؐ کی آواز کیطرف توجہ بھی نہین کرتا تھا۔ (دیکھو مغازی واقدی صفحہ ۲۳۳) اس امر کی خداوند تعالے نے بھی سورہ آل عمران مین خبر دی ہے۔ کقولہ تعالے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ یعنی جب وقت کہ چڑھتے تھے تم لوگ پہاڑ پر اور بھاگتے تھے اور کسیکو مڑ کر نہین دیکھتے تھے اور رسولؐ خدا تم کو بلاتے تھے تمہاری پچھلی جماعت مین حضرت عمر اپنے پہاڑ کے چڑھنے کو اور بھاگنے کو بڑی خوبصورتی سے بیان فرماتے ہین

آپ فرماتے ہین کہ ہم پہاڑ پر بزکوہی کیطرح کودتے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کود پھاند مین آپ رسول اللہ کی پکار کو کیون کر سن سکتے تھے۔ خیر۔ موازنہ سے فرق حضرت علیؑ کی رغبت جہاد اور فرارین کی ڈرپوکی کا صاف نمایان ہوجاتا ہے۔ کہان جناب علیؑ جناب رسولؐ اللہ کی فرمایش بغیر اعدائے رسولؐ و اعدائے دین سے مقابلہ کرتے تھے۔ اور کہان فرارین رسولؐ اللہ کے پکارنے پر بھی میدان جہاد کیطرف واپس آنے کا خیال نہ کرتے تھے۔ چہ نسبت است بہ رندی صلاح و تقوی را۔ سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا۔ سبحان اللہ شاہ مردان کی کیا شجاعت شعاری اور قوت ایمان تھی۔ واقعی اگر علیؑ کو خدا تعالے نے پیدا نہ کیا ہوتا تو اسلام کے زور پکڑ جانے اور استحکام حاصل کرنے کے لئے خدائے تعالے کو اور کوئی سامان تقویت بہم پہنچانا پڑتا ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو جو کچھ زور اور استحکام حاصل ہوا اسمین علیؑ کی ذات کو بڑا دخل تھا۔ خیر ان غزوات و سرایا کے بعد وہ لڑائی وقوع مین آئی جو جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ اسے جنگ احزاب بھی کہتے ہین۔ یہ لڑائی بھی جنگ بدر و جنگ احد کی شہرت رکھتی ہے۔

جنگ خندق

اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ ہجرت کے پانچوین سال مین واقع ہوئی۔ قریش مکہ اور چند قبائل دیگر جن مین یہودی بھی شامل تھے حضرت ابوسفیان پدر حضرت معاویہ وجد امجد یزید کی ماتحتی مین مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور اس کا محاصرہ کچھ روز تک کئے رہے۔ انکے حملون سے شہر کو محفوظ رکھنے کی غرض سے حضرت سلمانؓ کے مشورہ کے مطابق جناب پیغمبر خدا نے شہر کے گرد خندق کھدوائی تھی اس خندق کی وجہ سے اس جنگ کو غزوہ خندق کہتے ہین۔ کفار محاصرین نے چند بار اس خندق پر حملے کئے مگر اندر شہر کے داخل نہو سکے۔ اس بار لشکر کفار دس ہزار آدمی پر مشتمل تھا (دیکھو خمیس دیار بکری ورق ۲۹۰ و کامل ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۲۳) اور اعدائے اسلام کیطرف سے بڑی بڑی سامان فوج کشی کے عمل مین آئے تھے۔ یون تو بڑی جانفشانی کے ساتھ شہر کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ (دیکھو تاریخ الرسل والملوک صفحہ ۱۴۶۵ جلد اول حصہ سوم) مگر آخر کار عمرو بن عبدود و خالد بن عمرو بن عبدود و عکرمہ بن ابی جہل و عبد اللہ بن مغیرہ وغیرہ وغیرہ گھوڑون کو مہمیز کر کے خندق کے اس طرف نکل آئے (دیکھو خمیس از ورق ۲۹۰ تا ۲۹۳ و تاریخ طبری صفحہ ۱۴۷۵) سب کے ساتھ اس بار ابوسفیان و خالد بن ولید اور دیگر سپہ سالاران لشکر کفار پرے جما کر خندق کے برابر کھڑے ہوگئے عمرو بن عبدود خندق کے اس پار آکر بڑے جوش و خروش کے ساتھ لشکر اسلام سے مبارز طلب ہوا۔ اپنے پہلتن سے چونکہ کسی اسلامی سپاہی کو مقابلہ کے تاب نہ تھی سب کے سب دم بخود ہو رہے۔ صرف حضرت علیؑ اسکے

مقابلہ کو نکلے۔ مگر جناب رسولؐ خدا نے روکا اور لشکر اسلام کیطرف متوجہ ہوکر تین بار فرمایا کہ کوئی تم سے ہے جو اُس کافر کے ساتھ برزآزما ہو مگر کسی نے بھی لڑنے کیطرف رُخ نہین کیا۔

یہ رنگ دیکھکر جناب رسولؐ خدا نے حقیقت حال دریافت فرمائی تو حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ عمرو بن عبدود ایسا ہے کہ ایک دفعہ ایک قافلے مین ہم اور یہ شخص شام کی طرف جاتے تھے ناگہان ایک ہزار قزاق نے آکر قافلہ کو گھیر لیا اور قافلہ کو لوٹنا شروع کردیا۔ یہ دیکھکر یہ شخص تلوار کھینچکر قزاقون پر ٹوٹ پڑا اور سب کو ایک دم مین فنا کردیا۔ یہی باعث ہے کہ آج اس کے مقابلہ کو ہم مین سے کوئی بھی آمادہ نہین ہوتا۔ (دیکھو معارج النبوۃ رکن ۴ چھاپہ لکھنو صفحہ ۵۸ا اور روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۰۱)

حضرت رسولؐ خدا نے تب حضرت علیؑ کو جنگ کی اجازت بخشی۔ شاہ مردان تو اسکے منتظر تھے اور اوسکے پہلے بھی حضرت رسولؐ کی فرمایش کے بغیر آمادہ جنگ ہو چلے تھے۔ اُس دیونا پاک کا فوراً مقابلہ فرمایا۔ وہ کافر بڑا ہی عظیم پیکر قوی ہیکل اور برزآزما تھا دیر تک شیر خدا کا سامنا کرتا رہا مگر آخرکار ضربت حیدری سے فی النار والسقر ہوا۔ اس دیوزاد کے مارے جانے کے بعد اور بھی کچھہ سرداران لشکر کفار کو شاہ مردان نے داخل جہنم فرمایا۔ مگر یہان پر ایک مُضحک قصہ یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ میدان علیؑ کے ہاتھ رہا اور اب کسی کافر کو مقابلہ کی تاب نہین رہی تو آپ میدان وغا مین تشریف لائے اور آتے ہی ضرار بن خطاب جو علیؑ مرتضیٰ کی صورت دیکھتے ہی دور سے بے لڑے بھاگا جاتا تھا (دیکھو خمیس) اوسکے تعاقب مین دوڑے اُسنے جو دیکھا کہ حضرت عمرؓ تعاقب کنان تشریف لارہے ہین فوراً اُلٹ پڑا اور حضرت ممدوح کو ایک خفیف سا زخم نیزہ کا دیکر روانہ ہوگیا۔ یہ ہونے والی بات تھی ورنہ حضرت عمر ایک بڑے دور اندیش بزرگ تھے۔ ہمیشہ محل خوف سے اپنے کو دور رکھنے مین کوشان رہتے تھے۔ خیر۔ اس غزوہ مین بھی غزوہ بدر وغزوہ اُحد کی طرح کسی مہاجر غیر بنی ہاشم نے نہ کسی کافر کو مارا اور نہ خود مارا گیا۔ مارا جانا تو درکنار کسیکو حضرت عمرؓ کے سوا جیسا کہ قصہ بالا مین مذکور ہوا اخراش تک نہین لگی صرف چند شخص انصار مین سے شہید ہوئے کفار مین سے بھی صرف تین نفر مارے گئے۔ لاریب یہ فتح مسلمانون کو بغیر بہت کشت وخون کے نصیب ہوئی اور سبب اس کا یہی ہوا کہ شاہ مردان نے قتل عمرو بن عبدود سے لشکر کفار مین ایک بڑا تہلکہ ڈال دیا جسکے باعث منکرین اسلام بھاگ کھڑے ہوئے اور لشکر اسلام کے ساتھ تاب مقاومت نہ لاسکے۔ واضح ہو کہ اس غزوہ مین بھی علیؑ کی تلوار نے ویسی ہی حمایت کی جیسی کہ غزوات سابقہ مین کرچکی تھی۔ اگر شاہ مردان عام مسلمانون کی طرح عمرو ابن عبدود کے مقابلہ سے انکار فرماجاتے تو اس کا نتیجہ یہہ ہوتا کہ کفار مکہ غالب آتے اور مدینہ والون کو خواہ مہاجرین ہون یا انصار سبکو زیروزبر کرڈالتے اور اسلام جو حالت صغرسنی مین تھا آغوش عالم سے رخصت ہوجاتا۔

مگر قتل عمرو ابن عبدود سے اسلام کے بازو قوی ہو گیے اور کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔ اُس ملعون کے قتل ہوتے ہی اہل مکہ بیدل ہو گئے اور جو قبائل ابوسفیان کی سرداری مین مدینہ پر چڑھکر آئے تھے اُن مین پھوٹ پڑ گئی اور وہ سب کے سب بھاگ نکلے۔ جاننا چاہیے کہ جناب امیرؑ کی اس خدمت اسلام کی نسبت جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ علیؑ کی خندق کے دن کی ضربت میرے تمام اُمت کے اعمال سے جو وہ قیامت تک کریگی افضل ہے۔ یہ حدیث کتاب مدارج النبوۃ و معارج النبوۃ و کشف الغمہ و منزل الابرار و انسان العیون و سیرۃ الامین و المامون و روضۃ الاحباب مین اور دیگر کتب علمائے اہل سنت مین مندرج ہے اور اوسکی صحت مین کسیکو بھی انکار نہین۔ حضرت علیؑ کی خدمت دین خدا کے متعلق جنگ اُحد ہی کے پیکار سے کیا کم تھی۔ اب اسپر جنگ خندق کی کارگذاری کو کیا کہئے ان خدمتون کے اعتراف مین جو کچھہ رسول خداؐ فرماتے گئے ہین۔ راقم حوالہ قلم کر چکا ہے۔ پس اہل انصاف خود تجویز کر لین کہ اُمت رسولؐ مین اعمال نیک کے اعتبار سے کوئی شخص علیؑ سے افضل قرار پا سکتا ہے۔ یا نہین۔ پس علیؑ کو فضائل کے اعتبار سے درجۂ چہارم مین جاننا چہ معنی دارد۔

حق یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھہ حضرات خلفائے ثلثہ یا کسی پیرو اسلام کا موازنہ ایک فضول و فضول امر ہے۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ اس جنگ مین بھی حضرت ابوبکرؓ سے کوئی ممتاز کارروائی عمل مین نہ آسکی۔ بلکہ اچھی طرح یہ بھی نہین معلوم ہو سکا کہ حضرت ممدوح ہنگامہ خندق کے وقت کہان تھے اور کس شغل مین تھے۔ کیون مسلمان بھائیو ان حیرت انگیز معاملات کے ساتھہ بھی علیؑ درجۂ چہارم ہی مین پڑے رہینگے۔ واہ واہ کیا انصاف ہے۔ خدا و رسولؐ کچھہ فرمائین مگر علیؑ کے مخالف مرغی کی وہی ایک ٹانگ گائے جاتے ہین۔

جنگ خیبر

سن ہفتم ہجری مین جنگ خیبر واقع ہوئی۔ فریق مخالف اسمین یہودیان خیبر تھے۔ اس غزوہ کی کیفیت یہ ہے کہ خیبر کے یہودیون نے دس ہزار آدمی فراہم کئے تھے اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والے تھے۔ اُن دس ہزار یہودیون کی تعداد مین اکثر وہ قبائل یہود بھی شریک تھے جو مختلف مواقع مین برخلاف اپنے عہد کے کفار قریش کے ساتھہ ہو ہو کر مسلمانون کے مقابلہ مین آچکے تھے انکے عزم حملہ کی خبر سنکر قلیل العدد مسلمانون نے خیبر کے کثیر العدد یہودیون پر چڑھائی کی قلعۂ خیبر کا سردار مرحب تھا اور اُسکے بھائی حارث کو مرحب ہی کیطرح اُس دیار کے اشخاص بڑا مرد میدان جانتے تھے۔

الغرض یہ دونون بھائی بڑے مشہور شجاع تھے اور ظاہرا اُن کا ہم نبرد کوئی نہین دکھائی دیتا تھا۔ زمانۂ جنگ مین جناب رسول اللہؐ مبتلائے درد شقیقہ تھے۔ اس لئے اپنے خیمہ مین تشریف رکھتے تھے۔

مگر لشکر اسلام میدان جنگ مین تین روز پے درپے جایا کیا اور ہر بار شکست کہا کہا کر واپس آیا کیا تین دن تک لشکر اسلام پر یہ گذرا کیا کہ جو مجاہد لشکر یہود سے مقابلہ کرنے کے واسطے جاتا حارث اُسے شہید کر ڈالتا۔ جب اس طرح پر دو آدمی شہید ہو جاتے تو پھر کوئی مسلمان مقابلہ کا قصد نہ کرتا یہ بے آبروئی لشکر اسلام کو تین روز تک برابر نصیب ہوتی رہی روز کا یہ معمول ہو گیا تہا کہ لشکر اسلام یہودیون کے مقابلہ کو جاتا اور بکمال ذلت کے ساتھ مار کہا کر خیمہ گاہ کو واپس بہاگ آتا۔ ایک بار حضرت ابوبکرؓ لشکر لیکر یہودیان خیبر کے مقابلہ کو تشریف لیگئے اور شکست کہا کر چلے آے اسیطرح دوبار حضرت عمرؓ تشریف لے گئے اور پورے طور پر ناکام واپس آئے۔ (دیکھو خمیس) مرحب اور حارث کی یہ کیفیت تھی کہ لشکر اسلام کو بہگاتا ہوا رسول اللہ کے خیمہ تک پہنچ جاتا تھا اور الفاظ لا یعنی برابر قرب مین خیمہ حضرت رسول خدا کے زبان پر لایا کرتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ مرحب اور حارث بڑے شجاع و قوی تہے اسلئے کہ حضرت عمرؓ کو تہوڑی دیر بہی اُن کے مقابلہ کا اتفاق نہ ہوا تہا کہ آپ اُن سے پسپا ہو کر لوٹ گئے۔ (دیکھو ازالۃ الخفا) شاہ صاحب اس کے بعد لکہتے ہین کہ واپس چلے آنے پر حضرت عمرؓ اپنے ہمراہیون پر نامردی کا الزام لگاتے اور آپ کے ہمراہی آپ کو نامرد کہتے تہے (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۱۵۷۹ و مستدرک حاکم)۔ المختصر لشکر اسلام اس طرح پر بڑی مصیبت اور آفت مین مبتلا تہا اور مسلمانون سے کچھ بہی بن نہین پڑتی تھی۔ سبب اُن تمام مصیبتون کا یہ تھا کہ اس وقت تک علیؑ اس غزوہ مین شریک نہ ہو سکے تہے۔ حضرت امیرؑ وقت روانگی لشکر اسلام مدینہ ہین آشوب چشم کے باعث رہ گئے تہے۔ اور اس وجہ سے بہ اسباب ظاہر جنگ و پیکار کے قابل نہ تہے۔ مگر عقب سے جناب رسول اللہ کی حمایت اور اسلام کی نصرت کی غرض سے لشکر خدا مین تشریف لائے۔ لاریب ایمان اور حمیت اسلام اسے کہتے ہین۔ سبحان اللہ آپ حالت مرض مین بہی جناب رسول اللہ کی مفارقت گوارا نہ کر سکے اور دین خدا کی ہوا خواہی کو ایسی حالت مین اس جوش کے ساتھ ملحوظ رکہا کہ مدینہ سے خیمہ گاہ رسول اللہ تک چلے ہی آئے۔ مگر تین دن علالت کی وجہ سے شریک کارزار نہو سکے۔ جب تیسرے دن بہی لشکر اسلام شکست کہا کر بہاگ آیا۔ تب جناب رسول اللہ نے فرمایا کہ کل صبح کو ہم لشکر اسلام کا علم اس شخص کو دینگے جو کرار غیر فرار ہے یعنی جو سخت بہادر ہے اور بہاگنا نہین جانتا اور جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکہتا ہے اور خدا اور رسولؐ اسکو دوست رکہتے ہین۔ نہین لوٹے گا وہ جبتک کہ خدا اُسکے ہاتھ پر فتح نہ دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ حدیث نبویؐ یہ ہے لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ لَنْ یَّرْجِعَ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ (دیکھو صحیح بخاری و خصائص نسائی و ازالۃ الخفا و روضۃ الاحباب و تاریخ ابن کثیر و مسند امام احمد حنبل) اس ارشاد رسول اللہ کو سنکر

سب لوگ اُمیدوار عَلَم ہوئے۔ خاصکر سعد بن ابی وقاص اور حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی بھی تمنا کنز العمال خصائص نسائی اور طبری صفحہ ۱۵۷۹ سے ظاہر ہوتی ہے۔ مگر حضرت رسولؐ خدا نے وہ عَلَم تو اُس شخص کو بخشا جسکی شجاعت اور بہادری کا امتحان جنگ ہائے بدر و اُحد و خندق وغیرہ مین ہو چکا تھا اور جو اُسوقت تک دین خدا کو تباہی سے برابر بچاتا چلا آیا تھا۔ خیر۔ صبح کو حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کی جوش کردہ آنکھون پر لب مبارک لگایا جس سے جوش کی تکلیف جاتی رہی اور عَلَم موعود مرحمت فرماکر اجازت جنگ بخشی۔ اسکے بعد بحکم خدائے عز و جل حضرت رسولؐ اللہ نے یہ شعر پڑھا ؎

نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِب الخ۔ شاہ مردان نے میدان جنگ مین پہنچکر مرحب اور حارث دونون کافرون کو بڑی شجاعت شعاری کے ساتھ واصل جہنم فرمایا پھر در خیبر اکھاڑ ڈالا اور قلعہ خیبر کو آن کی آن مین فتح کرلیا۔ غلامان شاہ مردان غور فرمائین کہ تائید ایزدی کے بغیر ایسے ایسے اہم کام انسان ضعیف البنیان سے انجام نہین پا سکتے۔ بلاشبہ شاہ مردان مؤید من اللہ تھے۔ اگر تائید غیبی شامل حال باکمال نہوتی تو ایک ایسے فاقہ کش روزہ دار نفس کُش شخص سے ایسے ایسے حیرت خیز قوت و شجاعت کے کام ظہور مین نہ آتے۔ ایسا شخص جو۔ جو کی روٹی کھائے عبادت خدا مین جسم کو گھلائے وہ میدان جنگ مین ہر بار لشکر کفار کو تہ و بالا کرڈالے۔ عمرو بن عبدود جیسے دیو پیکر کو کشتی مین دے مارے۔ مرحب اور حارث جیسے پہلوانان نامی کو دم کے دم مین فنا کردے اور اُس پر تماشا یہ کہ سات سو من کے دروازے کو اکھاڑ ڈالے اور پھر ایسی وزنی شے سے کہ جسکے اُٹھانے کے واسطے ستر آدمی درکار ہون سپر کا کام لے۔ اے اہل انصاف بتائیے کہ کیا ایسے ایسے کام تائید ایزدی کے بغیر انجام پا سکتے ہین۔ اہل بصیرت سے پوشیدہ نہین ہے کہ شاہ مردان کا در خیبر کو اُکھاڑنا جسکے صدمہ سے خود قلعہ خیبر کو لغزش ہوئی تھی ایک تاریخی امر ہے۔ لیلےٰ مجنون کی کہانی نہین ہے۔ یہ محض واقعہ ہے۔ وہ مورخین بھی جو مخالفین اسلام سے ہین۔ اس عجب انگیز معاملہ کو بحیثیت مورخ درج تصنیف کر گئے ہین

Washington Irving اپنی کتب تاریخ مین اس واقعہ کا ذکر مورخانہ طور پر کرتا ہے۔ پس تعجب ہی تعجب ہے اگر نئی روشنی والے حضرات اس حیرت خیز کارروائی کو قصہ اور افسانہ پر محمول کرین یا اشخاص متعصب اس سے چشم پوشی کرین۔ راقم کی دانست مین اس معاملہ کے حق ہونے مین وہی گفتگو کرے گا جو پیغمبر خدا پر ایمان نہ لایا ہوگا۔ کس واسطے کہ جناب رسولؐ خدا نے حسب وحی خدا شاہ مردان کو مظہر العجائب والغرائب فرمایا ہے تو جو مسلمان اس قول کو سچ نہ جانے وہ ہرگز داخل اسلام شمار نہین کیا جا سکتا ہے۔ المختصر اس غزوہ مین بھی حضرت علیؑ ایسی خدمت اسلام بجالائے کہ کسی کی اسکا انجام ممکن نہوا۔ اسپر بھی مخالفین علیؑ آپ کی کمال شجاعت شعاری کا اعتراف نہین کرتے اور

حضرت ابوبکرؓ کو اشجع الصحابہ اور اشجع الناس بنائے ڈالتے ہین جیسا کہ علامہ سیوطی کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ خدارا۔ انصاف بھی کوئی شے ہے۔ حضرات شیخین کو شجاعت شعاری سے کوئی تعلق ہی نہ تھا ایسی صورت مین اشجع الصحابہ اور اشجع الناس نہ حضرت ابوبکر اور نہ حضرت عمر کیسے جا سکتے ہین عہد رسول اللہ مین تو حضرات شیخین سے کوئی ایسی کارروائی ظہور مین نہین آسکی جسکی بنا پر معمولی شجاعت کی نسبت بھی آپ دونون حضرات کی طرف کی جا سکے۔ اشجع الصحابہ اور اشجع الناس قرار دیا جانا تو درکنار۔ حضرت علیؑ کو امر شجاعت مین مفضول سمجھنا طرفہ معاملہ ہے کیا تماشا ہے کہ ایک ایسا شخص جو کبھی میدان جنگ سے نہ بھاگے اور دشمنان اسلام کا قلع و قمع کرتا رہے وہ ایسے حضرات کے مقابلہ مین مفضول سمجھا جائے جو ہمیشہ میدان جنگ سے بھاگا ہی کئے اور دشمنان اسلام کو کبھی ایک خط بھی نہ لگا سکے۔ اب حضرات ناظرین غزوہ حنین کے معاملہ پر نظر توجہ ڈالین۔

غزوہ حُنین

یہ لڑائی آخر تھی جو درمیان لشکر اسلام اور کفار قریش کے واقع ہوئی۔ اس جنگ کی حقیقت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل عرب نے جناب رسول خدا کی اطاعت اختیار کی تھی الا قبیلہ ہائے ہوازن و ثقیفہ جنہون نے ہزارون آدمیون کے ساتھ حُنین مین جناب رسول خدا سے مقابلہ کیا ہر چند مسلمانون کے افراد کم نتھے مگر چونکہ دشمنون نے وہوکے سے آپ پر حملہ کیا تھا مہاجرین و انصار دونون جناب رسول اللہ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے میدان جنگ مین قایم رہجانیوالے ایک روایت کے رو سے صرف یہ چار حضرات تھے یعنی حضرت علی مرتضیؑ حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن مسعود۔ ان چار صاحبون کے نام دوسری روایت مین بھی دیکھے جاتے ہین جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۹ اشخاص ایسے تھے جو اس لڑائی مین ثابت قدم رہے غرض جسوقت مہاجرین اور انصار بھاگے جاتے تھے پیغمبر خدا نے فرارین کو غیرت دلانے کی نظر سے یا اصحاب السمرہ اور یا اصحاب الشجرہ کہہ کہکر پکارا۔ اسکے سننے سے سو آدمی کے قریب انصار مین سے لوٹے اور پھر جنگ گاہ مین حاضر ہو گئے۔ فرارین کے اصحاب الشجرہ کے لقب سے پکارے جانیکی وجہ یہ تھی کہ اکثر یہ لوگ بیعت الرضوان مین شامل تھے۔ بیعت الرضوان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ بیعت اُسوقت ہوئی تھی کہ جب جناب رسول خدا عمرہ کے ارادے سے مکہ کیطرف تشریف لیگئے تھے اور مطلب اس بیعت کا یہ تھا کہ اہل اسلام جہاد مین پوری کوشش کرین گے جہاد سے کبھی منہ نہ موڑینگے اور تمامتر جناب رسول خدا کی اطاعت مین سرگرم رہین گے۔ اور چونکہ یہ بیعت الرضوان

ایک درخت کے نیچے وقوع مین آئی تھی اسی واسطے اسے بیعت تحت الشجرہ بھی کہتے ہین جناب رسول خدا نے اسیلئے مفرورین کو غیرت دلانے کے لئے اصحاب السمرہ کے لقب سے پکارا یعنی۔ اے درخت کے نیچے بیعت کرنیوالو۔ جاننا چاہیئے کہ سمرہ ایک قسم کا سایہ دار درخت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت جسکے نیچے یہ بیعت ظہور مین آئی درخت سمرہ تھا۔ الغرض جب کچھ بھاگے ہوئے لوگ میدان جنگ مین مجتمع ہو آئے تو لڑائی شروع ہو گئی۔ ہنگام جنگ ابو جرول نامی ایک پہلوان لشکر کفار سے رجز خوانی کرتا ہوا نکلا اور مبارز طلب ہوا۔ لشکر اسلام سے کسی نے بھی اسکے مقابلہ کا قصد نہ کیا۔ اُسکی تنومندی اور بہادری کے رعب مین سب کے سب گرفتار ہو گئے۔ مگر ذوالفقار شاہ لافتے نے اس دشمن خدا کو سیدہا وہان روانہ کر دیا جہان اُسکے پہلے عمرو بن عبدود مرحب اور حارث وغیرہ پہنچائے جا چکے تھے۔ اس لڑائی مین کفار نے شکست فاش اٹھائی۔ اور اُن کے مقتولین کا عدد ستر ہے۔ ان مین سے چالیس نفر شاہ مردان کے دست خاص سے فی النار ہوئے اور بقیہ کو بنی ہاشم اور اور انصار نے مارا۔ کسی مہاجر غیر بنی ہاشم کے ہاتھ سے ایک کافر کا قتل ہونا بھی کسی تاریخ کی کتاب سے نہین ثابت ہوتا۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ اس لڑائی مین بھی حضرات خلفائے ثلثہ سے کوئی کارروائی نمایان نہ ہو سکی۔ آپ حضرات کا فرار تو معمولی امر تھا۔ حضرت عمرؓ کے فرار کی نسبت بخاری کی صحیح مین ابو قتادہ کی حدیث پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے اِنْهَزَمَ الْمُسْلِمُوْنَ وَانْهَزَمْتُ مَعَهُمْ فَاِذَا بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي النَّاسِ فَقُلْتُ لَهُ مَا شَأْنُ النَّاسِ قَالَ اَمْرُ اللّٰهِ ثُمَّ تَرَاجَعَ النَّاسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ - اِنْتَهٰى بِقَدْرِ الْحَاجَةِ یعنی قتادہ ناقل ہے کہ مسلمان بھاگے اور مین بھاگا۔ ان لوگون مین عمر بن الخطاب کو مین نے دیکھا اور مینے اُنسے کہا کہ کیا حال ہوا لوگون کا۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو منظور خدا تھا وہ ہوا۔ اسکے بعد لوگ جناب رسول خدا کے پاس گئے۔ اے اہل انصاف جائے غور ہے کہ لڑائیون کے دشوار وقت مین جناب رسول خدا کو محل خوف مین چھوڑ کر کوئی کامل الایمان تو بھاگ نہین سکتا۔ پس ایسے بھاگ نکلنے والے حضرات کو شاہ لافتے پر کیونکر ترجیح دی جا سکتی ہے یہ امر کہ حضرت علیؑ ہر جنگ مین ثابت قدم رہتے تھے اور سخت زخمی ہو ہو کر بھی جناب رسول خدا اور دین خدا کی ایسی ایسی بیش از قیاس خدمت کیا کرتے تھے۔ تمامتر اس پر دال ہے کہ آپ کامل الایمان تھے۔ حضرات خلفائے ثلثہ کے بار بار کے فرار اور ترسندگی سے ہرگز اسکی اُمید نہین ہو سکتی تھی کہ جناب رسول خدا کے بعد اُن حضرات مین سے کوئی بھی آپ کا خلیفہ قرار پائیگا۔

جناب رسول خدا بڑے بہادر شخص تھے کسی لڑائی سے آپ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے فرار تو ایک ننگ ونا پاک شئے ہے۔ ایسے بہادر نبی کا جانشین علی ہی سے بہادر کو ہونا زیب دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر کس حق سے جناب رسولؐ خدا کے جانشین قرار دیے گئے۔ یہ ایک نہایت حیرت خیز امر ہے۔ انصاف کی رو سے کسی کو بھی حضرات خلفائے ثلثہ مین سے جناب رسولؐ خدا کی جانشینی کا حق حاصل نہ تھا۔ ان حضرات رضی اللہ عنہم نے تو اسلام کو دشمنان اسلام سے بچانے کی کبھی کارروائی اختیار ہی نہین کی ہمیشہ اپنی جان ہی بچانے کی فکر مین رہے۔ حق تو یہ ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو اسلام کبھی کا رخصت ہو چکا تھا۔ پس یہ کیا معاملہ ہے اور کون سا انصاف ہے کہ بعد جناب رسولؐ خدا کے علیؑ تو مامور اور محکوم بنائے جائین۔ اور حضرت ابوبکر جن کو عدم شجاعت کے باعث خس برابر بھی جناب رسولؐ خدا کی خلافت کا حق حاصل نہ تھا وہ امیر و حاکم بن جائین۔

واضح ہو کہ اس لڑائی مین خلاف عادت انصار بھی فرار ہو گئے اور جو شریک جنگ ہوئے وہ وہی افراد تھے جو جناب رسول اللہ کے غیرت دلانے سے لوٹ آئے تھے حضرات مہاجرین غیر بنی ہاشم کا فرار تو ایک معمولی امر تھا۔ مگر ان کے فرار سے زیادہ توجہ طلب خاندان ابوسفیان کی حاضری جنگ ہے قبیلہ بنی امیہ کے بیشتر حضرات جو نئے مسلمان ہوئے تھے میدان جنگ مین حاضر تھے۔ مگر لشکر اسلام سے الگ کھڑے ہو کر لڑائی کے تماشے دیکھ رہے تھے اور مسلمانون کی مصیبتون پر ٹھٹھے لگا رہے تھے۔ اس لڑائی مین بنی امیہ کے سردار حضرت ابوسفیان حاضر تھے مگر خس برابر بھی ان حضرت نے جناب رسولؐ خدا کی اعانت نہین کی۔ الگ سے اپنے عزیزون کی طرح تماشائے جنگ دیکھتے اور قہقہے مارتے رہے۔ یہ حضرات نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ اور یہ پہلا امتحان آپ کے اسلام قبول کرنے کا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص فتح مکہ کے وقت سے مجبوراً مسلمان بنا تھا۔ ع۔ کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شد۔ اُسنے جب دیکھا کہ اسلام غالب آگیا اور دین خدا سے اب مقاومت کی تاب نہین رہی ناچار دین اسلام کو قبول کر لیا۔ اگر یہ شخص دل سے مسلمان ہوا ہوتا تو اس جنگ مین صرف لڑائی کے تماشے نہ دیکھتا اور یون قہقہے نہ لگاتا رہتا اگر دل سے مسلمان ہوا ہوتا تو مجاہدین مومنین کی طرح دین خدا کی مدد کرتا اور جناب رسولؐ خدا کا ساتھ دیتا۔ اسکے اس انداز سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانون کی شکست کا تہ دل سے خواہان تھا اور اسلام کی ہزیمت کا منتظر۔ مگر چشم بد اندیش کور باد۔ فتح نصیب اسلام ہو گئی۔ اگر اسکے برعکس کوئی معاملہ ظہور مین آتا تو یہ ظاہر صورت مسلمان مبارکباد دینے کے لئے قبیلہ ہائے ہوازن و ثقیف کی طرف دوڑنے لگتا۔ واقعی بنی امیہ کا مسلمان کہلانا ایک طرفہ معاملہ ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ابوسفیان اور اُسکے لوگ خالص منافق تھے۔ ظاہراً مغلوب ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ قبیلہ ہر پہلو سے قابل نفرت نظر آتا ہے۔ اگر یہ قبیلہ نہ ہوتا تو بدر و احد و خندق کی لڑائیان ہرگز ہرگز وقوع مین نہ آتین۔ چین سے مذہب اسلام اشاعت پاتا اور اس قدر بہادران اسلام کی

جائین بیکار ضایع نہ ہوتین - ابوسفیان اور اُسکے قبیلہ والون نے اسلام کی بیخ کنی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا - اگر علیؑ کو خدا تعالےٰ نے ناصر معین اسلام نہ بنایا ہوتا تو ظاہرا اسلام کی حفاظت اور اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی - علاوہ فتنہ انگیزیون کے اس قبیلہ کے اخلاقی مذہبی اور تمدنی امور بہت کچھہ پایۂ تنزل کو پہنچے ہوئے تھے - ایسے قبیلہ سے ہر راست باز آدمی کو کراہت کا پیدا ہونا بالکل مقتضائے فطرت ہے - پس جناب پیغمبرؐ خدا کو اس قبیلہ کے ساتھہ نفرت بے سبب نہ تھی حضرت علیؑ مرتضیٰ بھی جناب رسولؐ خدا کی اس نفرت سے پورے پورے واقف تھے اور چونکہ آپ جناب رسولؐ مقبول کے بڑے مطیع و فرمانبردار تھے آنحضرت کی وفات کے بعد بھی آپ نے قبیلۂ بنی امیہ سے کبھی مرابطت پیدا نہ کی - چنانچہ جب حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور خلافت کا انتظام ہوگیا تب حضرت ابوسفیان غرض خاص سے جناب امیرؑ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ اے علیؑ تم چُپ رہ گئے اور خلافت کا معاملہ طے پاگیا - اگر تم کہو تو مین صحرائے مدینہ کو سواران مکہ سے بھر دون اور انتظام خلافت کو درہم وبرہم کردون - اُس جناب نے جواب مین ارشاد فرمایا کہ اے ابوسفیان تم ایام جاہلیت مین بھی فتنہ انگیزی کیا کرتے تھے - اور اب مسلمان ہوکر بھی اپنی عادت فتنہ انگیزی سے باز نہین آتے - یہ جواب پاکر ابوسفیان صاحب نے اپنی راہ لی اور جس طرف کو بہبودی کی صورت نظر آئی اُس طرف سدہارے - حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ حضرت علی کا یہ جواب کیسی بڑی مصلحت اور دور اندیشی سے خبر دیتا ہے - کسواسطے کہ ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت ابوسفیان قبیلۂ بنی اُمیہ کے سردار تھے - یہ قبیلہ جناب رسولؐ خدا کے عہد مین برابر کامیابیان اُٹھاتا رہا تھا اور اس قبیلہ کو بڑی بڑی مضرتین خود حضرت علیؑ کی تلوار سے پہنچی تھین جیسا کہ غزوات بدر و اُحد اور خندق کے معاملات سے آشکار ہے ایسی حالت مین یہ قبیلہ نہ رسولؐ خدا کا کسی طرح دوست ہوسکتا تھا نہ آل جناب رسولؐ خدا کا - اگر رسولؐ اللہ کی دوستداری اس قبیلہ کو مدنظر ہوتی تو جنگ حُنین مین ابوسفیان صاحب اپنے خاص عزیزان کے ساتھہ مسلمانون کی مصیبتون کے تماشے دیکھتے اور ٹھٹھے لگاتے - پس حضرت ابوسفیان نے جو جناب امیرؑ کو انتظام خلافت کے درہم وبرہم کردینے مین مستعدی دکھائی ہرگز یہ بات خوش نیتی پر مبنی نہ تھی الغرض حضرت علی فوراً سمجھہ گئے کہ یہ شخص ہمارے ذریعہ سے مجبور اپنے گو اور اپنے قبیلہ کو نفع پہنچانا چاہتا ہے اُسے ہمارے سچے مذہب کی یا ہمارے قبیلۂ بنی ہاشم کی کوئی منفعت مد نظر نہین ہے - اسلئے اُسے آپ نے اس طرح کا جواب دیا جس سے اس کا ایک مفسد شخص ہونا ظاہر ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ابوسفیان کو شخص مفسد سمجھکر حضرت علی نہ اُسکے مشورے پر عمل کرسکتے تھے اور نہ اُسکی اعانت کو جائز رکھہ سکتے تھے - پس آپ اِس جواب کے سوا دوسرا جواب کیا دیتے -

علاوہ اسکے حضرت علیؑ خوب جانتے تھے کہ جناب رسولِ مقبول بنی امیہ سے کراہت رکھتے تھے۔
پس آپ ابوسفیان سے کیونکر میل جول پیدا کرسکتے تھے اگر جناب امیر ابوسفیان سے لطف و مرابطت پیدا کرلیتے تو حضرت کا یہ برتاؤ جناب رسولِ خدا کے برتاؤ کے خلاف پڑتا اور جناب رسولِ خدا کی پالیسی کے بالکل مغایر واقع ہوتا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ جناب رسولِ خدا کی پالیسی بڑی عمدہ پالیسی تھی کہ قبیلۂ بنی امیہ جو ایک سرکش اور مفسد قبیلہ تھا ہمیشہ مغلوب رہے۔ چنانچہ بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ ایک عرصۂ دراز میں یہ قبیلہ مغلوب کیا گیا تھا۔ اگر حضرت علیؑ ابوسفیان کے مشورے کو سُن لیتے تو یقیناً مرضی جناب رسولِ خدا کے خلاف آپکی یہ کارروائی ہوتی۔ مگر حضرت علیؑ جو ہمیشہ متبعیت جناب رسولِ خدا کو فرض سمجھتے تھے اور آنحضرت کی مرضی کے خلاف عامل ہونے کو کفر جانتے تھے ایسا کام کرہی نہ سکتے تھے جس میں قبیلۂ بنی اُمیہ کی قوتوں کے عود کرنے کا گمان قومی تھا فی الواقع اگر ابوسفیان صاحب کے مغالطہ میں حضرت امیر آجاتے تو آپ پر دو سخت الزام عاید ہوتے۔
اول تو یہ کہ جس قبیلہ سے جناب رسولِ خدا کو نفرت تھی اسکے سردار سے آپنے موافقت اور مرابطت پیدا کی۔ دوم یہ کہ جس قبیلہ کو جناب رسولِ خدا ضعیف اور کمزور کرچکے تھے اوس کو ازسرِنو آپ نے قوی اور پُرزور کردیا۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت علیؑ ابوسفیان کی اعانت قبول فرماتے تو اوس کے معاوضہ میں ابوسفیان کو بلادِ اسلام کی کچھ نہ کچھ حکومت عطا فرماتے۔ ایسی صورت میں ابوسفیان اور اس کے قبیلہ کا ازسرِنو قوی اور پُرزور ہونا خلاف توقع نہ تھا۔ پس ابوسفیان صاحب سے برسرِ احتراز رہکر حضرت علیؑ نے نہ صرف اپنے کو ان دونوں الزاموں سے بچایا بلکہ اُس الزام سے بھی اپنے کو محفوظ رکھا جو ابوسفیان اور قبیلہ بنی امیہ کی حکومتوں کے حاصل کرنیکی بنیاد پر صورت پذیر ہوتا۔ الحق ابوسفیان اور اُسکے قبیلہ کا ازسرِنو قوی ہوجانا خاص کر خاندان پیغمبرؐ کے واسطے کچھ بھی اچھا نہ ہوا اس قبیلہ کے ازسرِنو قوت حاصل کرنے کے تاریخی حالات قابلِ ذکر ہیں۔ جاننا چاہیے کہ جب حضرت علی نے ابوسفیان کی اعانت کے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو ابوسفیان صاحب حضرت علیؑ سے دست بردار ہوکر اپنے طور پر حصول حکومت کی فکریں کرنے لگے اور اپنی کارستانیوں سے ملک شام کی حکومت حاصل کرلی اور یہ بھی حق حاصل کرلیا کہ جسقدر ملک اطراف شام میں مسلمان فتح کریں۔ اُن کا چہارم حصہ اُن کو ملا کرے۔ الغرض جب ابوسفیان صاحب نے شام کی حکومت حاصل کرلی تب اُنھوں نے فرمایا کہ میں خود تو پیر ہوگیا ہوں۔ میں مکہ سے باہر جانا پسند نہیں کرتا۔ شام کی حکومت پر اُن کا بڑا صاحبزادہ یزید ابن ابوسفیان بھیجا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صاحبزادے کے حاکم شام ہوتے ہی مردمان بنی اُمیہ جو پریشان حال ہورہے تھے شام کو روانہ ہوگئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے سابق کی قومی قوتوں کے اعتبار سے بھی دوچند زیادہ قوی ہوگئے۔ شام کا سارا ملک

بنی اُمیہ کے زیر حکومت ہوگیا۔ شام مین چھوٹے سے بڑے تک ہر عہدے پر بنی امیہ ہی سرفراز دکھائی دیتے تھے۔ کہین بنی ہاشم کی صورت نظر ہی نہ آتی تھی۔ بنی ہاشم کا شام مین کسی عہدے پر بحال ہونا تو محض خلاف توقع تھا جبکہ خود دارالخلافت مدینہ مین ایک کس بنی ہاشم پانچ روپیہ کی نوکری کا بھی نظر نہ آتا تھا۔ الغرض جو کچھ تاوان قبیلہ بنی اُمیہ عہد رسول اللہؐ مین اُٹھا چکا تھا اسکی بڑی بھاری تلافی اس قبیلہ کے لئے فوراً رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد مین حضرات شیخین کی توجہ فرمائی سے ہوگئی۔ جاننا چاہئے کہ شام کی حکومت پر صرف چار برس یزید ابن ابوسفیان قایم رہ کر مر گئے ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت معاویہ ابن ابی سفیان اُن کے جانشین بنائے گئے آپ قبیلہ بنی اُمیہ کا ایک پورا نمونہ تھے۔ چونکہ آپ اپنے برادر متوفے سے بمراحل قابل تر تھے۔

آپ کے عہد حکومت مین قبیلہ بنی امیہ کی قوت و حشمت و شوکت وغیرہ وغیرہ احاطۂ بیان سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ آپ بہت عرصہ تک حاکم شام رہے اور اسقدر صاحب قوت و ثروت ہوگئے کہ جب اپنے عہد خلافت مین حضرت علیؑ نے آپکو حکومت شام سے معزول کرنا چاہا تو آپ معزول نہو سکے اور خلیفۂ وقت سے برابر مقابلے فرماتے رہے۔ بلکہ خلیفہ وقت کو کثرت جنگ سے اتنی فرصت نہ دی کہ وہ حضرتؓ خلافت کے اور کسی کام کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول فرما سکتے۔

حضرت علیؑ کی خلافت کا زمانہ صرف چار برس اور چند مہینے کا تھا۔ اسکے بعد جناب امام حسنؑ خلیفہ ہوئے چھ مہینے کے اندر حضرت امام کو خلع خلافت کی نوبت آئی۔ اس عجیب معاملہ کے بعد مدینہ کی جگہ دمشق ہی دارالخلافہ قرار دیا گیا۔ واضح ہو کہ جناب رسول اللہ کے بعد بنی ہاشم ضعیف تو ہوتے ہی چلے تھے مگر اس خلع خلافت سے اُن کی رہی سہی وجاہت مین بھی پورا پورا زوال آگیا اور بنی امیہ ہر طرح سے منتہائی ثروت دنیوی کو پہنچ گئے۔ کیا تعجب ہے کہ وہ قبیلہ جس سے جناب رسولؐ خدا کو کراہت تھی اور جسکو بڑی کوششون سے آنحضرت اپنے عہد مین مغلوب و مجبور فرما گئے تھے آپکی رحلت کے ساتھ ہی ساتھ زور پکڑنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ تمامتر مالک اور حاکم تمام بلاد اسلام کا ہوگیا۔ اور بنی ہاشم جو جناب رسول اللہ کا قبیلہ تھا اور جسکی عظمت مسلمانون پر فرض تھی وہ مغلوب و مجبور ہوگیا۔ خیر جب حضرت معاویہ خلع خلافت کے بعد خلیفہ وقت قرار پائے تو وہ حضرت اپنی قوت کے برقرار رکھنے مین برابر کوشان رہے بلکہ اسکی بھی حضرت نے بڑی کوششین فرمائین کہ خلافت حضرت ہی کی نسل مین رہجائے۔ چنانچہ اس خیال سے حضرت نے استخلاف فرمایا جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر کے لئے استخلاف فرمایا تھا اور اپنے صاحبزادے کی بیعت کے معاملہ مین کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

بنی ہاشم تو ضعیف ہو ہی چکے تھے۔ مگر اس قبیلہ کے دو سردار یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ ابھی تک زندہ تھے جنکی طرف سے ان حضرت کو اطمینان حاصل نہ تھا۔ تھوڑے عرصہ مین امام حسنؑ کیطرف سے تو

اطمینان حاصل ہوگیا یعنی امام حسنؑ علیہ السلام کو زہر دغا پلوا کر شہید کرا دیا یہ حادثہ خود حضرت معاویہ کے عہد میں واقع ہوا اور اس واقعہ کی نسبت ابوالفدا اپنی تاریخ المختصر فی احوال البشر میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسنؑ کے مسموم کئے جانیکی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے آپ کو زہر دلوایا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت کے صاحبزادے یزید ابن معاویہ نے یہ کام کیا۔ خیر۔ جو امر صحیح ہو۔ جناب امام حسنؑ کے مسموم کئے جانے سے دو سرداران بنی ہاشم میں سے ایک کی طرف سے تو حضرت معاویہ کو خرخشہ کا احتمال جاتا رہا۔ ان حضرت کی اس اطمینان پانے کی نسبت صاحب تاریخ خمیس لکھتے ہیں کہ جب امام حسنؑ کی شہادت کی خبر دمشق میں حضرت کے پاس پہنچی تو حضرت نے اظہار خوشی فرمایا۔ اس پر حضرت کی زوجہ فاختہ نے کہا کہ اے معاویہ تو سبط رسولؐ اللہ کی موت پر خوش ہوتا ہے۔ تب حضرت نے فرمایا کہ میں سبط رسولؐ اللہ کے مرنے پر اظہار فرح نہیں کرتا ہوں۔ مگر اس خبر سے میرے دل کو راحت نصیب ہوئی۔ لاریب جناب امام حسنؑ کی رحلت سے حضرت کے واسطے بڑی طمانیت کی صورت ہوئی۔ مگر اب بھی ایک سردار بنی ہاشم یعنی امام حسینؑ علیہ السلام رہ گئے تھے اور چونکہ یہ امام ہمام اپنے باپ علیؑ شیر خدا کیطرح صاحب شجاعت تھے انکی جانب سے دغدغہ لگا ہوا تھا۔ مگر اس امام عالیمقام کا خاتمہ حضرت معاویہ کے عہد میں مقدر نہ ہوا تھا اس لئے آپکی شہادت حضرت کے صاحبزادے کے وقت میں واقع ہوئی۔ المختصر خاندان جناب رسولؐ خدا کے گرفتار مصائب ہونے کا سبب قبیلۂ بنی امیہ کا از سر نو نشوونما پانا واقع ہوا ہے۔

اگر اس قبیلہ کو از سر نو قوت حاصل ہونے کا موقع نہ ملتا تو خاندان جناب رسول خدا کو اور بنی ہاشم کو اسقدر مصیبتیں نہ جھیلنی پڑتیں۔ واقعی حضرت علیؑ نے بڑی دور اندیشی کی راہ اختیار کی تھی جو حضرت ابوسفیان کی مستعدی اعانت اور ترغیب دہی کیطرف توجہ نفرمائی تھی۔ ورنہ خاندان رسولؐ مقبول اور بنی ہاشم کی تمام تکالیف کا الزام خود حضرت علیؑ پر عاید ہوتا۔ یہ بات روشن اور ہویدا ہے کہ اگر مولائے کائنات ابوسفیان صاحب کی امداد اور اعانت کو قبول فرما لیتے تو اسکے صلہ میں آپ کو ابوسفیان صاحب کے ساتھ بہت کچھ سلوک کرنا پڑتا ضرور تھا کہ آپ منصب وزارت ابوسفیان صاحب کو تفویض فرماتے جسکے ذریعہ سے پھر قبیلہ بنی امیہ کو ثروت کی صورت پیدا ہو جاتی۔ صاحب اختیار ہو کر حضرت ابوسفیان اور قبیلہ بنی امیہ وہی سب کام کرتے جو صاحب ثروت و صاحب اختیار ہو کر انہوں نے کر دکھائے۔ البتہ خاندان رسولؐ مقبول اور بنی ہاشم کو حضرت ابوسفیان اور قبیلہ بنی امیہ کے صاحب ثروت اور صاحب اختیار ہونے سے اس حالت میں کوئی ضرر نہ پہنچتا کہ جب یہ لوگ خاندان رسولؐ خدا اور بنی ہاشم کے سچے دوستدار ہوتے۔ رسولؐ اللہ آل رسولؐ اللہ اور بنی ہاشم کے یہ لوگ جیسے دوستدار تھے اسکی حقیقت جنگ حنین میں ظاہر ہو چکی تھی۔

امر حق یہ ہے کہ حضرت ابو سفیان اور اُن کے قبیلہ والے ہمیشہ سے جناب رسول خدا اور بنی ہاشم کے دشمن چلے آئے تھے۔ ابو سفیان صاحب نے حضرت علیؑ کو امداد اور اعانت کی مستعدی خلوص و اتحاد کی بنیاد پر نہیں دکھلائی تھی۔ اس اظہار ہمدردی میں تمامتر ذاتی غرض پنہان تھی جس کو حضرت علیؑ خوب جانتے تھے۔ اسلیئے حضرت نے ایسا جواب دیا کہ ابو سفیان صاحب نے مایوس ہوکر نیل مرام کی نظر سے حضرات شیخین کی جانب رخ کیا اور پورے طور پر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابو سفیان صاحب بڑے مدبر آدمی تھے۔ آپ نے یہ سوچا تھا کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو ساتھ لے لینے میں ایک بڑی ظاہرداری رہ جاتی ہے۔ مگر حضرت علیؑ نے تمامتر بیرخی دکھلائی جس سے آپ جناب رسول اللہ کی اُس کراہت کے شریک رہے جو آنحضرت کو قبیلۂ بنی اُمیہ کے ساتھ تھی اور اُن الزامات کے عاید ہونے سے بھی محفوظ و مامون رہے جو قبیلۂ بنی اُمیہ کے از سر نو اختیار اور قوت حاصل کرنیکے وجہ سے حضرات شیخین پر فطری طور سے عاید ہوتے ہیں۔ آخر میں راقم یہ گذارش کرتا ہے کہ جناب رسول خدا کے تمام غزوات بالا سے چند قابل لحاظ امور منکشف ہوتے ہیں اوّل یہ کہ حضرت رسول خدا ایک ایسے دلیر اور مستقل مزاج شخص تھے جیسا کہ ایک اولوالعزم نبی کو ضرور ہونا چاہیئے۔ آپ تمام اُن دشوار لڑائیوں میں شامل رہے اور ایک بڑے جنرل کی قابلیت ہر لڑائی میں دکھلاتے رہے۔ کبھی آپ نے کسی لڑائی سے منہ نہ موڑا اور نہ کبھی آپ سے بزدلی کی گھبراہٹ نمایاں ہوئی۔ لڑائیوں میں آپ پر بہت بڑے بڑے وقت آپڑے مگر آپ کی خلقی مستقل مزاجی نے آپ کی ہر بلا کو ٹالا۔ آپ نے اس امر کو ثابت کر کے دکھلا دیا کہ سچا نبی بہادر اور بزدلی کے داغ سے پاک ہوتا ہے۔ شجاعت نبوت اور امامت کی شان ہے۔ نبیؐ کو اور اسکے جانشین امام یا وصی کو ہرگز دل کا چھوٹا یا کھوٹا نہیں ہونا چاہیئے۔ دوم یہ کہ اسلام کی جڑ مضبوط کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو پیدا کیا تھا۔ اس لیئے آپکی شجاعت غیر معمولی انداز کی تھی تمام غزوات اور سرایا میں جو جو کام آپ سے نمایاں ہوئے اُن سے صاف صاف طور پر ہویدا ہے کہ آپ مؤید من اللہ تھے۔ آپ واقعی سیف اللہ اور شہسوار لا فتےٰ تھے۔ مظہر العجائب والغرائب تھے وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی شجاعت کی بدولت آپ سے ایسے ایسے کام ظہور میں آئے کہ آپکے ایک کام کے برابر تمام عالم کے نیکوکاروں کی نیکیاں ہو نہیں سکتیں۔ لاریب آپ کے سوا کسی کو جناب رسول اللہ کے خلیفہ ہونے کا حق نہیں ہے جناب رسول خدا کا خلیفہ ایسے ہی شخص کو ہونا چاہیئے جو رسول اللہ کا سطرح کا ہمدم اور دین خدا کا اسطرح کا حامی و مددگار ہو جیسا کہ حضرت علیؑ تھے۔ سوم یہ کہ حضرات شیخین بلکہ حضرات خلفائے ثلثہ شجاعت سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ حضرات شیخین میدان جنگ سے ایسے ہی بھاگا کرتے تھے جیسے بزدل عوام الناس جان کے خوف سے بھاگا کرتے ہیں۔

فرار ان دونون بزرگوارون کے لئے ایک معمولی امر تھا آپ دونون بلکہ تینون بزرگوارون کے میدانی معاملات ایسے دکھائی دیتے ہین کہ جن سے ہر صاحب شرم و حیا کو حجاب کی صورت پیدا ہوتی ہے نہایت جائے تعجب ہے کہ صفت شجاعت کے فقدان کے ساتھ ساتھ آپ تینون حضرات ایک ایسے بہادر اور مرد میدان بنے کہ خلیفہ قرار پا گئے حق یہ ہے کہ عہد جناب رسول خدا مین ایک حضرت بھی حضرات خلفائے ثلثہ مین سے کوئی ایسی کارروائی جس سے جناب رسول خدا یا دین خدا کی سلامتی کی شکل قایم رہ سکتی عمل مین نہ لا سکے ہمیشہ یہی ہوا کہ حضرات خلفائے ثلثہ اپنی ہی جان بچانیکی کارروائی عمل مین لاتے رہے۔ بدر۔ احد۔ خندق۔ خیبر۔ حنین ان سب غزوات مین کسی حضرت سے ایک معمولی طور کی کارروائی بھی ظہور مین نہ آئی۔ عہد رسول اللہ مین اعدائے اسلام کے مقابلہ مین تو حضرات خلفائے ثلثہ اسلام کے سلامت رہنے کی کوئی صورت پیدا نکر سکے۔ مگر آپکی رحلت کے بعد یکے بعد دیگرے نہایت کشادہ پیشانی سے اس مسند پر جلوہ گر ہو گئے۔ جس حضرت علی کی تلوار نے حضرت علی کو زینت بخشی کا مستحق بنا رکھا تھا۔ محنت دگرے کرد و عشرت دگرے برد۔ اگر مجبر و خلافت نبی سے حضرت علیؑ کو محروم رکھا تھا تو رکھا تھا مسند رسول اللہ پر جلوہ گر ہو کر حضرات شیخین نے ایک ایسے قبیلہ کی نصرت کی کہ جس سے جناب رسول خدا کو تمامتر نفرت تھی اور جس کو صلعمؐ جناب رسول خدا نہایت کمزور کر گئے تھے۔ اس قبیلہ کو کسی جانشین جناب رسول اللہ سے یا کسی سردار اسلام سے منتفع ہونے کا خس بھر بھی حق نہ تھا۔ اسلئے کہ وہ قبیلہ بڑا دشمن جناب رسول خدا اور دین خدا کا تھا اور اس سے طرح طرح کے صدمے جناب رسول خدا اور دین خدا کو پہنچ چکے تھے۔ مگر حضرات شیخین کی اس نصرت کی بدولت وہ قبیلہ بالاخر ایسا ہو گیا کہ اسکے سبب سے آل محمد کی مصیبتون کی کوئی حد ہی نرہی حضرات شیخین کا حضرت علیؑ کو رسول اللہ کی جانشینی سے محروم رکھنا ہی ایک طرفہ امر تھا۔ اس پر بالاتر آپ دونون صاحبون کیطرف سے قبیلہ بنی امیہ کی سرپرستی ایک طرفہ تر مضمون ہے۔ اس سرپرستی نے آل محمد کی پوری بیخ کنی کر ڈالی اور اسلام کو ایسے خلفا کے ہاتھ مین ڈال دیا جو در حقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہین رکھتے تھے اور نفس پروری کے سوا کچھہ نہ جانتے تھے۔

(۴۵) آپ یعنی حضرت علیؑ کے لئے آفتاب نے رجعت کی جیسا کہ حضرت یوشع کی دعا پر آفتاب ٹھہر گیا تھا۔ آفتاب کا حضرت یوشع کی دعا پر ٹھہر جانا توریت مین مندرج ہے۔ اسیطرح رجعت آفتاب بروایت صحیحہ ثابت ہے۔ طحاوی کی کتاب مشکلات حدیث مین بروایت اسما بنت عمیس اور نیز کتاب منتقی مین یہ حدیث مندرج ہے۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس حدیث کو کتاب ازالۃ الخفا کے مقصد دوم مین شرح و بسط کے ساتھ درج کیا ہے۔ صاحب تاریخ الخمیس حسن ابن محمد ابن حسن دیار بکری نے بھی اسے اپنی تاریخ مذکور مین داخل کیا ہے۔ اس حدیث کا منکر صرف

ابن جوزی نظر آتا ہے۔ ابن جوزی ایک بڑا مخالف حضرت علی کا ہے۔ اس کا انکار قابل اعتبار نہین ہوسکتا۔ ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر معجزہ رجعت خورشید کا علیؑ کے لگاؤ سے نہ ہوتا تو یہ شخص اس حدیث کو موضوع قرار نہ دیتا۔ مگر دشمنان علیؑ یا نیچریون کے انکار سے شان مرتضوی مین کچھ دھبا نہین لگ سکتا۔ چھپے ہے کہین خاک ڈالے سے چاند۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

بھر حال۔ رجعت خورشید کا یہ معاملہ ہے کہ ایک دن جناب رسولؐ خدا پر نزول وحی ہورہا تھا اور سر مبارک رسولؐ اللہ کا حضرت علی کی گود مین تھا اور اتنی دیر تک رہا کہ غروب آفتاب ہوگیا اور حضرت علیؑ کی نماز عصر قضا ہوگئی جب نزول وحی ہوچکا۔ تب جناب رسولؐ خدا نے پوچھا کہ یا علی تم نے نماز عصر پڑھی۔ آپ نے جواب مین عرض کیا کہ اشارون سے ادا کی ہے۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ اے میرے خدا علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت مین تھا پس تو آفتاب کو اسکی خاطر سے پھیر دے اسماء بنت عمیس جو راوی ہین اور بقول آنحضرت قطعی جنتی ہین۔ کہتی ہین کہ ہمنے آفتاب کو غروب ہوتے دیکھا تھا اور پھر ہمنے اسے طلوع ہوتے دیکھا اور اوسکی روشنی زمین اور پہاڑ پر پھیلتی دکھائی دی۔ حضرات ناظرین۔ اس حدیث سے علیؑ ابن ابی طالب کا بڑا درجہ معلوم ہوتا ہے اول تو وقت نزول وحی سر مبارک آنحضرت کا علیؑ کی گود مین تھا۔ دوم یہ کہ جب آنحضرتؐ نے رجعت خورشید کی دعا فرمائی تو یہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے اللہ علیؑ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت مین تھا۔ سوم یہ کہ علیؑ کی نماز ایک ایسی اہم شے متصور تھی کہ اسکے واسطے رجعت خورشید ظہور مین آئی۔ اس جگہ پر حضرات مسلمین کی خدمت مین گذارش ہے کہ حدیث بالا سے نماز کی بڑی ضرورت ظاہر ہوتی ہے جو حضرات مسلمان ہوکر نماز کو ایک غیر قابل توجہ امر سمجھتے ہین وہ اس حدیث پر نظر غور ڈالین۔ تب اُن کو معلوم ہوگا کہ نماز کیسی ضروری شے ہے۔ اگر نماز کوئی ضروری چیز نہ ہوتی تو جناب پیغمبر خدا ایک غیر ضروری شے کے لئے رجعت خورشید کی دعا نہ فرماتے۔ واضح ہو کہ اسوقت مین کچھ ایسے حضرات دیکھے جاتے ہین کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہین ترکہ وغیرہ مسلمانون کی طرح بانٹتے ہین اور مسلمانون کے ساتھ معاشرت رکھتے ہین۔ اسکے ساتھ ہی نہین ہے کہ نماز کاہلی سے نہین پڑھتے بلکہ نماز کو ایک حقیر اور قابل نفرت شے جانتے ہین۔ ایسے حضرات کو لازم ہے کہ اس حدیث کو بغور ملاحظ فرمائین۔ تب ان کو از روے اسلام نماز کی پابندی فرض معلوم ہوگی۔ اپنے کو مسلمان کہنا اور ترک نماز پر اصرار عجب مضمون ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی مسلمان نماز کا پابند نہو مگر جو بالقصد تارک صلوٰۃ ہے اور صلوٰۃ کو ایک بے حقیقت شے جانتا ہے وہ کیونکر اسلام کا دعوے کرسکتا ہے۔ بلا شبہ نماز کا بھی مکلف ہر ایسا مسلمان ہے جو اس قدر حواس رکھتا ہو کہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتا ہو۔ اگر کوئی شخص دیوانہ یا منکر اسلام ہو تو ظاہر ہے کہ اُس سے نماز کی فرمایش نہین کیجاسکتی

مگر جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہوا اور اُس اقرار کے ساتھ ساتھ روٹی مکھن پراٹھا قلیہ - سماع رقص - تیل عطر - پان - حال - قال عرس مولود - مجرا ناچ - شال دوشالہ - کوٹ - پتلون - گاڑی - گھوڑا بنگلہ - کوٹھی تجارت معاش اجارہ ٹھیکہ مدعی مدعا علیہ اور تمام دنیا کے امور کے مطلب کو سمجھتا ہے اور اُن سے متمتع ہوتا ہے تو انکار صلوٰۃ کے ساتھ مسلمان نہین رہ سکتا - بلا شبہ ایسا شخص مرتد یا زندیق ہے اور تمامتر دائرہ اسلام سے خارج - یہ تو حالت اُن اشخاص کی رہی جو اپنے کو مسلمان کہتے ہین یا اپنے مسلمان ہونے کا دعوٰی خلق خدا کو دیتے ہین - علاوہ ان کے ایک فرقہ ایسے لوگون کا بھی ہے جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے - مگر معجزات سے انکار کرتا ہے - ایسے لوگون کے نزدیک شق القمر یا رجعت خورشید یا جذامی کا صحت یاب ہونا وغیرہ وغیرہ امور غیر فطری متصور ہین - ایسے حضرات معجزات سے انکار اس بنیاد پر رکھتے ہین کہ معاملات فطرت کے خلاف کوئی امر ظاہر نہین ہو سکتا - یعنی خرق عادت کوئی شے نہین ہے حقیقت یہ ہے کہ ایسے حضرات بحد تنگ چشم اور کم بین ہین ان لوگون نے اُسی کو معاملۂ فطرت سمجھ لیا ہے جسقدر اُن کے ذہن کو ادراک کی وسعت حاصل ہے - اُن کے ادراک وفہم سے جو بات بالا ہوتی ہے وہ اون کے نزدیک احاطۂ فطرت مین داخل نہین ہوتی مگر اس جگہ اور معجزات انبیا علیہم السلام کو چھوڑ کر صرف رجعت خورشید کو بحث گردانتا ہون - حضرات ناظرین راقم کی تقریر ذیل پر اپنی توجہ مبذول فرمائین -

معجزات حضرات انبیا علیہم السلام کی نسبت منکرین معجزات برابر یہی کہتے چلے آئے ہین کہ معجزہ کوئی شے نہین ہے - اسواسطے کہ معجزہ ایک امر غیر فطری یعنی خلاف نیچر ہے - پس جو امر غیر فطری یا خلاف نیچر ہوتا ہے ظہور پذیر نہین ہو سکتا - ظاہرا یہ قول ایک غیر نیچر سامع کو قرین پذیرائی معلوم ہوتا ہے مگر یہ قول قلت تدبر سے خبر دیتا ہے جیسا کہ عند التحقیق ثابت ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ یہ قول تب ہی تک صحیح سمجھا جا سکتا ہے کہ جب تک معجزات حضرات انبیا علیہم السلام کے محالات عقلیہ سے مان لیے جائین - ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات منکرین نے معجزات انبیا کو محالات عقلیہ سے سمجھ لیا ہے حالانکہ جتنے معجزے حضرات انبیا کے درج کتب ہین وہ بلا استثنائے احدے سب کے سب امکانی پہلو رکھتے ہین - ایک بھی اُن سے ایسا نظر نہین آتا ہے کہ محال عقلی کا حکم رکھتا ہو فقیر کی اطلاع مین کسی نبی کی طرف کوئی ایسا معجزہ منسوب نہین کیا گیا ہے جسکے ممکن الوقوع ہونے مین کسی معقولی کو عذر ہو سکتا ہو البتہ جتنے معجزے بیان کئے گئے ہین وہ ایسے ہین کہ اُنکے وقوع ہم لوگون کے ہر روز کے تجربۂ فطرت کے خلاف معلوم ہوتے ہین لیکن محالات عقلیہ کا حکم نہین رکھتے حضرات انبیا علیہم السلام کے جتنے معجزے کتابون مین پڑے جاتے ہین اُن مین سے ایک بھی ایسا نہین ہے کہ ہندسہ کے علوم متعارفہ یا دیگر مقدمات یقینیہ یا اولیات کے خلاف ہو مثلاً کوئی معجزہ ایسا نہین بیان کیا جاتا ہے کہ فلان

نبی نے کل سے جزو کو اعظم کرکے دکھایا ہے۔ لاریب کسی نبی سے محالات عقلیہ کے خلاف کوئی معجزہ ظہور مین نہین آیا ہے اور نہ ایسا کوئی معجزہ سنا جاتا ہے جسکے وقوع سے کسی مقدمہ یقینیہ کے وجوب و کلیت مین ذرا بھی فساد لاحق ہوا ہو۔ ایسی صورت مین حضرات نیچریہ کا انکار معجزہ پر اصرار اگر قلت تدبر نہین ہے تو کیا ہے۔ اب ہم معجزہ رجعت خورشید کی نسبت یہ عرض کرتے ہین کہ یہ معجزہ محالات عقلیہ سے کیون کر قرار دیا جاسکتا ہے۔ کوئی منکر معجزہ ہمین بتاوے کہ یہ معجزہ ہندسہ کے علوم متعارفہ یا کن مقدمات یقینیہ کے خلاف پایا جاتا ہے۔ اس معجزہ مین سوائے امکانی پہلو کے وجوب کا پہلو نظر ہی نہین آتا ہے البتہ جو کچھ اس معجزہ کے خلاف مین کہا جاسکتا ہے وہ اسیقدر ہے کہ اسکا وقوع روزانہ کے معاملہ فطرت کے ساتھ مطابقت نہین رکھتا۔ یعنی جسقدر منکر کو معاملہ فطرت کا تجربہ حاصل ہے اس کے خلاف اس معجزہ کا وقوع معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسقدر بھی معجزات تجربہ ہاے منکرین کے خلاف نہوا کرتے تو پھر معجزات معجزات کیون کہلاتے۔ حضرات ناظرین غور فرمائین کہ رجعت خورشید کی نسبت جو کچھ اعتراض منکرین معجزات وارد کرسکتے ہین وہ اسیقدر ہے کہ ہم لوگ ہر روز آفتاب کو مغرب مین ڈوبتے دیکھتے ہین مگر اُسے رجعت کرتے نہین دیکھتے اور چونکہ یہ بات خلاف فطرت ہے اسلئے ایسا کوئی معجزہ پیغمبر خدا سے ظہور مین نہین آیا تھا۔ ایسے اعتراض سے ظاہر ہے کہ معترضین نے رائے بالا کے قایم کرنے کے وقت محال و ممکن کے فرق کو ملحوظ نہین رکھا تھا۔ ورنہ زنہار ایسی غیر معقولانہ رائے قایم نہ کرتے جائے لحاظ ہے کہ آفتاب کا ڈوب کر رجعت کرنا یا آفتاب کا ٹھہر جانا یا آفتاب کا مشرق کے عوض مغرب سے طلوع کرنا وغیرہ وغیرہ محالات عقلیہ سے نہین ہین۔ یہ بخوبی ممکن ہے کہ کسی خاص سبب سے آفتاب ڈوب کر رجعت کرے یا ایک جگہہ کسی وقت ٹھہر جائے یا مشرق کے عوض مغرب سے طلوع ہو ایسے وقوع زنہار احاطۂ امکان سے باہر نہین ہین۔ ایسے وقوع ہم لوگون کے لئے حیرت انگیز اس لئے معلوم ہوتے ہین کہ ہم لوگ اپنے تجربہ کے احاطۂ تنگ کے اندر ایسے وقوع سے اطلاع نہین رکھتے ہین اسکی مثال ایسی ہے کہ اگر ہم کسی شخص سے جو علم الافلاک سے خبر نہین رکھتا ہو یہ کہین کہ چار ہزار برس پہلے جو تارا اسوقت ہم لوگون کا قطب شمالی ہے قطب شمالی نہ تھا۔ اُس وقت کا قطب شمالی وہ تارا تھا جس کا نام تھیوبن Thuban ہے تو وہ ہمارے اس قول کو اپنے تجربۂ ذاتی کی بنیاد پر صحیح نہین مانیگا۔ اسیطرح سینکڑون انقلابات سماویہ کی نظیرین پیش کی جاسکتی ہین۔ جسکے سامنے آفتاب کا رجعت کرنا یا آفتاب کا ٹھہر جانا کوئی شے ہی نہین ہے۔ خدا جانے یہ دنیا کب سے ہے۔ مگر جسقدر چار ہزار برس کے اندر کے انقلاب سماویہ ظہور مین آئے ہین۔ وہ کیا کم حیرت افزا ہین۔ یہ سب انقلابات شکل امکان رکھتے ہین۔ اُن کو محالات عقلیہ سے وہی سمجھیگا۔ جو محال و ممکن کی تمیز نہ رکھتا ہوگا۔ پس حضرات منکرین کا رجعت خورشید سے انکار کوئی معقول پیرایہ نہین

رکھتا ہے۔ اس سبب سے عالی نظروں کے لیئے۔ قابل توجہ ہی نہین ہے۔ اسی منوال پر دیگر معجزات انبیا علیہم السلام کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔ اور جاننا چاہیئے کہ جتنے معجزات حضرات انبیا علیہم السلام سے ظہور مین آئے ہین وہ احاطۂ امکان سے باہر نہ تھے۔ اسلیئے وہ سب خلاف فطرت بھی نہین کہے جا سکتے ہین۔ البتہ معترضین کے احاطۂ تجربہ کے اندر ان کی گنجایش نہین دیکھی جاتی۔ مگر یہ امر خود تقاضاے معجزہ کے مطابق ہے۔ کسواسطے کہ اگر معجزات کو ایسی گنجایش ہوتی تو پھر معجزہ معجزہ نہ ہوتا۔

(۵۵) آپکو اسد اللہ یعنی شیر خدا اور ید اللہ کا خطاب ملا۔ اس امتیاز کے حاصل ہونیکی یہ صورت ہوئی کہ شب معراج آنحضرت صلعم نے ایک مقام پر ایک شیر کو دیکھا۔ حضرت نے اپنی انگشتری اس شیر کے منہ مین ڈالدی۔ پھر مقام قاب قوسین پر شیر برنج کہانے مین جب ایک ہاتھ منجانب اللہ نمایان ہوا تو وہی انگشتری اس ہاتھ مین موجود تھی۔ جب صبح کو شب معراج کے بعد حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ کو دیکھا تو وہی انگشتری دست علیؑ مین پائی۔ اسی روز سے آپ کا لقب ید اللہ اور شیر خدا قرار پایا۔ تنگ چشم اس واقعہ سے چشم پوشی کرین تو کرین مگر حضرت علیؑ کے ید اللہ اور شیر خدا ملقب ہونے کی وجہ یہی ہوئی ہے جو حوالۂ قلم کی گئی۔

(۵۶) آپ کو بحکم خدا آنحضرت نے خرقۂ معراج عنایت فرمایا۔ اس خرقہ کے مرحمت ہونیکی وجہ یہہ ہوئی کہ آپ صفت ستاری مین یکتا تھے۔ اس صفت کے صلہ مین اس خلعت سے آپ سرفراز فرمائے گئے۔ **لمؤلفہ** ۔

خدا کیونکر نہ دیتا خرقۂ معراج حضرت کو ۔ گنہگاروں کے عیبوں کو ہمیشہ آپنے ڈھانکا

(۵۷) شب معراج مین آنحضرت صلعم نے عرش پر لکھا دیکھا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَیَّدْ نَاہُ بِعَلِیٍّ یعنی خدا کے سوا کوئی خدا نہین محمد خدا کے رسول ہین اور محمد کے مددگار علیؑ ہین

(۵۸) آپ قائل قول سلونی تھے۔ ملا جامی شواہد مین لکھتے ہین کہ آپ نے اپنے ایک خطبہ مین فرمایا کہ جس کا جو جی چاہے مجھسے پوچھے سوائے عرش کی بات کے۔ میرے سینہ مین علم کثیر ہے بسبب جناب رسول اللہ کے لعاب دہن کے جو مجھے وقتاً فوقتاً چسایا گیا۔

(۵۹)۔ آپنے فرمایا کہ مین بندۂ خدا برادر رسول خدا اور وارث رسول خدا ہون اور یہ بھی فرمایا کہ مین ناکح سیدۃ النسا بنت رسول اللہ ہون اور سید الاوصیا و خاتم الاوصیا ہون۔ اور مین وہ ہون کہ میرے سوا جو ان فضائل کا دعویٰ کرے اسکو خدا تعالے مبتلائے بلا کرے گا۔ (کذا فی الشواہد)

(۶۰)۔ آپ نے دیر کے قریب چشمہ نکالا۔ اسیر اس دیر کے راہب نے آپ سے پوچھا کہ آپ نبی ہین یا فرشتہ۔ آپ نے جواب دیا کہ مین وصی پیغمبر آخر الزمان ہون تب اس راہب نے ایمان لاکر

کلمہ پڑہا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ یہ بہی ملا جامی کی شواہد مین مندرج ہے۔

(۶۱) آپکا وصی ہونا امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول سے بہی ثابت ہے۔ رباعی

عَلِیٌّ حُبُّہٗ جُنَّۃٌ + قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّۃِ + وَصِیُّ الْمُصْطَفٰی حَقًّا + اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجِنَّۃِ

(۶۲) آپ راہ ہدایت بتانے والے اور گمراہی سے بچانیوالے ہین۔ حاکم نے کتاب مستدرک مین زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے مَنْ یُّرِیْدُ اَنْ یَّحْیٰی حَیٰوتِیْ وَیَمُوْتَ مَمَاتِیْ وَیَسْکُنَ جَنَّۃَ الْخُلْدِ الَّتِیْ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ فَلْیَتَوَلَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَاِنَّہٗ لَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ ھُدًی وَّلَنْ یُّدْخِلَکُمْ فِیْ ضَلَالٍ یعنی جو شخص چاہے جینا میرا سا جینا اور مرنا میرا سا مرنا اور رہنا اُس بہشت مین جسکا وعدہ مجھسے میرے رب نے کیا ہے تو چاہیے اسکو کہ تولا کرے علیؑ ابن ابی طالب سے کہ وہ تمکو کبہی نہ نکالے گا ہدایت سے اور ہرگز داخل نکریگا گمراہی مین۔

(۶۳)۔ آپکا دوست رکہنے والا بہشتی اور آپکا جہٹلانیوالا جہنمی ہے۔ حاکم مستدرک مین عمارؓ بن یاسر سے روایت کرتے ہین کہ حضرت رسولؐ خدا نے علیؑ سے فرمایا یَا عَلِیُّ طُوْبٰی لِمَنْ اَحَبَّکَ وَصَدَّقَ فِیْکَ وَوَیْلٌ لِّمَنْ اَبْغَضَکَ وَکَذَّبَ فِیْکَ۔

(۶۴) آپکی نسبت رسولؐ اللہ کو وحی ہوئی کہ آپ سید المومنین امام المتقین اور قائد الغر المحجلین ہین۔ عبد اللہ ابن عباس اپنے پدر بزرگوار سے روایت کرتے ہین کہ جناب رسولؐ اللہ نے فرمایا اُوْحِیَ اِلَیَّ فِیْ عَلِیٍّ ثَلٰثًا اَنَّہٗ سَیِّدُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِمَامُ الْمُتَّقِیْنَ وَقَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ۔

(۶۵)۔ آپکا منہ دیکہنا عبادت ہے۔ مستدرک حاکم مین عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ۔

(۶۶) آپ بروز قیامت حامل لواء الحمد کے ہونگے اور تمام انبیاءؑ اسکے نیچے ہوکر چلین گے اور اُس لوا کی چمک تاج کے طور پر آپ کے سر مبارک پر ہوگی۔ دیکہو کتاب معارج النبوۃ۔

(۶۷) آپکو گالی دینا جناب رسولؐ اللہ کو گالی دینا ہے۔ کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے باب مناقب علی مین بروایت اُمِّ سلمہؓ یہ حدیث مندرج ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ سَبَّنِیْ واضح ہو کہ شخص ناواقف کو ایسی حدیث کے سننے سے وحشت کا پیدا ہونا خلاف توقع نہین ہے۔ یعنی وہ ضرور خیال کرسکتا ہے کہ علی جیسے آدمی کو جو بنفس نفیس ایک قابل احترام اور واجب عزت آدمی تہے نیز ایک قریب رشتہ دار رسولؐ خدا کے تہے کوئی کیون گالی دیگا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ایک عرصہ دراز تک علیؑ مورد سب و دشنام رہے ہین۔ رسول اللہ کو بحیثیت رسول ضرور اس امر کی اطلاع تہی کہ لوگ علیؑ کو گالیان دینگے اسواسطے ایسا قول ارشاد

فرما گئے۔ ظاہر ہے کہ عہد رسول اللہ میں کسیکو اسقدر جرأت کہاں تھی کہ علیؑ کو کوئی گالی دے سکتا اور امر واقعی بھی یہی ہے کہ سب و شتم آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ظہور میں آئے سب علیؑ کے موجد امیر معاویہ تھے۔ حضرت ممدوح صرف خود ہی سب علیؑ نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اپنے پیروان کو بھی اس کار خیر پر آمادگی دلاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ممدوح کی تبعیت میں اُس دشنام دہی کا طریقہ خوب جاری ہوا اور کیوں نہ جاری ہوتا حضرت ممدوح اپنے عہد کے امیر المومنین اور خلیفہ برحق سمجھے گئے تھے جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت امیر المومنین معاویہ ابن ابی سفیان کو حضرت علیؑ مرتضیٰ کے سب پر اسقدر اصرار تھا کہ حسب تحریر ابو الفدا و دیگر مصنفین جب جناب امام حسنؑ علیہ السلام نے حضرت ممدوح کو نامہ صلح لکھا تو منجملہ اور شرائط کے یہ شرط بھی حوالہ قلم کی کہ حضرت علیؑ کو بُرا نہ کہا کرو۔ مگر حضرت امیر المومنین معاویہ ابن ابی سفیان نے اس شرط کو قابل پذیرائی نہ سمجھا۔ لاچار تب جناب امام حسنؑ علیہ السلام نے یہ کہا کہ جس مجلس میں مجھکو یا میرے سامنے حضرت علیؑ کو گالی نہ دو بہر کیف یہ شرط قبول ہوئی خیر۔ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کی جو رائے مبارک ہو مگر اسوقت کے آپ کے پیرو ذرا اس امر پر نظر رکھیں کہ جناب رسول اللہ صلعم کی دشنام دہی کو عین اپنی دشنام دہی سمجھتے تھے جیسا کہ حدیث بالا میں حوالہ قلم ہوا۔

(۶۸) جب آپ قبیلہ ہوازن اور بنی ثقیف کے بتوں کو توڑ کر جناب پیغمبر خدا کی خدمت میں تشریف لائے تو حضرت رسولؐ نے اپنی مسرت ظاہر کی اور تخلیہ میں علیؑ مرتضیٰ سے بڑی دیر تک راز کی باتیں ہوتی رہیں صحبت تخلیہ نے اسقدر طول کھینچا کہ حضرت عمر نے استعجاباً جناب رسالتمآب سے اُسکے بعد پوچھا کہ آج تو آپ نے اپنے ابن عم سے بہت دیر تک تخلیہ میں باتیں فرمائیں آنحضرت نے جواب دیا کہ مجھے خود باتیں کرنا نہ تھیں مگر ہاں کچھ راز خدا تھے جو بحکم خدا علیؑ مرتضیٰ سے بیان کئے گئے (دیکھو معارج النبوۃ رکن چہارم صفحہ ۲۶۹ و ۲۷۰ اور نیز صحیح ترمذی)۔ حضرت عمر کا استعجاب بیوجہ نہ تھا۔ آپ شب و روز کے ساتھ رہنے پر بھی حضرت علیؑ کی بلند پایگی سے واقف نہ تھے۔ بہر حال اس صحبت تخلیہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ خدا و رسولؐ خدا کے رازوں کے امانت دار تھے اور آپ کے سوا کسی صحابی کو اس امانت داری کا شرف حاصل نہ تھا۔

(۶۹) آپ ہمیشہ مراحم نبوی کے مورد رہے۔ مگر مواقع ذیل میں حضرت رسولؐ خدا نے خاص طور پر آپ کو عزت عطا فرمائی اور ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ جن سے آپکی اطاعت اور فرمانبرداری جمیع مومنین پر فرض نظر آتی ہے۔ یہ مواقع لکھے دیتے ہیں کہ اُن مواقع میں جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین قرار دیا تھا۔ یا یہ کہ حضرتؐ کی یہ نیت یا خواہش تھی کہ جناب علیؑ آپ کے جانشین ہوں اہل انصاف کو اسکے اقرار سے چارہ نہیں نظر آتا۔ یوں اہل خلافت جو چاہیں سو کہیں۔

موقع اوّل - ہجرت کے قبل آنحضرتؐ نے اپنے تمام اہالیان خاندان کی دعوت فرمائی - بعد فراغ طعام کے آنحضرتؐ نے اُنسے مخاطب ہوکر فرمایا کہ مین عام لوگون پر مبعوث ہوا ہون لیکن تم لوگون پر بالخصوص اور اِس قوم کا جو طور میرے ساتھ ہے اُسے تم دیکھتے ہو - اب تمھین لازم ہے کہ میرے ساتھ میرے بھائی ہونیکی بیعت کرو مگر اُس جماعت مین سے اس کام کے واسطے کوئی نہ اٹھا - مگر علی مرتضی جو ہر چند صغیر السن تھے فوراً اُٹھے - جناب رسول خدا نے آپکو ہٹ جانے کو فرمایا - بعد ازان آنحضرت نے اُسی قول کا تین بار اعادہ فرمایا اور ہر بار علیؑ مرتضی ہی اُٹھے - تب آن حضرت نے اپنے دست مبارک کو آپ کے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ دَرَثْتُ ابن عَمِّیْ دُوْنَ عَمِّیْ یعنی اپنا وارث کیا مینے اپنے چچازاد بھائی کو برخلاف اپنے چچا کے اسی قصہ کی حدیث کو بروایت ربیعہ کتاب الخصائص مین نسائی نے درج کیا ہے اور اُس قصہ کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالتہ الخفا مین شرح و بسط کیساتھ لکھا ہے نیز ابوالفدا مورخ نے بھی اس دعوت کے قصہ کو اپنی کتاب تاریخ المختصر فی احوال البشر مین حوالۂ قلم کیا ہے - یہ مورخ لکھتا ہے کہ اس دعوت مین آنحضرت نے اپنے اہالیان خاندان کیطرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ کون ہے جو میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوگا - تب کسی نے کوئی جواب ندیا - الا علیؑ مرتضی جنھون نے بڑی خوشی کے ساتھ عرض کی کہ مین آپ کا بھائی وصی اور خلیفہ ہون گا اسپر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تو میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے -

واضح ہو کہ اس حدیث سے کہ دَرَثْتُ ابن عَمِّیْ دُوْنَ عَمِّیْ سے ثابت ہوتا ہے کہ نحن معشر الانبیا کی حدیث نبوی نہین ہے اور حق بھی یہی ہے کہ غیر طبعی ہونیکے باعث دلمین جگہہ پیدا کرنیکی صلاحیت نہین رکھتی ہے دوسرا امر قابل لحاظ یہ ہے کہ جسوقت حضرت علیؑ سے اس طرح کی وفاداری کا اظہار جناب رسولؐ خدا کے سامنے وقوع مین آیا اُسوقت حضرت علیؑ کا سن شریف گیارہ برس کا تھا - اس کم عمری ہی کے وقت سے حضرت علیؑ حضرت رسولؐ اللہ کے ساتھ برابر غایت وفاداری کے ساتھ تا وفات جناب رسولؐ خدا کے ساتھ پیش آتے رہے - ہمیشہ جناب رسولؐ خدا کی تبعیت آپکو ملحوظ رہی اپنی جان تک حضرت رسولؐ خدا کے مقابلہ مین آپ کو عزیز نہین رہی - وقت ہجرت آن حضرتؐ آپ بلا خوف جان بستر آنحضرت پر سو رہے اور ہر لڑائی مین جانبازی کی ایسی داد دیتے رہے کہ اُسکا جواب کسی دوسرے سے ممکن نہ ہوا - سچ یہ ہے کہ تمام عمر عجب مردانگی کے ساتھ اپنے بچپن کے قول کی پابندی آپ فرماتے رہے - جناب رسولؐ خدا کے بعد بھی آپ مخالفان رسولؐ خدا سے نہ ملے جیسا کہ قبیلۂ بنی امیہ سے آپکا کنارہ کش رہنا ثابت کرتا ہے - حق یہ ہے کہ آپکی ساری عمر کی کارروائیان کہہ دیتی ہین کہ آپ جناب رسولؐ خدا کے بھائی وصی وزیر اور خلیفہ کی حیثیتون کو پورے طور پر قایم رکھ سکے -

موقعہ ۲ - آپکو آنحضرتؐ نے روز ہجرت اہل مکہ کی ادائے امانات کے لئے اپنا نائب مقرر فرمایا - اور

خاص اپنے بستر پر سلوایا اور اپنا کپڑا اڑھایا۔ اس قایم مقامی کا شرف آپ کے واسطے ایک امر عظیم معلوم ہوتا ہے۔ یہ معاملہ کچھ ایسا سنگین تھا کہ اس کام کو وہی کر سکتا تھا جو ان حضرت کا بھائی وزیر وصی اور خلیفہ ہونیکی حیثیت رکھتا تھا۔ لاریب یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جو حضرت علیؑ کی برحق جانشینی کا پورے طور پر مثبت نظر آتا ہے۔ ایسے نازک وقت مین وہی ایسی جانبازی کا کام کر سکتا تھا جس کو خدا تعالے نے حضرت رسولؐ کا بھائی وزیر وصی اور خلیفہ بنایا تھا ظاہر ہے کہ ایسے مشکل کام کا انجام بے تائید غیبی کے کسی آدمی سے ظہور مین نہین آسکتا۔ پس اس کار دشوار کے لئے حضرت علیؑ ہی مخلوق ہوئے تھے اور وہ اس لئے کہ آپ کو خدا تعالے کی طرف سے بھائی وزیر وصی اور خلیفہ ہونیکا درجہ تفویض ہوا تھا۔ اس معاملہ سے روشن ہے کہ آپ منجانب اللہ حضرت رسولؐ خدا کے خلیفہ تھے۔ اور آپ کو منجانب الناس خلیفہ بنائے جانیکی کوئی ضرورت نہ تھی خود خداوند عالم علیؑ مرتضیٰ کے اس فعل کا مداح ہے دیکھو پارہ ۲ سورہ بقر وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (ترجمہ) کون ہے بیچنے والا اپنی جان کا خوشنودی خدا کے واسطے۔ اور خدا اپنے بندون پر بڑا مہربان ہے۔

موقعہ ۳۔ جس سال بیعت الرضوان ظہور مین آئی اُس سال قریش کے کچھ لوگ بعض غلامون کو واپس لینے کے لئے جناب رسولؐ خدا کے پاس آئے۔ حضرت رسولؐ خدا نے اُن سے فرمایا کہ اے گروہ قریش خدا کی قسم ہے کہ اللہ تعالے تم لوگون پر ایک مرد مبعوث کریگا جسکے ایمان قلبی کا اللہ تعالیٰ امتحان کر چکا ہی البتہ وہ شخص تم کو دین پر چلائے گا۔ اور بعض کو تم مین سے ماریگا۔

جب اصحاب آنحضرت نے اُس شخص کی نسبت آنحضرت سے دریافت کیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ وہ شخص وہ ہے جو اسوقت جوتا مرمت کر رہا ہے۔ یہ اشارہ آنحضرت کا حضرت علیؑ کیطرف تھا اس وجہ سے کہ آنحضرتؐ نے آپکو اپنا جوتا مرمت کرنے کے لئے دیا تھا اور آپ نعل شریف کی مرمت فرما رہے تھے۔ واضح ہو کہ آنحضرت کے اس فرمودہ سے کہ "وہ البتہ یہ شخص تم کو دین پر چلائے گا۔ اور بعض کو تم مین سے ماریگا" ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص متصرف بہ امور دین و دنیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ یہی شان خلیفہ رسولؐ خدا کی ہے کہ متصرف بہ امور دین و دنیا ہو۔ پس اس سے صاف طور پر حضرت علیؑ کا خلیفہ رسولؐ اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یون ارباب عناد جیسی چاہین ویسی رسولؐ اللہ کے اس فرمودہ کی تاویل کر لین۔

موقعہ ۴۔ آنحضرت نے تبلیغ سورہ برات کے وقت حکم خداوند تعالیٰ کے موافق حضرت علی کو اپنا قایم مقام کر کے مکہ کو روانہ فرمایا اور آپ نے سورہ برات کے احکام اہل مکہ کو سنائے۔

کتاب اعلام الورے اور حبیب السیر مین روایت ذیل درج ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ مِنْ عِنْدِهِ اِلَيَّ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِاَنَّهُ لَا يُؤَدِّي عَنْكَ اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِنْكَ وَعَلِيٌّ مِنِّي وَهُوَ اَخِيْ وَوَصِيِّيْ

وَوَارِثِي وَخَلِيفَتِي فِي أَهْلِي وَأُمَّتِي وَبَعْدِي يَقْضِي دَيْنِي وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا عَلِيٌّ (ترجمہ) اور یقین
جبرئیلؑ مجھپر اس حکم کے ساتھ نازل ہوئے کہ اے محمدؐ نہین کوئی ادائے حق کریگا تجھسے الا تو یا کوئی مرد جو
تجھسے ہو اور حال یہ ہے کہ علیؑ مجھسے ہے اور وہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا وارث ہے اور
میرا خلیفہ ہے میرے گھر مین اور میری اُمت مین اور میرے بعد میرے دین کو چلائے گا اور کوئی شخص
ادائے حق مجھسے نہین کریگا مگر علیؑ - اس معاملۂ تبلیغ کو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا مین ذکر
فرمایا ہے - اس سے حضرت علیؑ کا خلیفہ ہونا یعنی متصرف بامور دنیا و دین ہونا صاف صاف طور سے
ثابت ہے - اب اس سے زیادہ واضح طور پر جناب رسول خدا اور کیا فرماتے - اپنے عہد مین تو رسولؐ
خدا حضرت علی کو اخی وارث وصی خلیفہ سب کچھ فرما گئے - اور یہ بھی فرمایا کہ علیؑ میرے دین کو میرے بعد
چلائیگا - مگر آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد اُمت نے آپکو خلیفہ نہونے دیا - حضرت عمرؓ آپ کے برادر رسولؐ
خدا ہونے سے منکر ہوئے - کسی خلیفہ من جانب الناس نے آپکو وصی رسولؐ اللہ نمانا اور حضرت ابوبکرؓ نے
رسولؐ اللہ کی نسبت ایسی ایک حدیث بیان فرمائی کہ جس سے رسولؐ اللہ کا کوئی وارث قرار نہین
دیا جاسکتا تھا - واہ کیون نہو اسی کو رسولؐ اللہ کی تبعیت کہتے ہین کہ سب ارشادات نبویؐ بالائے
طاق رکھدیے گئے -

موقعہ ۵ - ایکبار آنحضرت نے علیؑ مرتضیٰ کو سردار عرب فرمایا - چنانچہ مستدرک مین بروایت حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ذیل مندرج ہے اور ازالۃ الخفا مین شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی
نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اُدْعُوا لِي سَيِّدَ الْعَرَبِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَسْتَ سَيِّدَ الْعَرَبِ قَالَ أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ
آدَمَ وَعَلِيٌّ سَيِّدُ الْعَرَبِ ترجمہ حضرت عائشہ روایت فرماتی ہین کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ سردار
عرب کو میرے پاس بلاؤ تو مینے کہا کہ یا رسولؐ اللہ کیا آپ سردار عرب نہین ہین تو آپ نے فرمایا
کہ مین سردار اولاد آدم ہون اور علیؑ سردار عرب ہین اس سردار عرب ہونے پر بھی اُمت نے آپکی سرداری
کو قایم نہونے دیا - سقیفہ بنی ساعدہ کا ہنگامہ برپا کرکے آپکو اس عالم ظاہر مین خلیفہ ہونے ندیا - واہ
کیا وفادار اُمت رسولؐ اللہ کی تھی جو اس طرح پر کاربند ہوئی -

موقعہ ۶ - جناب رسولؐ خدا نے آپکو سید المومنین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین فرمایا - آنحضرت رسولؐ خدا تو حضرت علیؑ کے حق مین بہت
کچھ اچھی اچھی باتین فرمایا کرتے تھے مگر امت کب آپکے فرمودہ پر عمل کرتی تھی اگر امت آپکو سید المومنین سمجھتی تو حضرت عمرؓ بحکم حضرت ابوبکرؓ
حضرت فاطمہؑ کا گھر جلانے کو نہ جاتے اور تعدی کیساتھ آپکو حضرت ابوبکرؓ کے پاس لیجاتے اور وہان کھینچکر آپکی گردن زنی کی بات نکرتے اور کچھ
برادر رسولؐ اللہ ہونے سے انکار نکرتے ظاہر ہو کہ کوئی مومن سید المومنین کیساتھ ایسا وحشیانہ طریقہ رفتار و گفتار اختیار نہین کرسکتا -

موقعہ ۷ - جناب پیغمبر خدا نے آپ کو یہ فرمایا کہ تو میرے بعد ہر مومن اور مومنہ کا امام اور سردار ہے

مگر رسول اللہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت طلحہ و حضرت زبیر اور حضرت معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ نے بالیقین آپ کو امام و سردار نہیں مانا۔ بہرحال ازالۃ الخفا مین یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مندرج ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

قَالَ لَهُ (اَیْ لِعَلِیٍّ) رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِیْ وَمُؤْمِنَةٍ

ظاہر ہے کہ اس حدیث مین ولی کے معنی سردار و امام کے سوا دوست ناصر محبوب وغیرہ ہو نہین سکتے اسواسطے کہ من بعدی کا ٹکڑا ان مین سے کسی معنی کا متحمل نہین ہو سکتا۔ اس پر بہی معنی لگانے والے مخالفت علیؓ کے جوش مین اسطرح کے نامربوط معنی لگانے سے باز نہین آتے۔ معاذ اللہ خود غرضی بہی کیا بری شے ہے آدمی کو اندہا کر دیتی ہے۔

موقعہ ۸۔ ایک بڑے مجمع مین جناب رسولؐ خدا نے نزول وحی کے مطابق یہ فرمایا کہ کسی کا دروازہ مسجد نبوی مین علیؑ مرتضی کے دروازہ کے سوا کہلا نہ رہے۔ اسکی تعمیل کیگئی اور یہ امر بہت اشخاص کے لئے حسد کا باعث ہوا۔ کتاب جذب القلوب مین یہ قصہ درج ہے۔ اور اسکی حدیث صحیح بخاری مین دیکہی جاتی ہے۔ اسیطرح جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے علیؑ یہ مسجد میرے اور تیرے سوا کسی شخص جنب پر حلال نہین ہے۔ پہر آنحضرت نے حضرت موسی علیہ السلام کی مثال اس طرح پر دی کہ حکم خداوندی صادر ہوا کہ اے موسے تو ایک مسجد پاک بنا اور اسمین کوئی سوا تیرے اور ہارون اور پسران ہارون کے ساکن نہ ہو۔ یہ دونون فضیلتین ایسی ہین کہ سوائے حضرت علیؓ کے کسی غیر اہل بیتؑ کے لئے نصیب نہین ہو سکتی تہین۔ دوسری فضیلت کہ حضرت علیؑ مرتضی جناب رسولؐ خدا کی طرح جنب ہونیکی حالت مین بہی داخل مسجد ہو سکتے تہے۔ اس امر پر شاہد ہے کہ جناب رسولؐ خدا کی طرح حضرت علیؓ بہی خلقت کی رو سے پاک پیدا ہوئے تہے۔ یہ ایک بڑی دلیل حضرت علیؓ کی معصومیت کی ہے بغیر معصومیت کے انسان ازلی طور پر پاک نہین ہو سکتا۔ پس جس طرح حضرت رسولؐ خدا معصوم تہے اسیطرح حضرت علیؓ بہی معصوم تہے۔ ایسی صورت مین حضرت رسولؐ خدا کا جانشین یا خلیفہ حضرت علیؑ کے سوا کوئی دوسرا شخص نہین ہو سکتا یعنی ضرور ہے کہ معصوم کا خلیفہ معصوم ہو یہ فضیلت بین طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کی مثبت نظر آتی ہے۔

موقعہ ۹۔ جناب پیغمبر خدا نے ایک بار جناب امیرؑ کو اپنا نائب اور قائم مقام اس طرح پر مقرر فرمایا کہ آپ کے سر پر اپنے دست مبارک سے دستار باندہی۔ پہر آپ کو اپنے شتر پر سوار کر کے کفار کی جانب روانہ فرمایا اور وقت روانگی یہ ارشاد زبان مبارک پر لائے کہ اگر ایک شخص بہی علیؑ کے ہاتھ پر ایمان لائے گا تو وہ دنیا و ما فیہا سے افضل ہوگا۔ اسکے ساتہہ آنحضرت نے یہ دعا بہی بحق علیؑ مرتضی فرمائی کہ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهٗ وَاهْدِ قَلْبَهٗ اور آپکی منقبت مین اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ ارشاد

فرمایا (دیکھو جناب شیخ عبدالحق صاحب دہلوی کی کتاب مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰)
صاحبو دستار بندی کا مضمون جانشینی کی نشانی ہے۔ آجتک دنیا مین اسی کے سر پر دستار
باندہی جاتی ہے جو کسیکا جانشین قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت رسولؐ خدا کا علی مرتضیٰ کو دستار باندہ
کر بطور بالا روانہ فرمانا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علی کو نیابت کا درجہ بخشا گیا اور حق بھی یہی ہے
کہ نیابت کی حیثیت آپ کے سوا کسیکو بھی حاصل نہ تھی۔ جناب رسولؐ خدا جانتے تھے کہ علیؑ کو
دستار باندھکر اعدائے دین کی طرف روانہ کرنا بیجا نہ ہوگا۔ اسلئے کہ علیؑ اعدا کے مقابل مین ثابت قدم
رہینگے ہرگز راہ فرار اختیار نہ کرینگے۔ اہل انصاف ہی دیکھین کہ کس توقع پر حضرت رسولؐ خدا حضرات
خلفائے ثلثہ سے کسی ایک کے ساتھ ایسی کارروائی عمل مین لاسکتے۔
جب تجربہ ہائے بسیار سے اسکا امتحان ہوچکا تھا کہ ان حضرات مین سے کسی مین بھی خدا تعالےٰ نے
یہ صفت ثابت قدمی کی گویا ودیعت ہی نہین فرمائی تھی۔

موقعہ ۱ - جب ملک یمن کے غنائم کی نسبت حضرت خالد بن الولید نے۔ لوگون کو ترغیب دیکر
حضرت علیؑ کی شکایت کی نظر سے جناب رسولؐ خدا کے پاس بھیجا تو غصہ سے آنحضرت کا چہرہ سرخ ہوگیا
صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہین کہ اسوقت آن حضرت نے فرمایا کہ علیؑ کی شان مین گمان بد نکرو
اسلئے کہ وہ مجھسے ہے اور مین اُس سے ہون اور وہ ولی تمہارا ہے۔ جس شخص کے ہم مولے
ہین اسکا علیؑ مولی ہے۔ ولی اور مولی سے صاف مراد حاکم ہے یعنی اُس کے حکم سے کسی
مسلمان کو سرتابی نہین چاہئے کسواسطے کہ جیسے ہم تم لوگون کے حاکم ہین ویسے ہی علیؑ بھی تم
لوگون کے حاکم ہین پس مال غنایم کی تقسیم مین اُسکا جو حکم ہے وہی میرا بھی حکم ہے۔ تم لوگون کو اسکے
حکم مین شکایت کی مجال نہین ہے۔ سیدہے معنی تو ولی اور مولی کے یہی ہین جو بالا مین رقم ہوئے
مگر مخالفین علیؑ ان دونون لفظون کے کیا کیا اول فول معنی بتاتے ہین جس سے ان کے دلی عناد
کا اظہار بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ یہان مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حضرت خالد ابن الولید کے حالات بھی
مختصر طور پر عرض کردئے جائین۔ خاصکر اس مطلب سے کہ آپ کا تذکرہ اس کتاب مین ممکن ہے کہ
پہر نہ آئے۔ جاننا چاہئے کہ حضرت خالد ابن الولید رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی مخزوم سے ایک نامور سردار
گذرے ہین۔ اول اول جو اسلام کو آپ سے کام پڑا وہ جنگ اُحد سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ لشکر ابوسفیان
کے ساتھ لشکر خدا سے لڑنیکے لئے آئے آپ ایک بہادر آدمی تھے آپنے لشکر خدا کے خلاف مین
اپنی کارروائی نمایان کی کیفیت یہ گذری کہ جب لشکر اسلام کو فتح نظر آئی تو وہ پچاس تیرانداز بھی جنکو
جناب رسول خدا نے پہاڑ کی ایک گھاٹی پر تعینات کردیا تھا اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر مال لوٹنے والے
مسلمانون کے شریک حال ہوگئے۔ حضرت خالد نے کچھ بھاگے ہوئے لشکر ابوسفیان کو جمع کرکے

اسی گھاٹی سے اتر کر ظفر یاب مسلمانون پر حملہ کر دیا۔ آپکی حملہ آوری سے مسلمانون کی فتح کے بعد شکست ہوگئی اور اسی حملہ مین حضرت امیر حمزہ علیہ السلام دست حضرت خالد یا حربۂ وحشی سے شہید ہوگئے۔ اسکے بعد کچھ عرصہ کے بعد حضرت خالد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قیام مکہ کے زمانہ مین حضرت رسول اللہ نے حضرت خالد کو بنی جزیمہ کے مقابلہ کو بھیجا۔ اس قبیلہ نے اسلام کی اطاعت قبول کی اور اپنے ہتھیار خالد کے آگے رکھدے۔ مگر اُن کے اس مسلمان ہونے پر بھی حضرت خالد اُن کے ساتھ بڑی بیرحمی سے پیش آئے۔ اور بہت افراد کو اُس قبیلہ کے مار ڈالا جبکہ حضرت خالد کی اس حیرت ناک کارروائی کی خبر حضرت رسولؐ خدا کو پہنچی تو آپ خوف خدا سے کانپنے لگے۔ اور درگاہ ایزدی مین یون مناجات کرنے لگے کہ بار الہا مین خالد کے اس فعل سے بری ہون اور تیری پناہ طلب کرتا ہون۔ اسکے بعد ہی حضرت رسولؐ خدا نے فوراً جناب علیؑ مرتضے کو مال وزر دے کر روانہ کیا۔ تاکہ آپ خالد کو معزول کر کے اس قبیلۂ جفا دیدہ کی دلجوئی کردین اور اُن کے مقتولین کے خون بہا اُن کے وارثون کو دیدین۔ حضرت خالد کو حضرت مولےٰ سے خلاف رہا کیا تھا اس لئے کہ حضرت خالد کو آپ سے زک نصیب ہوا کرتی تھی۔ اس معاملہ سے اور بھی حضرت خالد کی عداوت حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ ترقی کر گئی۔ اس ترقی کردہ عداوت ہی کا سبب تھا کہ حضرت خالد کے غنایم یمن کے متعلق حضرت مولےٰ پر لوگون سے رسولؐ اللہ کے حضور مین نالش کرائی تھی۔ جس کا نتیجہ وہ ہوا جو بالا مین عرض کیا گیا ہے۔ حضرت خالد جناب رسولؐ خدا کے بعد بھی اپنی اپنی بہادری کے ذریعہ سے مشہور دیار و امصار رہے۔ بلاشبہ آپ ایک بڑے دلیر آدمی تھے مگر جو مخالفین علیؑ۔ آپ کو حضرت مولےٰ کا جواب سمجھتے ہین یا حضرت مولےٰ پر بھی آپکو شجاعت مین ترجیح دیتے ہین اُن کو جاننا چاہئے کہ حضرت خالد کی دلیری خونخوار قسم کی تھی جیسا کہ سباع و درندہ کی ہوا کرتی ہے۔ اور حضرت علیؑ کی شجاعت ایسی تھی کہ جس سے رحیمی اور کریمی کی صفتین کبھی منفک نہ ہوتی تھین۔ حضرت علیؑ کا سا تحمل صفت شجاعت کے ساتھ دنیا مین اپنا نظیر نہین رکھتا اسکے برخلاف حضرت خالد کی شدید المزاجی ایسی تھی کہ شدید المزاج ہونے پر بھی حضرت عمر حضرت خالد کی شدید المزاجی سے نالان رہتے تھے۔ نہین معلوم کہ حضرت خالد کو سیف اللہ کا خطاب کیون کر حاصل ہوا۔ حضرت رسولؐ خدا کے عہد مین تو یقیناً یہ خطاب آپ کو حاصل نہوا۔ حضرت رسول خدا آپ سے مطلق خوش نہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات شام وغیرہ کے زمانہ مین آپ کو اہل اسلام اس خطاب سے یاد کرنے لگے ہونگے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ خطاب سیف اللہ خاص خطاب حضرت مولےٰ کا ہے جیسا کہ راقم سابق مین دکھلا چکا ہے۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت نے بسبیل غصب اس خطاب کو حضرت خالد کی طرف منتقل کر دیا ہے۔

اس زمانہ مین بھی ایسے لوگ موجود ہین جو اپنے کو حضرت خالد کی اولاد کہتے ہین اور فخریہ طور پر اپنے کو نسل سیف اللہ سے شمار کرتے ہین۔

موقع ۱۱ - جب جناب رسول خدا تبوک کو تشریف لیجانے لگے تو آنحضرت نے جناب امیر کو اپنا خلیفہ اور جانشین مدینہ مین مقرر فرمایا۔ حضرت علیؑ کے واسطے یہ امر نہایت موجب فخر کا تھا۔ مگر منافقون نے عداوت سے یہ مشہور کرنا چاہا کہ جناب رسول خدا کو آپکی طرف سے کدورت لاحق ہوگئی ہے۔ اسلئے آپ کو مدینہ مین چھوڑ کر تبوک کو تشریف فرما ہوتے ہین۔ حضرت علیؑ نے تب بحضور جناب رسول خدا عرض کی کہ حضور مجھے بچّون اور عورتون پر خلیفہ فرماتے ہین۔ حالانکہ مین نے پانچ لڑائیون مین کبھی تخلف نہین کیا۔ اسپر جناب رسول خدا نے حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کی مثال دی اور فرمایا کہ تم میرے نزدیک ایسے ہو کہ جیسا کہ ہارونؑ موسیٰؑ کے لئے تھے۔ واضح ہو کہ یہ مثال اُس قصہ پر مبنے ہے کہ جب حضرت موسیٰ میقات پر تشریف لے گئے تھے حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے تھے۔ اس قصہ کے متعلق جو حدیث ہے وہ ذیل مین عرض کیجاتی ہی۔

اخرج البخاری عن مصعب بن سعد عن ابیہ ان رسول اللہ صلعم خرج الی تبوک واستخلف علیا فقال اتخلفنی فی الصبیان والنساء۔ قال الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لیس نبی بعدی شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی مدارج النبوۃ مین اس حدیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے نقل کرتے ہین۔ لاریب یہ حدیث علی مرتضے کے بڑے عالی مرتبہ سے خبر دیتی ہے۔ مگر جو معاندین علیؑ ہین اور جو تنقیص شان مرتضوی مین کوشان رہتے ہین اُن کا قول ہے کہ اس حدیث سے کوئی خاص عزت شان و ولایت آپ کی ثابت نہین ہوتی۔ کسواسطے کہ جناب رسول خدا نے آپکو اپنے اہل وعیال پر خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ عام اہل مدینہ پر خلیفہ نہین مقرر فرمایا تھا۔ اول تو اہل عناد کا یہ قول خود ہی لغو ہے۔ کسواسطے کہ جناب رسول خدا نے جب ہارونؑ و موسیٰؑ کی مثال بیان فرمائی تو آپ کا جمیع اہل مدینہ پر خلیفہ ہونا ظاہر ہوگیا۔ دوم یہ کہ جب آپ اہل وعیال رسولؐ پر خلیفہ بنائے گئے تو عوام اہل مدینہ کیا شے ہین۔ جن پر آپ کے خلیفہ مانے جانے مین کوئی عذر کیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معاندین کے خیال مین اہل وعیال رسولؐ خدا کے عوام اہل مدینہ سے افضل واشرف نہ تھے۔ تب ہی تو اُن کی طرف سے ایسی لنگڑی عذرداری پیش کیجاتی ہے سبحان اللہ کیا اہل بیت اور عترت رسولؐ اللہ کی قدردانی یہ اسلام کے بدنام کرنیوالے کرتے ہین حقیقت یہ ہے کہ خودغرضی ایک بڑی بلا ہے۔ اللّٰھم احفظنا من ذالک

واضح ہو کہ سید علی ہمدانی اپنی کتاب مودۃ القربےٰ مین بھی لکھتے ہین کہ بروایت حضرت صادقؑ و آبائہ الکرام علیہم السلام جناب رسولؐ خدا نے دس مقامون مین حضرت علیؑ کے حق مین

اس حدیث منزلت یعنی۔ اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی کو فرماتے گئے ہین۔
اس سے حضرت علیؑ کا صرف روانگی تبوک کے وقت اہل وعیال رسولؐ خدا پر خلیفہ ہونا ہی نہین ثابت ہوتا۔ بلکہ عام طور پر آپ کا خلیفۂ رسولؐ اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ حدیث آپ کی خلافت حقہ کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ صاحب اتحاف اہل الاسلام فرماتے ہین کہ اس حدیث کو تمام علماے اسلام نے قبول کیا ہے بجز آمدی کے جو اپنے فساد عقیدت کے سبب دمشق سے نکالدیا گیا تھا جیسا کہ میزان الاعتدال مین ذہبی نے تفصیلاً لکھا ہے نص خلافت امیرالمومنین کے واسطے عمدہ شہادت یہ حدیث منزلت ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے تحفہ مین تحریر کیا ہے کہ اصل این حدیث ہم دلیل اہل سنت است ور اثبات فضیلت جناب امیرؑ و صحت امامت شان در وقت خود۔ زیرا کہ ازین حدیث مستفاد می شود استحقاق آن جناب برائے امامت داستنتے قولہ بقدر الحاجت الیہ۔ شاہ صاحب اس حدیث کے متعلق لکھتے ہین۔ کہ مخالف اس حدیث کے نواصب ہین۔ شاہ صاحب کی اس راے سے اہل تشیع بھی متفق ہین فقط فرق اتنا ہے کہ در وقت خود کی جو قید اس امامت مین اُنھون نے لگائی ہے اُسکے شیعہ قائل نہین ہین بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس حدیث سے خلافت بلافصل جناب امیرؑ کی ثابت ہوتی ہے۔ اسطرح پر کہ حدیث شوری جو متفق علیہ ہے شیخین اور نیز دیگر احادیث صحیحین وغیرہ ہما کی اس امر پر دلالت کرتی ہین کہ خلفاے ثلثہ کے لیے نص نہین تھی بلکہ اکثر علماے محدثین کی بھی یہی راے ہے جیسے کہ علامہ نووی شارح مسلم اور ابن حجر صاحب فتح الباری اور امام مقریزی مولف نہایت العقول وغیرہ وغیرہ۔ پس جبکہ اس حدیث کا بحق علیؑ نص ہونا ثابت ہے تو مقابلہ ایسے شخص کے جسکے لیے کوئی نص نہین ہوتی علی مرتضے افضل اور خلیفہ بلافصل قرار پاتے ہین۔ راقم کہتا ہے کہ شاہ صاحب موصوف نے در وقت خود کی قید کیا خوب لگا دی ہے گویا اتنا جناب رسولؐ خدا کو فرمانا رہ گیا تھا کہ اُسے شاہ صاحب نے پورا کر دیا۔ مگر واہ رے عقل یہ نہ دیکھا جناب رسولؐ خدا نے تو کسی قسم کی قید نہین لگائی تھی۔ ہرگز یہ نہین فرمایا تھا کہ جب حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمان خلیفہ ہولین تب علیؑ مرتضی کی امامت اور فضیلت مانی جائے۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے صرف مذہب اہل سنت کے حق قرار دینے کو اپنی طرف سے ایسی قید لگا دی ہے۔ ورنہ صاف صاف طور پر جناب رسولؐ خدا کا منشا تھا کہ علی کسی قسم کی قید کے بغیر آنحضرت کے بعد خلیفہ اور امام مانے جائین ہرگز ہرگز جناب رسولؐ خدا کا یہ مطلب نہ تھا کہ خلفاے ثلثہ کے بعد علیؑ کو درجہ خلافت اور امامت کا نصیب ہو اُن کے پہلے نہین۔ یہ کس قدر خود غرضی کا خیال ہے۔ جو شاہ صاحب کی تحریر سے عیان ہوتا ہے۔ حضرات خلفاے ثلثہ کی محبت مین شاہ صاحب کو پھر کسی پہلو کا خیال

نہین رہتا۔ تحفہ کا تحفہ اسی خود فتگی کا رنگ رکھتا ہے۔ چنانچہ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ اس حدیث منزلت کی نسبت جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہین کہ اس کے مخالف نواصب ہین اور چند سطر کے بعد خود اُسکی قدح کرتے ہین۔ یہ بھی کوئی حواس کی بات ہے۔ مگر کیا کرین غرض کے آگے حق و باطل کی تمیز نہین رہتی۔ غرض انسان کی بنیائی کو بھی لے لیتی ہے۔ آنکھ بند کرکے ملائے کابلی کی پیروی چہ معنی وارد۔ آخر جناب شاہ صاحب بھی تو حق و باطل کی تمیز رکھتے تھے کچھ تو اپنی عقل سے کام لیتے ملائے کابلی کی ایسی پیروی آپکی شان رفیع سے بعید تھی۔ افسوس ہے کہ جناب شاہ صاحب کا سارا تحفہ نصر اللہ کابلی کا نوٹو معلوم ہوتا ہے یہ ملائے کابلی ایک بڑا بھاری مخالف مولائے کائنات کا تھا۔ ایسے مخالف علیؑ سے جناب شاہ صاحب کو احتیاط لازم تھی۔

موقعہ ۱۲ سنہ ہجری جناب رسولؐ خدا نے منادی فرما دی کہ آنحضرت حج کو تشریف لیجاتے ہین جس شخص کو شریک حج ہونا منظور ہو وہ مدینہ میں آئے اور ہمرکاب جناب رسالتمآب چلے یہ خبر پاکر ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قبائل عرب سے مدینہ مین حاضر ہو گئے (دیکھو مدارج النبوۃ) اور جناب رسولؐ خدا ایک مجمع کثیر کے ساتھ مکہ معظمہ کو تشریف فرما ہوئے (دیکھو طبری جزو ثانی صفحہ ۵۸) جناب امیر علیہ السلام یمن مین تھے آپ بھی اُس دیار سے روانہ ہو کر مکہ مین جناب رسولؐ خدا کے حضور مین پہنچے۔ حضرت رسولؐ خدا نے مناسک حج ادا فرمائے اور ایک خطبہ بھی نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ پڑھا (دیکھو توضیح الدلائل سید شہاب الدین احمد کی اور نیز معرکۃ الآرا شاہ سلامت اللہ صاحب کی) اُس خطبہ مین یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب وفات میری بہت نزدیک ہے اور قریب ہے کہ فرستادہ عزوجل آئے اور مین لبیک کہون۔ پس مین اپنے بعد تم لوگون مین دو گرانقدر چیزین چھوڑتا ہون کہ وہ ایک دوسرے سے بڑی ہین اور وہ آپس سے جدا نہونگی تا وقتیکہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچین۔ اگر تم لوگ اُنکی پیروی کروگے اور اُن کے ساتھ متمسک رہوگے تو ہرگز ہرگز گمراہی مین نہ پڑوگے اور وہ دو گرانقدر چیزین قرآن مجید اور میرے اہل بیتؑ ہین ترمذی جابرؓ سے جو حدیث روایت کرتے ہین وہ یہ ہے۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم فِي حَجَّتِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلٰی نَاقَتِهِ الْقُصْوَاءِ يَخْطُبُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ۔ یعنی جابرؓ روایت کرتے ہین کہ مینے دیکھا رسولؐ اللہ کو حج مین بروز عرفہ درحالیکہ آنحضرتؐ اپنی اونٹنی قصوے پر سوار تھے اور خطبہ فرما رہے تھے پس ہم نے جناب رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے لوگو ہم نے بہ تحقیق تم لوگون مین دو چیزین چھوڑی ہین اگر تم ان کو پکڑوگے تو ہرگز ہرگز گمراہ نہوگے یعنی قرآن اور میرے اہل بیتؑ۔ یہ حدیث سعد ابن ابی وقاص سے بھی مروی ہے اور تحفہ اثنا عشریہ مین بھی جناب شاہ عبد العزیز صاحب اس حدیث کو اس طور پر مندرج فرماتے ہین۔

اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُ ھُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اسی طرح جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا مین اس حدیث کو درج کیا ہے اور یہ حدیث صحیح اور متواتر ہے اور کسیکو اس حدیث کی صحت مین جائے گفتگو نہین ہے۔ بہرحال جب حج سے جناب رسولؐ خدا نے فراغت پائی تو آنحضرتؐ نے مدینہ کو معاودت فرمائی۔ راہ مین جسوقت مقام خم غدیر پر پہنچے کہ ذی الحجہ کی اٹھارہوین تاریخ تھی اور ظہر کا وقت تھا جبرئیل امین یہ خطاب رب العزت سے لائے۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ یعنی اے رسولؐ پہنچا دے اُس پیغام کو جو نازل کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے۔ پس اگر تو یہ نہین کرتا تو گویا ہماری رسالت کی تبلیغ ہی نہین کرتا اور اللہ تعالے تجکو آدمیون کے شر و فساد سے محفوظ رکھیگا۔ اس وحی کے نازل ہوتے ہی آنحضرتؐ وہان پر ٹھہر گئے اور لوگون کو از سر نو مجتمع فرمایا۔

جاننا چاہیے کہ خم غدیر ایک ایسا مقام ہے کہ جہان سے مختلف راہین نکلی ہین۔ جب معاودت کے وقت جناب رسولؐ خدا کے ہمراہیان حج یہان پہنچے تو بہت سے لوگ مختلف راہون سے اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ پس جناب رسولؐ خدا نے اُن لوگون کو بلانے کے واسطے آدمی بھیجے۔ جب گئے ہوئے لوگ واپس آچکے اور نیز جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ بھی جناب رسولؐ خدا سے آملے تب آنحضرت نے نماز پڑہی اور چار کجاوون کا منبر بنایا اور اُس پر چڑھ کر ستر ہزار آدمی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ یعنی کیا تم نہین جانتے کہ مین مومنون سے ذات مومنان کے اعتبار سے بہتر ہون۔ سامعین نے جواب مین عرض کی۔ بلی۔ صاحب مدارج النبوۃ اس قول نبوی کے یہ معنی بتاتے ہین کہ مین مومنون کو کوئی حکم ایسا نہین دیتا ہون جو اُن کی صلاح و نجات و خیریت دنیا و آخرت کے خلاف ہو بخلاف اُن کے نفوس کے کہ اُن سے کبھی شر و فساد کا بھی احتمال ہے۔ مگر مختصر اور صاف صاف اس فرمودہ کے یہ معنی ہین کہ کیا مومنین سے مین بہتر اور برتر نہین ہون۔ اسمین شک کیا ہو سکتا تھا سارے سامعین نے ایک زبان ہو کر عرض کی کہ ہان آپ ایسے ہی ہین۔ خیر۔ بعد ازان آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مین تم لوگون مین دو امر عظیم چھوڑے جاتا ہون کہ ایک اُنمین سے دوسرے سے بزرگ تر ہے۔ اور وہ قرآن اور اہل بیتؑ ہین۔ اُنسے خبردار رہنا اور دیکھنا کہ اُن کے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو اور اُنکے حقوق کس طرح پر ادا کرتے ہو اور یہ دونون امر میرے بعد ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہونگے یہان تک کہ وہ مجھ تک حوض کوثر پر پہنچین۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرا مولے خدا ہے اور مین تمام مومنین کا مولے ہون۔ پھر اسکے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ کُنْتُ

مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہُ وَاَدِرِ الْحَقَّ مَعَہُ حَیْثُ دَارَ یعنی اے خدا میرے جسکا مولیٰ مین ہون۔ پس اُسکا مولےٰ علیؑ ہے۔ اے اللہ میرے تو دوست رکھ اسکو جو دوست رکھے علیؑ کو اور دشمن ہو اس کا جو دشمن ہو علیؑ کا اور تو مددگار ہو اُس کا جو مددگار ہو علیؑ کا اور تو چھوڑ دے اسکو جو چھوڑے علیؑ کو اور پھیر دے حق کو ساتھ علی کے جس طرف وہ پھرے۔ اسکے بعد جناب رسولؐ خدا نے حضرت امیرؑ کو ایک خیمہ مین بیٹھنے کے واسطے حکم دیا تا مومنین آپ کو مولائے مومنین ہونیکی مبارکباد دین چنانچہ ازواج مطہرات نے آپ کے خیمہ مین جاکر آپ کو مبارکبادین دین (تذکرۂ خواص الامۃ سبط ابن جوزی و سیرت محمد ابن اسحاق و معارج النبوۃ روضۃ الصفا و حبیب السیر) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی پُر جوش طریقے سے فرمایا کہ۔ اُمْسَیْتَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ مَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَۃٍ بلکہ حضرت عمرؓ نے یہ بھی ارشاد کیا کہ۔ بَخٍ بَخٍ یَا اَبَا الْحَسَنِ لَقَدْ اَصْبَحْتَ مَوْلَایَ وَمَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَۃٍ یہ سب صحیح مگر بہت جائے افسوس ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اجماع سقیفہ کے وقت اپنی یہ مبارکبادیان مطلق یاد نہ رہین۔ ایسا تو کیا ہوا ہوگا کہ خم غدیر کی مبارکبادیون کو آپ دونون بزرگوار ہو گئے ہون گے۔ مگر حق یہ ہے کہ وہ مبارکبادیان صرف پالسی کی بنا پر زبان تک لائی گئی تھین۔ اُنسے مراد آپ دونون صاحبون کی درحقیقت کچھ بھی نہ تھی۔ اگر کچھ ہوتی تو تھوڑے ہی دن کے بعد مولائیت علیؑ کو نظر انداز کر کے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کی مدد سے مولائے مسلمین نہ بن بیٹھتے۔ علاوہ مبارکباد بالا کے شعرا نے بھی تہنیت کے قصیدے لکھے۔ چنانچہ اُن مین سے مشہور قصیدہ حسان بن ثابت کا ہے۔ ذیل مین اُس قصیدہ کے چند اشعار کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

"روز غدیر مسلمانون کو جناب رسولؐ خدا نے بمقام خم پکار کر جمع کیا وہ ایسی آواز تھی جسے بگوش سُننا چاہیئے۔ جناب رسولؐ خدا نے اُس روز لوگون سے فرمایا کہ تمہارا ولی اور مولےٰ کون ہے۔ سب نے یہ جواب دیا اور اس موقعہ پر اندھاپن نہین ظاہر کیا کہ خدا آپکا اور ہمارا مولےٰ ہے اور آپ ہمارے حکمران ہین اور آپ کے حکم سے آج کوئی سرتابی کرنیوالا نہین ہے۔ جناب رسولؐ خدا نے علی مرتضیٰ کو کھڑا کیا اور کہا کہ بہ تحقیق مینے تم کو اپنے بعد امام اور ہدایت کرنیوالا پسند کیا۔ پس جس کا مین مولا ہون علی بھی اسکا حکمران ہے۔ پس سب لوگ اونکے سچے مددگار مثل غلامون کے رہو۔ یہ کہکر جناب رسولؐ خدا نے دعا کی اور فرمایا کہ خدایا جو علی کا دوست ہو اُسکو تو بھی دوست رکھ اور جسنے علی سے عداوت کی اسکا تو بھی دشمن رہنا" بیچارے حسان کو کیا معلوم تھا کہ معاندین علی مولےٰ کے معنی مین کیا کیا تراش و خراش پیدا کرینگے اور جناب رسول اللہ کی رحلت کے بعد ہی آپ کی ساری کارروائیون کو جو خم غدیر سے تعلق رکھتی تھین آن کے آن مین غت ربود کرو ینگے۔ حسان کے

اشعار سے بھی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت علی کو اپنی تمام امت پر حکمران
بنا دیا تھا اور اپنا ولی عہد قرار دیا تھا ہرگز ایسا نہ تھا کہ بقول حضرت رسول خدا حضرت علی محب و ناصر
و محبوب قرار دئے گئے تھے۔ تعجب ہے کہ ایسے بے محل معنی بنانیوالون کو شرم نہین آتی ہے
لاحول ولا قوۃ۔ شرم جزو ایمان ہے۔ اسقدر کی بیحیائی کس دن کے لئے۔ المختصر خطبۂ خم غدیر کے
بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ
دِيْنًا یعنی آج کے دن کامل کیا مینے دین کو تمہارے اور تمام کی تم پر نعمت اپنی اور راضی ہوا مین
واسطے تمہارے دین اسلام سے۔ امام احمد حنبل جو ائمہ اربعہ اہل سنت سے ہین تحریر فرماتے ہین
کہ بعد نازل ہونے آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے جناب رسول خدا نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى
اِكْمَالِ الدِّيْنِ وَاِتْمَامِ النِّعْمَةِ وَرِضَاءِ الرَّبِّ بِرِسَالَتِيْ وَالْوِلَايَةِ لِعَلِيٍّ مِّنْ بَعْدِيْ۔ واضح ہو کہ
اس قصہ غدیر کو صحابیون کی ایک جماعت کثیر اور تابعین اور محدثین کے ایک جم غفیر نے روایت
کیا ہے۔ ڈہائی سو علمائے شافعی نے بھی حدیث خم غدیر کو حوالۂ قلم کیا ہے۔ منجملہ ان کے علامہ مغربی
نے ایک نہایت خوب قصیدہ تہنیت خم غدیر کا منقبت علی مرتضی مین تصنیف فرمایا ہے جسکا ایک
شعر یہ ہے۔ وَاِذْ فَخَرُوْا بِالتَّاوِيْلِ مَا كَانَ مُشْكِلًا ٭ عَلَىٰ بِعِلْمٍ نَالَهُ بِالْوَصِيَّةِ۔ المختصر یہ حادثہ
خم غدیر کا تاریخ اسلام مین بہت کچھ ممتاز صورت کا نظر آتا ہے اور جو اسکے تمام اجزا پر غور کیجئے تو ایک
بڑے اہم امر سے خبر دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا نے اپنے بعد کا کوئی ضروری انتظام
خود اپنے حین حیات مین انجام کرنا چاہا تھا اور زنہار اتنے بڑے اہتمام سے ایک ایسے معمولی
امر کو مراد نہین رکھا تھا کہ جس سے اسیقدر ظاہر ہو کہ حضرت علی ناصر اور دوستدار مومنین کے ہین جیسا
کہ شیخ ابن حجر وغیرہ کا قول ہے۔ ارباب انصاف ملاحظہ فرمائین کہ اگر جناب رسول خدا کو اسیقدر
بیان کرنا منظور ہوتا کہ علی ناصر اور دوستدار مومنین کے ہین اور ان کے حاکم اور ان کے متصرف
بامور دنیا و دین نہین ہین تو اسکی کیا ضرورت تھی کہ خدا تعالے نے بذریعہ وحی کے جناب رسول خدا
سے اس موکدانہ طور پر خطاب فرماتا کہ اے رسول پہنچادے اس پیغام کو جو نازل کیا گیا ہے۔ تیری
طرف تیرے رب کی جانب سے۔ پس اگر تو یہ نہین کرتا تو گویا میری رسالت کی تبلیغ ہی نہین کرتا۔
اور اللہ تعالے تجکو آدمیون کے شر و فساد سے محفوظ رکھیگا۔ یہان پر یہ جزو آیت۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ
مِنَ النَّاسِ بھی قابل لحاظ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا اہل شہر اور منافقین وغیرہ
سے مطمئن نہ تھے۔ اور انکی طرف سے فساد کا احتمال غالب تھا۔ اس لئے اللہ تعالی نے آنحضرت سے
وعدہ حفاظت فرمایا ہے۔ پھر اس آیت کے نازل ہوتے ہی آنحضرت کیون اسطرح پر ہمراہیان
حج کو جمع فرماتے اور پالان شتر سے منبر بنا کر اسپر چڑہتے اور ان سے یہ سوال فرماتے کہ آیا ہم تم لوگون نے

تمہارے نفسون کے اعتبار سے بہتر نہین ہا پھر اُن سے جواب مین قول بلی پاکر کتاب اللہ اور اپنی عترت سے متمسک ہونیکی تاکید فرماتے ۔ پھر خدا کو اپنا مولےٰ اور اپنے کو تمام مومنین کا مولی بتاکر دست علی کو پکڑتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ اے خدا میرے جسکا مولی مین ہون پس اُس کا مولے علی ہے ۔ اے اللہ میرے تو دوست رکھ اسکو جو دوست رکھے علی کو اور تو دشمن ہو اُس کا جو دشمن ہو علی کا ۔ اور تو مددگار ہو اُس کا جو مددگار ہو علی کا اور تو چھوڑ دے اسکو جو چھوڑ دے علی کو اور تو پھیر حق کو ساتھ علی کے جس طرف وہ پھرے ۔ اگر اتنے اہتمامات سے خدا اور رسول خدا کی مراد اسیقدر تھی کہ علی مجرد ناصر اور دوستدار مومنین سمجھے جائین تو دنیا مین کسی نبی یا کسی بادشاہ یا کسی حاکم یا کسی مدبر نے ایسی فضول کارروائی نہین اختیار کی ہوگی ۔ اسپر طرہ یہ ہے کہ جب کلمات بالا آنحضرت علیؑ مرتضی کے حق مین فرما چکے تب آپنے تہنیت کی ہدایت فرمائی اور امہات مومنین اور حضرات شیخین نے ادائے مبارکباد فرمائی اور بقول امام حنبل علیہ الرحمۃ بعد نازل ہونے آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے خود جناب رسول خدا نے ادائے سپاس الٰہی کے طور پر فرمایا ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِکْمَالِ الدِّیْنِ وَاِتْمَامِ نِعْمَتِہٖ وَرِضَائِہٖ بِرِسَالَتِیْ وَوِلَایَۃِ عَلِیٍّ مِّنْ بَعْدِیْ ظاہر ہے کہ یہ مبارکبادیان اور ادائے سپاس صرف اتنی بات کی بنیاد پر ظہور مین نہین آئی تھین کہ علی صرف ناصر اور دوستدار مومنین کے مانے جائین ۔ دنیا و دین دونون مین حق پسندی انسان کے لئے ایک نہایت مفید امر ہے ۔ انصاف سے درگذرنا سخت بے ایمانی ہے ۔ اناپ شناپ طور پر خدا و رسول خدا کے اقوال کی تاویلات وہی کریگا جو حیا کی صفت سے محروم پیدا ہوا ہے اور فقدان حیا کی وجہ سے خارج از ایمان ہے ۔

واضح ہو کہ مواقع بالا سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے ۔ مگر تبوک کا معاملہ بہت قابل لحاظ ہے لیکن اس سے بھی اہم معاملہ خم غدیر کا ہے جس سے پورے طور پر حضرت علی کی ولیعہدی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے ۔ یون مخالفین علی اور ارباب تعصب معاملہ غدیر کو جس نگاہ سے چاہین دیکھین ۔ مگر اہل انصاف کی آنکھ مین یہ معاملہ ایسا ہی دکھائی دیتا ہے ۔ کہ جس سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل مین کوئی عذر کا پہلو باقی نہین رہتا ۔ تمام امور بالا سے جن کو راقم حضرت علی کے لگاؤ سے داخل کتاب ہذا کرتا گیا ہے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت علی کے برابر کا کوئی شخص امت رسول اللہ بلکہ امم سابقہ مین بھی نہین گذرا جسقدر مناقب آپ کے درج ہوئے ہین اس امر کے ثابت کردینے کے لئے کافی ہین کہ خدا و رسول خدا کے نزدیک علی جمیع مومنین و مسلمین سے افضل ہین ۔ یون تو آپ کے مناقب لاتعد و لاتحصی ہین مگر صرف یہ دونون صفتین آپ کی یعنی شجاعت اور عبادت ایسی ہین کہ اُن صفات کا متصف

اسکے برابر کا کوئی شخص اُمت رسول اللہ مین نظر نہین آتا شجاعت آپکی ایسی ہی تھی کہ آپ کی اس صفت کی بدولت اسلام قایم ہو سکا غزوات و سرایا مین آپکی ثابت قدمی اس درجہ کی دکھلائی دیتی ہے کہ اُس سے زیادہ ثابت قدمی صورت امکان نہین رکھتی - اس صفت شجاعت مین آپکا موازنہ حضرات خلفائے ثلثہ کے ساتھ ایک نہایت بے معنی امر ہے کہ کرار و فرار مین کوئی مناسبت ہی نہین ہوتی - موازنہ چہ معنی دارد - دوسری صفت آپ کی جو عبادت کی ہے وہ ایسی ہے کہ بقول جناب رسول خدا تمام نیکوکاران ماضی و مستقبل و حال کی عبادت آپکی عبادت کو پہنچ نہین سکتی ہے - ایسی صورت مین حضرات خلفائے ثلاثہ یا کسی نیکوکار عالم کا موازنہ آپ کی نیکوکاریون کیساتھ ایک امر فضول متصور رہے - اب مجھے ضرور نہین ہے کہ آپ کی ہر صفت کو عرض کرون اور اوس کا موازنہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی اُس صفت کے ساتھ کرتا جاؤن - یہ دو صفتین آپکی افضلیت کے ثابت کر دینے کے لیے کافی ہین - یہ دونون صفتین ایسی ہین کہ آپکی خلافت بلافصل کے پورے طور پر مثبت ہین - یہ ہو نہین سکتا کہ کوئی شخص حضرت علیؑ سے ان صفتون مین کم ہو اور پھر حضرت علی پر افضل قرار دیا جاوے - اور اس افضلیت کی بنا پر حضرت علیؑ کے ہوتے ہوئے حضرت رسول خدا کا خلیفہ برحق قبول کیا جائے - حضرت علی کے تمام معاملات اور خاصکر ان دونون صفتون کو ملحوظ رکھکر ہرگز کوئی حق پسند آپ کے سوا کسی دوسرے کو آنحضرت کا جانشین نہین مان سکتا - یون متعصب اور حق کش ہونا اور بات ہے ٥

بآب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد　　گلیم بخت کسی را کہ بافتند سیاہ

حضرات ناظرین با تمکین پر روشن ہو کہ راقم نے بالا مین حضرت علیؑ کے معاملات اس لئے درج ہذا کیے ہین کہ اول جناب امام حسین علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کی یہ ضرورت تھی کہ آپ کے خلیفہ بلافصل نہ قرار پانے سے امام ممدوح کی شہادت ظہور مین آئی - یعنی اگر آپ جناب رسول خدا کے بعد ہی رسول اللہ کی مسند خلافت پر جلوہ گر ہو جاتے تو ابوسفیان اور خاندان ابوسفیان اسی نکبت کی حالت مین پڑے رہجاتے کہ جس مین جناب رسول خدا انہین چھوڑ گئے تھے - حق یہ ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت حضرت علیؑ ہی کی حق تلفی کا نتیجہ ہے - اس اتلاف حق سے نہ صرف جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت ظہور مین آئی بلکہ خود حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ و حضرت امام حسنؑ و جمیع بنی ہاشم و جمیع دوستداران بنی ہاشم کو انواع و اقسام کے صدمے پہنچتے گئے دور نہین ہے کہ خاندان پیغمبرؐ کے مخالفین اپنے اعمال کی سزا پائین ٥

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

واقعۂ کربلا چند معاملات غیر مطبوع کا طبعی نتیجہ ہے

جاننا چاہیے کہ واقعۂ کربلا اُن معاملات غیر مطبوع کا طبعی نتیجہ ہے جو اہل بیت کو آخر وقت آنحضرت سے برابر پیش آتے رہے۔ راقم الحروف مختصر طور پر دکھلا چکا ہے کہ حدیث ثقلین کا کیا تقاضا تھا اور کیونکر اس حکم کے بطلان کی وجہ سے بنی ہاشم حکومت سے دور ہوگئے۔ جس سے اُنکی دنیوی ثروت جاتی رہی اور اُنکی دینی سرداری بھی اُن سے رخصت ہوگئی۔ جس سے اُنکی توقیر اور عظمت مین اسقدر زوال آگیا کہ وہ عوام الناس ہی مین داخل ہوگئے۔ بس ایسے اسباب کے فراہم ہونیکے بعد واقعۂ کربلا کا ظہور مین آنا کوئی خلاف توقع امر قیاس نہین کیا جاسکتا۔ یہ بات درجۂ یقین کو پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ اگر جناب رسولؐ خدا کے بعد حضرت علیؑ ہی رسولؐ خدا کے جانشین قرار پاتے تو واقعۂ کربلا کا ظہور مین آنا توقع سے باہر تھا۔ یقیناً علیؑ رسولؐ اللہ کے جانشین ہوکر بنی امیہ کو شاہی مدارج تفویض نہ کرتے۔ ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کی جانشینی سے بنی امیہ اُسی حالت نکبت مین مبتلا رہجاتے جسمین انہین رسولؐ اللہ چھوڑ گئے تھے۔

لاریب علیؑ رسولؐ اللہ کے جانشین ہوکر آپ رسولؐ خدا کی راہ پر پوری پوری چلنے والے تھے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ جانشین ہونے پر علیؑ رسولؐ اللہ کی پالیسی سے سر مو بھی انحراف کرتے۔ اسلام کی پہلی غلطی یہی ہے کہ مسلمانون نے بنی ہاشم سے انحراف کیا۔ اور دوسری غلطی اُن سے یہ سرزد ہوئی کہ انہون نے اس انحراف کے بعد ہی بنی امیہ کو بیحد قوی کردیا۔ ان غلطیون سے صرف بنی ہاشم ہی کا ضرر مترتب نہین ہوا بلکہ خود اسلام بہت معنی کرکے نقصانات سے مامون نہ رہسکا جیسا کہ راقم الحروف کی آئندہ کی تحریرون سے ہویدا ہوگا۔ بنی امیہ کی قوت پانیکا حال ہم کاشف الحقایق کی جلد اول مین عرض کرچکے ہین۔ مگر مختصر طور پر یہان بھی بنی امیہ کے حصول ثروت کا ذکر کردیا جاتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ خلافت کے قایم ہوتے ہی بنی امیہ کے آگے وہ ثروتین دست بستہ ہوکر آکھڑی ہوئین جنکو اس قبیلہ نے کبھی خواب مین بھی نہین دیکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی ابتدائے خلافت سے بنی امیہ مرفہ الحال ہونا شروع ہوئے اور دو برس کے اندر اندر ملک شام اس قبیلہ کے آدمیون سے بھر گیا۔ مکہ اور مدینہ سے جوق جوق بنی امیہ اور اُن کے ہواخواہ شام کو روانہ ہوتے رہے اور دنیوی پہلو سے منتہائے آرزو کو پہنچتے گئے جب خلافت کی طرف سے ملک شام حضرت ابوسفیان کو دیا گیا تو آپ نے پیرانہ سالی کی وجہ سے وہان کی حکومت پر خود جانا پسند نہین فرمایا۔ تب آپ کے صاحبزادے یزید ابن ابی سفیان اس حکومت پر مقرر ہوکر اپنے پدر بزرگوار کی جگہ تشریف لے گئے۔ یہ صاحبزادے چار برس تک یعنی دو برس حضرت ابوبکرؓ کے اور دو برس حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین حاکم شام رہے۔ یزید ابن ابی سفیان بہت قابل آدمی نہ تھے۔ اسلیئے اُنکے بھائی حضرت معاویہ اُن کے عہد مین اُن کے مددگار کے طور پر شام مین رہتے تھے وہ اُنکی وفات کے بعد خلافت کیطرف سے حسب منشا وہ اپنے برادر متوفی کی جگہ پر بحال کئے گئے۔ آپ نہایت قابل شخص تھے

آپکو دینی مذاق تو کچھہ نہ تہا مگر دنیا آرائی کی عجیب و غریب صلاحیت رکہتے تہے۔ آپکے حاکم شام ہوتے ہی شام کا سواد بدل گیا۔ تہوڑے عرصہ مین شام مسلمانون کی سلطنت کا ایک قوی اور ممتاز حصہ ہوگیا۔ ہرچند شام خلافت کا ماتحت سمجھا جاتا تہا مگر حضرت معاویہ کے اختیارات خود مختارانہ تہے۔ اس پر بہی خلافت سے حضرت معاویہ کا برتاؤ کسی طور پر باغیانہ نہوا بلکہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت معاویہ ایک بڑے خلوص کا انداز رکہتے تہے اور کیون یہ انداز نہ رکہتے جبکہ آپ تمامتر ساختہ و پرداختہ حضرت عمرؓ ہی کے تہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا عرصہ دس برس کا معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت آپکی خلافت بارہ برس کی تہی۔ اسلیئے کہ حضرت ابوبکرؓ کی دو برس کی خلافت بہی دراصل آپ ہی کی خلافت تہی۔ اس بارہ برس کے عرصہ مین بنی امیہ مالک مُلک ہوگئے۔ اور جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تب تو خلافت کی خلافت ہی بنی اُمیہ کی ہوگئی۔ اسلیئے کہ خلیفہ ثالث بہی بنی امیہ ہی مین سے تہے۔ اُسوقت ساری دنیا اسلام کی بنی اُمیہ ہی نظر آتی تہی۔ اُسوقت کے بنی اُمیہ کے تزک احتشام خیال سے باہر تہے۔ شام کا ملک بنی امیہ سے بھرا ہوا تہا۔ خلافت مین بہی علی العموم عہدہ ہاے جلیلہ بنی اُمیہ اور اون کے ہوا خواہون ہی کو دیئے جاتے تہے۔ یہ تو بنی اُمیہ کی ثروتون کا عالم تہا۔ اب بنی ہاشم کا حال سنیئے بنی ہاشم سے مراد خاندان پیغمبر ہے اس خاندان کے سردار اسوقت حضرت علیؑ ابن ابی طالب تہے۔ بنی ہاشم مین آپ کے وقت مین کسی طرح کی دنیوی وجاہت باقی نرہی تہی حکومت اُنسے بالکل جا چکی تہی۔ ان کا ایک شخص چپراسی کا عہدہ بہی تمام سلطنت اسلامی مین نرکہتا تہا۔ پبلک توقیر سے بنی ہاشم دور پڑ چکے تہے۔ پرائیوٹ Private مرفہ الحالی بہی اُنکی فدک کے نکلجانے سے باقی نرہی تہی۔ دنیوی ثروت کے جانے کے ساتھ اُنکی دینی ثروت کا اعتراف بہی باقی نہ تہا جیساکہ ہم اوپر دکہلا چکے ہین۔ ظاہرا بنی ہاشم کی کوئی امتیازی حالت باقی نہین رہی تہی۔ اور ظاہرا آئندہ بنی ہاشم کے دن پہرنے کی اُمید بہی نہین کیجا سکتی تہی۔ ہان حضرت عثمانؓ کی رحلت کے بعد کسیطرح علیؑ خلافت پر قایم ہوگئے۔ مگر زمانہ حضرت علیؑ کی خلافت کا جو چار برس سے کچھہ زیادہ کا معلوم ہوتا ہے صرف لڑائیون مین سطے ہوا۔ اول حضرت معاویہ کی اغوا سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت زبیر اور طلحہ کی معیت مین خلیفۂ وقت سے لڑےبن اس لڑائی کا نام جنگ جمل ہے۔ اسکے بعد حضرت معاویہ خلیفۂ وقت سے برابر لڑتے رہے۔ حضرت معاویہ کے یہ سب معاملات فسادی خطاے اجتہادی کہلاتے ہین خطاے اجتہادی کیا چیز ہے۔ آج تک راقم الحروف کی سمجھ مین نہین آئی۔ اور انشاء اللہ کبہی نہ آئیگی۔ اسلیئے کہ حق پسند دماغ مین یہ مسئلہ گذر ہی نہین کرسکتا راقم کی سمجھ مین اسکے آسنے کی بات ہی نہین ہے۔ اسلیئے کہ اس فقیر نے نہ حضرت معاویہ کا سا مزاج پایا ہے اور نہ حضرت کے اقوال و افعال کے ساتھ اس فقیر کو کسی طرح کا شغف لاحق ہے۔ خیر خلیفہ ہوکر حضرت علی حضرت رسول اللہ کیطرح بنی امیہ کو سرنہ کرسکے۔ اب بنی امیہ کا سر کرنا بعید از توقع تہا بہی رسول اللہ کے وقت مین بنی امیہ صرف ایک قبیلہ تہے اور اب قوی ترین سلاطین دنیا سے ہوگئے تہے بہرحال

علیؑ کی یہ مختصر خلافت علیؑ کی شہادت کے ساتھ تمام ہو گئی۔ بنی ہاشم آپ کے وقت مین کچھ بھی پر و بال نہ سنبھال سکے۔ آپ کے بعد جناب امام حسنؑ باپ کی جگہ پر بیٹھے۔ اِدہر آپکا جانشین ہونا تھا۔ اُدہر حضرت معاویہؓ ساٹھ ہزار کا لشکر لیکر کوفہ کی طرف جہان آپ جانشین پدر ہوئے تھے بڑہے۔ جناب امام حسنؑ نے خلع خلافت کیا اور حضرت معاویہ خلیفۂ وقت قرار پائے۔ اس حصول خلافت سے آپ اہل سنت کے سیکے از خلفائے اثنا عشر قایم ہوگئے جیسا کہ آپکی خلافت شرط غلبہ و قہر کے رو سے اہل سنت کے نزدیک برحق سمجھی جاتی ہے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ غلبہ و قہر کی شرط اور شرطون کی طرح اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کو برحق بنانیوالی مانی جاتی ہے۔ بعد خلع خلافت جناب امام حسنؑ حضرت معاویہ سے کچھ بخشش خوار بنکر مدینہ کو چلے آئے اور یہان اپنے بھائی حسینؑ اور دیگر بنی ہاشم کے درمیان خوش باشون کی طرح رہنے لگے۔ ہرچند بنی ہاشم مین اسوقت کوئی پولٹیکل حیثیت باقی نہین رہی تھی۔ مگر حضرت معاویہ کو جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ کیطرف سے اطمینان حاصل نہ تھا۔ بہرحال کسی طور پر زہر سے جناب امام حسنؑ کا کام تمام کر ڈالا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ نے جناب امام حسنؑ کو زہر دلوایا۔ مورخ ابو الفدا لکھتا ہے کہ بعض کہتے ہین کہ معاویہ نے اور بعض کہتے ہین کہ یزید نے ایسا کیا۔ راقم الحروف کے نزدیک حضرت معاویہ نے زہر دلوایا۔ آپ کے صاحبزادے مین اتنا مادۂ تدبیر کہان تھا کہ دمشق مین بیٹھے ہوئے مدینہ مین جناب امام حسنؑ کا کام تمام کر ڈالتا۔ یزید ایک کمزور اور بد تدبیر آدمی تھا۔ علاوہ اِسکے آسکے عیاش طبیعت ہونیکے باعث اسمین کچھ بھی بیدار مغزی نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عیاش مزاج نے کچھ بھی باپ کے ہوش و گوش نہین پائے تھے۔ اگر کچھ بھی اسے ہوش و گوش باپ کے نصیب ہوئے ہوتے تو جناب امام حسینؑ سے بیعت لینے مین اسقدر جبر کو راہ ندیتا۔ یہ جابرانہ کارروائی حضرت معاویہ کبھی اختیار فرماتے حضرت نے جناب امام حسنؑ سے کوئی مطالبہ بیعت کا نہین کیا۔ جناب امام حسنؑ سے ملک لیکر خاموش ہو رہے۔ حضرت کو غرض ملک سے تھی جناب امام حسنؑ کی بیعت سے نہ تھی۔ اگر حضرت معاویہ بیعت کا قصد پہیلاتے تو جناب امام حسنؑ حلیم ہونے پر بھی بیعت پر آپ کی راضی نہ ہوتے اور تب آپ کو جناب امام حسنؑ کے مقابلہ مین وہی شدتین اختیار کرنا پڑتین جنکے ارتکاب کی نوبت آپ کے بدعقل صاحبزادے یزید صاحب کو پہنچی۔ خیر جب جناب امام حسنؑ کی شہادت کی خبر دمشق مین پہنچی تو حضرت معاویہ کے قلب کو حسب قول خود چین نصیب ہوا (دیکھو تاریخ خمیس) مگر ابھی جناب امام حسینؑ زندہ تھے۔ یہ خلش بڑی بیہنڈی لگی ہوئی تھی۔ حضرت خلیفہ اپنے صاحبزادے سے فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا ابھی اپنی سلطنت کو محفوظ نہ سمجھنا۔ ابھی حسینؑ ابن علیؑ زندہ ہین۔ یہ شخص اپنے باپ کی شجاعت رکھتا ہے۔ جب تک یہ شخص زندہ ہے تب تک اسکی طرف سے مطمئن نہ رہنا۔ لاریب یہ فرمانا حضرت کا بڑی دور اندیشی سے خبر دیتا ہے۔ اتنا دماغ صاحبزادے صاحب نے کہان پایا تھا۔ بہرحال صاحبزادے کی خلافت قوی کرنے

کیے گئے۔ پہلے حضرت معاویہ نے استخلاف کی شکل قایم کی اور اوسکے بعد بھی مسلمانون سے صاحبزادے کی بابت بیعت لینے کی کوشش فرمائی گئی چنانچہ ہزارون مسلمانون نے دست یزید پر بیعت بھی کی ملک شام مین بیعت کا حاصل کرنا تو کچھ دشوار بھی نہ تھا بیعت کو اہل مکہ اور مدینہ سے بھی بیعت لیلی گئی مگر ان سے بیعت ہوئی بیعت یزید سے کنارہ ہی گزین تھے۔ جب تو یزید پدر بزرگوار کی سی تحمیل ہوتی تو بنی ہاشم سے بیعت حاصل کرنے مین اسقدر تکدر کو بھی راہ نہ دیتے۔ بنی ہاشم کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتے لیکن اس کد کا نتیجہ آخر کار یہ ہوا کہ جناب امام حسینؑ نے مستعدی کے ساتھ بیعت یزید سے انکار کیا اور اس انکار کی بدولت آپ کو واقعہ کربلا پیش آیا۔ جسکے باعث آجتک یزید صاحب دنیا مین سب سے اہل سنت کے نزدیک بھی برائی کے ساتھ یاد کیے جاتے ہین۔

قبل اسکے کہ ہم حالات کربلا کو حوالہ قلم کرین ہم دکھلانا چاہتے ہین کہ یہ واقعہ کن کن نگاہون سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ہماری تحقیق مین اسلامی نگاہ سے یہ واقعہ صرف دو پہلو رکھتا ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ جناب امام حسینؑ برسر حق تھے۔ اور اسلیے مظلوم و شہید مارے گئے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ (معاذ اللہ) جناب امام حسینؑ باغی تھے اور ان کا مارا جانا خلافت کی طرف سے کوئی ناجائز کام نہین ہوا۔ اسلیے حضرت امام نہ مظلوم تھے اور نہ شہید مارے گئے۔ جو فرقہ اسلام کا جناب امام حسینؑ کو برحق جانکر انکی مظلومیت اور شہادت کا اعتراف رکھتا ہے بلکہ مظلومیت اور شہادت کو جزو ایمان جانتا ہے لازم ہے کہ وہ فرقہ رسول اللہؐ کی جانشینی کو ایک امر منجانب اللہ سمجھے اور جانشین رسولؐ خدا کی عصمت کا قائل ہو۔ اس عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھنے سے لازم آتا ہے کہ (معاذ اللہ) جناب امام حسینؑ باغی خلافت قرار دیے جائین۔ اور انکی مظلومیت اور شہادت ہرگز نہ مانی جائے پس اس رو سے صرف امامیہ ہی جناب امام حسینؑ کی شہادت کے معترف ہونے کا حق رکھتے ہین غیر امامیہ کو کوئی حق نہین ہے کہ جناب امام حسینؑ کو مظلوم و شہید مانین اکثر غیر امامیہ جو ہندوستان مین جناب امام حسینؑ کی مظلومیت اور شہادت کے قائل نظر آتے ہین اور نیز انمین کچھ لوگ جناب امام حسین کی عزاداری کرتے ہین وہ ایک بے اصول کارروائی کی پابندی کرتے ہین۔ ایسے حضرات کے اصول خلافت کے رو سے تو یزید خلیفہ برحق تھا خلیفہ برحق کے خلاف مین خروج کرنے سے جناب امام حسینؑ باغی خلافت ثابت ہوتے ہین اور اسوجہ سے ان کا فعل ان کو شہید نہین بنا سکتا۔ لاریب یہ حق صرف شیعیان خاندان پیغمبرؐ کا ہے کہ جناب امام حسینؑ کو برحق جانشین رسولؐ کا سمجھکر آپ کی شہادت کو مانین اور آپکی مظلومیت پر اشک ریز ہون۔ اہل انصاف خود فرمائین کہ جب عصمت شرط خلافت نہین رہی تو یزید کے خلیفہ برحق ہونے مین کونسی بات باقی رہجاتی ہے۔ کیا یزید کو وہ غیر بنی ہاشم بھی شرطا اجماع کو پوری کر دینے کے قابل تھے؟ اجماع کی شرط تو یزید کے لیے نہایت ہی موافق حال ہے۔ وہ کیا وہ لاکھ غیر بنی ہاشم کے اجماع کے رو سے یزید کو خلافت ہوئی ہے۔

علاوہ اسکے غلبہ وقہر کی شرط بھی یزید کی خلافت کے حسب حال ہے۔ جیسی غلبہ وقہر سے یزید صاحب کے باپ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان نے جناب امام حسنؑ کے مقابلہ مین خلافت حاصل کی تھی۔ وہی غلبہ و قہر کی شرط صاحبزادے صاحب کو بھی حاصل تھی۔ ان دونون شرطون کے علاوہ شرط استخلاف بھی یزید صاحب کی خلافت کے حسب حال معلوم ہوتی ہے۔ حضرت معاویہ نے کھلم کھلا یزید کے حق مین استخلاف کی نسبت ادا فرمائی ہے۔ جیساکہ اوپر عرض کیا جاچکا۔ حضرت نے یزید کو خلیفہ مقرر کرکے تمام بلادِ اسلام مین دستِ یزید پر بیعت حاصل کرنیکی کوشش بلیغ کو راہ دی ہے اور اسمین بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے۔ شورے کی شرط بھی یزید کے حسب حال نظر آتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت توصرف چہ آدمی کے شورے پر چھوڑدی گئی تھی یزید کے لئے توسارا شام اہل شورے بنا بیٹھا تھا۔ الغرض ان شروط مین سے کسی ایک شرط کے بھی موجود رہنے سے بلا شبہہ یزید صاحب خلیفہ برحق ایسے لوگون کے ہین جو عصمت کو شرط خلافت نہین مانتے۔ راقم کے اُستاد جناب مولوی سید محمد گل صاحب جلال آبادی۔ اپنے تقاضاے علم سے یزید کی خلافت حقہ کے قائل تھے۔ اور نہایت ہی بجا قائل تھے۔ اور اس اعتراف سے جناب امام حسینؑ کی شہادت کو شہادت نہین جانتے تھے۔ اسی طرح اور بھی کچھ علما صوبۂ بہار مین لبعلم راقم ایسا ہی عقیدہ رکھتے تھے اور ممکن ہے کہ اب بھی رکھتے ہون۔ مگر کابلستان مین ہزارون ایسے اہل تسنن ہین کہ اس عقیدہ کے پورے طور پر پابند ہین۔ راقم کی دانست مین ایسے حضرات ہرگز قابل اعتراض نہین ہین۔ اسلیئے کہ جب عصمت شرط خلافت نہین مانی جاتی اور شروط خلافت یزید مین ہرطرح موجود ہین تو یزید بیچارا کیون خلیفہ برحق نہ مانا جائیگا۔ یہ ظلم ہی ظلم ہے کہ شروط خلافت حاصل رہنے پر بھی یزید خلیفہ برحق نہ مانا جائے۔ مین بھی جب عصمت کو شرط خلافت نہین مانتا تھا تو یزید کو خلیفہ برحق مانتا تھا اور بلا شبہہ نہایت بجا کرتا تھا اور ہر عالم جو عصمت کو شرط خلافت نہین مانتا ہے۔ نہایت پابندی اصول کے ساتھ یزید کو خلیفہ برحق مانتا ہے۔ راقم کی دانست مین ایسے عقیدے کے اشخاص جو یزید کو خلیفہ برحق جانتے ہین۔ بہت ہی قابل قدر ہین۔ اسلیئے کہ اپنے اصول کی پابندی کے ساتھ وہ حضرات ایسا کرتے ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بھی یزید کو خلیفہ برحق جانتے تھے۔ اگر ایسا نہ جانتے تو آپ نہ خود یزید کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور نہ لوگون سے یزید کی بیعت کراتے۔ اتنے بڑے خلیفہ کے بیٹے اور خود بھی مرد دانا اور فہیم ہوکر ایک فعل لغو کے مرتکب نہین ہوسکتے تھے۔ یقیناً آپ حضرت یزید کی خلافت کو ایک باقاعدہ خلافت سمجھتے تھے۔ اور کیون نہ باقاعدہ سمجھتے جب یزید کی خلافت حقہ ہونے مین شروط خلافت کے رو سے کوئی عذر نہین کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بالیقین عصمت کو شرط خلافت نہین سمجھتے تھے۔ اگر ایسا سمجھتے تو خلافت خلفاے ثلثہ اور خلافت حضرت معاویہ کو کہ اصولاً مقبولۂ جمیع اہل سنت ہے ضرور ناجائز اور لغو خیال فرماتے۔ البتہ جناب حسین ابن علی عصمت کو شرط خلافت جانتے تھے۔ اس لیئے یزید کو خلیفہ

برحق نہ مانکر یزید سے آپ نے مخالفت فرمائی اور اپنی شہادت سے منہ نہین موڑا۔

بعیت یزید و واقعۂ کربلا

واضح ہو کہ حضرت معاویہ نے جب رحلت فرمائی تو ملک شام وحجاز وغیرہ مین کوئی شخص اتنی قوت نہین رکہتا تہا کہ بنی اُمیہ کی حکومت مین کسی طرح بہی خلل انداز ہو سکے یا یزید کو جانشین ہونے سے باز رکہ سکے۔ حضرت معاویہ یزید کی جانشینی کا پورا بندوبست اپنے حین حیات کر چکے تھے۔ پس یزید صاحب بلا خرخشہ مسند آرائے خلافت ہوگئے۔ اُسوقت دمشق جو ملک شام مین واقع ہے اسلامی دنیا کا دارالسلطنت ہو چکا تہا۔ خلفائے راشدین کے بعد اس شہر کو حضرت معاویہ نے دارالسلطنت قرار دیا تہا۔ اور تمام خلفائے بنی اُمیہ کا یہی شہر دارالسلطنت رہا۔ اسکے بعد جسطرح سے مدینہ سے دارالامارت منتقل ہو کر اس شہر کو اُٹھ آیا تہا۔ بعد بنی اُمیہ کے بنی عباس کے زمانہ مین دارالامارت اس شہر سے منتقل ہو کر بغداد کو چلا گیا۔ بعد بنی عباس کی سلطنت کے عرب کی سلطنت ہی معدوم ہوگئی اور بغداد بہی مدینہ اور دمشق کیطرح پولیٹیکل حیثیت سے ایک معمولی شہر ہوگیا۔ بہرحال خلیفہ وقت ہو کر یزید نے عامہ مسلمانان سے بعیت لینا شروع کی۔ دمشق اور شام کے دیگر شہرون مین یزید کو حصول بعیت کرنا تو کوئی دشوار امر نہ تہا ہزارون اشخاص مدینہ نے بہی یزید کے ہاتھ پر بعیت کر لی۔ مگر یزید کو سردار بنی ہاشم یعنی جناب امام حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے جو بے اطمینانی تہی اس لئے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو حکم بہیجا کہ جناب امام حسینؑ سے بعیت لے۔ اُسکے بعد شدید احکام ولید کے پاس آتے گئے کہ اگر حسینؑ بعیت کرنا قبول نکرین تو اُن کا سر کاٹکر دارالامارت دمشق مین بہیجدے۔ ولید اس سخت کارروائی سے اغماض کرتا رہا۔ مگر مروان صاحب ولید کو تعمیل حکم خلیفہ کے لئے برابر صلاح دیتے رہے یہ حضرت مروان وہی بزرگ ہین جنکی نسبت رسول اللہ کا یہ حکم تہا کہ بلاد اسلام مین آپ کہین بہی رہنے نہ پاوین مگر آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کے داماد اور بنی اُمیہ سے بہی تہے۔ جب حضرت عثمانؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو یہ حضرت بہی مدینہ مین طلب کر لئے گئے۔ (دیکھو کتاب طبری عبارت یہ ہے وَقَدْ کَانَ نَفَی النَّبِیُّ مَرْوَانَ اَبْنَ الْحَکَمِ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ فَاَدْنَاہُ عُثْمَانُ وَاتَّخَذَہٗ کَاتِبًا لَہٗ۔

آپ ہی کے مدینہ تشریف لانیکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ ورود آمدن مروان در مدینہ خالی از مفسدہ نیست مروان صاحب کے طلب کئے جانیکی یہ وجہ تبلائی جاتی ہے کہ چونکہ آپ حضرت خلیفہ ثالث کے رشتہ دار قریب تہے آپ کی طلبی سے غرض اس حکم خداوندی کی تعمیل کی تہی جسکی آیہ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی مین تاکید ہے۔ فطرت سے مروان صاحب ذہین فطین اور اپنے قبیلہ بنی اُمیہ کا پورا نمونہ تہے آپ مدینہ مین آکر حضرت

عثمانؓ کے خاص مشیر اور صلاح کار ہو گئے۔ مگر حضرت خلیفہ کو ایسی ایسی صلاحین دیتے رہے کہ بالآخر حضرت خلیفہ کی جان پر آبنی ۔ اِذَا کَانَ الْغُرَابُ دَلِیْلَ قَوْمٍ سَیَهْدِیْهِمْ طَرِیْقَ الْهَالِکِیْنَ ترجمہ جب کوا کسی قوم کا رہبر ہوگا تو عنقریب ان کو ہلاک ہوجانیوالونکی راہ تک پہنچا دیگا۔ بہرحال خلافت یزید کے زمانہ مین حضرت مروان صاحب مدینہ مین تشریف رکھتے تھے۔ جب خلیفہ وقت یعنی یزید صاحب کے احکام جناب امام حسینؑ کی نسبت پہنچ گئے تو آپ برابر اسکے کوشان رہے کہ خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل کی جائے مگر ولید نے جناب امام حسینؑ کا سر کاٹنا پسند نہین کیا اور حسینؑ سر سلامت لیکر مکہ معظمہ کو چلے گئے حضرت امام کا مکہ چلا جانا۔ آپ کے واسطے برا نہ ہوا۔ سردست تو مروان صاحب کی شرارتون سے آپ کو نجات کی صورت ملگئی۔ آپ جمعہ کی رات چوتھی شعبان سنہ ہجری مین مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے سب اہل و عیال خدم و موالی کو ساتھ لے لیا تھا۔ سب کو لیکر آپ مکہ جا پہنچے۔ اہل مکہ کے بہت کچھ ہمدردی دکھلائی۔ حاکم مکہ سعید بن عاص اہل مکہ کا یہ رنگ دیکھکر مکہ سے مدینہ کو بھاگ نکلا۔ مدینہ پہنچکر اسنے ایک عرضی اطلاعی اس مضمون کی کہ جناب امام حسینؑ مکہ کو چلے گئے ہین اور اہل مکہ ان کے ساتھ ہمدردی دکھلا رہے ہین حضور مین خلیفہ وقت کے دمشق کو بھیجی۔ خلیفہ وقت کو جب حقیقت حال سے اطلاع ہوئی تو آپ نے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو اس جرم پر کہ اسنے جناب امام حسینؑ کی گرفتاری مین تساہل کیا حکومت مدینہ سے معزول کرکے اسکی جگہ پر ابن الاشدق کو بحال کیا۔ ہرچند ابتدا مین اہل مکہ نے جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ ہمدردی دکھلائی تھی۔ مگر خلیفہ وقت کی حکومت سے مکہ باہر نہ تھا۔ یہان بھی خلیفہ کیطرف سے بیعت لینے کا حکم آہی گیا۔ انکار بیعت کی حالت مین آپ کے قتل کا حکم صادر پایا تھا۔ اب مکہ مین آپ کے مخالفین نے چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور ہر طرح کے حملے پر آمادہ ہوگئے قریب تھا کہ مکہ مین دشت کربلا کا سمان بندھ جائے۔ ایسی صورت مین آپ نے مناسک حج کے ادا کرنے کا موقع نہ دیکھکر حج کو عمرہ سے بدلا اور نہایت مجبوری کی حالت مین مکہ سے کنارہ ہونیکے واسطے مستعد ہوگئے۔ اس عرصہ مین بہت سے خط کوفیون کے آچکے تھے۔ پس مصلحت وقت دیکھکر آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ مصمم کرلیا۔ مگر عندالشوریٰ یہ بات قرار پائی کہ پہلے آپ کے چچازاد بھائی مسلمؑ بن عقیل کوفہ جاکر وہان کی حالت سے خبر دین تب آپ کوفہ کا قصد فرمائین۔ حضرت مسلمؑ بڑی دشواریون کے ساتھ اپنے دو کم عمر بیٹون کو ساتھ لئے ہوئے کوفہ پہنچے۔ اہل کوفہ حضرت مسلمؑ کے ساتھ نہایت مدارات سے پیش آئے اور چالیس ہزار سے زیادہ آدمیون نے حضرت مسلمؑ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ یہ حالت دیکھکر حضرت مسلمؑ نے نہایت اطمینان کا خط کوفہ سے جناب امام حسین علیہ السلام کو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھ بھیجا کہ آپ مکہ سے کوفہ کو تشریف لے آئین۔ کوفیون کے ڈیڑھ سو سے زیادہ خط طلبی کے آہی چکے تھے اور آئندہ مکہ مین اطمینان کے ساتھ قیام رکھنے کی کوئی صورت بھی معلوم

نہوئی تہی حضرت مسلمؑ کا ایسا خط پاکر آپنے سفر کے سامان درست کیے۔ اور عزیزان واقربا کو ہمراہ لیکر نوین تاریخ ذی الحجہ سنہ ۶۰ ہجری کو منگل کے دن کوفہ کو روانہ ہوگئے۔ تمام آپ کے اہل و عیال عزیز و رفیق جو اس سفر مین شریک حال تہے وہ تہوڑے آدمی تہے۔ اور اگر کچہ زیادہ تہے وہ برابر ساتھ چہوڑتے گئے یہان تک کہ کربلا مین پہنچکر بالکل تہوڑے رہگئے پہر روز شہادت تو ۲۔ ہی رہگئے تہے اور اگر زیادہ تہے تو بیاسی تن سے زیادہ نہ تہے۔ جب منزل بمنزل آپ موضع رملہ مین پہنچے تب آپنے اپنے برادر رضاعی کو اُس مقام سے اپنا نامہ دیگر اہل کوفہ کے پاس بہیجا۔ مگر آپ کے قصد کوفہ کی خبر ابن زیاد کو ہوچکی تہی اسلیے راہون کا انتظام اُسنے پہلے سے کر رکہا تہا یہ رضاعی بہائی آپ کے گرفتار ہوگئے۔ اور ابن زیاد نے انہین شہید کر ڈالا۔

واضح ہو کہ جناب امام حسینؑ کو خط لکہنے کے بعد حضرت مسلمؑ پر آفتین نازل ہونا شروع ہوگئین عجب عجب ظلم ابن زیاد نے حضرت مسلمؑ اور اُن کے دونون بیٹون پر کیے۔ اور ایک طرح کچہ بہی ظلم نہین کیا اسلیے کہ خلیفۂ وقت کے حکم کی تعمیل کی۔ بہر حال شیعون کے خیال کے مطابق بڑی مصیبتون کے ساتھ حضرت مسلم شہید کیے گئے اور ان کے دونون بیٹون کو بہی ایک کوفی کے ہاتھ سے شہادت کا درجہ ملا۔ ہر چند کوفیون نے ابتدا مین حضرت مسلمؑ کی خاطرداریان کی تہین مگر جب مردمان خلافت کی طرف سے تشدد شروع ہوا تو حضرت مسلمؑ کا ساتھ نہ دے سکے ایسا ہی ہوتا ہے یہ امر کسی طرح خلاف فطرت وقوع مین نہین آیا سلطنت کا زور بہت ہوتا ہے عوام الناس سلطنت کا مقابلہ نہین کرسکتے المختصر پہر حضرت مسلمؑ کو اس کا موقع نہین ملا کہ جناب امام حسینؑ کو اہل کوفہ اور حاکمان یزید کے معاملات سے خبر دے سکین۔ چنانچہ جناب امام حسینؑ منزل بمنزل کوفہ کے قریب آہی گئے۔ جب منزل ثعلبیہ مین پہنچے بکر اسدی نے جو کوفہ سے آرہا تہا ساری حقیقت ابن زیاد کے تشدد اور حضرت مسلمؑ کی اور اُن کے بیٹون کی شہادت کی امام حسینؑ سے بیان کی۔ یہ واقعہ حضرت مسلمؑ کی شہادت کا اُسی روز کا ہے کہ جس روز مکہ سے آپنے کوفہ کے طرف کوچ فرمایا تہا۔ جناب امام حسینؑ اس خبر وحشت اثر کو پاکر سخت متردد ہوئے۔ ساتہیون نے صلاح دی کہ اب آپ وطن کو معاودت فرماوین۔

اوّل تو یہ کہ وطن مین کیا دہرا تہا۔ وطن بہی تو یزید ہی کا ملک تہا۔ دوم یہ کہ عزیزان مسلمؑ نے کہا کہ اب ہم لوگ جی کر کیا کرین گے۔ جب تک کہ ہم لوگ حضرت مسلمؑ کا بدلا اہل شام سے نہ لے لینگے ہرگز آسودہ نہون گے ان دونون امرون کو ملحوظ رکہکر حضرت امامؑ نے۔ پہر کوفہ ہی کی راہ اختیار فرمائی۔ راستے مین حر ابن ریاحی جو ابن زیاد کیطرف سے جناب امام حسین کو روکنے اور گرفتار کرنیکے واسطے مامور ہوئے تہے آپکو آگے بڑہنے سے مزاحم ہوئے۔ حر آپکی گرفتاری ہرگز پسند نہین کرتے تہے۔ مگر ابن زیاد کے حکم سے مجبور تہے۔ ناچار حضرت امامؑ کو کوفہ کیطرف لیچلے۔ حر نے حضرت سے کہہ رکہا تہا کہ جب رات

بسر کرینگے واسطے اعدا کا لشکر کسی منزل مین قیام کرے تو آپ کسی طرف کو چلے جائے گا۔ جب
رات ہوئی آپ نے ایسا ہی کیا۔ مگر ناچار صبح کو اُس دشت مین جو دشت کربلا تھا آپ کو قیام کرنا پڑا
حضرت نے وہان اپنے خیمے نصب کئے اور حفاظت کی نظر سے خیمون کے گرد ایک خندق کھود دی
اتنے مین ابن زیاد کا لشکر بھی آپہنچا۔ اور مخیم اہل بیت سے کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہوا۔ پہلے آپ سے
اور ابن زیاد سے مصالحے کی باتین شروع ہوئین۔ مگر یزید کی بیعت کے بغیر جب مصالحے کی کوئی صورت
نظر نہ آئی تب آپ مرکٹا نیکے واسطے مستعد ہو گئے۔ جب لڑائی شروع ہوگئی تو خود آپ اور آپ کے
عزیزان واحباب جناب امام زین العابدینؑ کے سوا یکے بعد دیگرے بے آب و دانہ سب کے سب
شہید ہوتے گئے۔ آپ نے طرح طرح کی ایذائین گوارا کین مگر کسی صورت سے یزید کی بیعت پر راضی
نہین ہوئے۔ آپ کے سامنے آپ کے بھائی عباسؑ علمدار۔ حضرت قاسمؑ آپ کے بھتیجے حضرت
علیؑ اکبر آپ کے صاحبزادے۔ حضرت عونؑ و محمدؑ آپ کے دو بھانجے۔ حضرت علیؑ اصغر آپ کے
شیر خوار بیٹے۔ سب کے سب شہید کئے گئے۔ حُرؒ بھی جو تائب ہو کر حضرت امامؑ کے معاون ہو گئے تھے
راہِ خدا مین شہید ہو گئے۔ صرف جناب امام زین العابدینؑ جو اسوقت علیل و نزار تھے زندہ رہکر اہل
حرم کے ساتھ بحالت اسیری دمشق کو خلیفۂ وقت کے پاس روانہ کئے گئے۔ یہ واقعہ جناب امام حسینؑ
کی بڑی بڑی خوبیون سے خبر دیتا ہے۔ اس واقعہ سے پورے طور پر ہویدا ہوتا ہے۔ کہ آپ دنیا
طلبی سے کوئی علاقہ نہین رکھتے تھے۔ آپ کے صبر و استقلال و رضا کی نظیر دنیا مین ڈھونڈھنے
سے نہین ملسکتی۔ لاریب آپ مین وہ ساری صفتین موجود تھین جو امام معصوم اور جانشین رسولؐ
اللہ کیلئے درکار ہین۔ یون دشمنان آل محمدؐ آپ کی نسبت جو چاہین کہین۔ مگر انصاف یہی ہے کہ
آپکی صفات حمیدہ دکھے دیتے ہین کہ آپ ایک سچے جانشین حضرت رسالت مآب کے تھے۔ چنانچہ
ہم یہان پر حُرؒ کے ساتھ آپ کے ایک ایسے معاملہ کی طرف رجوع کرتے ہین کہ جس سے آپکی
حیرت خیز بے نفسی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ حال یہ ہے کہ جسوقت حُر نے آپکو کوفہ کی طرف آتے
ہوئے راہ مین روکا اُسوقت وہ اور اُسکے ہمراہی تشنہ ہو رہے تھے۔ حُر آپ سے پانی کے
طالب ہوئے۔ پانی بہت سا ساتھ تھا اُنکی درخواست کے مطابق آپ نے اُنھین اور اُن کے
ہمراہیون کو پانی سے سیراب کر دیا۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ حُرؒ کے گھوڑے بھی تشنہ ہین اُن
کو بھی سیراب کر دینا چاہیئے۔ ہوا خواہان امام نے یہ عرض کی کہ آیندہ پانی نہین ملیگا پانی کا اُس
وقت خیال ضرور چاہیئے۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ آدمی پانی پئین اور حیوان تشنہ رہجائین یہ ہرگز
مناسب نہین ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ نے لشکر دشمن اور حیوانات دشمن سب کو نہایت کشادہ
پیشانی کے ساتھ پانی عطا فرمایا اور اپنی آیندہ کی ضرورتون کو مطلق ملحوظ نہ کہا۔ اللہ اللہ کیا جائے

حسرت ہے کہ اُنہی رحیم وفیاض حسینؑ اور اون کے عزیزان واحباب پر تہوڑے ہی عرصہ کے
بعد اعدا کی طرف سے پانی بند کیا گیا - کیون نہو آپ تو امامؑ معصوم تہے - سوائے معصوم کے اور
کسی سے کب ایسی کارروائی عمل مین آسکتی ہے - سچ یہ ہے کہ آپکو ایسا ہی کرنا زیبا تہا اور آپ
کے اعدا کو اسکے برعکس عامل ہونا ضرور تہا ایسا ہی معاملہ جناب امام حسینؑ کے والد ماجد جناب
علیؑ مرتضی کو پیش آچکا تہا - اور وہ واقعہ عجیبہ یہ ہے کہ جب معاویہ سے جناب امیر المومنین
علیؑ کو لڑائی کا سابقہ پڑا تو حضرت علیؑ کا لشکر ایک ایسے بے موقع جگہ مین پڑ گیا کہ جہان پانی میسر
نہین ہوسکتا تہا - دریائے فرات اُسوقت چونکہ معاویہ کے قبضہ مین تہا - جناب امیر المومنین نے معاویہ
سے پانی لینکی اجازت چاہی - معاویہ جو اپنے مخالف کے ساتھ کرم کرنا جانتے ہی نہ تہے امیرؑ
المومنین کی اس استدعا کو قبول نکرسکے - اسکے بعد جناب امیرؑ المومنین نے معاویہ کو بزور شمشیر مجبور
کرکے فرات کو اپنے قبضہ مین کرلیا - تب معاویہ نے جناب امیرؑ المومنین سے مجبوری کی حالت مین
پانی کی درخواست کی - جناب امیر المومنین نے فوراً اجازت دی اور یہ فرمایا کہ دریا ایسی چیز ہے کہ جس کو
وحوش وطیور ومور ومردم سب کے سب اپنی حاجتون کے رفع کرنے کا حق رکہتے ہین - اس سے کسیکو
ممانعت نہین کیجا سکتی - اہل انصاف حضرت علیؑ کی اس کارروائی سے بخوبی تجویز کرسکتے ہین کہ آپ
کسقدر دنیا سے دور تہے ہرگز دنیا طلبی کے تقاضہ سے معاویہ کے مخالف نہین بنے تہے - لاریب
ایسی کارروائی کا عامل غیر معصوم نہین ہوسکتا ہے ایسے معاملات جو علیؑ اور حسینؑ ابن علیؑ کو پیش آئے
گئے ہین دنیا مین اُنکی نظیر کہین نہین ملسکتی - اور یہ ایسے معاملات ہین جو ائمہؑ خاندان پیغمبرؐ کی معصومیت
کو بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ ثابت کئے دیتے ہین اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ تماشا ہے کہ علیؑ
اور حسینؑ ابن علیؑ جن کارروائیون کے عامل ہوئے اُن کے برعکس کارروائیان معاویہ اور اون کے
صاحبزادے کی طرف سے ظہور مین آئی گئین - یہ کارروائیان امام وخلیفہ معصوم وغیر معصوم کا فرق نہایت
وضاحت کے ساتھ دکھلاتی ہین - غرض اگر حسینؑ نے لشکر اعدا کو پانی پلایا تو کوئی تعجب کی بات نہین
ہے - آپ اپنے پدر بزرگوار کے نمونہ تہے - آپ اگر ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے واقعی اہل بیتؑ نبوی سے
کسی بنی امیہ یا کسی غیر اہل بیت کو کیا برابری ہوسکتی ہے - دونون مین سفید وسیاہ کا فرق ہے - قدم
قدم پر اہل بیت نبوی سے ایسے ایسے نیک کام ظہور مین آتے رہتے ہین کہ جن پر تہوڑا سا تامل کرنے
سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اہل بیتؑ اور ہین اور غیر اہل بیتؑ اور - معصوم اور غیر معصوم کا فرق نور آروشن
ہوجاتا ہے - اس فرق کو دریافت کرنے کیلئے صرف تہوڑی سی قلب کی صفائی درکار ہے - البتہ ایسے
لوگون پر یہ امر منکشف نہین ہوسکتا ہے - جنکے دل عداوت اہل بیتؑ سے سیاہ ہو رہے ہین - اسوقت
ہزارون ناکس ایسے ہین جنکی آنکہین حضرات اہل بیتؑ کے محاسن کو ادراک نہین کرسکتین - یہ اپنا اپنا

نصیب ہے۔ خدایا کیا تیری قدرت ہے۔ اُنھی گروہ اشقیا سے حُرؑ بھی تھے۔ ایسے سعید ازلی کو امام معصوم و مظلوم جو برسرِ حق نظر پڑے تو اُنھون نے تمام دنیا کی ثروتون پر لعنت کر کے راہِ حق اختیار کی۔ مگر غفلت کا پردہ ابن زیاد و ابن سعد و شمر و خولی و حرملہ وغیرہ وغیرہ کی آنکھون پر پڑا رہا اور یہ گروہ کے گروہ اندھون کی طرح قعرِ جہنم مین جا گرے۔ سچ یہ ہے کہ بشر دوستدار اہل بیتؑ تب ہی بنتا ہے کہ جب خداتعالےٰ اُسے دوستداری اہل بیتؑ کی توفیق بخشتا ہے۔ خود راقم اپنے اُس زمانے کو یاد کرتا ہے کہ جب تقاضائے تعلیم سے جناب امام حسینؑ کو باغی خلافت جانتا تھا۔ اور جب سے تائید خداوندی شامل حال ہوئی اُس امام عالیمقام کو اور اوسکے پدر بزرگوار اور اُسکے برادر نامدار کو اور اُسکے فرزندان حق آگاہ اور امامت پناہ کو معصومان ازلی اور برحق جانشینان جناب رسالتمآب سمجھتا ہے۔ این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ کیا راقم الحروف کا معاملہ حرؑ کے معاملہ کا رنگ نہین رکھتا ہے؟ راقم کے لئے تو اور بھی یہ زیادہ شامت کا معاملہ تھا کہ بنی ہاشم اور سید حسینی الحسنی ہو کر خاندان پیغمبرؐ سے گریز رکھتا تھا۔ لعنت خدا کی اس تعلیم پر جسنے ہم پر حقوق اہل بیتؑ کو ظاہر نہونے دیا تھا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ خدائے رحیم و کریم نے ہمین تحقیق حق کی توفیق عطا فرمائی جسکی بدولت ہم بنی امیہ اور معاونان بنی اُمیہ اور دیگر دشمنان خاندان پیغمبرؐ کے ساتھ محشور ہونے سے محفوظ و مامون رہے۔ خیر۔ واقعہ کربلا ایک عجب حیرت خیز واقعہ ہے۔ لاریب اسلام کو اس واقعہ کی بڑی ضرورت تھی اس واقعہ نے اسلام کو سچا ثابت کر دیا۔ اس واقعہ نے دکھلا دیا کہ قرآن مین جو صبر و رضا کی تعلیم ہے اسکا عملی طور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن مین جو دنیا طلبی کی مذمت ہے تو دنیا طلبی سے کیون کر دور رہنا چاہیے۔ قرآن شریف کی ساری خوبیان اس واقعہ عظیمہ سے بدیہی طور پر ظاہر ہو گئین اس واقعہ نے بتلا دیا کہ دین داری کسکو کہتے ہین اور دینداری اور دنیا داری مین کیا فرق ہے اِس واقعہ سے ہویدا ہو گیا کہ دینداری ایسی شجاعت ہے کہ دنیا دار کو نصیب نہین ہو سکتی۔ اس واقعہ سے روشن ہو گیا کہ راہ خدا مین تلوار کا کھینچنا اور ہے اور آرزوئے مُلک کے لیے صف آرائی دوسری شے ہے۔ اسی طرح یہ بھی آشکارا ہو گیا کہ دیندار کس طرح پر خدا کی راہ مین ثابت قدم رہ سکتا ہے کس طرح پر مرضی مولیٰ کو اولیٰ سمجھتا ہے اور کس طرح پر حیات دنیا کو بے حقیقت جانتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جناب امام علیہ السلام نے عملی طور پر قرآن کی خوبیون کا اعتراف اہل فہم سے کرا دیا۔ اگر کوئی شقی اس کا معترف نہو تو اس کی تقدیر۔

توجیہ شہادت حسنین علیہما السلام

اہل علم سے بعض نے لکھا ہے کہ حسنین علیہما السلام کی شہادت کا یہ سر ہے کہ پیغمبر خداؐ کو خدائے تعالیٰ نے ہر طرح کا شرف بخشا الا آنحضرتؐ شرف شہادت سے محروم رہتے تھے اس محرومی کی یہ توجیہ

کی جاتی ہے کہ اگر آنحضرت شہید کیئے جاتے تو اسمین آنحضرت کی توہین متصور تھی اسلیئے یہ شہادت صاحبزادون کیلیئے۔ اٹھا رکھی گئی۔ راقم کے دانست مین یہ عجب طرح کا ایک کمزور خیال معلوم ہوتا ہے اوّل تو شہادت سے کسی نبیؐ کی توہین کیون کر امکان رکھتی ہے۔ دوم یہ کہ اگر شہادت کو کسی طرح کا لگاؤ توہین کے ساتھ ہو بھی تو کیا معنی کہ جو امر موجب توہین کا نبیؐ کے لیئے ہو وہی امر اُسکے نواسون کیلیئے توہین کی شکل نہ رکھتا ہو۔ اگر شہادت کوئی توہین کی بات تھی تو جیسے رسولؐ اللہ کیلیئے موجب توہین تھی ویسی ہی یہ آپ کے نواسون کے لیئے بھی باعث توہین ہوئی۔ راقم کی دانست مین شہادت امام حسنینؑ علیہما السلام کی یہ کوئی مطبوع توجیہ نہین معلوم ہوتی بلکہ حقیقت اسکی یہ معلوم ہوتی ہے کہ دونون صاحبزادون کی شہادت سے منظور الٰہی یہ تھا کہ قرآن مجید تمامتر قرین حق ثابت ہو جائے۔ چنانچہ اس شہادت سے آنحضرت کا دعویٰ نبوت حق ثابت ہو گیا۔ جناب امام حسنؑ علیہ السلام نے قرآنی صبر جمیل کا تماشا عالم کو دکھلایا اور جناب امام حسین علیہ السلام نے تعلیمات قرآنی کو اپنے حسنِ عمل سے پورے طور پر جلوہ بخشا۔ اللّٰھم صلِّ علیٰ محمّدٍ وّ اٰلِ محمّدٍ۔

معصومیت وغیر معصومیت امام حسین علیہ السلام

واضح ہو کہ قصہ واقعہ کربلا کا ایسا ہی ہے جیسا کہ اوپر گزارش ہوا۔ اب اہل نظر اس واقعہ کو جس نظر سے چاہین دیکھین۔ امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہو سکتے ہین جو آپ کو معصوم اور رسولؐ اللہ کا جانشین برحق جانتے ہین۔ مگر جو حضرات آپکو معصوم اور برحق جانشین پیغمبر خدا کا نہین سمجھتے وہ آپکی شہادت کے قائل ہی نہین ہو سکتے۔ اور ایسی صورت مین آپکو مظلوم بھی نہین مان سکتے۔ پس جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہمدردی کے لیئے اور آپ کی شہادت سے اعتراف رکھنے کے لیئے ضرور ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپکی خلافت حقہ کا عقیدہ رکھے۔ ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہین مانی گئی تو یزید کے خلیفۂ برحق ہونے مین کیا انکار ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت مین جناب امام حسینؑ باغی خلافت کے سوا اور کیا قرار پا سکتے ہین۔ پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور باغی کی ہلاکت شہادت کیسی؟ ہمین نہایت تعجب ہے ایسے لوگون سے۔ جو جناب امام حسینؑ کی شہادت کے بھی قائل ہین اور آپکی عصمت سے انکار بھی رکھتے ہین۔ یہ عجیب نا عاقبت اندیش فرقہ ہے جناب امام حسینؑ کی مصیبتون پر ان کا رونا ایک نتیجئہ فعل ہے ایسے لوگ یون اپنی بدنصیبی پر زار زار رویا کرین مگر اُن کو حسینؑ پر رونیکا کوئی حق حاصل نہین ہے۔ کچھ حضرات ایسے بھی دکھلائی دیتے ہین کہ امام حسینؑ اور دیگر ائمۂ اثنا عشر و حضرت بی بی فاطمہؑ اور جناب رسولؐ مقبول علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معصوم جانتے ہین اور ولاے چہاردہ معصوم مین بھی اہل تشیع کے پورے طور پر شریک حال معلوم ہوتے ہین۔ مگر خلافت کے معاملہ مین تمامتر اہل سنت

کا عقیدہ رکھتے ہین - یہ حضرات حضرات خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم کو خلفائے برحق جانتے ہین - اور فقہ و فرائض کی تعمیل مذہب اہل سنت کے مطابق کرتے ہین - یہ عجب فرقہ ہے کہ نہ پورے طور پر شیعہ ہے اور نہ پورے طور پر سنی - یہ حضرات نہین سمجھتے کہ اگر چہاردہ معصوم کا مضمون صحیح ہے تو حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت ایک امر بےمعنے ہوجاتی ہے - ایسی صورتون مین علیؑ مرتضیٰ معصوم ہونیکی باعث رسولؐ اللہ کے خلیفہ بلافصل ٹھہر جاتے ہین - اسلیئے کہ حضرات خلفائے ثلثہ جب معصوم نہین مانے گئے - جیسا کہ حضرات اہل تسنن کا مذہب ہے تو ان حضرات کی افضلیت علیؑ مرتضیٰ کے مقابلہ مین قایم نہین ہوسکتی - ظاہر ہے کہ معصوم مفضول نہین ہوسکتا پس جب عصمت کی بنیاد پر علیؑ مرتضیٰ حضرات خلفائے ثلثہ کے مقابلہ مین افضل قرار پائے تو علیؑ مرتضیٰ کے مقابلہ مین حضرات خلفائے ثلثہ کیون کر خلفائے برحق قرار پاسکتے ہین تعجب ہے کہ کیسیکا یہ عقیدہ ہو کہ علیؑ مرتضیٰ معصوم ہین اور حضرات خلفائے ثلثہ غیر معصوم مگر امر خلافت مین حضرات ثلثہ کو علیؑ پر ترجیح دیتے ہین غیر معصوم کا مرجح ہونا معصوم پر تمامتر خلاف عقل ہے یہ امر نہایت بعید از عقل معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا جیسے معصوم کی خلافت کے بارے مین غیر معصومین کسی معصوم پر ترجیح رکھین پھر اس عقیدہ عصمت کے روسے افضلیت شیخین کا مضمون تمامتر ہوا ہوجاتا ہے - حالانکہ اس افضلیت کے عقیدے سے کسی اہل سنت کو گریز ممکن نہین ہے لاریب اہل سنت کا یہ فرقہ جو چہاردہ معصوم کی عصمت کا قائل ہے - ایک نہایت ضعیف فرقہ ہے بلاشبہ کسی حال مین اس اقرار عصمت کیساتھ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت برحق قرار نہین پاسکتی شیعون کا عقیدہ عصمت اہل سنت کے عقیدہ خلافت کے ساتھ تال میل نہین رکھتا - یہ فرقہ اہل سنت کا جو چہاردہ معصوم کا قائل ہے گو ظاہرا بڑا دوستدار اہل بیتؑ کا معلوم ہوتا ہے - مگر اہل بیتؑ کے فقہ و فرائض و عقائد کی پابندی مطلق نہین کرتا ہے - تمام اصولی اور فروعی مسائل مین خس بھر بھی خاندان پیغمبرؐ کے امامون اور مجتہدون کا پیرو نہین ہے - یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ ولائے اہل بیتؑ تو اس فرقہ کی نہایت بڑھی چڑھی دکھائی دیتی ہے مگر اس کو اہل بیتؑ کی تبعیت معاملات و عبادات مین نام کو نہین - یہ فرقہ اکثر مذہب حنفی رکھتا ہے مگر کچھ لوگ اس فرقہ کے شافعی مذہب بھی ہین - اہل دانست سے پوشیدہ نہین ہے کہ تمام اصولی اور فروعی امور مین اس فرقہ کو ائمہؑ اثنا عشر سے کسی طرح کا تعلق نہین ہے - گو یہ فرقہ ہمیشہ ائمہؑ خاندان پیغمبرؐ کا دم بھرتا ہے اور مصائب اہل بیتؑ نبوی پر شیعون کیطرح واویلا مچایا کرتا ہے - جاننا چاہیے کہ مسلمان یا سنی ہوسکتا ہے یا شیعہ مگر ان دونون کے بین بین کوئی مذہب نہین رکھ سکتا - سُنّی مذہب کے اصول ایک خاص ڈھنگ رکھتے ہین اور یہی حال شیعون کے مذہب کا بھی ہے - دونون مذہب اپنے اپنے اصول کی پابندی رکھتے ہین - مگر یہ فرقہ ایک عجب درمیانی رنگ رکھتا ہے - یعنی عصمت چہاردہ معصوم کا عقیدہ تو شیعون کا سا ہے اور امر خلافت مین عقیدہ اہل سنت کا پابند ہے یہ دو متناقض عقیدے شخص واحد

کے دماغ مین کیون کر جگہہ پاسکتے ہین۔ راقم کے فہم سے باہر ہے۔

حضرات تفضیلیہ کا بےتکاپن

مذہب تفضیلیہ کے پابندوہ حضرات اہل سنت ہین جن پر پورے طور پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ ازین سو راندہ و ازان سو درماندہ۔ شیعہ تو اُن کو شیعہ نہین کہہ سکتے سُنّی بھی انھین سُنّی کہنے سے بیزار معلوم ہوتے ہین حضرات تفضیلیہ حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر تفضیل دیتے ہین یعنی علیؑ کو افضل اور شیخین کو مفضول جانتے ہین۔ اس عقیدہ کے ساتھ شیعون کی طرح یہ حضرات جیسا کہ اوپر مذکور ہوچکا پنجتن پاک اور چہاردہ معصوم کا عقیدہ بھی رکھتے ہین ظاہر ہے کہ یہ مذہب ایک نہایت کمزور مذہب ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ مذہب تشیع اور مذہب تسنن اپنے اپنے طور پر پابند اصول ہین مگر مذہب تفضیلیہ کسی اصول کا پابند نظر نہین آتا۔ مین اس مذہب کے بےتکاپن کی ایک مثال پیش کرتا ہون۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرات تفضیلیہ حضرات اہل سنت کی طرح حضرت پیر دستگیر جناب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے عقیدت خاص رکھتے ہین۔ حضرات اہل سنت وہی ارادت حضرت غوث پاک کی جناب مین رکھتے ہین جو شیعہ حضرت علیؑ کے ساتھ۔ وقت مشکل مین حضرات اہل سنت حضرت پیران پیرؒ کو اسی طرح یاد کرتے ہین جس طرح شیعہ علی مرتضیٰؑ کو۔ حضرات اہل سنت کا یہ عقیدہ معلوم ہوتا ہے کہ معراج مین حضرت پیر دستگیر جناب رسول خداؐ کے ساتھ تھے۔ اُس شب مین جناب رسول خدا نے آپکے دوش مبارک پر قدم رکھکر آپکے حق مین یہ فرمایا تھا کہ میرا قدم تیرے دوش پر اور تیرا قدم کل اولیا کے دوش پر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قول سے آپکی افضلیت علیؑ مرتضیٰ پر بھی ثابت ہوجاتی ہے اسلیے کہ کعبہ کے بتون کو توڑنے مین پیغمبر خدا نے علی مرتضیٰؑ کو اپنے دوش پر اس وجہ سے سوار فرمایا تھا کہ حضرت علیؑ کو بار نبوت کے اُٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ مگر معراج مین جناب رسول خدا نے حضرت پیران پیرؒ کے دوش پر قدم رکھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت پیران پیرؒ کو بار نبوت اُٹھانیکی قدرت حاصل تھی۔ علاوہ اسکے آپ کے محامد مین شب معراج حضرت پیران پیرؒ کا براق پہنچانا بیان کیا جاتا ہے۔ پھر آپکی فضیلت خاص کے ثبوت مین یہ معاملہ حوالۂ قلم کیا جاتا ہے کہ ایک روز عالم رویا مین جناب امام حسن علیہ السلام نے اپنے بھائی امام حسینؑ کی اولاد کو دیکھا کہ ان مین نو امام ہونیوالے ہین اور آپکی نسل مین ایک امام کا بھی نشان نہین دکھائی دیتا اس حقیقت کو دریافت کرکے آپ بہت دل تنگ ہوئے مگر فوراً خدائے پاک کی طرف سے جناب امام حسنؑ کے دل مین یہ امر القا ہوا کہ اے حسنؑ دل تنگ نہ ہو تیری نسل مین ایک شخص ایسا ہوگا کہ جو حسینؑ کے نو امامون سے بڑھکر ایک اُسکی ذات ہوگی اور وہ جناب بھی حضرت پیران پیر تھے جاننا چاہیے کہ یہ فرقہ تفضیلیہ حضرات کا حضرت پیران پیر کو بڑی عظمت کی نگاہ

سے دیکھتا ہے مگر امر تفضیل مین آپکے ارشادات سے تمامتر انحراف ورزی کرتا ہے۔ حضرت پیران پیرؒ غنیۃ الطالبین مین فرماتے ہین کہ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ اُمت جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جمیع اُمت ہائے عالم سے بہتر ہے۔ پھر اُمت محمدی سے بہتر وہ لوگ ہین جنہون نے جناب رسولؐ خدا کو دیکھا اور آپ پر ایمان لائے اور آپکی تصدیق کی اور آپکی تبعیت کی اور آپکی پیروی کی اور آپ کیساتھ کفار سے لڑے بھڑے اور اپنی جان اور اپنے مال کو آپ پر فدا کیا اور آپکی تعظیم کی اور آپ کی مدد کی۔ پھر ان لوگون سے بہتر اہل حدیبیہ ہین جنہون نے جناب رسولؐ خدا کے ہاتھ پر وہ بیعت کی جو بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حضرات ایک ہزار اور چار سو آدمی تھے پھر ان بیعت الرضوان والون مین سے بہتر وہ لوگ ہین جو اہل بدر کہے جاتے ہین۔ اور یہ تین سو اور تیرہ اشخاص ہین جو عدد مین اصحاب طالوت کے برابر تھے۔ پھر انمین سے بہتر چالیس آدمی ہین جو اہل دار الخیزران کہلاتے ہین اور جنمین حضرت عمرؓ کے داخل ہونے سے چالیس کا عدد پورا ہو جاتا ہے۔ پھر انمین سے بہتر دس شخص ہین کہ جنکی شہادت کی پیغمبرؐ خدا نے خبر دی اور یہ دس حضرات۔ ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ عبدالرحمن ابن عوفؓ سعدؓ سعیدؓ اور ابو عبیدہؓ بن الجراح ہین۔ پھر ان دس سے بہتر چارون خلفاے راشدین ہین۔ پھر ان چارون مین افضل ابوبکرؓ ہین پھر عمرؓ ہین پھر عثمانؓ ہین پھر علی ہین۔ راقم نے اختصار کی نظر سے عربی عبارت کو رقم کرنیکے عوض اوسکے ترجمہ ہی پر قناعت کرنا مناسب جانا۔ جن کو اصل عبارت کو دیکھنا ہو وہ غنیۃ الطالبین کے صفحہ ۱۰۶ کو ملاحظہ فرمالین۔ واضح ہو کہ یہ عقیدہ پورے طور پر اہل سنت کا ہے۔ اور حضرت پیر دستگیرؒ بھی جیسا کہ اوپر عرض ہوا اس عقیدہ کے پابند تھے اب حضرات تفضیلیہ بتلائین کہ جناب غوث الاعظمؒ کے متبع ہو کر جناب شیخین کو مفضول اور علیؓ کو افضل سمجھنا چہ معنی دارد۔ اسی طرح مین سینکڑون امور ایسے دکھلا سکتا ہون کہ باوجود حاصل رہنے بڑی ارادتمندیون کے حضرات تفضیلیہ جناب غوث الاعظمؒ کے ارشادات سے انحراف ورزی کرتے ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات تفضیلیہ کے بے تکاپن کی کوئی حد ہی نہین ہے۔ منجملہ دیگر بے تکاپن کے ایک یہ بھی ہے کہ جناب مناظرہ مین مجبور ہو جاتے ہین تو نہایت پیچ و تاب کھا کر کہنے لگتے ہین کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوث الاعظمؒ کی تصنیف ہی نہین ہے۔ مگر ثبوت اسبات کا کہ یہ کتاب جلیل حضرت پیر دستگیرؒ کی تصنیف ہے خود اہل سنت کی کتابون سے خوب ملتا ہے۔ یون جہال تفضیلیہ اور کم خواندہ صوفی مشرب اسکی نسبت تصنیف سے انکار کیا کرین۔ مگر اہل سنت کی کتاب معتبرہ مثلاً کشف الظنون و شرح فقہ الاکبر و ترجمہ فتوح الغیب و مکتوبات مجدد الف ثانی و تفہیمات الٓہیہ وغیرہ سے یہ بات زورون کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ کہ غنیۃ الطالبین کے مصنف حضرت پیر دستگیرؒ ہی ہین کوئی دوسرا شخص نہین ہے۔ واضح ہو کہ یہ کتاب تصنیف کا ایک نہایت عالمانہ پیرایہ رکھتی ہے۔ جیسے جواسے لفظ جلیل کے ساتھ یاد کیا اسکی

وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب اہل سنت کیلئے ایک مذہبی کارنامہ کا حکم رکھتی ہے۔ حضرت غوث پاک کی یہ تصنیف پورے طور پر سنی مذہب کے تقاضوں سے خبر دیتی ہے اسلئے عقائد حضرات تفضیلیہ کے تمامتر مخالف ہی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ کتاب پورے طور پر ایسی ہے جیسا کہ مذہب سُنی کی ایک عالمانہ تصنیف کو ہونا چاہیئے۔

حضرت پیران پیر اور سادات حسنی

حال مین ایک صاحب اہل سنت سے اپنے رسالہ زجر العوام مین ایک خاص کرامت حضرت پیر دستگیر کی ظاہر فرماتے ہین وہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت پیر دستگیر حسنی سید ہین یہ اثر انکی روح پر فتوح کا ہے کہ جسکے باعث حسنی سادات سنی ہی ہوا کرتے ہین۔ بخلاف اولاد جناب امام حسینؑ کے جو شیعہ دیکھے جاتے ہین حقیقت حال یہ ہے کہ تعصب انسان کی آنکھ پر پردہ ڈال دیتا ہے تعصب کی بدولت متعصب کو حق و باطل کی تمیز باقی نہین رہتی آنکھ کان سب کے سب رخصت ہوجاتے ہین متعصب پورا مصداق صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کا ہوجاتا ہے۔ تعصب کی بدولت جو کچھ اُسکے دل مین آتا ہے بے محابا بول اُٹھتا ہے۔ لاریب کرامت بالا کا یقین بھی اُسیکو ہوگا جو ایسی کرامت کے بیان کرنیوالے کی طرح خود بھی تعصب زدہ ہوگا۔ اہل انصاف ملاحظہ فرمائین کہ اول تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سیّد ہی نہ تھے۔ کہین سے آپکی سیادت ثابت نہین ہوتی آپکی طرف سیادت کی نسبت متعصبین کا ادعا ہی ادعا ہے۔ محققین اہل سنت ہرگز آپکی طرف سیادت کو منسوب نہین فرماتے۔ یون جہان جیسا چاہین کہین۔ صاحب زجر العوام نے بیشک طریقہ عوام کو اختیار فرمایا ہے بے محابا حضرت پیر دستگیر کو حسنی سید فرماگئے اور دنیا بھر کے موجودہ اور گذشتہ سیادات حسنی کو سنی قرار دے گئے۔ اگر اور کچھ نہین مجرد سید جمال الدین حسنی سنی المذہب کی تصنیف "عمدۃ المطالب فی انساب الطالب" ہی پر نظر ڈالتے تو ظاہر ہوجاتا کہ حضرت پیر دستگیرؒ نہ سید حسنی تھے اور نہ آپکو سیادت کا کوئی دعویٰ تھا اور نہ سیادت کا دعویٰ آپکے کسی صاحبزادے نے کیا۔ البتہ آپ کے پوتے قاضی ابو صالح نصر بن ابی بکر بن عبدالقادر نے پہلے پہل سید ہونیکا دعویٰ کیا مگر اپنی سیادت کا کوئی ثبوت پیش نہ کرسکے۔ دوم یہ کہ بالفرض اگر حضرت پیر دستگیرؒ سید بھی ہوتے تو بنی آدم کے سنی یا شیعہ بنانے پر قادر نہین ہوسکتے تھے۔ ہدایت کا معاملہ تمامتر خدا تعالیٰ کے ہاتھ ہے کسیکی مجال نہین کہ کسی کافر کو مومن بناسکے یا کسی گمراہ کو راہ پر لاسکے۔ لاریب جناب رسولؐ خدا باوجود اقتدار نبوت حاصل ہونیکے بھی یہ قدرت آپکو درگاہ ایزدی سے نہین تفویض ہوئی تھی کہ کسی کافر کی ہدایت فرماسکتے۔ جیسا کہ خود خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اِنَّکَ لَا تَہْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی اے محمدؐ تجھے اسکا اختیار نہین ہے کہ جسکو تو حبیب رکھے اسکی تو ہدایت بھی کرسکے۔ پس جب ہدایت ایک امر منجانب اللہ ٹھیرا تو حضرت پیر دستگیرؒ سید حسنی ہونے پر بھی اولاد جناب امام حسن علیہ السلام کو سنی نہین بناسکتے تھے۔ ایسے لغو خیالات اہل تعصب اور اہل شغف کے دماغ ہی مین جگہ کیا کرتے

ہین۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے جبتک کوئی مصنف اپنے کو تعصب اور شغف سے مامون نرکھیگا حق نگاری کی دولت سے ہمیشہ محروم رہیگا۔ یہ صاحب زجر العوام کے کمال تعصب وشغف کا نتیجہ ہے جو آپ فرماتے ہین کہ حضرت پیر دستگیرؓ سید حسنی تھے اور حسنی سادات آپ کے تصرف خاص کی بدولت سنی ہی ہوا کرتے ہین۔ بلا قید زمانہ یعنی حضرت کے پہلے کے سادات حسنی بھی سنی تھے۔ آپ کے وقت کے سادات حسنی بھی سنی تھے اور آپ کے بعد کے بھی سادات حسنی سنی ہی ہوتے گئے اور آئندہ بھی سنی ہی ہوتے جائینگے۔ اگر دم بھر کیلئے بھی صاحب زجر العوام تعصب وشغف سے علیحدہ ہو جاتے تو ہرگز ایسی بے سر و پا تحریر پر قادر نہو سکتے تعصب اور شغف سے بری ہو کر حضرت مصنف دریافت کر سکتے تھے کہ حضرت غوث الاعظمؓ شیعہ نہ تھے اور یہ ضرور نہین کہ حسنی سادات سنی ہی ہون۔ مگر چونکہ تعصب وشغف سے مصنف ممدوح کو دم بھر بھی نجات کی صورت حاصل نہو سکی۔ زجر العوام کو مذاق عوام سے رستگاری بھی نصیب نہو سکی۔ اب اہل نظر حسنی سادات کی اتحاد مذہب پر توجہ فرمائین۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ بات عیان ہوتی ہے کہ ضرور نہین کہ حسنی سادات سنی ہی ہون اور حسینی سادات شیعہ۔ اسوقت بہت سے حسینی سادات سنیؔ ہین اور بہت سے حسنی سادات شیعہ۔ یہی طور سابق مین بھی رہا ہے کہ ہر قسم کے سادات سنّی یا شیعہ ہوا کرتے تھے۔ جب سے علویین یعنی سادات مین پھوٹ پڑ گئی۔ تب سے ان کا ایک مذہب نرہا جیسا کہ ہم اوپر دکھلا چکے ہین اسوقت مین حسنی سادات کے شیعہ ہونیکی مثال وہ اولاد جناب امام حسن علیہ السلام کی ہے جو شہر مدینہ کے باہر رہتی ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا قبیلہ ہے جو شیعہ مذہب رکھتا ہے۔ انمین ایک شخص بھی سنی نہین ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کے وجود سے صاحب زجر العوام کو خبر نہین ہے۔ ورنہ ایسی بے سر و پا تحریر کو اپنی تصنیف مین جگہہ نہ دیتے۔ خیر۔ تعجب ہے کہ حضرت پیر دستگیر کی توجہ خاص سے یہ قبیلہ محروم رہگیا یہ قبیلہ وقت جناب امام حسنؑ سے اپنے مذہب آبائی پر استوار ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تا قیامت اپنے مذہب آبائی سے کنارہ کش نہوگا۔ ہر چند مدینہ کے سنی ان سادات حسنی کو خلاف مذہب ہونیکی وجہ سے طرح طرح کی ایذائین دیتے رہتے ہین۔ مگر یہ سادات دنیا کے لئے دین کو برباد کرنا گوارا نہین کر سکتے۔ یہ سادات حسنی مدینہ کے باہر نہایت مفلوک الحالی سے بسر کرتے ہین۔ ان مین کسی طرحکی وجاہت باقی نہین رہی ہے۔ ان کے شیعہ ہونیکے باعث مدینہ کے اہل سنت ان پر طرح طرح کے ستم روا رکھتے ہین۔ ترکی سلطنت کا بھی یہ طور ہے کہ انکی سیادت کا مطلق لحاظ نہین کرتی۔ یہ بیچارے سادات حمالی اور مزدوری کے سوا اور روزگار کے اختیار کرنیکی اجازت نہین پاتے جسکے باعث نہایت ذلیل طور سے اوقات بسر کرتے ہین۔ مگر اسپر بھی مدینہ سے کہین چلا جانا گوارا نہین کرتے مزار جد یعنی مزار پاک سے حضرت امام حسنؑ کے کسی حال مین مفارقت پسند نہین کرتے۔ سب طرحکی بلائین سہتے ہین مگر مدینہ اور جنت البقیع سے کنارہ ہونا منظور نہین کرتے۔ اور کسی طرح کا سلوک نیک تو درکنار ان بیچارے سادات کو کوئی خمس دیتا بھی ہے تو انا مدعی کہنے والے اُنسے چھینکر چکھہ جاتے ہین اور ترکی سلطنت بیٹھی منہ دیکھا کرتی

ہے۔کیون آسمان ٹوٹکر سادات کے ستانے والون پر نہین گر پڑتا۔ ہان ظلم کی رسّی دراز ہوتی ہے۔ معاملہ حشر کچھ دور نہین ہے۔ ع۔ از مکافات عمل غافل مشو۔ ای حضرات اہل انصاف۔ یہان بھی اُسی قول پاک عِندِنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسْبُنَا کا جلوہ ہے۔ جب امام حسنؑ زندہ تھے تب بھی اس قول گرامی کی جلوہ گری تھی۔ امام ممدوح کی شہادت کے بعد بھی اسکی جلوہ گری کم نہوئی اور اب آنکی اولاد اُسی جلوہ گری کا تماشا دیکھ رہی ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہی رہگیا کہ قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی یعنی کہو اے محمدؐ مین تمسے اجر رسالت کچھ نہین چاہتا ہون مگر چاہتا ہون کہ میرے عزیزون کی محبت اختیار کرو۔ اور جناب پیغمبر خدا۔ اِنِّی تَارِکٌ اِلٰی اٰخِرِہٖ فرماتے ہی رہے۔ مگر اللہ و رسولؐ دونون کے ارشاد بالائے طاق ہوگئے اسلامی دنیا مین بول بالا اس قول پاک عِندِنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسْبُنَا کا رہگیا اب مین صاحبِ زجر العوام کی خدمت بابرکت مین یہ عرض کرتا ہون کہ آیا ایسی رکیک باتین جو تصنیفِ جنابِ ممدوح مین دیکھی جاتی ہین کسی محقق کے قلم سے نکلنے کا استحقاق رکھتی ہین؟ حقیقت حال یہ ہے کہ سنی یا شیعہ ہونا کسی سید کا کسی کرامت پر موقوف نہین ہو سکتا۔ دنیا مین سُنّی یا شیعہ ہونے کے اسباب ہوا کرتے ہین۔ البتہ سید کا سنی ہونا خلاف توقع معلوم ہوتا ہے مگر جب سنی ہونیکے اسباب مجتمع ہو جاتے ہین تو سید بھی سُنّی ہو جاتا ہے۔ سید کے سُنّی ہونیکے تین بڑے بڑے سبب ذیل مین مذکور ہوتے ہین۔

نمبر ١۔ پہلا بڑا سبب جس سے سید مذہب اہل سنت والجماعت کا پابند ہو سکتا ہے۔ جہالت ہے۔ جہالت سے مراد یہ ہے کہ اُسکو اسکی خبر ہی نہین کہ مذہب علی مرتضیٰ کیا ہے اور مذہب زید ابن ثابت کیا ہے۔ وہ عموماً یہی جانتا ہے کہ جس مذہب کا وہ متمسک ہو رہا ہے وہی مذہب اسکے دادا جناب علی مرتضیٰ کا بھی تھا۔ اور جتنے بنی ہاشم تھے انہی خیالات مذہبی کے پابند تھے۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ بڑے اہتمام کے ساتھ وہ اپنی غلط خیالی مین گرفتار رکھا جاتا ہے جس سے کسیطرح پر اسپر حقیقت حال روشن ہی نہین ہونے پاتی۔ لیکن اگر اس جاہل پر یہ بات ظاہر ہو جاسکے کہ اُسکے دادا کا مذہب مذہب فاروقی سے جدا تھا یا یہ کہ اسکے دادا کا نام قرآن سے نکالدیا گیا ہے۔ جیساکہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے تو اس یقین کے پیدا ہونیکے بعد بصورت باقی رہنے حمیت ہاشمیہ کے وہ ایک منٹ کے واسطے بھی سُنّی نہین رہ سکتا یہی حال راقم کا ہوا کہ کتب بینی کے ذریعہ سے دریافت حقیقت کے بعد اُسے مذہب مُروّج سے کنارہ ہونا پڑا۔

نمبر ٢۔ دوسرا سبب جو سبب اول سے اپنے فعل مین کم نہین ہے تملق دنیاوی ہے۔ سُنّی سلطنتون مین شیعہ سادات کو جو تقیہ کی ضرورت لاحق ہوئی۔ تو انہون نے اپنے کو سُنّی دکھلایا پھر اُنکی اولاد دو تین پشت مین واقعی سُنّی ہوگئی اور سُنّی ہوتی چلی آتی ہے۔

نمبر ٣۔ تیسرا سبب جو دونون سبب ہائے بالا کے ہم پلہ ہے۔ تاثیر صحبت اور تقاضائے تعلیم و تربیت ہے۔ اکثر کم عمر اور کم استعداد اشخاص گو کیسے ہی سید السادات اور خاندانی شیعہ ہون صحبت اہل خلاف

کی تاثیر سے مذہب اہل سنت والجماعت کا اختیار کرلیتے ہین اُن کا مذہب آبائی کا ترک کرنا تحقیق کی بنیاد پر کبھی نہین ہوتا۔ ایسے لوگ کوئی تعجب نہین کہ صحبت کی تاثیر سے عیسائی یا دہریہ بھی ہوجائین۔ اسیطرح تقاضائے تعلیم وتربیت کی بنا پر خاندانی مذہب سے علیحدگی نصیب ہوجاتی ہے۔ اسکی مثال جناب نواب سید مہدیعلیخان صاحب محسن الملک تھے۔ آپ سادات عظام مین سے تھے۔ ایک وقت مین آپکا خاندان بہت عروج پر تھا۔ خاندانی مذہب آپکا امامیہ تھا۔ مگر اس مذہب سے آپ بے تعلق ہوگئے اور آپکا خاتمہ بھی مذہب اہل سنت پر ہوا۔ مجھے آپ کے مذہب آبائی کے ترک کرنے پر بڑا تعجب گذرتا تھا۔ مگر ایکدن جب آپنے بانکی پور مین میرے ایک عزیز کے مکان مین اپنی سرگذشت کا اعادہ اپنی ایک اسپیچ کے ذریعہ سے فرمایا تو میرا استعجاب بالکل زائل ہوگیا۔ آپکے بیان سے معلوم ہوا کہ آپکے بزرگان جنت نشان (شاید داداکے اوپر) نہایت صاحب ثروت تھے سیادت کیوجہ سے دین کی سرداری تو ان حضرات کو حاصل ہی تھی دنیا کی وجاہت بھی انہین واہب العطایا نے بخشی تھی مگر آپکے والد ماجد کے وقت مین کچھ ایسے دنیاوی انقلابات لاحق ہوئے کہ بڑی تنگی سے بسر ہونے لگی۔ خود بقول نواب صاحب ممدوح اتنا بھی سرمایہ گھر مین نرہا کہ آپکی تعلیم کسی پانچروپیہ ماہانہ کے معلم کے ذریعہ سے بھی کیجا سکتی۔ ایسی تنگدستی کی حالت مین (حسب بیان نواب صاحب ممدوح) آپکا جانا آٹھ برس کے سن مین دیوا ضلع بارہ بنکی کو ہوا۔ دیوا مین ایک خوشحال تعلقدار رہتے تھے۔ اُن صاحب نے آپکی تعلیم وتربیت بلکہ آپکی ہر طرحکی کفالت اپنے ذمہ کرلی۔ دیوا مین آپ برابر علم اندوزی فرماتے رہے حتی کہ کسی انگریزی نوکری پر سرفراز ہوگئے۔ اور چونکہ فطری طور پر انجام کار کی بڑی قابلیت رکھتے تھے جلد جلد ترقیان کرتے گئے حتے کہ تحصیلدار ہوگئے اور تحصیلدار سے ڈپٹی کلکٹر۔ ظاہر ہے کہ اگر نواب صاحب اپنے خاندان مین تعلیم وتربیت پاتے تو تعلقدار صاحب کے مذہب کو اختیار کرنیکا موقع آپکو نصیب نہوتا۔ آپ تعلقدار صاحب کا مذہب اختیار نفرماتے تو کیا کرتے گھر پر خاندانی مذہب کی تعلیم کا تو موقع حاصل ہی نہ تھا۔ اس کم عمری مین جیسی مذہبی تعلیم پائی اُسیکے ہوکر رہگئے۔ اس سن مین اگر کسی پادری صاحب سے تعلیم پاتے تو عیسائی ہوجاتے۔ کوئی شک نہین کہ خاندانی مذہب آپکا شیعہ تھا۔ مگر شیعہ مذہب کی آپنے ایکدن بھی تعلیم نہ پائی مذہب حنفی کی برابر تعلیم پاتے رہے نقش اول نفس ذہن پر فطرت سے پُر زور ہوا ہی کرتا ہے۔ آپکا مذہب حنفی کے ساتھ متمسک ہونا خلاف توقع نہ تھا۔ اب مذہب شیعہ کے نقش اول کی جگھہ ہی کہان باقی رہی تھی جو آپ آئندہ مذہب امامیہ کی پابندی اختیار فرماتے مختصر یہ ہے کہ آپ ہرچند ایک شیعہ خاندان کے لڑکے تھے۔ مگر حضرات اہل سنت کے درمیان مذہب اہل سنت کی تعلیم پاکر سُنی المذہب ہوگئے آپ کے عزیز آپکو تعجب کی نظر سے دیکھا کرتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کوئی خلاف توقع بات نہین کی۔ آپنے جس مذہب کی تعلیم پائی تھی اُسی مذہب کو اختیار کئے رہے اور وہ مذہب بھی کس کا تعلقدار صاحب جیسے محسن کا جنھون نے آپکو شریف زادہ سمجھکر آپ کیساتھ سلوک نیک مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ نواب صاحب ممدوح اُن

تعلقدار صاحب کو بڑی عظمت کیساتھ یاد فرمایا کرتے تھے۔ اور کیون اُنکے وفور احسانات کو یاد نفرماتے۔

دوست آن دانم کہ گیرد دست دوست در پریشانی حالی و درماندگی

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ جب نواب محسن الملک صاحب عہدۂ تحصیلداری کو پہنچکر مرزاپور مین تشریف رکھتے تھے اسوقت کچھ سُنّی حکام اعلیٰ مثلاً مولوی امداد العلی خان ڈپٹی کلکٹر وغیرہ بھی خدمت سرکاری مین سرفراز تھے۔ نواب صاحب ممدوح ہرچند مذہبی آدمی نہ تھے مگر ضرورت وقت کو ملحوظ رکھکر قیام مرزاپور کے زمانہ مین آپنے اپنی کتاب آیات بینات لکھی یہ کتاب کس درجہ کی ہے عالم علم کلام سے پوشیدہ نہین ہے یہان اسکے نیک و بد سے گفتگو نہین ہے یہان اسیقدر مجھے عرض کردینا تھا کہ تاثیر صحبت و تقاضائے تعلیم و تربیت سے شیعہ خاندان کا سید بھی سُنّی ہوجاتا ہے۔

خلافت منجانب اللہ و خلافت منجانب الناس کو مرثیہ نگاری سے تعلق

واضح ہو کہ اہل سنت خلافت کو جس مین امامت بھی داخل ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ امامت خلافت سے منفک ہو نہین سکتی۔ ایک امر منجانب الناس جانتے ہین برخلاف اسکے اہل تشیع خلافت کو ایک امر منجانب اللہ جانتے ہین۔ میر انیس بھی شیعہ ہونیکے باعث امر خلافت کی نسبت اسی خیال کے پابند تھے کہ خلافت جس مین امامت داخل ہے ایک امر منجانب اللہ ہے اور ہرگز کوئی امر منجانب الناس نہین ہے۔ میر صاحب مرحوم کے سارے مراثی اسی عقیدہ پر مبنی ہین اور تمام شیعہ مرثیہ نگار اس عقیدہ کے پابند تھے اور ہین۔ اگر شیعون کے مراثی کا پڑہنے والا اس امر سے واقف نہین ہے کہ اہل شیعہ خلافت کو ایک امر منجانب اللہ جانتے ہین جس کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا کا خلیفہ آدمی کا بنایا ہوا نہین ہوسکتا۔ اسلیے کہ خلیفہ رسولؐ اللہ کو رسولؐ کی طرح صاحب عصمت ہونا چاہیئے تو ایسے ناواقف شخص کو ان شیعہ مراثی نگارون کے کلام سے کوئی حظ حاصل نہین ہوسکتا۔ اسکی مثال یہی ہے کہ اگر کوئی شخص مذہب عیسائی کے عقیدۂ تثلیث سے باخبر نہین ہے تو ملٹن کی پیریڈائز لاسٹ سے مطلق لذت یاب نہین ہوسکتا بس شیعہ مراثی کے پڑہنے والے کو اس امر کو ملحوظ رکھ لینا ضرور ہے کہ جب عقیدۂ اہل تشیع جیادہ تن سنی جس تن کا مرثیہ اسوقت اسکے زیر ملاحظہ ہے وہ تن معصوم ضرور ہے اُسکی عصمت منجانب اللہ صورت پذیر ہوئی یعنی خدا ہی نے اُسے معصوم بنایا ہے۔ اور اگر وہ ائمۂ اثناعشر سے ہے تو وہ خلیفہ اور امام منجانب اللہ ہے منجانب الناس نہین ہے شیعہ مرثیہ نگارون کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدۂ مذہبی کی پابندی سے یہ سب کے سب شیعہ شعرا جناب امام حسین علیہ السلام کو برحق امام اور جناب رسولؐ خدا

نامہ عیب

کا برحق خلیفہ جانتے ہین۔ آپکی معصومیت سے تمامتر اعتراف رکہتے ہین۔ آپکی جنگ آرائی کو جہاد سمجہتے ہین۔ اور آپکی ہلاکت کو شہادت مانتے ہین۔ ظاہر ہے کہ مذہب اہل سنت کیساتھ خیالات کو کسی طرحکا اتفاق نہین ہوسکتا اہل سنت کے اصول عقائد کے روسے جناب امام حسین علیہ السلام نہ خلیفۂ رسول اللہ تہے نہ امام وقت اور نہ معصوم آپکی جنگ آزمائی یزید کے مقابلہ مین خروج تہی۔ اور اسی لئے آپکی ہلاکت شہادت نہین مانی جاسکتی جیساکہ کہا گیا ہے کہ خَرَجَ الحُسَینُ نُقتِلَ عَن سَیفِ جَدِّہٖ مشہور عام یہ ہے کہ یہ قول حضرت پیر دستگیر شیخ عبد القادر جیلانی صاحب کا ہے اور غنیۃ الطالبین مین داخل ہے۔ مگر اس کتاب کے چہپے ہوئے نسخہ مین دیکہا نہین جاتا ہے۔ لیکن اسکے ابو بکرؓ ابن العربی کے قول ہونے مین کوئی شبہہ نہین ہوسکتا جیساکہ نواب صدیق حسین خانصاحب بہوپالی اپنی کتاب حجج الکرامہ مین رقمطراز ہین۔ عبارت اس کتاب کی یہ ہے "ابن العربی گفت تکشت یزید حسینؑ را مگر بسیف جد وے یعنی بیعت برائے یزید گردیدہ بود پس حسینؑ بروے باغی شد۔ زیراکہ بسیار اقدام بر بیعت وے نمودند واستخلاف پدر او برائے وے اختیار کردند وباوجود استخلاف اینچنین لغاوت کہ حسینؑ کرد شرط نباشد وشک نیست کہ پدر ش معاویہ خلیفۂ حق بود واجماع مردم بروے بعد نزول امام حسینؑ واقع شد۔ کوئی شک نہین کہ تقاضائے مذہب اہل سنت کے روسے ابو بکرؓ ابن العربی کا قول نادرست نہین ہے۔ یہ ضروری بات ہے کہ اصول عقائد کے روسے اہل سنت کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے۔ مگر جو حضرات اہل سنت سے اسکے برخلاف کوئی عقیدہ رکہتے ہین وہ یقیناً بے اصول سنی ہین۔ الغرض شیعون کے مراثی کے ملاحظہ کے لئے درکار ہے کہ اُن مراثی کا پڑہنے والا اہل تشیع کے اصول عقائد سے باخبر ہو۔ ورنہ شیعون کے مراثی نہ حسب مراد سمجہ مین آئینگے اور نہ اُنسے بامراد طور پر کوئی تلذذ حاصل ہوسکیگا۔ واضح ہو کہ صوبہ بہار کے اہل سنت جو حنفی مذہب رکہتے ہین اور غیر مقلدین یعنی وہابی حضرات کے اثر سے محفوظ رہے ہین واقعہ کربلا کو قریب قریب اہل تشیع کی آنکہ سے دیکہتے ہین جناب امام حسینؑ کو مظلوم سمجہتے ہین اور اُنکی ہلاکت کو شہادت مانتے ہین رسوم عزاداری مین جو کچہ ان حضرات اہل سنت کو اہل تشیع کے ساتہ اختلاف ہو مگر نفس عزاداری مین کہ عبارت ہے جناب امام حسینؑ کے اقرار مظلومیت اور اُنکی ہمدردی سے یہ حضرات کچہ بہی اختلاف نہین رکہتے حسب عقیدہ اہل تشیع جناب امام حسینؑ اپنے جد گرامی یعنی جناب رسول خداؐ کیطرح معصوم اور اون کے باپ ماں اور بہائی بہی حضرات رسولؐ خدا ہی کی طرح معصوم تہے اور آپ کے جانشینان از جناب امام زین العابدین تا جناب امام صاحب العصر معصوم شمار کئے جاتے ہین۔ امامیہ ان چہاردہ تن کو صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور جزائے عمل سے بے باک جانتے ہین۔ واضح رہے کہ حضرات اہل سنت کا یہ عقیدہ نہین ہے مگر شیعہ مرثیہ نگاری چونکہ شیعہ عقائد پر ہے۔ اسلئے جناب امام حسینؑ اہل تشیع کے مراثی مین معصوم بیان کئے جاتے ہین۔ اور اُنکی امامت ایک امر منجانب اللہ قرار دیجاتی ہے۔ اس عصمت اور امامت منجانب اللہ کی بنیاد پر آپکی مظلومیت کا اعتراف کیا جاتا ہے اور اُنکی ہلاکت شہادت

مانی جاتی ہے۔ پس اگر عصمت اور امامت منجانب اللہ کا مضمون درمیان سے اُٹھ جائے تو شیعون کے شہید کربلا کی مظلومیت و عصمت کے عدم پذیر ہونیکی حالت مین اونکی ساری عمارت مرثیہ نگاری کی جڑ سے کمزور ہو کر گر پڑتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ شیعون کو مراثی سے مستفید ہونیکے لئے ضرور ہے کہ اُن کا پڑھنے والا اہل تشیع کے عقیدۂ عصمت و امامت سے بے خبر نہ ہو۔ اس بیخبری کے ساتھ اُن شعرائے مرثیہ نگار کی طباعی کسی قسم کا لطف اُنکے مراثی کے پڑھنے والے کے دل مین نہین پیدا کر سکتی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک کتاب شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کی چھپکر شایع ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنف صاحب عقیدۂ عصمت سے تمامتر بری ہین یعنی رسول اللہ کی عصمت کے بھی معترف نہین معلوم ہوتے ہین

شمس العلما نذیر احمد صاحب کی پیغمبر خدا اور خاندان پیغمبر کے ساتھ عقیدتمندی

تحریر کے عنوان سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہین کہ ہم پیغمبر صاحب کو تمام لوازم ضعف بشریہ کے ساتھ بشر مانتے ہین اور وہ خود اُسکے معترف تھے (دیکھو شمس العلما صاحب کی امہات الامہ صفحہ ۳۲ سطر ۱۴) اگر مولوی صاحب کا یہ قول صحیح ہے تو محمد صاحب حضرت عیسیٰؑ سے کسی طرح افضل نہین مانے جا سکتے۔ ظاہر ہے کہ اس قول سے محمد صاحب کی معصومیت ہوا ہو جاتی ہے۔ لاریب نبی ہونیکے باعث حضرت عیسیٰ معصوم تھے جیسا کہ اُنکی اُمت بھی اونکی معصومیت کا تمامتر اقرار رکھتی ہے۔ اور اس معصومیت کی بنا پر تمام ضعف بشریہ سے بھی دور تھے۔ پس ایسی صورت مین معصوم پر غیر معصوم کو فضیلت حاصل نہین ہو سکتی۔ اب عیسائیون کو مژدہ ہو کہ اہل سنت کے ایک مشہور عالم نے ایک ایسی بات کا اقرار کیا جس سے مسیحی دین والون کا دعوے صحیح اور محمدی دین والون کا دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے یہ قول درست ہے کہ النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِم اگر شمس العلما صاحب نے کوئی ایسی بات محمد صاحب کی نسبت حوالہ قلم فرمادی کہ جس سے عیسائی مذہب والون کی تائید متصور ہے تو خلاف توقع کوئی امر ظہور مین نہین آیا ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ شمس العلما صاحب کے بڑے سرپرست سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر سابق اسلام کے ایک دشمن صعب تھے جیسا کہ اُنکی تصنیف سے ہویدا ہے۔ بلا شبہ شمس العلما صاحب کی ایسی تحریر سر ولیم کی بڑی حسین نظر آتی ہے۔ ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلما صاحب نے ایسی تحریر سے حق نمکخواری ادا فرمایا ہے۔ خیر شمس العلما صاحب حضرت خاتون جنتؑ کی نسبت بھی ایسے ہی الفاظ ناشائستہ داخل تصنیف فرما گئے ہین جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آپکو اس معصومہ کی عظمت ذرہ برابر بھی مدنظر نہ تھی۔ آپ اپنی امہات الامہ کے صفحہ ۹۹ مین تحریر فرماتے ہین کہ باوجودیکہ فاطمہؑ کے

حق اور حصے مین جو کچھہ بھی اُن کا فدک مین رہا ہو کسیوقت کسی طرح کی کمی نہین کیگئی تاہم اُنھون نے اگلی کدورتون کی وجھہ سے اپنی درخواست کے منظور نہ کئے جانے سے بڑا بُرا مانا - ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائین " کس بلا کا غصہ ہے خدا کی پناہ شمس العلما صاحب - خدا سے ڈریئے - خاتون جنتؑ اور آپ کا یہ انداز تحریر - آپ اور کہین کہ " کس بلا کا غصہ ہے خدا کی پناہ " آیا یہ زبان کبھی فاطمہؑ جیسی بنت رسولؐ اللہ کیلئے کسی حال مین جائز ہو سکتی ہے ؟ ازلی بدنصیب کے سوا کسی سے ایسی بے ادبی سرزد نہین ہو سکتی حضرت بی بی فاطمہؑ نے حق طور پر جناب شیخین سے بیزاری ظاہر فرمائی یا ناحق طور پر یہ امر اسجگہ خارج از بحث ہے - یہان شمس العلما صاحب کا بے ادبانہ اندازِ بیان پیش نظر ہے - لاریب ایسی بے ادبانہ گفتگو حضرت خاتونؑ جنت کے مقابلہ مین وہی کریگا جو دل سے مخالف اہل بیتؑ نبویؐ کا اور بے ادب اور بے نصیب کا مصداق ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلما صاحب مین بے ادبانہ تحریر کا ایک بڑا مادہ ودیعت ہے - ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلما صاحب اپنے اس انداز تحریر کو سرمایہ آزادمزاجی سمجھتے ہین لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اسیطرح شمس العلما صاحب کی بے ادبانہ تحریر کی بہت سی مثالون مین سے ایک مثال اور بھی پیش کیجاتی ہے آپ فرماتے ہین کہ " اسلام کے حق مین یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ پیغمبرؐ صاحب کی اولاد ذکور اُن کے بعد زندہ نرہی - بیٹیون مین ایک بیٹی رہین تو انکی نسل کی بدولت اسلام مین یہ تفرقہ پڑا کہ مسلمان سنی اور شیعہ دو فریق ہوگئے جن مین ہمیشہ جوتیون مین دال بٹتی رہتی ہے - بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوحؑ ثابت ہوتا " اے حضرات اہل اسلام کیا بے ادب ہونا شعائر اسلام سے ہے - اول تو یہ زبان جو شمس العلما صاحب کی ہے ہرگز اہل تہذیب اور اعلیٰ درجہ کے شرفا کی ہو نہین سکتی ہے - دوم یہ کونسی مسلمانی ہے کہ کوئی مسلمان پیغمبرؐ صاحب کے بے پسر ہونے پر اظہار خرسندی کرے - اور مستزاد بران یہ کہے کہ " اگر کوئی پسر زندہ رہتا تو شاید پسر نوحؑ ثابت ہوتا " پھر جو بیٹی زندہ رہکر صاحب اولاد ہوئین تو اُس سے ملال ظاہر کرے کہ کاش صاحب اولاد نہ ہوئی ہوتین - خدارا یہ کیا تحریر ہے - کیونکر کوئی مسلمان ایسی تحریر پر قادر ہو سکتا ہے - یا ایسی تحریر سے خوش ہو سکتا ہے - ایسی بے ادبانہ تحریر کو اگر شامت اعمال نہ کہین تو کیا کہین ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلما صاحب جسقدر پیغمبرؐ صاحب کے بے پسر ہونے سے خرسند ہین اُسیقدر جناب بی بی فاطمہؑ کے صاحب اولاد ہونے سے رنجیدہ ہین - لاریب اگر شمس العلما صاحب پیغمبرؐ صاحب کے زمانہ مین موجود ہوتے تو ضرور آپ پیغمبرؐ صاحب کی بے پسری پر پیغمبرؐ صاحب کو مبارکباد دیتے - اور پیغمبرؐ صاحب کے نواسون کی پیدائش پر رسم تعزیت ادا فرماتے شمس العلما صاحب کی تحریر سے صاف صاف یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو سادات سے نفرت قلبی ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ چاہتے ہین کہ تمام سادات صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائین - مگر جب شاہان جابرین جیسے معاویہ یزید

وغیرہ قوم سادات کا استیصال نہ کر سکے تو شمس العلما صاحب کی قوت ارادیہ کیا کارگر ہو سکتی ہے۔ کفار نابکار جب آنحضرت کو بے اولاد کہنے لگے تو حکم خداوندی سے جیسا کہ سورہ انا اعطینا کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے اسقدر آنحضرت کی نسل پھیلی کہ معاویہ و یزید و جمیع خلفائے بنی اُمیہ و بنی عباسیہ حضرات سادات کو نیست و نابود نہ کر سکے تو اب ایک بیچارے شمس العلما صاحب کس حساب میں ہین۔ اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑیگا۔ خیر وہ شمس العلما صاحب یہ جو فرماتے ہین کہ پیغمبرؐ صاحب کا کوئی بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوحؑ ثابت ہوتا'' یہ عجب طرح کا قول دکھائی دیتا ہے۔ ہر نبی کا بیٹا ضرور نہین ہے کہ پسر نوحؑ نکلے پھر پیغمبرؐ صاحب کا بیٹا پسر نوحؑ کیون نکلتا۔ اسکی کوئی توجیہ شمس العلما صاحب نہین فرماتے۔ لیکن اتنا تو قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پیغمبرؐ صاحب کوئی بیٹا چھوڑ جاتے تو اسکے ساتھ وہی سب سلوک شمس العلما صاحب جیسے مسلمانون کے ہاتھ سے برتے جاتے جیسا کہ پیغمبرؐ صاحب کے خاندان والون کے ساتھ برتے گئے ہین اور اب بھی برتے جاتے ہین۔ اب مین کچھ اور مثالین بھی شمس العلما صاحب کی بے ادبانہ تحریرات کی پیش کرتا ہون۔ لاریب شمس العلما صاحب کو اس طرح کی تحریر کی ایک خاص صلاحیت حاصل ہے۔ آپ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۹۹ مین فرماتے ہین کہ ''اُدھر فاطمہؑ ایک سیر کی تھین کہ مرتے مر گئین اور اپنی آن نہ چھوڑی تو ادہر عائشہ سوا سیر کی'' پھر اُسی صفحہ مین رقم فرماتے ہین کہ وہ ہمارے ملک مین عورتون کا ایک طبعی خاصہ تریاہٹ اور تریا چرتر بھی مانا گیا ہے تو وہی بات ہم فاطمہؑ اور عائشہؓ مین پاتے ہین'' خدارا یہ کیا ترکیب تحریر ہے اس سے زیادہ کیا بے ادبانہ انداز بیان ہو سکتا ہے بی بی فاطمہؑ کو جو کچھ شمس العلما صاحب لکھ گئے ہین اُسکا اجر انہین سرکار مصطفویؐ سے ملیگا مگر حضرت عائشہ صاحبہ کی شان مین جو بے ادبی اُنسے ظہور مین آئی ہے اسنے ایک شورش حضرات اہل سنت مین پیدا کر دی ہے اور جسکا جو جی چاہتا ہے شمس العلما صاحب کو کہتا ہے۔ ظاہرا امامیہ کچھ نہین بولتے۔ یہ فرقہ خاندان پیغمبرؐ کی توہین کی باتین سننے کا عادی ہو گیا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہین ہے۔ پہلے ہی سے ہوتی آئی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہیگی۔ اب مین آخر مین ایک اور بیان بھی شمس العلما صاحب کا حوالۂ قلم کرتا ہون جس سے شمس العلما صاحب کے اس حسن عقیدت کا اظہار مقصود ہے جو شمس العلما صاحب کو خاندان پیغمبرؐ کے ساتھ ہو اور جس سے خاصکر جناب امام حسین علیہ السلام کے معاملۂ کربلا کی نسبت شمس العلما صاحب کا اندازِ خیال ہویدا ہوتا ہے۔ شمس العلما صاحب اپنی اُسی تصنیف کے صفحہ ۴۹ مین تحریر فرماتے ہین کہ وہ پیغمبرؐ صاحب نے باختیار خود فقر و فاقہ مین زندگی بسر کی اور وہ مسکینی کو دوست بھی رکھتے تھے اور اپنے حق مین ایسے ہی زندگی کی دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ اور اپنی نسل کے حق مین فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا نسل سے قناعت نہو سکی لگے سلطنت کے خواب دیکھنے اپنا ادب بھی کھو بیٹھے۔ این ہم رفت و آن

ہم رفت۔ درپے جانان جان ہم رفت۔ حضرت علیؑ ہی کو خلافت کی کرسی پر بیٹھکر کتنی فتوحات حاصل ہوئین
بیچارے صرف چار برس نو مہینے خلافت کے ساتھ نام زد رہے اور شروع ہی مین اندرونی
خانہ جنگیون کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ اس سے فارغ ہوئے تو معاویہ نے خلافت پر قبضہ کیا اور اب
وہ برائے نام خلیفہ باقی رہگئے۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بڑے فرزند حسنؑ نے خلافت پر
بہت زور دیا۔ مگر چھ مہینے کے اندر ہی اندر انکو بھی خلافت سے دست بردار ہونا پڑا اب سلطنت کی باگ
معاویہ کے ہاتھ مین رہی اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکی نسل مین یہ سلسلہ جاری رہا۔ اُسوقت نسل فاطمہؑ کو
اپنے محترم نانا کی طرح چاہیے تھا صبر و قناعت مگر علی کے دوسرے فرزند حسینؑ نے معاویہ کے بیٹے یزید
کی خلافت کو تسلیم نہین کیا اور کوفہ مین آکر اپنی خلافت پر لوگون سے بیعت لی جسکا نتیجہ وہ ہوا جو سب کو
معلوم ہے۔ فاطمہؑ کی آئندہ نسل کو اُس نتیجہ سے عبرت پکڑنی چاہیے تھی مگر ملک داری کی ہوس نے انکو
کبھی چین سے بیٹھنے ہی نہین دیا" شمس العلما صاحب کی تحریر بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی دانست مین
آل محمدؐ صفت قناعت سے بالکل بے بہرہ تھے۔ ملک داری کی بڑی ہوس رکھتے تھے حسینؑ ابن
علیؑ نے جو یزید کی خلافت کو قبول نہین کیا تو ایک سخت بیجا کام کیا۔ امام عالیمقام کو راہ قناعت اختیار کرنا
تھی۔ ایسا جو نہین کیا تو اپنے فعل کی سزا پائی اس واقعہ سے نسل فاطمہؑ کو عبرت لینا تھی وغیرہ وغیرہ اس
انداز بیان سے ہویدا ہے کہ شمس العلما صاحب آل محمدؐ کو قابل توقیر نہین جانتے۔ ظاہر ہے کہ جب شمس العلما
صاحب کے نزدیک آل محمدؐ طماع و خود غرض تھے تو شمس العلما صاحب اُنہین کیون کر قابل توقیر سمجھ
سکتے ہین۔ کاش شمس العلما صاحب وہ ولا جو مخالفین آل محمدؐ کے ساتھ رکھتے ہین اُسکا نصف بھی
آل محمدؐ کے ساتھ رکھتے تو ایسی بے سر و پا تصنیف جسکا نام امہات الامہ ہے دنیا مین وجود پذیر
نہوتی۔ کیا غضب کا الزام ہے کہ آل محمدؐ صبر و قناعت سے دور تھے۔ ہائے کمبختی! صبر و قناعت و
رضا و حلم تو آل محمدؐ کا شیوہ ہی تھا۔ شمس العلما صاحب اپنی کم حوصلگی سے سمجھے ہوئے ہین کہ جناب
امام حسین نے ملک داری کی ہوس کے باعث یزید سے مقابلہ کیا تھا۔ ملک داری کی تو کوئی تمنا
ہی نہ تھی۔ امام عالیمقام صرف دینی بنیاد پر یزید سے جنگ آزما ہوئے تھے۔ نہ شمس العلما صاحب کے
اُس خلیفہ سے خود بیعت کرنا جائز جانتے تھے اور نہ اُس سے اُمت محمدی کا بیعت کرنا قرین حق سمجھتے
تھے۔ حضرت امام کو معلوم تھا کہ وہ خود بنفس نفیس امام برحق اور خلیفہ منجانب اللہ ہین۔ پس ایک ایسے
ننگ بنی آدم سے کیونکر بیعت کرسکتے تھے۔ اسی لئے راہ حق مین نہایت صبر و رضا کے ساتھ جان
دیدی۔ شمس العلما صاحب کا خیال جو امام علیہ السلام کی طرف یہ ہے کہ آپ نے دنیا طلبی مین اپنے
آپ کو ہلاک کیا یہ خیال یزیدیون کے سوا اور کسی مسلمان کا نہین ہوسکتا۔ آدمی جیسا ہوتا ہے
ویسے ہی اُسکے خیالات بھی ہوتے ہین۔ مجھے اس جگہ ایک نقل یاد آگئی ہے جو یہان پر نہایت چسپان

ہوتی ہے۔ حقیقت اسکی یہ ہے کہ ایک شخص جو اتفاق زمانہ سے صاحب اقتدار ہوگئے تھے ایکدن میرے
ایک دوست سے کہنے لگے کہ "وہ حسینؑ نے دنیا طلبی مین جان دی۔ اگر ملک و مال کی ہوس اُنکے دلمین نہوتی
تو یزید پر کیون خروج کرتے" میرے دوست نے جواب مین کہا کہ "چونکہ تم مال دنیا کے لئے جان دیتے ہو۔
ہمیشہ زر اندوزی مین مبتلا رہتے ہو۔ اور نہایت خست اور خود غرضی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہو تم اپنے
نفس پر جناب امام حسین کو بھی قیاس کرتے ہو۔ لاریب اَلمَرءُ یَقِیسُ عَلٰی نَفسِہٖ ایک نہایت مشہور قول ہے
مین تم کو جانتا ہون کہ تم کیسے آدمی ہو تم کو ہرگز فطرت نے ایسی صلاحیت ہی نہین بخشی ہے کہ تم جناب امام
حسینؑ کی خوبیون کا ادراک کرسکو تمہاری اندرونی ساخت بنی اُمیہ کی سی ہے۔ تم دنیا ہی کے لئے پیدا کئے
گئے ہو۔ تم جناب امام حسینؑ کی سخاوت مروت شجاعت اور اُنکی دیگر صفات حمیدہ کو کیون کرجان سکتے ہو۔ بُرا نہ مانو
تو تمہاری رشوت ستانیون کا دفتر مین تمہارے سامنے پیش کرون۔ اے امام حسینؑ کے دشمن زر اندوزی۔ زر
ستانی۔ ہوسناکی۔ ستم شعاری۔ اور خونریزی یزید و معاویہ کا شیوہ تھا یا جناب امام حسینؑ کا؟ میرے دوست
سے اپنی رشوت ستانیون کا مضمون سنکر وہ دشمن امامؑ دم بخود ہورہا۔ حضرات ناظرین کوئی تعجب نہین کہ ایسا شخص
جناب امام حسینؑ کو غیر قانع اور حریص قرار دے اور راس سر گروہ اتقیا کا قیاس اپنے نفس خبیث پر کرے۔

واضح ہو کہ ایسے اشخاص جو خلافت اور امامت کو ایک امر منجانب اللہ نہین جانتے اُنسے کچھ دور نہین کہ
اہل بیتؑ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو عوام الناس مین شمار کرین اور اُن کے معاملات کو شمس العلما صاحب
کی آنکھون سے دیکھین۔ ایسے لوگون کی آنکھون مین ضرور ہے کہ جناب امام حسین باغی خلافت معلوم ہون
اور اُنکی شہادت اُنکی بغاوت کی سزا دکھلائی دے مگر جو شخص خلافت اور امامت کو ایک امر منجانب اللہ جانتا
ہے وہ کسی طرح شمس العلما صاحب کا ہم خیال نہین ہوسکتا۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ باطل عقیدون کی بدولت
اہل بیت اور ائمہ اہل بیتؑ کی توقیر مسلمانون سے جاتی رہی ہے۔ مسلمانون کو معاملہ خاندان پیغمبرؐ پر غیر متعصبانہ
نظر ڈالنی چاہیے اور اس امر کو بچشم محقق دیکھنا چاہیے کہ اگر اسلام سے اہل بیتؑ نبوی اُٹھالئے جائین تو پھر اسلام
مین کیا باقی رہجاتا ہے مسلمانو! ڈرہی جائے عبرت ہو۔ بطریق بالا شمس العلما صاحب کا جناب امام حسین علیہ السلام
کو حریص و غیر قانع قرار دینا۔ محض معاملہ تقدیری ہے شمس العلما صاحب تو اپنے کو مسلمان کہکر جناب
امام حسینؑ علیہ السلام کو اس بدی کے ساتھ یاد کرین اور مسیو ماربین ملک جرمن کا حکیم اُس امام عالیمقام کی نسبت
اپنے خیالات شمس العلما صاحب کے خیالات کے تمامتر برعکس ظاہر کرے۔ گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے باشد پس امروز اگر فردائے۔ حکیم موصوف کی تحریر ذیل سے ظاہر ہوگا کہ جناب امام حسینؑ نے ہرگز ملک
گیری یا مال اندوزی کی ہوس مین واقعہ کربلا کے مصائب اپنے اوپر گوارا نہین کئے بلکہ اپنے نانا کے دین کو
بربادی سے محفوظ رکھنے کی غرض سے یہ سخت سے سخت کارروائی اختیار فرمائی ؎ تباہی مین سفینہ آچکا تھا
اُمت جد کا ۔ یہ کشتی بحر خون مین ڈوبکر شہ نے لگائی ہے۔ ذیل مین اُس حکیم روشن خیال کی کتاب سیاست

اسلامیہ کی ساتوین فصل سے کچھ حصّہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اہل انصاف خوبی تحریر کی داد دین اور حق پسندی سے داخل ثواب ہون۔ یزید کے ولیعہد معاویہ قرار دیے جانیکے بعد امام حسینؑ نے ایک جانب تو یہ دیکھا کہ بنی اُمیہ کی حرکتین جنہین عام سلطنت حاصل ہو چکی تھی اور ریاست روحانی پر بھی وہ مسلط ہو چکے تھے عنقریب مسلمانون کے عقیدہ کو اُن کے جد کے دین سے متزلزل کر دینگی۔ اور دوسری جانب انہین اسبات پر یقین ہو گیا کہ چاہے وہ یزید کی اطاعت اختیار کر لین یا نہ کرین بنی اُمیہ اپنی دیرینہ عداوت اور انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے نابود کر دینے مین کسی قسم کی فرو گذاشت نہ کرینگے اور اگر تھوڑے دنون بھی یہ حالت باقی رہی تو دنیا مین بنی ہاشم کا نام و نشان تک باقی نہ رہیگا یہی وجہ تھی کہ آپ نے بنی اُمیہ کے برخلاف اسلام مین ایک انقلاب قایم کرنیکا مصمم قصد فرما لیا تھا۔ چنانچہ جسوقت سے یزید معاویہ کا جانشین ہوا اُسوقت سے آپ نے اُسکی اطاعت سے انکار کو اپنے واسطے واجب سمجھ لیا۔ اور آپ اپنی اس مخالفت کو کسی سے پوشیدہ نہین کرتے تھے۔ اسی بنا پر یزید بھی آپ سے بیعت لینے اور آپکو اپنا مطیع بنانے کے واسطے مصر اور کوشان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے دیدہ و دانستہ اُس اعلیٰ خیال کیواسطے جو آپ کے دماغ مین موجود تھا اپنے لیئے۔ موت کو گوارا کیا اور اسلامی دنیا مین ایک اعلیٰ انقلاب قایم کرنیکی جہت سے آپ نے شہید ہونے پر پیش قدمی کی۔

جو شخص اُس زمانہ کے حالات اور بنی اُمیہ کی طرز معاشرت اور تمام اسلامی گروہون پر اُن کا غالب آجانا اور مسلمانون کی سُست اعتقادی ان تمام باتون سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہے وہ بلا تامل اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے کہ حسینؑ نے اپنی جان دیکر اپنے نانا کے دین اور اسلام کے قاعدون کو زندہ کر دیا اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور برقی احساس اُن حضرت کے شہید ہونے سے مسلمانون مین پیدا نہوتا تو ہرگز اسلام اپنی موجودہ حالت پر باقی نہ رہتا اور چونکہ ابھی اسکا ابتدائی کارخانہ تھا اس لیئے یہ بات ممکن تھی۔ کہ اُسکے رسوم اور قوانین بالکل نابود ہو جاتے چونکہ جناب امام حسین علیہ السلام کا اپنے والد کے انتقال کے بعد سے اس عالی مطلب کے پورا کرنے کا ایک ارادہ تھا۔ اسیلئے آپ نے یزید کے جانشین معاویہ ہونے کے تھوڑے ہی دنون بعد مدینہ سے اس بنا پر سفر اختیار کیا۔ تاکہ مسلمانون کے بڑے بڑے مقامات (مکہ و عراق وغیرہ) مین پہنچکر اپنے اعلیٰ خیال کو منتشر فرمائین۔ یہ آپکی سیاست کا مقدمہ تھا کہ جہان جہان آپ قدم رکھتے تھے وہان کے مسلمانون کے دلون مین بنی اُمیہ کی جانب سے نفرت پیدا ہوتی جاتی تھی۔

چونکہ یزید بھی ان باریکیون سے بے خبر نہ تھا اسلیئے جانتا تھا کہ اگر کسی چھوٹے مقام مین بھی آپ کا خیال کارگر ہو گیا اور آپ نے علم مخالفت بلند کر دیا تو بلحاظ اس نفرت کے جو مسلمانون کے دلون مین بنی اُمیہ طرز معاشرت اور حکومت نے پیدا کر دی ہے۔ اور بلحاظ اس قلبی توجہ کے جو مسلمانون کو حسینؑ کے ساتھ اسوقت مین موجود ہے نہایت سرعت کیساتھ آپ کا وہ خیالی تمام اسلامی ممالک مین جاری و ساری ہو جائیگا

اور سلطنت بنی اُمیہ کا دائمی قلع وقمع ہوجائیگا۔ یہ سبب تہا کہ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام باتون سے پہلے حسینؑ کے قتل کرنیکا پکا ارادہ کرلیا۔ بنی اُمیہ کی سیاسی غلطیون مین سب سے بڑی غلطی یہی تہی اور یہی ایک سیاسی خطا تہی جسکے سبب سے اپنے نام ونشان کو بنی اُمیہ نے صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کردیا۔

بہت بڑی دلیل اس بات پر کہ حسینؑ قتل گاہ تک گئے اور ہرگز ان کا قصد سلطنت اور ریاست حاصل کرنیکا نہ تہا۔ یہ ہے کہ حسینؑ اپنے اُس علم وسیاست اور تجربہ سے جو اُنہین اپنے پدر بزرگوار اور برادر والامقدار کے زمانہ سے بنی اُمیہ کے ساتھ جنگ وجدل کرنے کے متعلق حاصل تہا۔ خوب جانتے تہے کہ بحالت نہ مہیا ہونے اپنے اسباب کے اور بہ سبب اس اقتدار وعظمت یزید کے اسکے ساتھ مقابلہ کسی طرح ممکن نہین ہے۔ دوسرے یہ کہ حسینؑ اپنے پدر بزرگوار کے مقتول ہونے کے بعد اپنے مقتول ہونیکی ہمیشہ پیشین گوئی کیا کرتے تہے اور جسوقت سے کہ مدینہ سے آپنے حرکت کی صاف صاف اور بہ آواز بلند کہتے تہے کہ مین مقتول ہونے کے لئے جارہا ہون اور اپنے ہمراہیون سے بہی محض اتمام حجت کے لئے یہی بیان کرتے تہے تاکہ جو کوئی جاہ ومال کے حرص وطمع مین ہمراہی چاہتا ہو جدا ہوجاوے اور یہی بات اُنکے ورد زبان تہی کہ قتل گاہ کا راستہ میرے سامنے ہے اور یہ بہی سمجھنے کی بات ہے کہ حسینؑ کا اگر یہ ارادہ نہ ہوتا تو غور وفکر اور علم وارادہ کیساتھ مقتول ہوجانے پر آمادہ نہوتے اور اسطرح اپنا قتل گوارا نہ کرتے اور لشکر کے جمع کرنے مین بقدر امکان کوشش عمل مین لاتے نہ یہ کہ جو ہمراہ تہے اُنہین بہی متفرق اور پراگندہ کردیتے چونکہ کوئی قصد سوائے مقتول ہوجانے کے کہ جو اُن خیالات عالی اور اُس مقدس ریوولیوشن Revolution کا مقدمہ تہا۔ مدنظر ان کے نہ تہا۔ اسلئے اُنہون نے یہی سمجھکر کہ بہت بڑا ذریعہ اس کا بیکسی اور مظلومیت ہے۔ اُسیکو اختیار کیا تاکہ اُنکی مصیبت دلون مین زیادہ تر مؤثر ہوجائے۔

ظاہر ہے کہ وہ محبوبیت کا مرتبہ جو اُس زمانہ مین حسینؑ کو مسلمانون مین حاصل تہا اگر اُسکے ساتھ اپنی قوت بڑہانا چاہتے تو ایک بڑا لشکر فراہم کرسکتے تہے مگر اس صورت مین اگر وہ مقتول بہی ہوتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت وبادشاہی کی خواہش مین مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جسکا نتیجہ عظیم الشان ریوولیوشن یعنی انقلاب تہا حاصل نہوتا پس سوائے اُن لوگون کے جنکی جدائی امکان سے باہر تہی کسی کو اپنے ساتھ نہین رکہا مثل فرزند برادر اور بہتیجے اور بنی اعمام اور چند مخصوص احباب باوفا کے۔ تاآنکہ اُنسے بہی فرمایا کہ تم بہی ہمین چہوڑکر جدا ہوجاؤ۔ مگر اُنہون نے منظور نہ کیا۔ اور وہ بہی ایسے حضرات تہے کہ مسلمانون کے نزدیک تقدس اور جلالت قدر کے اوصاف رکہتے تہے اور اُن کا حسینؑ کے ساتھ قتل ہونا اس واقعہ کی زیادہ عظمت وتاثیر کا سبب ہوا۔ حسینؑ نے اپنے علم وسیاست کی قوت کیساتھ بنی اُمیہ کے ظلم وستم کے افشا مین اور اُن خیالات کے اظہار مین جو بنی ہاشم اور اولاد محمدؐ کی عداوت مین اُن لوگون کے دلون مین تہے کوئی دقیقہ اُٹہا نہین رکہا۔ اُن مین سے ایک بات یہ ہے

کہ چونکہ بنی امیہ کی عداوت کو آپ اپنے اور اپنے خاندان کے ساتھ جان چکے تھے کہ میرے قتل
کے بعد بنی ہاشم کی عورتین اور بچّے جو کہ آل محمدؐ تھے اسیر و مقید ہو جائینگے اور یہ واقعہ مسلمانون
مین علی الخصوص عرب مین اُس درجہ پر پُرتاثیر ہو جائے گا جس کا تصور بھی نہین ہو سکتا۔ چنانچہ
ایسا ہی ہوا اور بنی اُمیہ کی ظالمانہ حرکات اور اُنکے بے رحمانہ سلوک جو اُنھون نے اپنے نبیؐ کے
مخدرات اور اطفال کے ساتھ برتے۔ مسلمانون کے دِلون مین ایسی تاثیر کر گئے جو کسی طرح حسینؑ اور
اُنکے ہمراہیون کے قتل ہو جانے سے کم نہ تھی۔ جسنے خاندان محمدؐ کے ساتھ بنی اُمیہ کی دشمنی کو
اور اسلام کے ساتھ اُن کے عقائد کو اور مسلمانون کے ساتھ اُن کے برتاؤ کو اچھی طرح واضح کردیا
یہ سبب تھا کہ حسینؑ اپنے ان دوستون سے جو اُنھین اس سفر سے ممانعت کرتے تھے۔ صاف
طور پر کہدیتے تھے کہ مین تو مقتول ہو جانیکے لئے جا رہا ہون۔

چونکہ اُن لوگون کے خیالات محدود تھے۔ اور حسینؑ کے مقاصد عالیہ پر اُنھین اطلاع نہ تھی اس
سفر سے ممانعت مین اصرار کرتے تھے۔ جس کا آخری جواب حسینؑ کی طرف سے یہ تھا کہ خدا کی
مشیت یہی ہے۔ میرے نانا نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ اور جب وہ یہ اصرار کرتے تھے کہ جب
آپ مقتول ہو جانیکی غرض سے جاتے ہین تو عورتون اور بچّون کو ہمراہ نہ لیجایئے تو جواب مین فرماتے
تھے کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میرے عیال اسیر و مقید ہون اور حسینؑ کے کلمات اسوقت
چونکہ روحانی ریاست کی حیثیت سے تھے لاجواب تھے۔ یعنی کسیکو مجال دم زدن نہ ہوئی تھی
اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حسینؑ سوائے اُن عالی خیالات کے جو اُن کے دماغ مین
تھے کوئی دوسری غرض خیال مین لاتے ہی نہ تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مصائب اُنھون نے
سلطنت و بادشاہی کے لئے برداشت نہین کئے۔ اور نہ بغیر سمجھے ہوئے اس مہلکۂ عظیم مین اُنھون
نے قدم رکھا۔ جیسا کہ ہمارے بعض مؤرخین نے خیال کرلیا ہے۔ اور دلیل اسکی یہ ہے کہ وہ اپنے
اُن مخصوص اصحاب سے جن کا دماغ روشن اور عقل سلیم تھی اس واقعہ کے سالہا سال پیشتر
اپنی مصیبتون پر تسلی دینے کی غرض سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے قتل ہو جانے کے بعد اور اُن
جانکاہ مصائب کے گذر جانے کے بعد خداوند عالم ایک جماعت کو آمادہ کرے گا جو حق کو باطل سے
جدا کردے گی اور ہماری قبرون کی زیارت کیا کریگی اور ہماری مصیبتون پر رویا کرے گی اور دشمنان آلِ
محمدؐ کو اچھی طرح ہلاک کرے گی یہ لوگ خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کی ترویج کرین گے
اور مین اور میرے جد بزرگوار انھین دوست رکھینگے اور وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ محشور
ہون گے،، آئے حضرات ناظرین کیا جائے تعجب ہے کہ ایک نامسلمان قوم کا عالم واقعہ
کربلا کی حقیقت بوضع بالا یون بیان کرے کہ جس سے جناب سید الشہدا علیہ السلام کی انتہا

درجہ کی عظمت ثابت ہوتی ہے اور دلی کے شمس العلما صاحب دعوئے اسلام رکھکر جناب امام حسین کی طرف ایسے نامحمود صفات منسوب کرین جو رذیلون کے سوا شریفون مین کبھی وجود نہین رکھہ سکتین - یہ تو کوئی بھی نہین کہہ سکتا کہ شمس العلما صاحب فاتر العقل تھے اگر فاتر العقل ہوتے تو اکتساب مال وجاہ کیونکر کر سکتے - لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ واہب العطایا نے شمس العلما صاحب کو دولت ولائے آل محمد سے محروم رکھا تھا - جیسا کہ حضرت کی تصنیف امہات الامہ سے عیان و آشکار ہے - این سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ -

واقعہ کربلا ایک بڑا توجیہ طلب واقعہ ہے

واضح ہو کہ واقعہ کربلا ایک ایسا معاملہ ہے جو ادیب مورخ حکیم فلسفی اور ہر صاحب دماغ کی توجیہ کا طالب ہے - اسلام مین مذہبی اور اخلاقی پہلو کے اعتبار سے یہ ایسا واقعہ ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا واقعہ نہین ہوا - بلکہ اگر اس کا موازنہ اور ایسے واقعات کے ساتھ کیا جائے جو رزمی شاعری کے پیرایہ مین حوالہ قلم ہوتے گئے ہین تو اس کی عظمت کا کہین بھی جواب نہ دکھائی دیگا - چونکہ یہ ایک رزمی واقعہ ہے اور دو فریق کی مخاصمت پر مبنی ہے اس لئے فریقین کے ممتاز افراد کے نام درج ذیل کئے جاتے ہین - یہ افراد یا حسینی ہین یا یزیدی -

افرادِ حسینی

حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام - حضرت مسلم چچازاد بھائی حضرت امام علیہ السلام کے - حضرت عون و محمد پسران حضرت زینب - حضرت امام زین العابدین علیہ السلام - حضرت علی اکبر دو صاحبزادے حضرت امام علیہ السلام کے - جنہین حضرت زینب خواہر حضرت امام علیہ السلام نے پرورش کیا تھا - اور اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین - حضرت علی اصغر شش ماہہ صاحبزادے امام علیہ السلام کے - حضرت زینب و ام کلثوم بیٹیان علی و فاطمہ کی بہنین جناب امام علیہ السلام کی جو امام علیہ السلام سے بیحد محبت رکھتی تھین - حضرت فاطمہ صغرا جناب امام حسن علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی جن کو جناب امام حسین علیہ السلام بیماری کی حالت مین مجبوراً مدینہ مین چھوڑ آئے تھے - حضرت فاطمہ کبری وہ صاحبزادی جناب امام حسین السلام کی

جو کربلا مین امام علیہ السلام کے ساتھ تشریف لائی تہین حضرت[10] سکینہ خاتون دوسری صاحبزادی۔ حضرت[11] ام لیلےٰ و ام رباب[12] جو امام علیہ السلام کی ازواج محترمہ تہین حضرت[13] قاسم صاحبزادے جناب امام حسنؑ علیہ السلام کے حضرت[14] عباسؑ علمدار جناب امام علیہ السلام کے گو حقیقی بہائی نہ تہے۔ مگر حضرت کے بڑے فدائی تہے خلوص وجان نثاری مین اپنا جواب نہ رکہتے تہے۔ حضرت[15] حرؑ جو پہلے یزید کے سپہ سالار تہے۔ مگر بخت کی مساعدت سے لشکر یزید کو چہوڑ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آملے اور دولت شہادت حاصل کی۔ حضرت[16] حبیب ابن مظاہر جو بڑے دوستدار امام علیہ السلام کے تہے اور میدان کربلا مین شہید ہوئے۔ نیز وقت شہادت آپ معمر ہو چکے تہے۔ حضرت[17] فضہ خاتون جو حضرت خاتون جنت کی کنیز تہین اور آپ کی رحلت کے بعد حضرت زینبؑ کی خدمت مین رہا کین۔ ہند[18] جو یزید کی بی بی تہین اور اہل بیت نبوی کے ساتھ قلبی اتحاد رکہتی تہین۔ واقعہ کربلا کی خبر ہی نہین رکہتی تہین۔ مگر جب اہل حرم نبوی اسیر ہو کر دمشق مین لائے گئے تو یہ نیک بی بی اہل حرم کو زندان دمشق مین دیکہنے آئین۔ ان کو افراد حسینی مین شمار کرنا خلاف محل نہین ہے۔ حضرت[19] وہب ابن عبداللہ کلبی زہیر[20] قین۔ واضح ہو کہ یہ وہ ممتاز اسما ہین جو مراثی مین درج پائے جاتے ہین۔

افرادِ یزیدی

یزید[1] ابن معاویہ خلیفۂ وقت۔ ابن[2] زیاد بیٹا زیاد کا جس کے ساتھ معاویہ نے برادری قایم کی تھی۔

وقت واقعہ کربلا ابن زیاد یزید کی طرف سے کوفہ کا حاکم تہا۔ اور یزید کی نیابت مین جناب امام حسین علیہ السلام پر لشکر کش ہوا۔

عمر[3] ابن سعد لشکر یزید کا سپہ سالار تہا جسنے ابن زیاد کی ماتحتی مین امام علیہ السلام پر میدان کربلا مین فوج کشی کی۔

شمر[4] جو سینۂ امام علیہ السلام پر سوار ہوا۔

خولی[5] جسنے امام علیہ السلام کے سر مبارک کو تن اطہر سے جدا کیا۔

حرملہ[6] جسنے حضرت علی اصغرؑ کو تیر سے شہید کیا۔ نوفل[7] حکیم[8] ابن طفیل۔

دشمنان امام کی خرابی

واضح رہے کہ یہ سب کے سب اشقیا اور نیز جتنے بدنصیب قتل حسینؑ کے شریک تہے

یعنی چار برس کے اندر یا خود مر گئے یا مارے گئے۔ کوئی بھی اُنسے دنیا کے آرام اُٹھانیکے لیے بہت دنون تک زندہ نہین رہا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ تمام دشمنان امام علیہ السلام بڑی بڑی عقوبتون کے ساتھ تھوڑے ہی عرصہ مین ہلاک ہو گئے۔

خود یزید اس واقعہ کے تین سال اور چھ مہینے کے اندر جہنم واصل ہو گیا ؎

نماند ستمگار بد روزگار　　بماند بر و لعنت کردگار

دوستداران یزید از وقت یزید تا این دم اور از این دم تا حشر مستحق لعنت ابدی متصور ہین اور بالیقین اُن کا حشر اُن کے آقا یزید کے ساتھ ہوگا اور اُسی بد نصیب کے ساتھ ابد الآباد عقوبت جہنم مین مبتلا رہین گے

فلسفۂ واقعۂ کربلا و حکمت کی تقسیم

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حکمت دو قسم کی ہے ایک نظری اور دوسری عملی پھر عملی کی تین قسمین ہین۔ یہ تینون قسمین تہذیب الاخلاق۔ تدبیر المنزل اور سیاست المدن ہین اسکی اول قسم کو ہر شخص کی ذاتی حیثیت۔ دوسری کو اُسکے امور خانہ داری اور تیسری کو اُسکے ملکی معاملات یعنی پالیٹکس کے ساتھ تعلق ہے۔ ذیل مین یہ تینون قسمین واقعہ کربلا کے تعلق کے ساتھ گذارش ہوتی ہین۔

تہذیب الاخلاق

یہ پہلی قسم حکمت عملی کی ہے۔ اور اس سے ہر فرد بشر عام اس سے کہ کسی درجہ اور حیثیت کا ہو تمام تر تعلق رکھتا ہے۔ آدمی ہو کر اگر کسی مین آدمی کے اخلاق حسنہ موجود نہون تو اُس کا شمار آدمیون مین نہین کیا جا سکتا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ خدا تعالےٰ نے بنی آدم کو دو طرح کے وجود بخشے ہین۔ ایک وجود ظاہری جو عبارت ہے اسکے کالبد خاکی سے جس مین لحم و شحم و اعصاب و شرائین وغیرہ داخل ہین۔ دوسرا وجود باطنی جسمین اُسکے قوائے اخلاقیہ داخل ہین۔ قوائے اخلاقیہ دو قسم کے ہین حسنہ اور ذمیمہ حسنہ ایسے قوے ہین کہ اگر انسان کو تفویض نہوئے ہوتے تو انسان دیگر حیوانات پر شرف نرکھ سکتا۔ ذمیمہ اُن کے برخلاف ہین۔ اور ایسے ہین کہ اگر ادنگی خبر نہ لیجائے تو انسان حیوانات سے رذیل تر حالت پیدا کر سکتا ہے پس جاننا چاہیے کہ انہی قوائے اخلاقیہ کی تہذیب سے حکمت عملی کی پہلی قسم کو بحث ہے۔

معاملہ کربلا پر نظر ڈالنے سے یہ بات بیّن طور پر عیان ہوتی ہے کہ یہ معاملہ اخلاقی پہلو سے ایک بڑا مصلح اخلاق معلوم ہوتا ہے یعنی تہذیب الاخلاق کا بڑا سرمایہ رکھتا ہے۔

انسان کے اخلاق حسنہ اُسکی مروت فتوت۔ شجاعت۔ سخاوت۔ صبر۔ رضا۔ حلم۔ ستاری۔ غفاری۔ کرم۔ عبادت۔ ریاضت۔ زہد۔ تقوےٰ۔ شرم۔ حیا۔ وفا۔ خلوص وصدق وصفا۔ وغیرہ ہین۔ اسیطرح اسکے اخلاق ذمیمہ ہین بخل۔ حرص۔ ہوا۔ غیظ غضب۔ قہر۔ طمع۔ عداوت۔ وقاحت۔ کذب وحسد وغیرہ ہین۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے اخلاق حسنہ کی ترقی اور اخلاق ذمیمہ کی تنزلی کیلیے ہمیشہ کوشان رہے۔ اسی ترقی اور تنزلی کا دوسرا نام تہذیب الاخلاق ہے۔ واقعہ کربلا ایک ایسا بزرگ واقعہ ہے کہ اُسکے جزئیات پر نظر ڈالنے سے انسان کو تہذیب الاخلاق کا پورا پورا میدان ہاتھ آتا ہے۔ افراد حسینی جسقدر اخلاق حسنہ کی دلکش مثالین پیش کرتے ہین۔ اُسی درجہ افراد یزیدی اخلاق ذمیمہ کے ہولناک تماشے دکھلاتے ہین۔ مثلاً اگر امام حسین لشکر حرؒ اور اُسکے دواب کو کمال مروت وشجاعت وسخاوت سے اپنے پاس کا پانی پلاکر سیراب کرتے ہین تو ابن زیاد وعمر سعد ودیگر ملاعین اسی محسن لاجواب اور اُسکے عزیزون پر آب فرات بند کرتے ہین۔ بلکہ آب طلبی کے جواب مین ان اشقیا مین سے حرملہ۔ آپکے شش ماہہ علی اصغرؑ کا تیر سے نہایت بیرحمی کے ساتھ کام تمام کر دیتا ہے۔ اسیطرح سینکڑون مثالین ایسی پیش کیجا سکتی ہین جنسے افراد حسینی کے اخلاق حسنہ اور افراد یزیدی کے اخلاق ذمیمہ کے فوٹو پیش نظر ہوجا سکتے ہین۔ میر انیس صاحب اپنی حیرت انگیز قوت بیانیہ کے ذریعہ سے نہایت خوبی کے ساتھ فریقین کے اخلاق کی تصویرین کھینچتے گئے ہین۔ میر صاحب نے دکھلا دیا ہے کہ جناب امام حسین اور اُن کے پیرو کیا تھے اور یزید اور اُسکے ساتھی کیا تھے۔ جناب امام حسینؑ اور اُنکے طرفدار کسقدر دنیا طلبی سے دور تھے اور یزید اور اُسکے ہوا خواہ کسقدر غرق دنیاداری تھے۔ دین کے لیے جناب امام حسینؑ بیعت یزید سے انکار رکھتے تھے اور دنیا کیلیے یزید جناب امام حسینؑ سے طالب بیعت تھا۔

دین کیلیے پیروانِ امام علیہ السلام پیروان امام علیہ السلام تھے۔ اور دنیا کے لئے پیروان یزید پیروان یزید تھے۔ میر صاحب نے کس سچائی کے ساتھ جناب امام حسین علیہ السلام کے صفات مروت فتوت شجاعت سخاوت صبر۔ رضا حلم۔ رحم۔ کرم۔ عبادت۔ ریاضت۔ زہد وتقوےٰ وغیرہ وغیرہ کو ہدیۂ اہل خلوص کیا ہے۔ عونؑ ومحمدؑ وعلیؑ اکبر وقاسم ابن حسنؑ وعباسؑ علمدار کے اخلاق حسنہ کی سچی تصویرین کھینچی ہین۔ حضرت حرؒ کی حق پسندی۔ اعتراف حق اور طرفداری حق کو کن خوبیون کے ساتھ زیب رقم فرمایا ہے۔ اسی طرح تمام افراد حسینیؑ کے محاسن سے اپنی وقایع نگاری کو زینت بخشی ہے۔ اسکے خلاف یزید اور اُسکی قوم ظلم سرشت کے سارے اخلاق ذمیمہ کے سچے حالات نہایت خوبی وقابلیت کے ساتھ حوالہ قلم کئے ہین۔ راقم کی دانست مین ہر ذی فہم شخص کا فرض منصبی ہے کہ تہذیب اخلاق کی نظر سے میر انیس صاحب کے مراثی کی سیر کرے۔ اسلیے کہ واقعہ کربلا بڑا مہذب اخلاق معاملہ ہے اور میر انیس صاحب کے نطق بیانات نے اس واقعہ کی کیفیتین نہایت خوش اسلوبی کیساتھ پیش نظر کر دی ہین

…س علما مولوی نذیر احمد صاحب مصنف "امہات الامۃ" کا یہ لکھنا کہ جناب امام حسینؑ نے اپنے کفاف پر قناعت نہ کی اور خلیفہ وقت پر خروج کیا شمس العلما صاحب کی بڑی ناحق پسندی سے خبر دیتا ہے۔

جناب امام حسینؑ علیہ السلام ہرگز غیر قانع شخص نہ تھے۔ امام علیہ السلام نے ہرگز ملک و مال کے لالچ سے یزید کا مقابلہ نہیں کیا۔ امام علیہ السلام اپنے آپکو رسولؐ اللہ کا برحق جانشین سمجھتے تھے اسلئے یزید کی بیعت سے انکار رکھتے تھے۔

شمس العلما صاحب کی طرف سے امام علیہ السلام پر حریص و غیر قانع ہونیکا الزام عمر ابن سعد اور ابن زیاد کی کارروائیوں سے کم نہیں معلوم ہوتا ہے شمس العلما صاحب نے عموماً آل محمدؐ کو حریص اور لالچی قرار دیا ہے اور امام علیہ السلام کو بالتخصیص۔ ایسے امام عالیمقام کے نام نیک کو ضائع کرنیوالا ہرگز محبوب جناب رسالتمآب نہیں ہو سکتا۔ یہ کونسی مسلمانی ہے جس کا دار و مدار آل محمدؐ کی عداوت پر ہے۔

مجھے شمس العلما صاحب اور مرزا حیرت دہلوی پر نہایت افسوس ہے کہ ان دونون صاحبون کو تقدیر نے آل محمدؐ کا بدگو بنا دیا۔ حریص و غیر قانع ہونے کا الزام جناب امام حسین علیہ السلام پر ایک عجب حیرت خیز الزام ہے۔ یہ الزام البتہ پورے طور پر معاویہ پر عائد ہوتا ہے۔ اسلئے کہ حسب فرمودہ حضرت نبیؐ ان صاحب کا شکم مبارک کسی طور پر پر نہیں ہو سکتا تھا۔

جائے انصاف ہے کہ یہ الزام یزید کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ جناب امام حسینؑ اور ان کے خاندان پاک سے۔ واقعی امر یہ ہے کہ نہ جناب امام حسینؑ حریص و غیر قانع تھے۔ اور نہ جناب امام حسنؑ اور نہ جناب علیؑ مرتضیٰ اور نہ جناب محمدؐ مصطفےٰ۔ اس خاندان عالی کو حرص و طمع سے کیا علاقہ ہو سکتا تھا۔

حرص و طمع شان بنی امیہ کی تھی نہ کہ بنی ہاشم کی شمس العلما صاحب۔ خدا آپ پر اور آپ کے ہم خیالون پر رحم فرما کر آپ حضرات کو آل محمدؐ کی خوبیون کے ادراک کی توفیق عطا فرماوے آپ کا معاملہ نہایت افسوسناک معلوم ہوتا ہے۔ ہم آپ کی ہدایت کے لئے تہ دل سے دعائے خیر کرتے ہین۔ اسکے سوا اور کیا عرض کرین۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امامت اور خلافت کو ایک امر منجانب اللہ سمجھتا ہے تو اس عقیدہ کی پابندی کیساتھ امام علیہ السلام کو حریص و غیر قانع نہیں قرار دیسکتا۔ فقیر کی دانست مین جناب رسولؐ خدا کے خلیفہ اور امام کو خلیفہ اور امام منجانب الناس سمجھنا پہلا زینہ الحاد کا ہے۔ ایسے عقیدہ والے کسیطرح پر روحانیات کے قائل نہیں ہو سکتے۔ ایسا عقیدہ ضرور ہے کہ ایسے عقیدہ والے کو تادم مرگ پابند مادیات رکھے۔ ایسے عقیدہ والے کو میٹریلسٹ Materialist ہونے سے کوئی چارہ نہیں۔

خاندان پیغمبرؐ پر یہ حرص و طمع کا الزام مجرد ایسے ہی عقیدہ باطل کا نتیجہ ہے معاذ اللہ خاندان پیغمبرؐ اور حرص و طمع کا الزام! اگر جبر روحانیت کا مضمون درمیان سے اٹھ گیا تو جیسے محمدؐ مصطفےٰ

ویسا ابوسفیان اور جیسے علیؑ ویسا معاویہ۔

تدبیر المنزل

یہ وہ قسم حکمت عملی کی ہے جو امور خانہ داری عزیز داری اور معاشرت سے تعلق رکھتی ہے اس حکمت کی پہلی قسم جیسا کہ بالا مین عرض کیا گیا ہر شخص کی ذات کیساتھ متعلق ہے۔ اس سے کسی متنفس کو چھٹکارا ہو نہین سکتا۔ اگر کوئی شخص روئے زمین پر کہین تنہائی مین بھی زندگی بسر کرتا ہے تو اس سے اُسکا ذاتی تعلق بھی قطع نہین ہو سکتا۔ مگر دوسری قسم جو اصطلاح حکما مین تدبیر المنزل کہلاتی ہے اُسکو سراسر زن و فرزند و عزیز و اقربا و احباب و غیر احباب سے علاقہ ہے۔ یہ قسم ان لوگون کے حقوق سے خبر دیتی ہے۔ اُنکے ساتھ معاشرت کے اصول سکھلاتی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ پہلے اپنے اخلاق کو درست کرے اور اُسکے بعد تدبیر المنزل کے اصول کیمطابق کاربند ہوا کرے۔ واقعہ کربلا کو اس قسم سے بھی بڑا تعلق ہے۔ جاننا چاہیے کہ امام علیہ السلام کے برتاؤ حضرت امّ لیلےؑ حضرت امّ رباب حضرت زینبؑ خاتون حضرت فاطمہؑ صغرا حضرت فاطمہؑ کبرا حضرت سکینہؑ خاتون حضرت عباسؑ حضرت علی اکبرؑ حضرت علی اصغرؑ حضرت قاسمؑ حضرت عونؑ حضرت محمدؑ حضرت حبیبؑ ابن مظاہر حضرت حرؑ اور جمیع شرکائے واقعہ کربلا کیساتھ تدبیر المنزل کے اصول کی بڑی پابندی سے خبر دیتے ہین۔ شوہر کا برتاؤ بی بی کے ساتھ بھائی کا برتاؤ بہن کے ساتھ باپ کا برتاؤ بیٹے کے ساتھ ماموں کا برتاؤ بھانجے کے ساتھ چچا کا برتاؤ بھتیجے کے ساتھ دوست کا دوست کے ساتھ آقا کا برتاؤ رفقا اور تابعین کیساتھ کیا ہونا چاہیے اُسے یہ واقعہ بزرگ بہت خوش اسلوبی کیساتھ اہل فہم کی آنکھون کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ میر انیس صاحب اپنی الہامی قوت سے اس واقعہ کے بیان مین تدبیر المنزل کے مسائل نہایت پاکیزگی کے ساتھ حوالۂ قلم فرما گئے ہین۔ کچھ شک نہین کہ میر صاحب نے اس واقعہ کے لگاؤ سے تہذیب الاخلاق کے مسائل کو بھی بڑی قابلیت کے ساتھ زیب رقم فرمایا ہے۔ پس میر صاحب کے مراثی صرف ان دو اعتبار سے ایسے ہین کہ انسان عام اس سے کہ کوئی مذہب رکھتا ہو۔ اپنے کو اُن کے مطالعہ سے محروم نہ رکھے۔ واقعی یہ ایک بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ انسان میر صاحب جیسے شاعر گرامی کے کلام معجز نظام سے مستفید نہ ہو سکے۔ اللہ اکبر۔ میر انیس کتنے بڑے شاعر اُردو زبان کے گذرے ہین کہ اُنکی قابلیت شاعری کا موازنہ ہرگز کوئی آسان امر نہین ہے۔ اگر میر صاحب یورپ کے کسی مُلک مین تولد ہوئے ہوتے تو اسوقت کی تعلیم یافتہ دنیا میر صاحب کا کلمہ پڑھتی مگر حیف صد حیف کہ ایسے جاہل ملک مین میر صاحب عالم وجود مین آئے جہان میر صاحب کا ہونا اور نہ ہونا مساوی دکھائی دیتا ہے۔ کیا ایسا ملک میر صاحب کا قدر شناس

ہو سکتا ہے جو قومی ادبار مین مبتلا ہو رہا ہو اور جسکی وہ زبان جسمین آپ اپنا کلام چھوڑ گئے ہین مردود سلطانی ہو رہی ہو - ملک کی جہالت اور بداقبالی کی تو یہ حالت پہنچی ہے کہ آپ کے مراثی اس نا توجہی اور نکبت کیساتھ چھاپے گئے ہین کہ خدا کی پناہ - آپ کے مراثی کے اعتبار سے تو چھپے نامے اور قلمی نامے ہمراحل بہتر سمجھتے ہین - یہ عنوان اگر قومی بداقبالی سے نہین خبر دیتا تو اور کیا ہے - میر تقی صاحب میر کا دیوان جو لندن مین اسقدر خوشخط اور صحیح چھپا ہے اسکی اور کوئی وجہ نہین ہے - الا یہ کہ میر تقی صاحب کا کلام ایک ایسی قوم کو ہاتھ لگ گیا جو تقاضائے اقبال سے کسی مصنف کی تصنیف کو غلط اور بدخط چھاپ ہی نہین سکتی - وائے بر اہل ہند و وائے بر کلام میر انیس مرحوم وا دریغا و وا حسرتا - اس شاعر گرامی کے مراثی کے یورپ مین پہنچنے کی ظاہرا کوئی صورت نہین معلوم ہوتی لیکن راقم کو اس کا یقین ہے کہ جس وقت اہل یورپ میر انیس صاحب کے کلام سے واقف ہو جائینگے قدردانی مین ذرا بھی کمی نکرینگے -

سیاست المدن

حکمت عملی کی یہ تیسری قسم ہے اور یہ وہ قسم ہے کہ جسکو ملک داری سے سراسر تعلق ہے - یہ قسم تمام تمدنی امور سے علاقہ رکھتی ہے - تمام دنیا کی سلطنتون کی کارروائیان اسی کے جاننے پر منحصر ہو رہی ہین - یورپ مین اس قسم نے ایسا عروج پکڑا ہے کہ ہم ہند یون کے فہم سے وہان کے پولیٹکل معاملات بالکل باہر ہین - خیر - واقعۂ کربلا بھی ایک بھاری انداز کا تمدنی پہلو رکھتا ہے - اسکی حیثیت اسقدر عظیم ہے کہ سیاست المدن کے دشوار دشوار مسائل اس سے علاقہ رکھتے ہین اس واقعہ کے بعض تمدنی پہلوون کا ذکر ذیل مین جگہ پاتا ہے

بنی ہاشم کی انقلابی حالت

جب جناب رسول خدا ہجرت فرما کر مدینہ مین قیام پذیر ہوئے تو انصار اور بنی ہاشم کی مدد سے مدینہ مین آنحضرت کی ایک دینی ریاست قایم ہوگئی - ہر چند کہ بنی امیہ اور انکے ساتھ اور اور قبیلے وقتاً فوقتاً مدینہ پر اس غرض سے حملہ آور ہوتے رہے کہ یہ دینی ریاست خراب و تباہ ہو جائے - مگر دشمنان جناب رسول خدا کو ہمیشہ ناکامیابی لاحق ہوا کی بنی امیہ جناب رسول خدا کے مقابل مین بدر و احد و خندق و حنین کی لڑائیان لڑتے گئے مگر ان لڑائیون سے سوائے نقصان کوئی فایدہ نہ اٹھا سکے بلکہ دس برس کے اندر خود اسقدر شکستہ حال ہو گئے کہ آیندہ انکو سر اٹھانیکی طاقت نرہی - جناب رسول خدا بڑی محنت اور جانفشانی سے قبیلۂ بنی امیہ سر کر سکے - ان کا

سر کیا جانا ہر پہلو سے قرین مصلحت تھا - اول تو یہ قبیلہ بیدین سرکش مفسد بد ترکیب اور متفنی ہونیکے باعث نہایت پر آشوب تھا - دوم یہ کہ اُسکی سلامتی مین اسلام کی سلامتی نظر نہ آتی تھی - پس جناب رسولؐ خدا نے بڑی خوش اسلوبی کیساتھ اپنے ہی وقت مین اس قبیلہ کو اسقدر زیر و زبر کر ڈالا کہ نہ صرف اسلام کو بلکہ تمام بنی ہاشم کو اُس سے کسی قسم کی مضرت پہنچنے کا قرینہ باقی نہین رہا - آنحضرت کو اس کام کے انجام مین جناب علی مرتضےٰ سے کتنی مدد پہنچی اہل سیر سے پوشیدہ نہین ہے - مگر بنی اُمیہ کو تو وفات آنحضرتؐ کے بعد زور پکڑنا اور واقعہ کربلا کو ظہور مین آنا تھا جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے ساتھ ہی ابو سفیان جو بنی اُمیہ کے سردار تھے آسانی کے ساتھ مالکِ مُلکِ شام ہو گئے - خود تو آپ مکہ سے شام کو نہین گئے مگر بیٹے کو حاکم شام بنا کر شام کو روانہ کر دیا - پہلے تو بنی اُمیہ شام مین حضرات خلفائے ثلثہ کے ماتحت رہے - پھر خود تمام بلاد اسلام کے مالک مستقل ہو گئے - اُنکی سلطنت ۹۰ برس تک قایم رہی اور جسقدر بنی ہاشم پریشان حال رہے اسیقدر بنی اُمیہ کو طرح طرح کی دُنیوی ثروت نصیب رہی - جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد ہی بنی اُمیہ کی اسطرح کی اعانت ایک صریحی غلطی خلافت کی تھی - اگر علیؑ پر خلافت قرار پاتی تو بالیقین بنی امیہ ویسے ہی کمزور رہتے جیسا کہ جناب رسولؐ خدا انہین چھوڑ گئے تھے - لیکن اگر خلیفہ ہو کر علی بھی بنی اُمیہ کے معین نکلتے تو واقعہ کربلا کا سارا الزام حقاً آپ ہی کو دیا جاتا - مگر یقیناً علیؑ بنی امیہ کی اعانت کسی حال مین جائز نہین رکھ سکتے تھے - اسلیے کہ علیؑ ظاہراً و باطناً جناب رسولؐ خدا کی پالسیون سے ذرہ برابر بھی مخالفت نہین رکھتے تھے - لاریب علیؑ کے خلیفہ قرار نہ پانے سے صرف یہی نہین ہوا کہ خاندان پیغمبرؐ پریشان حال ہو گیا - بلکہ خود اسلام نے خاندان پیغمبرؐ کے اسلام سے ایک علیحدہ رنگ پکڑا جسوقت واقعہ کربلا بنی ہاشم یعنی آلِ محمدؐ کو پیش آیا اُسوقت تمام شام اور دیگر بلاد اسلام کا وہی مذہب تھا جو اجتہادات ابن مسعود کی تدوین سے قایم ہوا تھا اس مذہب سے بنی ہاشم تمامتر بیسروکاری رکھتے تھے اسلیے کہ یہ مذہب اُنکے گھر کا نہ تھا - کوئی شک نہین کہ اگر علیؑ بہ اسباب ظاہر جناب رسولؐ خدا کے جانشین قرار پاتے تو اس مذہب ہی کا وجود نہوتا اور تب تمام اسلامی دنیا مین وہی مذہب مانا جاتا جسکو جناب شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی و دیگر علمائے اہل سنت مذہب علیؑ کہتے ہین - بلاشبہ واقعہ کربلا بنی ہاشم کی بڑی تباہی کی خبر دیتا ہے - مگر اس واقعہ کا تخم جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے قریب ہی بویا گیا یعنی قول عندنا کتاب اللہ حسبنا حدیث ثقلین کا مبطل ہوا جس سے خلافت علیؑ پر قرار نہ پا سکے اور بنی ہاشم سے حکومت کے نکل جانیکے ساتھ ہی بنی اُمیہ غیر متوقع طور پر بیحد زور پکڑ گئے - لاریب جسطرح پر امر خلافت طے پایا بنی ہاشم کو دنیوی اعتبار سے یہ امر اتنا ہی غیر مفید پڑا جتنا کہ غیر بنی ہاشم کو مفید جیسا کہ اوپر ذکر ہوا بنی ہاشم دینی و دنیوی دونون سرداریان اس محرومی خلافت سے جاتی رہین جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ بنی ہاشم بہت زیادہ کمزور و بے وقار ہو کر محکوم بن گئے ہو گئے بنی امیہ کمزوری سے پر زور اور مقتدر ہو کر شاہان بلاد اسلام ہو گئے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا ایک سیدھا سادہ نتیجہ اُس محرومی خلافت کا ہے اور اسیطرح سیکڑون نتیجے اوس محرومی کے ہین جو بنی ہاشم کو برابر پیش

آتے گئے اور اسوقت بھی انہیں پیش آرہے ہیں گو اسوقت نہ خاندان پیغمبرؐ کے امام ظاہر ہیں اور نہ اُس عہد کے بنی ہاشم جناب رسولِ خداؐ کے وقت میں بنی ہاشم کی جو عظمت تھی اس سے بنی ہاشم کو اسکی توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ جناب رسولِ خداؐ کی وفات کے بعد ہی ایسے صریحی طور پر یہ قبیلہ حکومت سے دور ہو جائیگا۔ مگر حضرت عمرؓ کی قابلیت نے بہت آسانی کے ساتھ بنی ہاشم کو حکومت سے دور کر دیا اسوقت کے معاملات پر نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ علیؑ سے جو رسولؐ اللہ کے بعد سردار بنی ہاشم تھے ایک قلبی کشیدگی رکھتے تھے اور علیؑ کو بھی حضرت عمرؓ سے کسی قسم کی موانست نہ تھی۔ یہ ایک مذہبی جھوٹ ہے کہ حضرت عمرؓ اور جناب علیؑ مرتضیٰ میں محبت یا قلبی مرابطت تھی با خودہا کے عدم موانست کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ اور جناب علیؑ مرتضیٰ دو قسم کے آدمی تھے۔ ایسے نقیض مزاج کے آدمیوں میں مرابطت کا ہونا خلاف فطرت تھا۔ پس ایسی صورت میں حضرت عمرؓ جناب علیؑ مرتضیٰ کو خلیفہ نہیں بنا سکتے تھے۔ مگر خود خلیفہ بننا بھی مصلحت کے خلاف دیکھتے تھے اسلیئے بظاہر حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ قرار دیکر ان کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ حضرت عمرؓ گو مردِ میدان نہ تھے جیسا کہ جنگ ہائے بدر و احد و خندق و خیبر و حنین وغیرہ کی کارروائیوں سے ثابت ہوا جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے مگر لاریب بڑا قوی پولیٹیکل دماغ رکھتے تھے حضرت ابوبکرؓ کو بڑی مصلحتوں سے آپ نے خلیفہ بنایا تھا۔ اول یہ کہ اس کارروائی سے بنی ہاشم حکومت سے دور پڑ گئے دوم یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ قرار دیا جانا عین آپکا خلیفہ مقرر ہونا تھا سوم یہ کہ یہ کارروائی بظاہر آپکے لئے خود غرضی کی سپر ہو سکی چہارم یہ کہ پیرانہ سالی سے حضرت ابوبکرؓ کی یہ اُمید ہوتی تھی کہ خود آپکی خلافت کا زمانہ زیادہ دور نہیں ہے۔ چنانچہ دو برس کے عرصہ میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنا کر رحلت فرما گئے تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ رسولؐ اللہ کی رحلت کیوقت سے لیکر اپنی رحلت تک پولیٹیکل کارروائیاں برابر برتتے رہے۔ مگر جناب علیؑ مرتضیٰ نے کسی پولیٹیکل کارروائی کا منہہ نہیں دیکھا۔ ہر بار جب خلافت کی تقریب پیش آئی طلب حق کر کے چپ ہو رہے۔ بنی ہاشم کو حکومت سے دور پڑنا البتہ شاق گذرا مگر جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ قرار پا گئے تو بنی ہاشم دل ہی دل میں رنجیدہ ہو کر خاموش ہو بیٹھے اور کچھ نہ کر سکے اسکی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ نے خلافتِ ابوبکرؓ پر تلوار نہیں کھینچی۔ علاوہ اسکے بنی ہاشم کو یہ اُمید بندھ رہی تھی کہ علیؑ مرتضیٰ جوان ہیں اور ابوبکرؓ پیر۔ تھوڑے زمانہ میں علیؑ ضرور خلیفہ ہو ہی جائینگے سردست کسی سخت کارروائی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مگر بنی ہاشم کی یہ اُمید اسوقت ساقط ہو گئی جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رحلت کیوقت حضرت عمرؓ کو استخلاف کے رو سے خلیفہ بنا ڈالا کچھہ شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانا ایک فعل سپاس گزاری کا تھا۔ خیر۔ اب تو بنی ہاشم سے حکومت بالیقین دور پڑ گئی۔ حضرت عمرؓ کچھہ ایسے معمر نہ تھے جس سے بنی ہاشم یہ اُمید لگا سکتے کہ آپکا زمانہ خلافت بھی حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت کی طرح مختصر ہوگا حضرت عمرؓ ساڑھے دس برس تک مسند آرائے خلافت رہے اور آپکی حیات اگر غیر فطری طور پر

کم کر دی جاتی تو دس برس اور بھی بلادِ اسلام پر حکمران رہ سکتے۔ مگر یہ دس برس بھی بنی ہاشم کیلئے کیا کرتے
لیکن طرفہ یہ ہے کہ اس دس برس کے بعد بھی حضرت علیؑ خلافت تک نہ پہنچ سکے۔ حضرت عمرؓ نے قبل
از رحلت خلیفہ کے تقرر کو شورے پر چھوڑا۔ یہ ایک ایسی پولیٹیکل ہدایت حضرت خلیفہ کی جانب سے تھی کہ
جس سے نہ صرف علیؑ کو کامیابی کا بہت کم موقع تھا بلکہ جس سے علیؑ کے ہلاک کروا لے جانیکا بھی ایک اچھا
پہلو نکلتا تھا۔ اس شورے کی ہدایت ایسی ہی تھی کہ علیؑ جیسا ایماندار شخص خلیفہ نہین ہو سکتا۔ چنانچہ
حضرت عمرؓ کے بعد علیؑ خلیفہ نہو سکے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق شورے سے حضرت عثمان خلیفہ قرار پائے
آپ ایک ضعیف الرائے شخص تھے آپ کے عہد مین بہت سے فساد پیدا ہوتے گئے اور گو آپ کی
خلافت کا زمانہ سب خلفا کے زمانہ سے زیادہ ہوا مگر آپکی خلافت آپ کی ضعف مزاجی کے باعث بے رونق انداز دکھایا کی البتہ
آپکے زمانہ مین بنی امیہ کا زور اور بھی بڑھ گیا۔ شام مین خاندان بنی اُمیہ کو روز افزون اوج تھا ہی چونکہ خود آپ بھی
بنی اُمیہ سے تھے مدینہ مین بھی مروان اور دیگر بنی امیہ دخور حاصل کرتے گئے۔ آپکی رحلت کے بعد علیؑ نے
طوعاً وکرہاً خلافت قبول کی۔ آپ کے خلیفہ ہوتے ہی خانہ جنگی کے سامان شروع ہو گئے۔ حضرت طلحہ
اور زبیر نے جو حضرات اہل سنت کے عشرہ مبشرہ مین سے ہین علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی بھی اور فوراً
شکست بیعت کر کے حضرت عائشہؓ کے ساتھ شریک جنگ جمل بھی ہو گئے اس لڑائی مین حضرت ام
المومنین کو شکست ہو گئی اور یہ دونون حضرات بھی کام آگئے۔ جب ان خانہ جنگیون سے حضرت علی مرتضی
کو فرصت ہوئی تو حضرت معاویہ نے خلیفہ وقت یعنی حضرت علیؑ سے بغاوت کی ٹھان دی۔ حضرت معاویہ
کی اس بغاوت کو حضرات اہل سنت خطائے اجتہادی فرماتے ہین۔ خیر یہ جیسی خطا ہو حضرت علیؑ کی خلافت
کا مختصر زمانہ انہی فسادات مین گذرا اپنی خلافت متزلزل کے پانچوین سال مین حضرت علیؑ نے شہادت
پائی اور جناب امام حسنؑ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپکو چند مہینے کے اندر اندر خلع خلافت کرنا پڑا۔ اب حضرت معاویہ
خلیفہ وقت ہو گئے۔ حضرت معاویہ برسون تک خلیفہ رہکر اس دنیا سے سدھارے اور انکی جگہ پر انکے صاحبزادے
حضرت یزید مسند آرائے خلافت ہوئے۔ اس عہد مین میدان کربلا مین آل محمدؐ کا خاتمہ کر دیا گیا صرف ایک
امام زین العابدین علیہ السلام باقی رہگئے جنسے آیندہ نسل سادات حسینی کی چلی اور جنکے ذریعہ سے پیغمبر صاحب کے گھر کا نام
باقی رہگیا۔ واضح ہو کہ جناب علیؑ مرتضیٰ کا حضرت عثمان کے بعد خلیفہ ہونا بنی ہاشم کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ بنی ہاشم یہ
اسباب ظاہر دنیا کیساتھ دینی سرداری بھی کھو چکے تھے حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے سے انکی دینی اور دنیوی سرداریون مین
سے ایک بھی عود نہ کر سکی حقیقت حال یہ ہے کہ بنی ہاشم جیسے ہو گئے تھے ویسے ہی رہ گئے بلکہ روز بروز ان کے دنیا طلب
مسلمانون کا عناد اور تنفر بڑھتا ہی گیا حتے کہ واقعۂ کربلا ظہور مین آیا۔ اور واقعۂ کربلا کے بعد امام کشیان اور سادات
کشیان برابر ہوتی رہین اور آجتک بھی اکثر مسلمانون کو سادات کی طرف سے کشیدگی اور خاندان پیغمبر کے
امامون کے مذہب سے سخت بیزاری اور کنارہ کشی دیکھی جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ سب تماشے قول حسبنا کتاب اللہ کے

کے ہین جنھنے نہایت کامیابی کے ساتھ حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا۔

عقیدہ راقم

راقم کا مذہب یہ ہے کہ جناب رسول خدا معصوم تھے اور جتنے انبیا گذرے ہین وہ سب کے سب معصوم تھے پس چونکہ یہ جمیع انبیا معصوم تھے اُنکے اولیا اوصیا اور خلفا بھی اُنہین کی طرح معصوم تھے کیونکہ اسلئے کہ عقل یہ کہتی ہے کہ معصوم کا ولی وصی یا خلیفہ غیر معصوم نہین ہو سکتا۔ اس عقیدہ کے روسے جناب رسول خدا کے جانشین کو بھی معصوم ہونا ضرور ہے۔ کوئی غیر معصوم آنحضرت کا خلیفہ برحق نہین ہو سکتا۔ چنانچہ راقم کے عقیدہ کے مطابق حضرت علیؑ معصوم تھے اور اگر آپ معصوم نہ تھے تو معصوم اور کس طرح کا ہوتا ہے۔ اہل انصاف کی نظر مین آپ مین ہر طرح کی عصمت موجود تھی۔ آپنے کبھی بت نہین پوجا۔ آپنے کبھی شرک اختیار نہین کیا آپنے کبھی شراب نہین پی۔ آپنے کبھی حکم خدا سے انحراف نہین کیا۔ جناب رسول خدا کے ہمراہ غزوات مین ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ میدان جنگ سے کبھی نہین بھاگے۔ جناب رسول خدا کو دشمنون کے نرغے مین چھوڑ کر اپنی جان لیکر کبھی بھاگ نہ نکلے۔ تلوار سے ایسی مدد اسلام کی کی کہ اگر آپکی تلوار نہوتی تو مدینہ مین اسلام استحکام حاصل نہ کر سکتا۔ آپ آیت تطہیر مین شامل ہین آپ آیت مباہلہ مین داخل ہین آیت تطہیر سے آپکی عصمت پورے طور پر ثابت ہوتی ہے اور آیت مباہلہ سے آپ انفسنا مین شامل ہو کر گویا از نفوس پیغمبر ثابت ہوتے ہین بہت سی آیتین آپکی شان مین درج قرآن دیکھی جاتی ہین آپکو کھلے کھلے طور پر عہد خلیفہ ثالث کے پہلے قرآنی منصوصی حیثیت حاصل تھی اور آج بھی عند اللہ وہ حیثیت باقی ہے پیغمبر خدا نے اپنی ذات پاک اور آپکی ذات پاک کی خلقت کو نور واحد سے ارشاد فرمایا ہے آپ حدیث ثقلین کی روسے بھی گویا از اہلبیت نبوی ہونیکے باعث قابل تمسک ہین اور اُسی حدیث کی روسے قرآن سے اگر افضل نہین تو قرآن کے برابر ہین۔ حضرت رسول خدا نے آپکو اپنے نفس اپنے دم اپنی روح اور اپنے گوشت کیساتھ خطاب فرمایا ہے۔ ان باتون سے زیادہ اور کیا آپکی عصمت کیلئے کوئی ثبوت درکار ہو سکتا ہے اگر آنحضرت معصوم تھے تو جو شخص آپکا نفس آپکا دم آپکی روح اور آپکا گوشت ہوگا وہ بھی ضرور بالضرور معصوم ہوگا اسکے خلاف رائے قایم کرنا لاریب بدنفسی اور تعصب کی بات ہے۔ رسول خدا نے آپکو باب علم فرمایا ہے باب علم اور غیر معصوم ہو بہت خلاف عقل ہے اسیطرح آپکی معیت قرآن کے ساتھ اور قرآن کی معیت آپکے ساتھ رسول خدا کا فرمودہ ہے۔ تماشا ہے کہ جو شخص قرآن کا ہم پلہ ہو وہ غیر معصوم ہو اسیطرح ہزارون محامد و فضائل آپکے ہین جیسے کچھ سابق مین مذکور ہو چکے ہین۔

مختصر یہ کہ آپکو غیر معصوم قرار دینا عقل و فہم سے باہر ہے۔ جسکے دل مین انصاف ہوگا اور جسکا دل آپکی عداوت سے پاک ہوگا وہ آپکو ضرور بالضرور معصوم جانیگا۔ لیکن اگر کسی متعصب کی آنکھ مین آپ معصوم نظر نہ آئین تو یہ آپکا کوئی قصور نہین ہے۔ ظاہر آپکو معصوم سمجھنے کے لئے کوئی غیر معمولی فہم درکار نہین ہے۔ تعصب کو دور کرکے جو آدمی آپکو دیکھے گا اسکی نظر مین آپ معصوم نظر آئینگے آپ اُسی نظر مین غیر معصوم دکھلائی دیتے ہین جو آپکی

عصمت سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ۔ المختصر اثنا عشری عقیدہ کی رو سے جناب علی مرتضیٰ کو معصوم جانتا ہے اور بقیہ گیارہ اماموں کو بھی آپکے اور جناب رسول خدا کی طرح صاحب عصمت مانتا ہے اس عقیدہ عصمت سے یہ عقیدہ پیدا ہوتا ہے کہ معصوم کی جانشینی ایک امر منجانب اللہ ہوتی ہے ہرگز منجانب الناس نہیں ہو سکتی پس از علی مرتضیٰ تا امام صاحب العصر صلوات اللہ علیہم یہ حضرات ائمہ سب کے سب جناب رسول خدا کے ایسے جانشین ہیں جنکو خلافت اور امامت منجانب اللہ حاصل ہے نہ منجانب الناس نہیں ہے یہ عقیدہ تمامتر روحانی انداز رکھتا ہے اور اس رو سے علی خلیفہ رسول اللہ مانے جانیکا تمامتر استحقاق رکھتے ہیں مگر اس عقیدہ سے علیحدہ ہو کر پولیٹیکل پہلو سے اگر علی کی جانشینی پر نظر تعمق ڈالئے تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ علی ہی کو جانشین رسول خدا ہونا تھا۔ واقعی اسلام کے پولیٹیکل فوائد اسی میں محصور تھے کہ علی ہی کو اہل اسلام رسول اللہ کا جانشین بناتے۔ تحریر ذیل قابل توجہ ہے۔ علی العموم یہ دعویٰ حضرت اہل سنت کا نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ کے خلیفہ کسی نص قرآنی یا حدیث نبوی کے رو سے مقرر ہوئے۔ مذہب اہل سنت یہی ہے کہ حضرت خلیفہ اول اجماع کی بنیاد پر خلیفہ قرار پائے۔ اصل امر اسیقدر ہے اور اکثر حضرات علمائے اہل سنت بھی اجماع ہی کے قائل دیکھے جاتے ہیں۔ مگر گو چہ حضرات قرآنی دلائل بھی خلافت راشدہ کی حقیقت میں پیش فرماتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسکی تحقیق آئندہ آئیگی۔ مگر سردست اجماع کی نسبت یہ عرض کیا جاتا ہے کہ اس اجماع کو الیکشن Election کہہ نہیں سکتے یہ اجماع نہایت ناقص انداز رکھتا ہے۔ اسلیئے کہ ایک بھاری قبیلہ اہل اسلام کا جو بنی ہاشم تھا اور جس قبیلہ میں سے خود جناب پیغمبر خدا تھے اس اجماع میں موجود نہ تھا اور نہ اس قبیلہ ممتاز کو ذرہ برابر بھی اظہار رائے کا موقع دیا گیا۔ بلکہ تمام کارروائی اہل سقیفہ کی اس عجلت کیساتھ انجام پائی کہ بنی ہاشم کو اس اجماع کی خبر بھی نہو سکی ظاہراً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ خبر ہونے پر بھی بنی ہاشم اس عاجلانہ اجماع میں شریک نہو سکتے تھے۔ اسلیئے کہ بنی ہاشم جناب رسول خدا کے کفن دفن میں مشغول تھے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ جناب رسول خدا کا جنازہ چھوڑ کر سقیفہ کے اجماع میں شریک ہو جاتے۔ لیکن اگر بنی ہاشم کو اس اجماع کی شرکت کا موقع ملتا تو حضرت ابوبکرؓ اس آسانی کے ساتھ خلیفہ قرار نہ دیئے جا سکتے اس وقت حضرت عمرؓ جو ایک بڑا پولیٹیکل دماغ رکھتے تھے خوب سمجھے ہوئے تھے۔ اسلیئے امر خلافت کو نہایت عاجلانہ طور پر طے کر دیا۔ یہ اجماع کہ جسمیں کوئی اصول الیکشن کا نہیں برتا گیا بلا شبہ ایک ناقص کارروائی سے خبر دیتا ہے۔ جناب رسول خدا کی رحلت کے وقت صرف مدینہ ہی احاطۂ اسلام میں نہ تھا۔ دین محمدی تمام حجاز وغیرہ میں پھیل چکا تھا پس کامل الیکشن کیلیئے ضرور تھا کہ تمام دیار اسلام سے سرداران ملک اظہار رائے کیلیئے طلب کئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اس عجلت میں اہل حجاز وغیرہ تو درکنار اہل مدینہ کے تمام ممتاز اشخاص بھی تو طلب نہیں کئے جا سکے پس اہل سنت کا یہ دعوے کہ حضرت ابوبکرؓ جمہور کی رائے سے خلیفہ مقرر ہوئے کیسا ہے اسکو اہل انصاف خود تجویز فرمالیں۔ لاریب یہ ایک ضعیف دعویٰ قائلین اجماع کا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قائلین اجماع اس اجماع کے

نفس کو خود بھی سمجھتے ہین۔ مگر ضرورت مذہبی سے اس اجماع کو قرین حق جانتے ہین۔ اس ضرورت مذہبی سے قائلین اجماع نے اسکو بھی صحیح مان لیا ہے کہ اجماع دو آدمی غیر بنی ہاشم کے مجتمع ہونے سے صحیح ہو جاتا ہے برعکس اس امر کے کہ اگر ہزارون بنی ہاشم ملکر اجماع کرین تو بنی ہاشم کا کوئی اجماع کسی حال مین جائز قرار نہین دیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس اجماع سقیفہ اور اجماع کے متعلق ایسی ایسی باتون سے ایک منصف مزاج اور غیر متعصب آدمی کے دل مین کیا کیا خیالات پیدا ہو سکتے ہین محتاج بیان نہین ہین۔ اس زمانہ مین جو حضرات شائستہ خیال اس اجماع کو الیکشن ایلکشن کے پُرجوش لفظ سے یاد کرتے ہین خدا کو حاضر و ناظر جانکر اپنے دلمین ذرا انصاف فرمائین کہ کیا الیکشن وہی چیز ہے جو جناب رسولؐ خدا کے بعد اس عاجلانہ صورت سے سقیفہ بنی ساعدہ مین انجام پائی؟ البتہ ہم حضرت عمرؓ کی مدبرانہ قابلیت کا تمامتر اعتراف رکھتے ہین کہ حضرت نے خلافت جناب رسولؐ خدا جیسے ضروری امر کو اس آسانی اور عجلت کے ساتھ طے کر دیا کہ بنی ہاشم جیسا ممتاز اور قوی قبیلہ جس کو خواب مین بھی اس طور پر امر خلافت کا قرار پا جانا قرین الوقوع نہ معلوم ہوتا تھا اپنا سا منہ لیکر رہگیا۔ لاریب اگر حضرت عمرؓ چاہتے تو اس اجماع کا سارا فائدہ علی مرتضیٰ کو پہنچا دیتے مگر حضرت عمرؓ بہت سی وجہون سے علی مرتضیٰ کو دوست نہین رکھتے تھے اسلیئے انہون نے بنی ہاشم کی غیبت مین حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ قرار دیدیا۔ یون تو علیؑ مرتضیٰ اور حضرت عمرؓ دو ایسی ترکیب کے آدمی ہی تھے کہ جنمین موافقت کا ہونا خلاف اصول فطرت متصور ہے۔ مگر ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت خاتونؑ قیامت سے ایک سخت عداوت تھی اسلیئے علیؑ کی کوئی بہتری حضرت عمرؓ گوارا نہین کر سکتے تھے۔ اس عداوت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خاتونؑ جنت سے نکاح کا ارادہ کیا تھا۔ مگر جناب رسولؐ خدا نے اپنی مصلحتون سے حضرت خاتونؑ جنت کا عقد علیؑ کے ساتھ کر دیا۔ خیر۔ عداوت کا جو سبب ہو مگر عداوت کے ہونیکا بڑا ثبوت خود معاملہ خلافت کا ہے۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ جناب علیؑ مرتضیٰ پر کسی پہلو سے ترجیح نہین رکھتے تھے۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ نے جناب علی مرتضیٰ کے حقوق نظر انداز کر کے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا ہی دیا خود بھی بیعت کر لی اور حاضرین سقیفہ سے بھی بیعت کرا لی۔ بیعت کرنیوالون نے بھی کچھہ لیس و پیش نہ کیا۔ انہون نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ بنی ہاشم کا کوئی ریپرزنٹیٹو Representative یعنی مختار یا سفیر اس مجمع مین ہے یا نہین یا یہ کہ بمقابلہ حضرت ابوبکرؓ کی جناب علیؑ مرتضیٰ کو کسی قسم کی ترجیح حاصل ہے یا نہین سب نے آنکھ بند کر کے حضرت عمرؓ کی تبعیت مین دین یعنی سقیفہ مین حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ اسلام کیواسطے ہرگز اچھا نہین ہوا جیسا کہ میری آئندہ کی تحریر سے ظاہر ہوگا۔ پبلک کے نفع کے مقابل مین ظاہرا حضرت عمرؓ کو خانگی یا ذاتی امور کو ملحوظ رکھنا زنہار مناسب نہ تھا ایسا بھی نہ تھا کہ حضرت عمرؓ جناب علی مرتضیٰ کے محامد اور محاسن سے خبر نہین رکھتے تھے۔ باوجود نقص علم قرآنی کے حضرت عمرؓ یہ خوب جانتے تھے کہ علیؑ آیہ مباہلہ اور آیہ تطہیر مین شامل ہین۔ ہل اتیٰ اور یوفون بالنذر سے مراد خداوندی علیؑ مرتضیٰ ہین۔ اور اون کے علاوہ اور بھی آیتین ہین۔

جو علیؑ اور اہل بیت نبوی سے تعلق رکھتی ہین۔ علاوہ برین جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے وقت علیؑ کی قرآنی منصوصی حیثیت قایم تھی علی مرتضیٰ کا نام قرآن مجید مین مکرر طور سے داخل تھا اور لفظ آل محمد کا بھی آمین موجود تھا جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ اَلْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ وَ عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ اور اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا اور نَفْسُکَ نَفْسِیْ وَ رُوْحُکَ رُوْحِیْ وَ دَمُکَ دَمِیْ وَ لَحْمُکَ لَحْمِیْ۔ اور اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَاحِدٍ اور اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ہَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اور اسی طرح کی بہت سی اور بھی حدیثین ہین جو علیؑ کے مناقب مین ہین حضرت عمر خوب جانتے تھے کہ اسلام ذوالفقار علیؑ کا بہت کچھ منت کش ہے۔ علی نہوتے تو اسلامی مدینہ کفار مکہ کے حملون سے خاک سیاہ ہو جاتا اور بغیر ذوالفقار علیؑ کے عہد جناب رسولؐ خدا مین اسلام کا استحکام ممکن نہ تھا۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ علی مرتضیٰ کا قدم جنگ ہاے بدر و خندق و احد و خیبر و حنین وغیرہ سے نہ سرکا بلکہ ان سب لڑائیون کی فتح علیؑ مرتضیٰ کی غیر معمولی شجاعت ہی کا نتیجہ ہے۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ جناب رسولؐ خدا علیؑ کو کسقدر عزیز رکھتے تھے جیسا کہ حدیث طیر اسکی گواہ ہے۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ دنور علم کے ساتھ خدا نے علیؑ کو بڑی توفیق عبادت کی بخشی تھی۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ علیؑ ہی بعد جناب رسول اللہ کے قبیلہ بنی ہاشم کے سردار تھے اور بنی ہاشم بہت سی حیثیتون سے ممتاز ترین قبیلہ عرب کا تھا۔ اول تو زمانہ قدیم سے اس قبیلہ کی سرداری چلی آتی تھی دوم یہ کہ جناب رسولؐ خدا اسی قبیلہ کے سردار تھے۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ ایک گمنام قبیلہ کے آدمی تھے۔ بنی تیم کو بنی ہاشم کی وجاہت کیساتھ کسی طرح کی مناسبت حاصل نہ تھی حضرت عمر جانتے تھے کہ علیؑ خاتونؑ جنت کے شوہر تھے علاوہ بھائی ہونیکے اس جہت سے بھی جناب رسولؐ خدا کے ایک نہایت قریب رشتہ دار تھے۔ جناب رسولؐ خدا کا کوئی بیٹا نہ تھا علی مرتضیٰ ہی بیٹے کی حیثیت رکھتے تھے حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ گو حضرت ابوبکرؓ نے جناب رسول خدا کے ساتھ ہجرت گوارا فرمائی مگر حضرت ابوبکرؓ کی یہ بیعت علیؑ کے اس محل خوف سے کوئی مناسبت ہی نہین رکھتی جو علیؑ پر بعد روانہ ہوجانے جناب رسولؐ خدا کے گزرا وہ وقت ایسا تھا کہ پیغمبرؐ خدا کے دھوکے مین کفار مکہ علی کو شہید کر ڈالتے۔ مگر علیؑ نے کچھ جان کا خوف نہ کیا اور جناب رسول خدا کے بستر پر شب بھر اطمینان سے لیٹے رہے۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ جناب علیؑ مرتضیٰ جناب رسولؐ خدا کی اطاعت اور اعانت پر سب سے پہلے آمادہ ہوئے سب سے پہلے جناب رسولؐ خدا پر ایمان لائے کبھی انہون نے بت پرستی نہین کی عہد طفلی سے شرک سے بری رہے۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ علیؑ جناب پیغمبر خدا کے بعد اس قبیلہ کے سردار تھے جسمین نبوت اتری۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ پیغمبرؐ خدا نے خم غدیر مین ایک اہتمام عظیم کے بعد علیؑ کو مولاے مومنین قرار دیا اور اسپر خود ان حضرت نے بخٍ بخٍ کہکر علیؑ کو اپنے اور مومنین کے مولا ہونیکی مبارکباد دی تعجب ہے کہ ان سب امور سے واقف رہکر حضرت عمرؓ نے کیونکر حضرت ابوبکرؓ کو جناب علیؑ مرتضیٰ پر مرجح قرار دیا اور حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا کر بیعت مین اسقدر عجلت کی۔ اگر حضرت عمرؓ کو جناب علی مرتضیٰ کے ساتھ موافقت ہوتی تو لاریب جناب علیؑ مرتضیٰ سے اس طرح پر منہ موڑ کر حضرت ابوبکر کی طرف رخ نکرتے۔ اگر یہ کہا جاے کہ حضرت علی مرتضیٰ مین خلافت

کی صلاحیت نہ تھی جیسا کہ بعض ناواقفون نے کہا ہے۔ اسلیئے حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ نے خلیفہ بنایا تو قول ہرگز صحیح نہین ہی۔ حضرت ابوبکرؓ سی جناب علی مرتضیٰ خلافت کی صلاحیت بدرجہا زیادہ رکھتی تہی۔ خود پیرانہ سالی کا نقصان حضرت ابوبکرؓ مین کیا کم تہا۔ حقیقت حال یہ ہی کہ اگر حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی بغل سے نہ لگے رہتے تو بحالت موجودہ حضرت ابوبکرؓ سے خلافت کا کوئی کام بہی نہ چلتا۔ امر واقعی یہی ہے کہ بظاہر حضرت ابوبکرؓ۔ مگر بہ باطن حضرت عمرؓ ہی خلیفہ ہوئے تہے۔ حضرت عمرؓ کا جناب علیؑ مرتضیٰ کو خلیفہ نہ بنانے کا بڑا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ جانتے تہے کہ علیؑ ایک آزاد اور صاحب رائے شخص ہین۔ علیؑ عہدہ خلافت کے انجام مین حضرت عمر کی دست اندازی کو کبہی گوارا نہ کرین گے اسلیئے نہایت دوراندیشی کے ساتھ حضرت علیؑ مرتضیٰ کو خلافت سی دور رکہا اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے پردہ مین خود خلیفہ ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کی دست اندازیان امور خلافت مین اسدرجہ کی تہین کہ حضرت ابوبکر کو تنگ ہوکر یہ فرمانا پڑا کہ اے عمرؓ مجہے خلیفہ بنانیکی ہی ضرورت ہی کیا تہی اور یہ اگر جناب علیؑ مرتضیٰ خلیفہ ہوجاتے تو اسطرحکی دست اندازیون کا موقع حضرت عمرؓ کو کبہی نہ ملتا۔ اور حضرت عمرؓ کو امور خلافت سے کنارہ رہنا پڑتا۔ راقم کی دانست مین ناموافقت با خودہا کے علاوہ حضرت عمرؓ کا جناب علیؑ مرتضیٰ کو حکومت سے دور رکہنے کا قوی ترین سبب یہی دست اندازی کا مضمون نظر آتا ہی۔ المختصر اسلام کی یہ پہلی پولیٹیکل غلطی ہی جو جناب علیؑ مرتضیٰ خلافت سے دور پہینکے گئے اس غلطی نی اسلامی دنیا مین بڑے بڑے اخلاقی ملی اور قومی فتور پیدا کر دئے جسکے نتائج آجتک پیروان اسلام بہگت رہی ہین۔ اگر حضرت عمرؓ جناب علیؑ مرتضیٰ کو حضرت ابوبکرؓ کے عوض خلیفہ تسلیم کر لیتی تو علی مرتضیٰ باسباب ظاہر ایک عرصہ دراز تک خلیفہ رہکر خلافت کے کامون کو انجام دیتے رہتے اسلیئے کہ جناب علیؑ مرتضیٰ جوان تہے اور صحت بدنی آپکی نہایت درست تہی۔ آپکا ایک عرصہ دراز تک خلیفہ رہنا خلاف فطرت نہوتا۔ ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ اگر حضرت عمرؓ علیؑ کو خلافت سی محروم نکر دیتے تو ایک ہی مذہب مسلمانون مین قایم رہتا۔ اور چونکہ علیؑ ایک نہایت فہمیدہ تعلیم یافتہ مہذب اور خوش رائے شخص تہے اسلیئے اسلام کے پولیٹیکل معاملات مین ہرگز کوئی فتور نہ پڑتا۔ حضرت عمرؓ کی مخالفت نے نہ فقط جناب علیؑ کو بلکہ اسلام کو برے دن دکہائے۔ آپ حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بہی بہت خوبصورتی سے قایم کر گئے۔ بالیقین جناب علیؑ مرتضیٰ تو حضرت عثمانؓ سی خلافت کیلیئے سزاوار تر شخص تہے۔ مگر جناب علیؑ مرتضیٰ بار سوم بہی خلافت سی محروم رکہی گئی۔ جس سی اسلام کو ضرر کے سوا کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد کی بدنظمیون کا ذکر آئندہ آنے کو ہی۔ غرض آخر مین جو جناب علیؑ مرتضیٰ خلیفہ ہوئے بہی تو خلافت کی حالت آپکی جانشینی کے وقت ایسی خراب و خستہ ہو چکی تہی کہ آپکا خلیفہ ہونا اور نہ ہونا برابر سمجہا جاتا ہی۔ جس خلافت مین جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ کے معاملات پیش آئین تو اس خلافت کا ذکر ہی فضول ہی۔ ایک غلط کارروائی سی جسکی بدولت حضرت ابوبکر خلیفہ بنائی گئی۔ اسقدر پولیٹیکل فسادات اسلام مین پیدا ہو گئی کہ اسوقت اور اسوقت کے اسلام کو بلاکشی سے چارہ نہین رہا اور آئندہ کا اسلام بہی اسیطرح بلاکش رہیگا۔ حضرت عمرؓ ایک بڑے قابل شخص تہے جناب علیؑ مرتضیٰ کیساتھ اتفاق رکہکر

آپ اسلام کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے تھے۔ اگر آپ علیؑ کے معین رہتے تو علیؑ نہایت آسانی کیساتھ خلافت کے عہدہ کو ایک عرصہ دراز تک انجام دیتے رہتے جس سے اسلام کو ہر طرح کی بہبودی نصیب رہتی۔ یہ جو علی مرتضیٰ کے مخالفین کہتے ہین کہ علی مرتضیٰ مین خلافت کی صلاحیت نہ تھی۔ ایک لایعنی قول ہے۔ علیؑ کے وقت مین اسیطرح شام اور فارس فتح ہوئے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین ہوئے تھے۔ شام وفارس کے فتح کرنے مین علیؑ مین ویسی ہی صلاحیت تھی جیسی کہ حضرت عمرؓ کو حاصل تھی شام وفارس کے فتح کرنے کے واسطے خلیفہ مین کوئی غیر معمولی قوت یا صلاحیت درکار نہ تھی۔ شام رومیون کی مشرقی سلطنت کا ایک جزو تھا۔ رومیان مشرقی رومیان مغربی کی طرح نکمے ہو چکے تھے جیسا کہ عروج کے بعد ہر قوم پر زوال آہی جاتا ہے یہی حال فارس کی سلطنت کا بھی ہو رہا تھا۔ رومی اور ایرانی عیش طلب عیش مزاج ضعیف اور ناتوان ہو چکے تھے۔ اسکے برخلاف اہل عرب مین ایک نئی قوم ہونے کے باعث نیا جوش اور جفاکشی پیدا ہو چکی تھی۔ ایسی صورت مین شام وفارس کو عرصہ قلیل مین اُن کا فتح کر لینا جائے تعجب نہین ہے۔ یہ فتحین خلیفہ کی کسی غیر معمولی صلاحیت کا نتیجہ نہین حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کی فتحین راقم کی اس رائے کی معین دکھائی دیتی ہین۔ لاریب حضرت خلیفہ ثالث کسی قسم کی غیر معمولی صلاحیت نہ رکھتے تھے بلکہ انصاف کی پابندی کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ آپ مین خلافت یا کسی امر اہم کے انجام کی صلاحیت مطلق ودیعت ہی نہین کی گئی تھی۔ شام وروم وغیرہ کی فتحین مسلمانون کو اسطرح نصیب ہوتی گئین۔ کہ بھوکے عرب مال غنیمت کے حاصل کرنیکی اُمید وہین عیش پسند اہل فارس اور اہل روم پر بے محابا ٹوٹ پڑے اور اُن ضعیف ملکدارون کو زیروزبر کر ڈالا۔ گاتھ اور وینڈل Goths and Vandals نے جسطرح رومیان مغربی پر غالب آکر روما کو فتح کر لیا۔ اُن ہی اسباب کی بدولت یہ نا تعلیم یافتہ عرب بھی روم مشرقی اور فارس کے مقابلہ مین کامیابی حاصل کرتے گئے۔ اسطرح کی کامیابی کیلئے خلیفہ مین کسی خاص قسم کی صلاحیت درکار نہ تھی ایسی ایسی فتحین علیؑ کے خلافت مین بھی امکان رکھتی تھین مگر اس کا موقع علیؑ کو نہین ملا۔ اول یہ کہ علیؑ کو اپنے عہد خلافت مین مفسدون ہی کے ہاتھ سے چین نہین تھا۔ دوم یہ کہ اسوقت کی دنیا سے اہل عرب کو جتنے ملکون کا ہاتھ لگنا ممکن تھا وہ ہاتھ لگ چکے تھے۔ بحالت موجودہ ملک گیری کی گنجائش باقی نہین رہی تھی۔ اگر جناب علیؑ اول ہی بجائے حضرت عمرؓ کے خلیفہ قرار پا جاتے۔ تو جو جو ملک حضرت خلیفہ ثانی کیوقت مین فتح ہوئے تھے۔ وہ سب جناب علی مرتضیٰ ہی کیوقت مین فتح ہو جاتے۔ یہ محض ایک لغو خیال ہے کہ اگر علیؑ بعد آنحضرتؐ یا بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ قرار پاتے تو امور خلافت کا انجام غیر ممکن الوقوع تھا خوب ہوتا کہ حضرت عمرؓ علیؑ کو خلیفہ بناتے اور خود وزیر خلیفہ ہو کر اسلام کی نفع رسانی مین مشغول رہتے۔ مگر ایسے اقبال کے دن اسلام کیلئے مقدر نہ تھے بس وہی ظہور مین آیا جو کچھ مشیت خداوندی تھی۔

واضح ہو کہ بنی ہاشم سے اہل اجماع کے کنارہ کشی پولیٹیکل حیثیت سے اسلام کے لئے نہایت فتنہ انگیز واقع ہوئی۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ بنی ہاشم اور بنی اُمیہ دو قوی ترین قبیلے عرب کے تھے۔ ان

دونون مین اوپر ہی سے اختلاف چلا آتا تھا ظہور اسلام کے پہلے کبھی بنی ہاشم اور کبھی بنی اُمیہ ایک دوسرے پر غالب آیا کرتے تھے اسلیئے یہ دونون قبیلے ایک دوسرے کے ہمپایہ سمجھے جاتے تھے۔ مگر جب جناب رسول خدا ہجرت فرما کر مدینہ مین قیام پذیر ہوگئے اور بنی اُمیہ اپنی شکستون سے کمزور ہو گئے۔ تو اسوقت بنی ہاشم مدینہ مین قوی ہو رہے تھے۔ اور بڑی عظمت کی نگاہ سے اہل مدینہ انکو دیکھتے تھے مگر جناب رسول خدا کی رحلت کے بعد ہی خلاف توقع یکبیک ان کو حکومت اور ثروت سے دور ہونا پڑا اور اسکا سبب بھی اجماع سقیفہ ہوا۔ لاریب یہ ایک بڑی پولیٹیکل غلطی اہل سقیفہ سے ہوئی کہ انھون نے جناب علی مرتضیٰ کو خلیفہ نہ بنایا علیؑ اُسوقت بنی ہاشم کے سردار تھے۔ اگر جناب علی مرتضیٰ خلیفہ قرار پا جاتے۔ تو بنی اُمیہ اور بنی عباس کے آئندہ کے پولیٹیکل فسادات ظہور مین نہ آتے اجماع سقیفہ کی اس ناعاقبت اندیشانہ کارروائی کا نتیجہ ہوا کہ بنی ہاشم اپنے استحقاق کی بنیاد پر ایک عرصہ دراز تک بنی اُمیہ اور بنی عباس کے خلفا سے لڑتے جھگڑتے رہے اور ایسی ایسی خانہ جنگیون سے عرب کی سلطنت روز بروز ضعیف ہوتی چلی گئی۔ یہان تک کہ تاتاریون وغیرہ کے ہاتھون سے اُس کا نشان تک باقی نہین رہا۔ اس اجماع سقیفہ کی کارروائی نے نہ صرف بنی ہاشم کے خون کا دریا بہایا۔ بلکہ ہزارون غیر بنی ہاشم کی جانین بھی لگاتار تلف ہوتی رہین۔ بنی ہاشم ہر خلافت مین اپنا اور اپنے دشمنون کا خون بہاتے رہے اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ بنی ہاشم اپنے آپکو ہر عہد مین خلافت کا حقدار جانتے تھے اور بہت سے اہل عرب کو بھی اُنکی حقداری سے اعتراف تھا ظاہر اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری چلی آتی ہے ان سب خروجون کا منشا یہی طلب حق تھا اور یہ حق وہی تھا جس کو بنی ہاشم اجماع سقیفہ کے ہاتھون کھو بیٹھے تھے اور جسکے کھوئے جانیکے باعث حضرت عمرؓ ہوئے تھے۔ یاد رہے کہ بنی ہاشم ایسا قبیلہ نہ تھا کہ اسکو نیست نابود کرڈالنا آسان کام نہ تھا۔ یہ قبیلہ ہر طور پر عرب کی جان تھا۔ خود یہ قبیلہ بنی اُمیہ کیطرح نہایت ممتاز تھا اور زاید۔ اس قبیلہ کو تمام جہان کی قبائل پر اسوجہ سے شرف تھا کہ اس قبیلہ مین نبوت اُتری تھی ایسے قبیلہ کو برباد یا نیست و نابود یا ضعیف کر ڈالنا قرین مصلحت نہ تھا۔ اس قبیلہ کا جو وقار پہلے سے تھا اور خاصکر جو وقار اسکو عہد جناب رسول خدا مین حاصل ہوا ہرگز مصلحت ملکی کی رو سے اسکا مستحق نہ تھا کہ اس سے حکومت دور کیجاتی اگر حضرت عمرؓ یا اہل سقیفہ ملک کی مآل اندیشی اور ہوا خواہی کو ملحوظ رکھتے تو حضرت ابو بکرؓ کیجگہ علیؑ ہی کو خلیفہ قایم کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ ایک گمنام قبیلہ کے آدمی تھے۔ اُسپر طرہ یہ تھا کہ بنی تیم جو آپ کا قبیلہ تھا ایکا کسیطرح کا مددگار نہ تھا اور آپ بھی کچھ اُن پر بھروسا نہین رکھتے تھے ایک ایسے گمنام قبیلہ کے آدمی کو تمام عرب کا سردار بنانا خاصکر بنی ہاشم کو اس ترکیب سے ایک ماتحتی کی حالت مین رکھنا اہل سقیفہ کی ایک بھاری پولیٹیکل غلطی تھی۔ بنی ہاشم کو حکومت سے دور کرنا ملک کے لیے مفید نہین ہو سکتا تھا چنانچہ اس غلطی سے جو اہل عرب کی سلطنت کو پولیٹیکل نقصانات لاحق ہوئے وہ ناظرین و ماہرین علم تاریخ و سیر سے مخفی نہین ہین اگر اہل سقیفہ جناب علی مرتضیٰ کو خلیفہ قرار دیدیتے تو ہزارون مذہبی ال اور پولیٹیکل نقصانات جو اہل عرب کو پہنچے نہ پہنچتے۔ تب ایک ہی سلطنت اور ایک ہی مذہب کا عرب مین وجود ہوتا نہ کوئی خلیفہ غاصب کہلاتا اور نہ کوئی مسلمان شیعہ یا سنی ہوتا۔ اگر سقیفہ کی کارروائی عمل مین لائی گئی ہوتی۔ علیؑ کے خلیفہ ہونے سے بنی ہاشم کو ہمیشہ کیلیے خروج سے نجات پانیکی صورت ہو جاتی۔ آپکی جانشینی سے

نہ حضرت عمرؓ اور نہ حضرت عثمانؓ کی جانین جاتین - محمد بن ابی بکرؓ بھی نہ مارے جاتے - خود علیؑ مرتضیٰ جنگ جمل و صفین وغیرہ کے ہنگامون سے مامون رہتے - نہ حضرت عائشہؓ شریک جنگ جمل ہوتین - نہ طلحہ و زبیر قتل ہوتے نہ حضرت عائشہ کنوئین مین گرا کر ہلاک کیجاتین نہ بنی اُمیہ سرکشی کر سکتے - نہ علی مرتضیٰ قتل کیے جاتے نہ جناب امام حسنؑ کو زہر دیا جاتا - نہ جناب امام حسینؑ کیساتھ واقعہ کربلا پیش آتا - نہ آیندہ امام کشیان ہوتین - نہ خانہ کعبہ مین گھوڑے باندہے جاتے نہ بنی اُمیہ کے ہاتھون سے خون ریزیان ہوتین - نہ خود بنی اُمیہ کا استیصال ظہور مین آتا - نہ بنی عباس کو زور ہوتا - نہ بنی عباس کشت و خون کے مرتکب ہوتے - اور نہ خانہ جنگیون سے عرب کی سلطنت ضعیف ہوکر آخر کار بیرونی اقوام کے ہاتھون سے نیست و نابود ہو جاتی - اجماع کی اس نا عاقبت اندیش اور عاجلانہ کارروائی نے عجب عجب ضرر انگیز نتایج پیدا کئے - اور آجتک پیدا کر رہی ہے - المختصر علی کو حکومت سے دور رکھنا اہل اسلام کی پہلی غلطی تھی - جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا - دوسری غلطی اُن سے یہ ظہور مین آئی - کہ بنی ہاشم تک اگر خلافت نہین پہنچی تو نہ پہنچنے پائی - مگر اسپر طرہ یہ لگا یا گیا کہ بنی اُمیہ ثروت کی ایسی راہ پر چلائے گئے - کہ تھوڑے ہی عرصہ مین وہ لوگ تمام بلاد اسلام کے بادشاہ ہوگئے - بنی اُمیہ کو بادشاہ بننے یا بنائے جانیکا کوئی حق ہی نہ تھا - یہ قبیلہ تو اسلام اور بانی اسلام کا ہمیشہ سخت دشمن تھا اس قبیلہ کو اسلامی ذرایع سے ثروت حاصل کرنے کا کونسا حق تھا - ہان اگر بنی ہاشم خلیفہ یا بادشاہ بلاد اسلام کر بنتے یا بنائے جاتے - تو خلاف انصاف یا خلاف مصلحت کوئی بات نہین ہوتی اسلیے کہ جناب رسولؐ خدا اس قبیلہ کے نبی اور اسلامی عرب کے بادشاہ تھے - اگر اُن کی اولاد خلیفہ یا امام یا بادشاہ بنائے جاتے تو یہ کوئی امر خلاف توقع ظہور مین نہ آتا - بنی اُمیہ کو کمزوری کی حالت سے پُر زوری کی حالتمین لانا - اور بنی ہاشم کو پُر زوری کی حالت سے کمزوری مین اُتارنا لاریب حضرت عمرؓ یا خلافت راشدہ کی ایک بڑی پولٹیکل غلطی تھی اسلام کے فواید کیلیے بنی اُمیہ کو اُسی حالت مین چھوڑ دینا موزون تھا جس حالتمین جناب رسولؐ خدا انہین پہنچا گئے تھے - اگر یہ قبیلہ ٹوٹا مارا رہجاتا - جیسا کہ جناب رسولؐ خدا اسے چھوڑ گئے تھے تو اسلامی دنیا حد درجہ کی خون ریزیون سے محفوظ رہتی - اور عرب کی سلطنت اسقدر دغا غدارانہ دکھلائی دیتی - اسمین شک نہین کہ حضرات شیخین نے مجبوری کیحالت مین ابوسفیان کا ساتھ دیا - اور بات بھی یہی ہے کہ اگر ابوسفیان کی رضامندی کا سامان آپ دونون حضرات نفرماتے تو اجماع سقیفہ کی ساری کارروائی گاؤخورد بھی ہوجاتی - مگر جناب علیؑ مرتضیٰ حضرت ابوبکرؓ کیجگہہ خلیفہ ہوکر بہت سی وجہون سے ابوسفیان کا ساتھ نہین دیسکتے تھے - اوّل تو جناب علیؑ رسولؐ خدا کی پالیسی کے خلاف کاربند نہین ہو سکتے تھے - دوم یہ کہ علیؑ بنی اُمیہ کو ایک بدترکیب قبیلہ جانتے تھے - سوم یہ کہ آپ پر روشن تھا کہ بنی ہاشم کے مقابل مین بنی اُمیہ کی کسی قسم کی تائید سلطنت عرب کو کسی قسم کا پولٹیکل فائدہ نہین پہنچا سکتی - چہارم یہ کہ آپ جانتے تھے کہ بنی اُمیہ کو کوئی حق اسلامی وسیلہ سے نفع اندوزی کا نہین ہے - اہل فہم سے پوشیدہ نہین ہے - کہ بنی اُمیہ کا دبا ہی رہنا سلطنت عرب کے لیے مفید متصور رہتا - کچھ شک نہین کہ بنی اُمیہ بنی ہاشم کے مدمقابل تھے - مگر جناب رسولؐ خدا کی دانشمندانہ سعی سے بنی اُمیہ کمزور ہوگئے تھے ان کو ازسرنو قوی

کر دینا خانہ جنگی یعنی سول وار (Civil War) کے سامان کو فراہم کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ جبتک بنی امیہ
ٹوٹتے رہتے۔ بنی ہاشم سے مقابلہ کا قصد نہ کر سکتے اس شکل سے سول وار کا احتمال بلاد اسلام مین نہین ہو سکتا
تھا۔ لاریب یہ ایک بڑی پولیٹیکل غلطی خلافت راشدہ کی طرف سے ظہور مین آئی۔ جو بنی امیہ کے فروغ تازہ اور
بالآخر ان کے حصول سلطنت کا ذریعہ ہو گئے۔ المختصر اسلام کو واقعی ایک بڑی پولیٹیکل مصیبت لاحق ہوئی جو
رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد علیؑ آپ کے خلیفہ نہ قرار پائے۔ اگر علیؑ خلیفہ قرار پاجاتے تو اسلام مین نہ کوئی پولیٹیکل تفرقہ آتی
اور نہ کوئی مذہبی ایسی پھوٹ پیدا ہوتی جس سے اسلام کو وہ مضرتین لاحق ہوتی گئین جن سے اہل تاریخ و سیر
پوری خبر رکھتے ہین۔ تمام پولیٹیکل پہلوون کو ملحوظ رکھکر لاریب علیؑ کا خلیفہ مقرر کیا جانا نہایت قرین مصلحت تھا۔
علیؑ کوئی نافہم ناتعلیم یافتہ اور بدترکیب آدمی نہ تھے۔ یقیناً نہایت صائب الرائے تھے فتنہ و فساد کے گرد نہ پھرتے
تھے۔ مرد میدان تھے فیصلہ کی قوت بدرجہ اتم رکھتے تھے۔ نہایت عدل پرور تھے۔ تمام دنیا کے معاملات کو خوب سمجھتے تھے
آدمی کو خوب پہچانتے تھے خود حیلہ و مکر سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ مگر دوسرون کے مکر و حیلہ کو بہت اچھی طرح سمجھ لیتے تھے
ہرگز غصہ ور نہ تھے۔ حلم و بردباری مین اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ حق و ناحق کو بڑے شناسا تھے اپنے تمام معاملات خانگی اور بیرونی
مین نفسانیت کو مطلق دخل نہ دیتے تھے۔ بیحد جری اور صاحب مروت تھے۔ پولیٹیکل امور مین نہایت صاحب الرائے تھے مگر
پولیٹیکل حیلہ بازیون سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ فروتنی خاکساری اور عاجزی آپکا شیوہ تھا۔ دولت استغنا سے مالامال
تھے عبادت کی لاجواب توفیق رکھتے تھے صادق القول مستقل مزاج خوش گو خوش بیان رحمدل اور مآل اندیش تھے
یون تو آپکی صفات حمیدہ انبیائے اولوالعزم کے اندازکی ہین۔ اور ایسی ہی ہین کہ آپ کے مداح خدا و رسولؐ
خدا ہین اور کیسکی کیا طاقت ہے۔ جو آپکے اوصاف پر قادر ہو سکے۔ مگر اس جگہ یہ محامد آپکے صرف حق گوئی اور تعمیل
ارشاد نبوی کی غرض سے عرض کئے گئے ہین ورنہ آپکی مدح انسان سے ممکن نہین ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ جب
فرمودہ جناب رسول خدا علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ ذکر علی عبادۃ (دیکھو صواعق محرقہ ابن حجر مکی) پھر آنحضرت نے یہی فرمایا
کہ زینوا مجالسکم بذکر علی (دیکھو [illegible] جناب امیر علیہ السلام مصنفہ مولوی عبد اللہ امرتسری) یعنی اپنی مجلسون کو ذکر علی سے زینت دو۔ یہ تو تاکیدی قول
جناب پیغمبر خدا کا ہے۔ یہان ارباب زمانہ کی یہ حالت ہے کہ جناب علی مرتضی کا نام آتے ہی غصہ سے انکا منہ سرخ ہوجاتا ہے بہت کی
صحبتون مین تو آپکی نام پاک کا لینا مصلحت کے خلاف ہوجاتا ہے۔ بہر حال صفات بالا کیساتھ اگر جناب علیؑ خلیفہ قرار
دیے جاتے تو خلافت کی کسی کارروائی مین کوئی فتور نہ پڑتا۔ ظاہر ہے فساد اندرونی کا احتمال اگر کسی قبیلہ سے نہ تھا
جوکچھ تھا وہ بنی امیہ سے تھا۔ مگر بنی امیہ کو جناب رسول خدا زیر و زبر کر چکے تھے اور علیؑ خلیفہ ہوکر اس قبیلہ کو زنہار فروغ
تازہ کی صورت حاصل نہ کرنے دیتے۔ پس تمام بلاد اسلام مین اتحاد ہی اتحاد کی شکل نظر آتی جس سے صرف اسلام
کی قوت قائم ہی نہ رہتی۔ بلکہ روز بروز بڑھتی بنی امیہ کا عروج خانہ جنگیون کا سبب واقع ہوا جس سے عرب کی
سلطنت حسب مراد قوت نہ پکڑ سکی۔ اور آخر کار روز بروز روبہ تنزل ہوکر صفحہ ہستی سے غائب ہوگئی۔ لاریب
جناب علی مرتضی کی خلافت اسلام اور سلطنت عرب کیلیے بہت مفید واقع ہوتی جناب علی مرتضی کی خلافت

اتحاد قومی پیدا ہوتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بلاد اسلام کو آسایش نصیب ہوتی - قومی ترقیون کی صورت بندھتی - اور وہ وقت اور مال جو باہم کی خانہ جنگیون مین صرف ہوئی انکی بہتر مصارف نکلتی بہت جا افسوس ہی کہ علی کی محرومی خلافت سی جتنی بدنتیجہ ممکن تھی وہ سب سلطنت عرب کو نصیب ہوئی سچ یہ ہی کہ ساری مصیبتین جو دین عرب اور سلطنت عرب کو لاحق ہوتی گئین اُن کے سبب قریب و سبب بعید حضرات شیخین نظر آتی ہین بلکہ یون کہیے کہ اُن کے خاص باعث حضرت عمرؓ ہوے ہین اے باد صبا این ہمہ آوردہٴ تست - ہر چند علیؑ نے اپنی حوصلہ مندی سے اہل سقیفہ کے خلاف مین بنی ہاشم کو خانہ جنگی سے باز رکھا - مگر آئندہ کی خانہ جنگیان موقوف نہ رہ سکین - حال یہ ہی کہ خلافت راشدہ نے خوف یا رغبت سے بنی امیہ کا ساتھ دیا یہ موقع پاکر بنی امیہ اپنی پر پرزے درست کرنیلگی عہد شیخین تک یہ قبیلہ اپنی حیثیت کے درست کرنے مین مصروف رہا اور اتنی عرصہ مین اُسے گویا اسقدر قوت حاصل ہوگئی کہ اُسے بنی ہاشم سے دبنے کی وجہ باقی نرہی ان عہدون تک تو کوئی فساد اس قبیلہ سے بنی ہاشم کے مقابلے مین ظاہر نہین ہوا - بہرحال جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو اس قبیلہ نے اور بھی بہت کچھ ترقیان کین - خود حضرت خلیفہ ثالث بنی امیہ سے تھے انکے عہد مین بنی امیہ اسقدر قوی ہوگئے کہ اگر آئندہ بنی ہاشم کے قبیلے کا کوئی خلیفہ قرار پاتا تو بھی بنی امیہ اسکی اطاعت پر اپنے کو مجبور نہ سمجھتے - چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب علیؑ خلیفہ مقرر ہوئی تو معاویہ نے علی کے مقابلہ شروع کردیا جنگ جمل بھی معاویہ ہی کی کارستانی تھی اسکے بعد تو کھلے بندون حضرت معاویہ جناب علی مرتضیٰ سے لڑے اور بعد خلافت جناب علیؑ سے آزاد ہو گئے - پھر بنی ہاشم کو کربلا کا ہنگامہ پیش آیا اور اسطرح بنی ہاشم اور بنی امیہ ایک دوسرے کے مخالف رہے اور یہ خروج وجدال آل محمدؐ کا بنی عباس کے زمانے تک جاری رہا - لاریب اگر حضرت علیؑ مرتضیٰ اول ہی مین خلیفہ بنادیے گئے ہوتے تو یہ خونریزیان اور خانہ جنگیان اہل اسلام مین واقع نہوتین - بیشک یہ بڑی پولیٹیکل غلطی مسلمانون سے سرزد ہوئی کہ علی خلافت سے محروم رکھے گئے یقیناً یہ سب فسادات علیؑ کے خلیفہ ہو جانے پر وقوع مین نہین آسکتے تھے علی مرتضیٰ کے خلیفہ ہوتے بنی امیہ شام کی حکومت حاصل کرکے خلیفہ بن سکتے تھے اور نہ اُن کو بنی ہاشم سے مقابلہ کا کوئی موقع حاصل ہوسکتا تھا ایسی صورت مین سلطنت عرب مین نہ خانہ جنگیان واقع ہوتین اور نہ آل محمد اسطور پر تباہ کیے جاتی - راقم الحروف کے خیال مین آل محمد کی تباہی کوئی معمولی بات نہین ہے - انکی تباہی مخالفین آل محمد کو جو کچھ بھی معلوم ہو دوستداران آل محمد کیلیے تو یقیناً بڑی روحانی تکلیف کی بات ہے - خیر یہان پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب قلمرو خلافت مین یہ دو بڑے بڑے قبیلے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے تھے - اور ان مین ناموافقت رہتی اور اُن کے مقابلے ہونے سے سلطنت مین [illegible] کا احتمال بدرجہ یقین تھا تو ایسی حال مین پولیٹیکل پہلو سے ان دو مین سے ایک کا توڑ ڈالنا خلافت راشدہ کیطرف سے نہایت قرین مصلحت تھا ایسلیے خلافت راشدہ نے بنی امیہ کا ساتھ دیکر بنی ہاشم کو توڑ دینا چاہا پس خلافت راشدہ پر پولیٹیکل پہلو سے اس حمایت بنی امیہ کی بنیاد پر کوئی الزام عائد نہین ہوسکتا ہے - جواب اس سوال کا یہ ہے کہ پولیٹیکل مصالح سے ان دونون اہم قبیلون مین سے ایک کا مغلوب رکھنا کوئی شک نہین کہ بہت ضروری تھا مگر اہل خلافت کا بنی ہاشم کو دبا رکھنا چند وجہون سے تمام تر نامناسب تھا اول یہ کہ بنی ہاشم وہ قبیلہ تھا کہ جس مین خود رسول مقبولؐ پیدا ہوئے تھے اور اسلیے نبوت اس قبیلہ مین آخری تھی - اس قبیلہ کے وقار کو بڑھانا چاہیے تھا نہ گھٹانا انصاف یہی کہتا ہے دین یہی کہتا ہے اور شرافت یہی کہتی ہے

دوم یہ کہ رسول اللہ بنی اُمیہ سے بیحد ناراض تھے حتی کہ اس قبیلہ پر لعنت فرماتے تھے۔ سوم یہ کہ رسول اللہ نے دس برس کی بڑی جانفشانی سے بنی اُمیہ کو ضعیف کر ڈالا تھا خلافت راشدہ کو رسول اللہ کی پالیسی کے خلاف مین عامل ہونا زیبا نہ تھا۔ چہارم یہ کہ بنی اُمیہ سلطنت اسلامی کیطرف سے کسی جاہ و عزت کے استحقاق کا مستحق نہ تھے یہ ہی بنی امیہ تھے جنہون نے رسول اللہ کو بیحد ستایا تھا اور اسلام کے ایسے دشمن تھے کہ صرف مکہ مین اسلام کو رواج پکڑنے نہ دیا بلکہ مدینہ تک بھی اسلام کی تخریب مین سختی کیساتھ کوشان رہے۔ بدر و خندق و اُحد و حنین کی لڑائیان ایسی تھین کہ بنی اُمیہ پر کسی طرح بہ اسلام کی طرف سے حصول دولت و ثروت کی اُمید کر سکتے تھے۔ پنجم یہ کہ بنی اُمیہ سخت بداطوار تھے۔ ایام جاہلیت مین اور نیز مشرف بہ اسلام ہونیکے بعد بھی ویسے ہی بدخواہ جناب رسول خدا اور اسلام کے رہے اسکا ادنی ثبوت یہ ہے کہ جناب رسول خدا کو حنین کی لڑائی پیش آئی تو اسوقت ابوسفیان ظاہرا مسلمان ہو چکے تھے اس لڑائی مین ابوسفیان جناب رسول خدا کیساتھ میدان جنگ مین آئے بھی تھے مگر چونکہ فی الحقیقت یہ جنگ بھی درمیان جناب رسول خدا اور بنی امیہ کے تھی ابوسفیان اور انکے ساتھی کچھ لڑتے بھڑتے نہ تھے خالی کھڑے ہوئے لڑائی کا تماشہ دیکھتے تھے جب مسلمان مجاہدین کے سر بنی امیہ کے تلوارون سے اڑائے گئے تو ابوسفیان اور انکے ہمراہی قہقہے لگاتے تھے۔ اگر جناب علی مرتضی اس جنگ مین شریک نہ ہوتے تو یقینا جناب رسول خدا کو شکست عظیم ہو جاتی اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی امیہ کس اطوار کے لوگ تھے ابوسفیان جیسے شخص کو خلافت راشدہ کیطرف سے شام کی حکومت کا سپرد کیا جانا نہایت تعجب خیز امر ہے ابوسفیان کے صاحبزادے معاویہ صاحب کس کیرکٹر کے شخص تھے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے۔ مکر۔ حیلہ۔ فریب۔ خون یہ سب باتین ان حضرت کے بائین ہاتھ کا کھیل تہین۔ حضرت کے صاحبزادے یزید صاحب تو احاطہ تعریف سے باہر تھے جد و پدر کی بزرگیونکو علانیہ اجاگر کیا۔ انہون نے تو خانہ کعبہ مین گھوڑے بندھوائے۔ (دیکھو تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی) مرد مرد مین نکاح کرائے۔ بہائی بہن کے نکاح کرادیے وغیرہ وغیرہ بنی امیہ کے پورے نمونہ مروان صاحب بھی تھے اسی طرح اور بہی اس قبیلہ کے حضرات ہین جنکا ذکر طوالت سے خالی نہین ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ہر عہد کے بنی اُمیہ کی بداطواریان جہان مین اظہر من الشمس ہین متعصب اور نا انصاف کی آنکھون مین اگر بنی اُمیہ خوش اطوار معلوم ہون تو کوئی جائے تعجب نہین ہے وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ایک نہایت حق آگین قول ہے۔ ششم یہ کہ جسقدر بنی امیہ بدکردار تھے اسیقدر بنی ہاشم خوش اطوار تھے بنی ہاشم کو بڑہانا تھا اور بنی امیہ کو دبا رکھنا۔ مگر جائے افسوس ہے کہ حضرت عمر یا خلافت راشدہ کی طرف سے اسکی بالعکس کارروائی ظہور مین آئی ہفتم یہ کہ بنی ہاشم ایسے کم ورنہ تھے کہ بنی امیہ کی تقویت سے فورا نیست و نابود ہو جاتے بنی ہاشم کا ضعیف کر ڈالنا ممکن تھا جیسا کہ خلافت راشدہ کی کارروائیون سے ظہور مین آیا۔ مگر ان کا نیست و نابود کر ڈالنا ممکن الوقوع نہ تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک عرصہ دراز تک بنی ہاشم و بنی اُمیہ اور نیز دیگر مخالفین سے لڑتے جھگڑتے رہے مگر نیست و نابود نکئے جاسکے۔ اگر بنی ہاشم کا نیست و نابود کیا جانا ممکن الوقوع ہوتا تو تنزلا بنی امیہ کی تقویت پولیٹیکل پہلو سے بالکل غلط کارروائی نہوتی۔ اسلئے کہ جب بنی ہاشم نیست و نابود ہو جاتے۔ تو صرف بنی امیہ ہی رہ جاتے ایسی حالت مین کوئی خانہ جنگی کے احتمال کی صورت سلطنت عرب مین نہوتی۔ مگر جب بنی ہاشم نیست و نابود نہ کئے

جا سکتے تو خانہ جنگی کے اسباب موجود رہے چنانچہ آخر وہی خانہ جنگیاں بنی ہاشم اور بنی اُمیہ مین واقع ہوتی رہین جن سے سلطنت کو بہت کچھ جانی مالی ملکی اور قومی نقصانات پہنچے ۔ لاریب بنی اُمیہ کی تقویت خلافت راشدہ کی جانب سے بہت بڑی پولیٹیکل غلطی تھی ۔ بنی اُمیہ کو جو جناب رسولؐ خدا کا مفتوحہ گروہ تھا اپنی حال پر چھوڑ دینا تھا ۔ اگر بنی اُمیہ دبے رہجاتے تو آئندہ بنی ہاشم اور بنی اُمیہ مین خانہ جنگیان وقوع مین نہ آتین ۔ خلافت راشدہ یا حضرت عمرؓ کیطرف سے بنی اُمیہ کیساتھ اسطرحکی اعانت کی دو وجہین معلوم ہوتی ہین ۔ اول یہ کہ خلافت راشدہ نے اسکی ضرورت سمجھی کہ بنی امیہ رضامند رکھے جائین اسلئے دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ کے قاعدہ پر ان کو شام کا ملک دیدیا گیا حقیقت حال یہ ہے کہ بنی اُمیہ ایک بڑا دنیا طلب قبیلہ تھا ۔ اسکو حصول دنیا کے سوا کوئی اور امر کبھی مدنظر نہوا ۔ مذہب سے یہ قبیلہ کوئی علاقہ نہین رکھتا تھا اسلام کی توقیر اس قبیلہ کی آنکھ مین خس برابر بھی نہ تھی ۔ اس قبیلہ کے سردار ابوسفیان جو ظاہرا مسلمان ہوگئے تھے یہ اُن کیلئے مجبوری تھی ۔ آپنے جب دیکھا کہ کافر رہنے مین کوئی فائدہ متصور نہین ہے تو آپنے اسلام قبول کرلیا جب جناب رسولؐ خدا نے رحلت فرمائی تو ابوسفیان نے آنحضرتؐ کی رحلت سے دنیوی فائدہ اُٹھانیکا ارادہ کیا جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے قریب ہی قریب سقیفہ کی کارروائی عمل مین لائی گئی ۔ مگر ظاہرا اس کارروائی سے ابوسفیان کو اپنے فائدہ کا کوئی میدان نظر نہین آیا ۔ تب ناچار ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ امر خلافت طے پاگیا اور اے علی تم اپنے حقوق سے محروم رہ گئے ۔ اگر تم کہو تو ہم صحرائے مدینہ کو سواران ملکہ سے بھردین اور اُس اجماعی خلافت کو تختہ ربود کردین ۔ حضرت علیؑ نے اُن جملون سے جنکا ذکر اس کتاب مین آچکا ہے ابوسفیان سے ناراضی کیساتھ ارشاد فرمایا کہ اے ابوسفیان تم جب کافر تھے تب بھی فساد انگیزی کیا کرتے تھے ۔ اور اب کہ تمنے ظاہرا اسلام اختیار کرلیا ہے تمھاری وہی فساد انگیزی باقی ہے یہ جواب پاکر ابوسفیان صاحب حضرات شیخین کی خدمت مین حاضر ہوکر فرمانے لگے کہ تم لوگون نے خلافت کا انتظام کرلیا اور ہم کسی قسم کے فائدہ کے شریک نہوسکے ۔ اگر ہمارے لئے کچھ نہین کرتے تو ہم اس خلافت کے معاملہ کو تہ وبالا کردینگے حضرات شیخین نے دیکھا کہ ابوسفیان اور اُن کا قبیلہ اگرچہ جناب رسولؐ خدا کی کارروائیون سے کمزور ہوگیا ہے تاہم اگر فساد انگیزی پر مستعد ہوجائیگا ۔ تو خلافت کی خیر نظر نہین آتی ۔ اس معاملہ پر غور کرنیکے بعد حضرات شیخین نے ابوسفیان سے فرمایا ۔ کہ اگر تم خلافت کیطرف سے سلوک کئے جاؤ تو اسپر بھی تم خلافت سے مخالفت کروگے ابوسفیان صاحب کو تو نہ علیؑ سے کوئی غرض تھی نہ حضرات شیخین سے کوئی مطلب ان کو صرف اپنے حلوے مانڈے سے کام تھا شام کی حکومت جو خلافت راشدہ کیطرف سے پیش کیگئی تو پھر اس خلافت اجماعی کے اچھے برے سے انکو کوئی غرض باقی نہین رہی ظاہر ہے کہ یہ عنایات خلافت راشدہ کی ابوسفیان کیساتھ بہ مجبوری تھی حضرات شیخین کو کسی طرح برآئی بلا کو ٹالنا تھا ۔ سو وہ بلا آسانی کیساتھ ٹل گئی ۔ امر واقعی بھی یہی ہے کہ حضرات شیخین ابوسفیان کے مقابلہ مین مجبور تھے ایسا نکرتے تو کیا کرتے ۔ پوشیدہ نہین ہے کہ ابوسفیان ایک ممتاز قبیلہ کے سردار تھے ان کو اس اجماعی خلافت کا پلٹ ڈالنا چندان دشوار نہ تھا ۔ حضرت ابوبکرؓ کسی ممتاز قبیلہ کے آدمی نہ تھے آپ اپنے قبیلہ بنی تیم پر کچھ بھروسا نہین رکھ سکتے تھے حضرت عمرؓ کو بھی اپنے قبیلہ پر تکیہ نہین ہوسکتا تھا بنی ہاشم سقیفہ کی کارروائیون سے نہایت آزردہ

ہو ہی رہے تھے جبوقت ابوسفیان سواران مکہ سے صحرائے مدینہ کو بھر دیتے حضرات شیخین کی اجماعی خلافت معرض تنزلزل مین پڑجاتی ایسی حالت مین حضرات شیخین ابوسفیان صاحب کو حکومت شام دیکر خلافت کی جان نہ بچاتے تو کیا کرتے یہ وقت ایسا نہ تھا کہ جناب رسول خدا کی اس ناراضی کو جو بنی اُمیہ کیساتھ تھی۔ آپ دونون صاحب ملحوظ رکھ سکتے البتہ جناب علی مرتضی جناب رسول خدا کی پالسی سے انحراف نہین کر سکتے تھے جیسا کہ اس معاملہ مین آپ کے برتاؤ سے ظاہر ہوا۔ دوم یہ کہ بنی ہاشم کی طرف سے حضرات شیخین مطلق مطمئن نہ تھے ہر چند آپ دونون حضرات جانتے تھے کہ جناب علی مرتضی کوئی سخت کارروائی خلافت کے خلاف اختیار نہ کرینگے۔ مگر کوئی شک نہین کہ علی سقیفہ کی کارروائی سے خوش بھی نہین ہین اسکے ساتھ اسکا بھی پورا یقین حاصل تھا۔ کہ بنی ہاشم بگڑے بیٹھے ہین اگر علی ان کو نہ روک رکھتے۔ تو ہر شخص بنی ہاشم کا دست بہ شمشیر ہو جاتا ایسی صورت مین حضرات شیخین بنی امیہ کو مصلحت خلافت یا مصلحت دنیوی کی بنیاد پر اگر نہ بڑھاتے تو کیا کرتے ظاہر ہے کہ بنی اُمیہ بنی ہاشم کے قدیم مخالف تھے ایسی حالت مین مخالف کے مخالف کے ساتھ آشتی کرنا تمام تر قرین عقل تھا مختصر یہ ہے کہ ان دو بھاری مجبوریون سے حضرات شیخین نے بنی اُمیہ کو سر چڑھایا۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ ہمیشہ ایک غلطی سے ہزارون غلطیان پیدا ہوتی ہین خشت اول چون نہد معمار کج تا ثریا میرود دیوار کج۔ نہایت جائے حسرت ہے کہ سقیفہ کی ایک اس غلطی نے اسلامی دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا اور آج تک اس غلطی کا نتیجہ اہل اسلام بھگت رہے ہین اور اگر اپنے خیالات کی اصلاح نہ کرین گے تو تا قیامت اسی طرح بھگتا کرینگے اب اہل انصاف واقعہ کربلا کے پہلو پر معاملات بالا کو ملحوظ رکھکر جو رائے چاہین قایم کرلین۔ ظاہرا یہ واقعہ بڑی پولیٹیکل حیثیت تاریخ عرب مین رکھتا ہے اور اس واقعہ کے اسباب ایسے اہم ہین کہ کوئی مورخ جو سچی قوت کا فیصلہ رکھتا ہے ان سے بڑے بڑے محققانہ نتیجے نکال سکتا ہے اہل نظر کی آنکھ سے یہ بات چھپ نہین سکتی کہ اس واقعہ کا تخم وہی قول حضرت عمرؓ کا یعنی عِندَنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسْبُنَا ہے جس سے اجماع سقیفہ نے فوری طور پر صورت پکڑی۔ پھر جس اجماع سے خلافت کا درخت اُگا اور اسمین منجملہ دیگر اثمار کے واقعہ کربلا کا ثمر بھی لگا۔ یہ بات مذہبی پہلو سے نہین کہی جاتی بلکہ حق یہ ہے کہ جو حضرات معاملات اقوام پر بے تعصبانہ نگاہ ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہین انہین اس سے چارہ نہین ہے کہ اس واقعہ عظیمہ کو ایک پولیٹیکل نتیجہ اُن غور طلب پولیٹیکل معاملات کا سمجھین جو رحلت جناب رسالتمآب کے بعد ہی سے ظہور مین آتے گئے۔

خلافت حضرت ابوبکرؓ کو علیؑ کیا سمجھتے تھے

اگرچہ حضرت علیؑ نے خلافت حضرت ابوبکرؓ پر تلوار نہین کھینچی جس کے سبب سے قبیلہ بنی ہاشم بھی چپ رہا۔ مگر یہ خلافت حضرت خلیفہ اول کی نہ حضرت علیؑ کو پسند تھی اور نہ بنی ہاشم کو حضرت علی کی ناپسندیدگی

آپ کے خطبۂ شقشقیہ سے عیان ہے - اس خطبہ کی شرح علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے کی ہے - اسکے شارح صاحب اجلہ محدثین و متکلمین اہل سنت سے ہین - فرقۂ شیعہ سے نہین ہین - کون پڑھا لکھا آدمی ہے جو خطبہ شقشقیہ اور اسکے شارح محترم سے واقف نہین ہے - چند فقرے اس خطبہ کے یہان درج کیجاتی ہین - اور وہ یہ ہین - اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ وَاِنَّهُ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ فَسَدَلْتُ دُوْنَهَا ثَوْبًا وَطَوَیْتُ عَنْهَا کَشْحًا وَطَفِقْتُ اَرْتَائِیْ بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّاءَ اَوْ اَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَةٍ عَمْیَاءَ یَهْرَمُ فِیْهَا الْکَبِیْرُ وَیَشِیْبُ فِیْهَا الصَّغِیْرُ وَیَکْدَحُ فِیْهَا الْمُؤْمِنُ حَتّٰی یَلْقٰی رَبَّهٗ فَرَاَیْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰی هَاتَیْ اَحْجٰی فَصَبَرْتُ وَفِی الْعَیْنِ قَذًی وَفِی الْحَلْقِ شَجًی اَرٰی تُرَاثِیْ نَهْبًا حَتّٰی اِذَا مَضَی الْاَوَّلُ لِسَبِیْلِهٖ

ترجمہ - قسم خدا کی ابوبکرؓ بن ابی قحافہ نے جامۂ خلافت کو کھینچ تان کر بتکلف پہن لیا یعنی خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میری جگہ اس خلافت کے مقابلہ مین قطب آسیا کی سی ہے یعنی جسطرح آسیا بغیر میخ کے نہین پھر سکتی ہے - اسی طرح کار اسلام بغیر میرے نہین چلسکتا ہے - مگر ابوبکرؓ اور اہل سقیفہ نے میری خلافت سے روگردانی کی اور مجھے خلافت سے دور رکھا مجھسے سیل جاری ہوتی ہے یعنی جسطرح بلندی کی طرف سے سیلاب نیچے کو آتا ہے اسی طرح میری بلند پائیگی سے دریائے علم جاری ہوتا ہے - اور نہین پرواز کرسکتا ہے پرندہ میری پایۂ بلند تک یعنی میرے مرتبۂ علم و معرفت تک انسان کا طائر وہم و خیال بھی نہین پہنچ سکتا پس ڈالدیا مینے خلافت ابوبکرؓ پر پردہ اور اس سے مین نے پہلوتہی کی - اور اس امر مین مین نے فکر کرنا شروع کی کہ آیا بے دست بریدہ سے یعنی باوجود قلت اعوان و انصار بھی ابوبکرؓ پر حملہ کر بیٹھون یا صبر کرون - بلائے تیرہ و تار پر یعنی خلافت ابوبکر پر جو ظلمت جہل و حق کشی کا حکم رکھتی ہے - یہ بلا ایسی بے درمان تھی کہ جسکے صدمہ سے بڈھے بیکار ہوگئے اور کم سن بڈھے ہوگئے - اور مومن تادم مرگ رنج اوٹھاتا رہیگا - پس مناسب وقت یہی معلوم ہوا کہ اس مصیبت پر صبر ہی کرنا بہتر ہے - پس صبر کیا مین نے درحالیکہ میری آنکھون مین گویا گرد پڑگئی تھی یعنی جسطرح گرد پڑجانے سے آنکھین پرآب اور پردرد ہوجاتی ہین - وہی کیفیت میری آنکھون کی ہورہی تھی اور میرے حلق مین گویا ہڈی اٹکی ہوئی تھی - مین اپنی میراث یعنی میراث خلافت کو لُٹتے دیکھتا تھا یہان تک کہ اسی حالت مین خلیفہ اول نے وفات پائی - لاریب اقوال بالا مخالفین علیؑ کے لئے تو کچھ نہین ہین - مگر دوستداران علی کیلئے تو بڑا بھاری سرمایۂ رنج و الم ہین - بظاہر اقوال بالا سے ثابت ہوتا ہے - کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کی خلافت کو زور و ظلم کیساتھ امر ناحق جانتے تھے - اور اپنے آپکو تمام تر خلافت کا مستحق سمجھتے تھے - مگر مصلحت وقت کو ملحوظ رکھکر حضرت ابوبکر سے آمادۂ جنگ و جدال نہین ہوئے - آپ نے صبر کا پہلو اختیار فرمایا - گو آپکے قول کے مطابق حضرت ابوبکر کی خلافت ایک ایسی بلائے تیرہ و تار تھی کہ جو ظلمت جہل و حق کشی کا حکم رکھتی تھی ان باتون کے علاوہ آپ خلافت جناب رسول خدا کو اپنی میراث سمجھتے تھے اور اس

خلافت سے جو آپ محروم رکھی گئی اسکو آپ اپنی میراث کا لٹنا قرار دیتی ہین۔ جو حضرات اہل اسلام سے حضرت علی کو سچا مانتے ہین وہ اقوال بالا کی نسبت اپنے دلمین فیصلہ کرلین کہ یہ اقوال کیسے ہین اور اُن سے کیا تاثیر دلمین پیدا ہوتی ہی۔ راقم کو رائے زنی کی کوئی حاجت نہین ہی۔ خدا یتعالے نے انسان کو دل و دماغ آنکھ ناک کان وغیرہ کی نعمتین بخشی ہین۔ ان نعمتون کو حاصل ہونے پر بھی اگر انسان کندہ ناتراش بنا ہی تو یہ کوئی قصور خدائے پاک کا نہین ہے اُسی بے مادہ انسان کا ہی جو اُن سے تمتع حاصل کرنا پسند نہین کرتا۔

حضرت ابوبکرؓ کی حیثیت خلافت پر نظر

واضح ہو۔ کہ ترمذی مسلم اور ابو داؤد نیز شرح عقاید نسفی اور شرح عقائد جلالی اور شرح نودی کی رو سے حضرات اہل سنت کا یہ عقیدہ ہی کہ حضرت رسولؐ خدا نے کسیکو اپنا خلیفہ نہین بنایا حضرت ابوبکرؓ جو خلیفہ قرار دئے گئے۔ وہ بعض امت سے خلیفہ قرار دے گئے۔ یعنی حضرت ابوبکر خلیفہ جماعت قرار پائے یا یہ کہئے کہ خلیفہ من جانب الناس قایم کئے گئے۔ ایسی صورت مین ظاہر ہی کہ آپ کو رسولؐ اللہ کا خلیفہ کہنا درست نہوگا۔ اسلئے جو اہل سنت آپ کو خلیفہ رسولؐ اللہ سمجھتے ہین وہ اپنی ناواقفیت سے ایک بڑی غلط فہمی مین مبتلا ہو رہے ہین۔

شرح عقائد نسفی صفحہ ۴۰ سے اہل سنت کا عقیدہ خلافت اور امامت کی نسبت یہ معلوم ہوتا ہی کہ خلافت اور نیابت رسولؐ کو دین کے قایم کرنے مین اِسکی متقاضی ہی کہ سب امت پر اُس خلافت اور نیابت کی بیعت واجب ہو۔ پھر اسپر اجماع ہی کہ نصب کرنا امام کا واجب ہی خلق پر اور نہین واجب ہے۔ اللہ پر بدلیل حدیث و بدلیل عقل۔ اسلیئے کہ فرمایا ہی رسولؐ خدا نے کہ جو شخص مرا اور اُسنے نہین پہچانا اپنے امام وقت کو تو وہ کفر کی موت مرا اور اسی سبب سے حضرت رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد ہی اصحاب رسولؐ اللہ نے نصب امام کو افضل ترین امور دین سے جانکر نصب امام کیا تا اینکہ نصب امام کو دفن رسولؐ خدا پر بھی مقدم جانا۔ حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ اس حدیث سے کہ کوئی شخص امام وقت کو نہ پہچانے اور بے پہچانے امام وقت کے مرجائے تو ایسا شخص کافر کی موت مریگا۔ یہ بات ظاہر ہوتی ہی کہ صرف امام کی معرفت واجب ہے۔ امام کا نصب کرنا واجب نہین ہی ایسی صورت مین دفن رسولؐ اللہ پر امام کے نصب کرنیکو مقدم کرنے سے دو معصیت امت کو نصیب ہوئین۔ ایک یہ کہ حضرت ابوبکرؓ اور جمیع حاضرین سقیفہ بنی ساعدہ اسی رسولؐ محترم کے دفن کے ثواب سے محروم رہی۔ دوم یہ کہ امت نے جو امام نصب کیا تو امت ایک بدعت کی مرتکب ہوئی اور شک نہین کہ بدعت ضلالت ہی۔ نصب امام کو فعل بدعت اسلیئے ہوا کہ قرآن و حدیث سے نصب امام کی کوئی ہدایت ظاہر نہین ہوتی۔ اگر نصب امام کوئی واجب امر ہوتا تو خدائے تعالی اس واجب کی خبر ضرور دیتا اور

رسول اللہ بھی ضرور فرما جاتے کہ اے میری امت تم بعد میرے جسکو چاہنا اجماع کر کے اپنا امام مقرر کر لینا۔ اسیطرح نصب امام کا فعل خلاف عقل بھی ہے۔ اسلئے کہ عقل کبھی برسر صواب ہوتی ہے۔ اور کبھی برسر خطا اسی بنا پر خدائے تعالےٰ نے اُس امر مین کہ جہان نص شرعی نہو عقل کی روسے حکم دینا منع فرمایا ہے۔ کقولہٖ تعالیٰ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى یعنی اے محمدؐ جسکو تمہارا جی چاہے اُسے مت اختیار کرو سظاہر ہے کہ جب ایسا حکم خداوندی حضرت رسولؐ کیلئے ہے۔ تو عامہ امت کو عقل کے ذریعہ سے احکام شرعی کا جاری کرنا کب روا ہو سکتا ہے۔ اور بھی یہ قول خداوندی اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا اس حکم بالا کا معین دکھائی دیتا ہے مختصر یہ ہے کہ نص و عقل دونون کی روسے امام کا نصب کرنا ایک بدعت اہل سقیفہ سے صادر ہوئی اور یہ بدعت اُن کی ضلالت سے خبر دیتی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ خود اجماعی طریقہ پر کوئی شخص نبی یا نبی کا خلیفہ مقرر ہو سکتا ہے یا نہین اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے۔ کہ وقت آدمؑ سے لیکر پیغمبر خدا کے وقت تک ایسا کبھی نہین ہوا کہ کوئی شخص نبی یا نبی کا خلیفہ اجماع اُمت کے ذریعہ سے مقرر ہوا ہو جب ہوا یہی ہوا کہ خدا کی جانب سے نبی بھی مقرر ہوا اور خلیفہ نبی بھی مقرر ہوتے رہے حضرت آدمؑ کو خدائے تعالےٰ نے نبی بھی بنایا اور اپنا خلیفہ بھی گردانا اسی طرح خدائے تعالےٰ نے حضرت داودؑ کو اپنا نبی بھی بنایا اور اپنا خلیفہ بھی قرار دیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوت اور خلافت من جانب اللہ ہوا کرتی ہے۔ من جانب الناس نہین ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ جو جماعت کی طرف سے خلیفہ قرار پائے۔ تو یہ تقرر آپکا ایک نئے طریقہ پر عمل مین لایا گیا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کا یہ رنگ ہو کہ جو آپکا خلیفہ ہو اُسے نہ آپ مقرر فرمائین اور نہ خدائے تعالےٰ مقرر فرمائے اُسے ایک جماعت مقرر کرے اور وہ بھی ایسی جماعت جو جماعت کامل ہونے کی حیثیت بھی نہ رکھتی ہو یعنی کچھ لوگ مجتمع ہوکر اسی سرسری طور سے خلیفہ مقرر کر لین۔ اگر اجماعی طور سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانا تھا۔ تو تمام دیار اسلام سے نہین تو کم از کم مختلف قبائل عرب ہی کے سردار جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ بلالیے جاتے۔ یہان تو یہ حالت گذری کہ مدینہ کے باہر کے قبائل تو درکنار قبیلہ بنی ہاشم تک کو جو مدینہ ہی مین رہتے تھے۔ اور جناب رسول خدا کے رشتہ دار بھی تھے اس اجماع کی خبر نہین کی گئی حضرت عمرؓ نے فوراً ہاتھ بڑہا کر حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کے قاعدہ سے خلافت قایم کر دی گئی۔ بہت سے اصحاب نے بھی اس اجماع مین شرکت نہین کی مثلاً زبیرؓ عتبہؓ خالدؓ مقدادؓ سلمانؓ ابوذرؓ براءؓ اور ابیؓ جو حضرت علیؑ کی طرف میلان رکھتے تھے۔ تمام واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت من جانب اللہ تو تھی ہی نہین کامل طور پر من جانب الناس بھی قرار نہین پائی۔ ایسے ناقص اجماع کو کوئی صاحب حواس ایلکشن (Election) نہین قرار دیسکتا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس عجلت کیساتھ حضرت ابوبکر کو حضرت عمرؓ خلیفہ نہ بنا ڈالتے اور حقیقت مین ایلکشن کی کارروائی قاعدہ کے ساتھ برتی جاتی۔ تو حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ جماعت قرار پانا دشواری سے خالی نہوتا۔ آخر مین میری گذارش یہ ہے کہ حضرات اہل سنت

کا یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ نے کسیکو اپنا خلیفہ نہ بنایا محض لغو امر ہے حق یہ ہے کہ بحکم خدا حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ قولی اور فعلی طریقون سے بنایا تھا مگر آپکی خودغرض اُمت نے آپکی تجویز کو غت ربود کردیا یہ تجویز ظاہر مین رسول اللہ کی مگر حقیقت مین خدائے تعالے کی تھی اُسکے معقول ہونے مین کوئی گفتگو نہین ہوسکتی علیؑ واقعی ایسے بزرگ تھے کہ امت رسول اللہ مین اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور آپکے خلیفہ قرار دئے جانے مین بہت سی خوبیان ملحوظ تھین جیسا کہ سابق مین راقم حوالہ قلم کرچکا ہے - جاننا چاہئے کہ امر خلافت نبی اور خدا کیطرف سے قرار پاتا ہے - اجماع امت کو اسمین مطلق دخل نہین ہے جیسا کہ یہ قول خدا وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُرْسَلُونَ سے ظاہر ہوتا ہے - قصہ اسکا یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے دو خلیفہ یا دو نائب قریہ انطاکیہ کو بھیجے تھے مگر انطاکیہ والون نے انکی تکذیب کی تب ایک خلیفہ یا ایک نائب اور بھیجکر اُن دونون کی مدد کیگئی اس آیت مین خدائے تعالے نے حضرت عیسی کے فعل کو اپنا فعل قرار دیکر فرماتا ہے کہ ہمنے رسولون کو قریہ انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا لاریب اس آیت سے ہویدا ہے کہ خلافت یا نیابت خدا اور رسول کے سوا اور کسی ذریعہ سے نہین قایم کی جاسکتی بلکہ اس آیت خداوندی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنا خلیفہ کوئی نبی بھی مجرد اپنی تجویز سے نہین بنا سکتا اپنے خلیفہ کے قرار دینے کے لئے خدائے تعالے سے نبی کو بھی منظوری کی حاجت نظر آتی ہے جیسا کہ سورہ طٰہٰ پارہ ۱۶ مین خدائے تعالے کے اس قول وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي سے ظاہر ہوتا ہے - یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگاہ ایزدی مین عرض کی کہ اے خدا بنا تو میرے لئے وزیر میرا میرے اہل بیت سے میرے بھائی ہارون کو تاکہ آسان ہون میرے کام اور میرے امور مین میرا شریک ہو - اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر خلافت اپنے اختیار سے کرنا ہوتی تو حضرت موسیٰ کو ضرورت کیا تھی کہ خدا سے درخواست کرتے تو میرے بھائی کو میرا خلیفہ بنا - اس درخواست کے قبول ہونے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ تم خلیفہ میرے ہو - میری قوم مین کقولہ تعالے (دیکھو سورہ اعراف) وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي اگر خدائے تعالی کی منظوری کی حاجت نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ اپنے اختیار سے حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ بنا دیتے یا کسیکو خلیفہ بنائے بغیر میقات پر چلے جاتے اور بنی اسرائیل اپنی تجویز سے خلیفہ بنا لیتے - حضرت ہارون کے خلیفہ بنائے جانیکی نسبت خدائے تعالے سورہ فرقان مین بھی یون فرماتا ہے - کہ جَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا وزیر خلیفہ یا نائب بنانیکا اختیار صرف خدا کا ہے - کسی نبی کو بھی یہ اختیار نہین ہے کہ جسکو چاہے اپنا وزیر خلیفہ یا نائب بنالے - پس خدا رحم فرمائے اس اُمت پر جس نے اپنے اختیار سے جناب رسول خدا کے بعد اپنی او حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنالیا اور خدا اور رسول خدا کی مرضی کیطرف رُخ بھی نہ کیا - اس اُمت کا یہ عقیدہ قایم کرلینا کہ خدا اور رسول خدا نے کسیکو خلیفہ نہین مقرر کیا - بڑا حسرت انگیز

مضمون ہو اسے عقل گوارا نہین کر سکتی - کہ انبیائے سابق کے خلفا تو حکم خداوندی سے بڑے لحاظ و خیال کے ساتھ مقرر کیے جائین اور جناب رسول خدا کی امت پر کوئی خلیفہ خدا کیطرف سے مقرر نہ کیا جائے اور یہ امت مطلق العنان اسطور پر چھوڑ دی جائے کہ اپنا خلیفہ آپ مقرر کرے ظاہر ہو کہ یہ امت امم سابقہ سے ممتاز تر پایہ رکھتی تھی اسکے ساتھ خدا کی اسطرح کی بے اعتنائی بعید از عقل و قیاس ہو لاریب خدا نے اور خدا کے رسول نے حضرت علی کو خلیفہ مسلمانون پر مقرر کیا تھا جیسا کہ واقعہ خم غدیر سے نہایت واضح طور پر ظاہر ہوتا ہی - مگر طالبان دنیا نے نعمت دنیا کو نعمت آخرت پر مرجح سمجھ کر حضرت علیؑ کو خلیفہ ہونے نہ دیا - المختصر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت من جانب اللہ تو ہو ہی نہین سکتی - مگر من جانب الناس بھی ناقص دکھائی دیتی ہو جب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا یہ طور ہو تو حضرت عمرؓ کی خلافت تو کوئی موقر حیثیت رکھ ہی نہین سکتی - یعنی آپکی خلافت ایک ایسے حضرت خلیفہ کی قایم کردہ ہو جو خود من جانب اللہ خلیفہ نہ تھے اور من جانب الناس بھی ایک ناکمل حیثیت خلیفہ ہونیکی رکھتے تھے بنار الفاسد علی الفاسد کی بنیاد پر حضرت عمر کی خلافت بالکل بے قاعدہ نظر آتی ہو اور اس روسے آپ صرف خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کہے جانے کا استحقاق رکھتے ہین یہ خیال کہ آپ بھی از خلفائے حضرت رسول خدا ہین محض غلط ہی - خود یہ حدیث ثلثون سنتہ کی جس سے یہ کہا جاتا ہی کہ خلافت راشدہ کا زمانہ تیس سال کا تھا - تمام تر وضعی حیثیت رکھتی ہو اگر واقعی یہ حدیث رسول اللہ کی ہوتی تو ضرور عرصہ چارون خلافتون کا تیس برس تک پہنچتا - مگر یہ تیس برس کا عرصہ امام حسن علیہ السلام کی چھ مہینے کی خلافت کو ملا کر بھی پورا نہین ہوتا - لاریب یہ حدیث وضعی ہی - اور بلا شبہ اس غرض سے وضع کیگئی ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتین بقول رسول اللہ قرار پاکر خلافت راشدہ تسلیم کیجائین -

خلافت من جانب الناس و خلافت منجانب اللہ

واضح ہو کہ - بالا مین راقم نے حضرت علی مرتضیٰ کی جانشینی کی پولٹیکل ضرورت دکھائی ہو - اس پولٹیکل پہلو کیمطابق اگر جناب علی مرتضیٰ رسول مقبول کے بعد خلیفہ قرار پاتے تو آپکی یہ خلافت من جانب الناس ہوتی - جیسا کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتون کو اکابر اہل سنت من جانب الناس مانتے ہین - مگر مذہبی عقیدہ راقم اور اہل تشیع کا یہ نہین ہی کہ پولٹیکل ضرورتون سے علی کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا - افراد امامیہ کا مذہبی عقیدہ یہ ہے - کہ جناب علی مرتضیٰ من جانب اللہ جناب رسول خدا کے خلیفہ ہین - آپکی خلافت کا تقرر من جانب الناس ہونیکا محتاج نہ تھا - خدا ہی نے آپکو اور بقیہ ائمہ خاندان پیغمبر خدا کو اپنے رسول پاک کا جانشین دین و دنیا مین بنایا ہی - یہ تمام تر روحانی سلسلہ خلافت اور امامت کا ہو اور اسمین مادی ذرایع کو کسیطرح پر بھی دخل نہین -

معاملات عالم پر نظر تحقیق کی حاجت

یہان پر راقم کی قابل لحاظ گذارش یہ ہی کہ صاحب عقل کو چاہیئے کہ ہر معاملہ کو عام اس سے کہ اُسکو تعلق علوی مذہب یا پالٹیکس یا کسی فن کیساتھ ہو۔ نظر تحقیق سے دیکھے تعصب یا غرض کا چشمہ لگاکر اگر کوئی شخص عالم کا معائنہ کریگا۔ تو چہرۂ حقیقت کی دید اسے نصیب نہوگی دنیا مین حق پسند آدمی کم ہین ایسے بہت تھوڑے ہین۔ جو آزادانہ طور پر کسی رائے کے قایم کرنیکی صلاحیت رکھتے ہون بیشتر آدمی ایسے ہی ہین۔ جو کورانہ تقلید کے سوا کچھہ نہین کر سکتے کورانہ تقلید کا جو نتیجہ ہو سکتا ہی محتاج بیان نہین ہی۔ انسان کا فرض منصبی ہی۔ کہ انکشاف حقیقت کیلئے کوشان ہو پہلے تحقیق کی زحمت گوارا کرے۔ تب کوئی رائے قایم کرے۔ مگر حق جو حق طلب اور حق بین آدمی دنیا مین کم ہین بیشتر بنی آدم ایسے ہی ہین کہ تحقیق کے بغیر رائے قایم کر لیتے ہین او اُسپر عامل ہوتے ہین ایسے اشخاص تحقیق کی بنیاد پر رائے قایم نہین کیا کرتے۔ اگر اُن کا ہمسایہ کہتا ہی کہ چین مین کوا سفید ہوا کرتا ہی تو چین گئے بغیر یا کسی چینی سے حقیقت حال دریافت کئے بغیر یا کسی محقق کی کتاب حیوانات کو ملاحظہ کئے بغیر پورے طور پر رائے قایم کر لیتے ہین کہ چین مین ضرور کوا سفید ہی ہوتا ہی عوام کی یہی حالت ہی اور اون سے کسی امر کی تحقیق پر داد کی اُمید رکھنی بالکل خلاف عقل ہی اسی بنیاد پر راقم کو اپنی اس کتاب کے مقبول عام ہونے کی کوئی اُمید نہین ہی۔ چونکہ فقیر کی یہ تصنیف عوام کی خیال سے بہ مراحل دور ہے۔ اہل تحقیق اور اہل الرائے کے سوا عوام کو اسکا پسند آنا بعید از توقع ہی مقبول عوام ہونیکے واسطے جو چیزین درکار ہین وہ اس کتاب مین نہین ہین۔ اول تو اسکی عبارت رنگینی سے تمام تر معرا ہی۔ دوم یہ کہ راقم کی تحقیقات کے نتایج جو مندرج ہذا ہین خیالات عوام سے مطابقت نہین رکھتے ہین۔ سوم یہ کہ یہ کتاب ایشیائی مذاق سے علیحدہ انداز رکھتی ہی۔ چہارم یہ کہ یہ کتاب آل محمدؐ کے ذکر سے مملو ہی بظاہر اس ملک کی اسلامی دنیا کا یہ مذاق نہین ہی کہ آل محمدؐ کے محامد اور محاسن اشاعت عام پائین اور اُنپر حکیمانہ نظر ڈالی جائے اسی طرح اور بہت سی وجہین ہین جو اس کتاب کو مقبول عوام ہونے سے روکنے والی ہین اور جنکے ذکر کی بیان حاجت نہین ہی خیر یہ کتاب مقبول عام ہو یا نہ ہو۔ مگر راقم نے اس کتاب مین اپنی تحقیق کے خلاف کوئی بات حوالہ قلم نہین کی ہی اور منشا اس کتاب کا خیر اندیشی خلایق کے سوا دوسرا نہین ہی۔ بلا شبہ زمانہ کا منہہ دیکھکر یہ کتاب نہین لکھی گئی کسی والی ملک یا کسی دولتمند یا کسی فرقۂ خاص کے خوش کرنیکو اسکی تصنیف عمل مین نہین لائی گئی ہی حقگوئی حق جوئی حق بینی کے اصول پر یہ کتاب احاطۂ تحریر مین آئی ہی رب کعبہ دنیا طلبی اس کے مصنف کو خس برابر بھی مرکوز خاطر نہین ہی اسکا تو خیال بھی راقم کے دل مین جگہہ نہین پا سکا ہی۔ کہ یہ کتاب چار پیسے بھی اسکے جیب مین لانیوالی ہوگی۔ صرف حق گوئی راقم کو منظور

نظر ہی۔ اور بحمد اللہ کہ حق گوئی کیساتھ اسوقت تک یہ کتاب زیر تصنیف رہی ہی۔ ظاہر ہی کہ اسکے مصنف کو کوئی دنیوی تعلق نہین ہی کہ جسکی باعث وہ جادہ راستی سے انحراف اختیار کرتا راقم کو جو باتین حق معلوم ہوئین انہین افادہ خلائق کی نظر سے حوالۂ قلم کرتا گیا۔ اس عاجز نے اپنی دانست مین کہین بھی حق کے پہلو کو نہین چھوڑا ہی نفسانیت اور تعصب کو کسی جگہہ راہ نہین دیا ہی اور کیون جادۂ حق سے انحراف گوارا کرتا۔ جبکہ دل آزاری حق تلفی خودغرضی رنگ آمیزی وغیرہ اسکی نظر مین حد درجہ کی ذلت کا حکم رکھتی ہین جب اس کتاب کے مصنف کو نام آوری کی ہوس ہی نہین حصول دولت کی تمنا ہی نہین عزت یابی کی جستجو ہی نہین تو ان آزادیون کیساتھ پھر کیون غلامی کی راہ اختیار کرتا دنیا اور اہل دنیا سے بے سروکار پیری و مریدی کے پیشہ سے منزلون دور مولوی اور مولانا کی اعزاز سے تمام تر بے پروا قومی عزت کے نام سے نا فرسرکاری احترامات سے مستغنی پھر وہ اس عالم کی کون چیز ہی جو راقم کی راست گفتاری کی راہ بند کرسکتی ان آزادیون پر بھی اگر کوئی مصنف حق گوئی کا شیوہ ترک کرے تو خدا ہی اسپر رحم فرمائے۔ ظاہرا یون تو ایسا شخص رحم خداوندی کا مستحق نہین معلوم ہوتا۔

رسول اللہ کی خلافت حسب قول فریقین

واضح ہو کہ مذہب اہل تسنن اور مذہب اہل تشیع کا باہمی اختلافات صرف اسی امر مین نہین ہی کہ اہل سنت اور اہل تشیع اپنے دوازدہ خلفا کو علیحدہ علیحدہ شمار کرتے ہین۔ بلکہ بڑے اختلاف کا یہ امر بھی ہی کہ اہل سنت اپنے خلفا کو برخلاف اہل تشیع کے خلفا من جانب الناس مانتے ہین شیعہ کہتے ہین کہ جناب رسول خدا کی خلافت من جانب الناس ہو ہی نہین سکتی جب ہوگی من جانب اللہ ہی ہوگی۔ اس فرق پر لحاظ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ خلافت من جانب الناس ایک ایسی چیز ہی کہ جسمین وحی والہام یا کسی روحانی معاملہ کو دخل کی حاجت نہین ہی اور نہ اسکی لیے عصمت کی شرط کوئی ضروری چیز ہی۔ برخلاف اسکے خلافت من جانب اللہ کو ایسے روحانی امور اور شرط عصمت سے چارہ ہی نہین ہی۔ ظاہرا اہل سنت امر خلافت کو ویسا ہی سمجھتے ہین جیسا کہ دنیا کی جمہوری سلطنتون مین پریزیڈنٹ کا تقرر ہوتا ہی۔ کوئی شخص یہ نہین کہہ سکتا کہ امریکہ یونائیٹڈ اسٹیٹ United State اور یورپ مین فرانس کے پریزیڈنٹ جو اشخاص مقرر ہوا کرتے ہین وحی والہام یا اور کسی روحانی ذرایع سے مقرر ہوتے ہین ہر شخص جانتا ہی کہ ایسے عہدہ دار کا تقرر منجانب الناس عمل مین آیا کرتا ہی۔ اہل سنت کے خیالات خلافت دوازدگانہ کے بارےمین تمام تر اسی رنگ کے ہین۔ اور دنیاوی پہلو سے اپنی وضع پر ایک گونہ پختہ انداز بھی رکھتے ہین اسی خیال کی بنیاد پر اپنے دوازدہ خلفا کی خلافتون کو اہل سنت اجماع یا استخلاف یا شورے یا غصب وقہر کی شرط پر موقوف سمجھتے ہین۔ ظاہر ہی کہ یہ شرطین کسی قسم کا روحانی پہلو نہین رکھتی ہین۔ مختصر یہ کہ اہل سنت کا خیال خلافت کے بارےمین یہ ہی کہ جب جناب رسول خدا نے رحلت فرمائی تو انحضرت کے جانشین یا خلیفہ حضرت ابوبکر اجماع سقیفہ کے ذریعہ سے ہوئے جب آپ رحلت فرماگئے تو حضرت

عمرؓ کو آپ اپنا جانشین استخلاف کے وسیلہ سے بنا گئے اور جب حضرت عمرؓ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو انھون نے خلافت کو شورے پر چھوڑا شورے کے ذریعہ سے حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہوئے علیؑ کس شرط کے ذریعہ سے خلیفہ قرار پائے اسکا کوئی پتہ اہل سنت کی کسی کتاب سے نہین لگتا بہرحال جب حضرت معاویہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپ قہر و غضب کی رو سے خلیفہ برحق قایم ہوئے ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر روحانی طریقہ خلافت کی قرار دہی کا ہے اسلئے اسطریقہ مین وحی الہام یا کسی اور روحانی ذرایع سے استعانت کی کوئی حاجت متصور نہین ہے پس جاننا چاہیے کہ خلافت منجانب الناس کا عقیدہ خاص اہل سنت کا ہے اور اسی کی پابندی کیوجہ سے اس فرقہ کو بہت سے حضرات علما جیسے کہ علامہ نووی شارح مسلم اور علامہ ابن حجر صاحب فتح الباری و امام رازی مؤلف نہایۃ العقول وغیرہ حضرات خلفائے ثلثہ یا دیگر خلفا کی خلافتون کو کسی نص قرآنی یا حدیث نبوی پر مبنی نہین جانتے ہین مگر کچھ سنی علما ایسے ہین جو اسطرح کی مادی طریقہ کی خلافت سے پوری طور پر مطمئن نظر نہین آتے اور ابھی اسوقت کے حضرات اہل سنت سے کوئی شخص ایسا نظر نہین آتا ہے جو خاص کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو مجرد ایک اجماعی امر قبول کرنا پسند کرتا ہو۔ فقیر نے اپنے عصر کے حضرات علمائے اہل سنت کے انداز گفتگو سے جسقدر دریافت حال کیا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت حضرت ابوبکر کی اُن کے عقیدہ کی رو سے مجرد ایک اجماعی امر نہین ہے۔ بلکہ اسی طرح حکم خدا اور رسولؐ سے ظہور مین آئی ہے جیسا کہ علمائے امامیہ امر خلافت کو تمامتر نص و حدیث پر مبنی جانتے ہین اور اسی بنیاد پر اُسے ایک امر من جانب اللہ قرار دیتے ہین۔ اب امر تحقیق طلب یہ ہے کہ آیا کوئی آیت قرآنی یا حدیث نبوی ایسی ہے کہ جسکے مطابق حضرت ابوبکرؓ اور آپکے بعد کے خلفا جناب رسولؐ خدا کے خلیفہ مقرر ہوتے گئے کچھ علمائے اہل سنت نص قرآن و نص حدیث دونون کے ذریعے سے امر خلافت کو حق ثابت کرنے مین کوشان نظر آتے ہین اور علمائے شیعہ اُسکی رد مین بہت کچھ حوالہ قلم کرتے رہتے ہین اس کتاب مین اسکی پوری گنجایش نہین ہے کہ فریقین کی بحث خلافت جگہ پا سکے بحث اس کتاب کا اسباب واقعہ کربلا ہے اور واقعی اس کتاب کو اس سے کوئی خاص تعلق نہین ہے کہ آیا خلافت حضرات خلفائے ثلثہ کی حق تھی یا ناحق۔ راقم کو اسی قدر دکھلانا تھا کہ اس خلافت سے واقعہ کربلا کیا تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ تعلق دکھلایا جا چکا ہے اسپر بھی راقم نے اس کتاب مین تمام ایسی آیات اور احادیث سے بحث کی ہے۔ جن کو اہل سنت خلافت حضرات خلفائے ثلثہ پر دلیل گردانتے ہین مگر بہ سعت راقم سمجھ پر صرف دو آیتون کی نسبت ذیل مین اظہار خیال کرتا ہے جنمین سے ایک کو حضرات اہل سنت خاص حضرت ابوبکر کی خلافت حقہ کی دلیل گردانتے ہین اور دوسری کو حضرات خلفائے راشدین کی خلافتون کی حقیت کی دلیل قرار دیتے ہین۔

اب ضرور ہے کہ طالبان حق ان دونون آیتون پر نظر غور ڈالین۔ اور دیکھین کہ ان آیتون سے حضرات خلفائے راشدین کی خلافت نصی طور پر ثابت ہوتی ہے یا نہین؟

آیتِ غار

حضرت ابوبکرؓ کی حقیت خلافت کی نسبت حضرات اہل سنت آیت غار یعنی ثانی اثنین اذ ھما فی الغار سے استدلال فرماتے ہین - پوری آیت غار یہ ہے - اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا " یعنی اگر تم لوگ (اے جی چرانیوالو اور ڈرپوکو) نہ مدد کروگے اس رسولؐ کی تو اسکا اللہ مددگار ہے پس بہ تحقیق مدد دی اسکو اللہ نے جبکہ نکالا اُسکو اُن لوگون نے جو کافر تھے درحالیکہ وہ رسول ایک اُن دو کا تھا جبکہ وہ دونون غار مین تھے جبکہ وہ یعنی رسولؐ کہتا تھا اپنے ساتھی سے کہ مت غمگین ہو بہ تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے - پس نازل کی اللہ نے تسکین اوپر اُسکے (یعنی حسب قول امامیہ اوپر اُس رسولؐ کے اور بقول اہل سنت اوپر حضرت ابوبکرؓ کے) اور موید کیا اُسکو یعنی اُس رسولؐ کو ساتھ ایسے لشکرون کے کہ جنکو تم نے نہین دیکھا اس آیت سے حضرات اہل سنت حضرت ابوبکرؓ کے انواع طرح کے فضائل ثابت کرتے ہین حتی کہ آپکی خلافت اور امارت تک اُنکے نزدیک اس آیت سے ثابت ہوتی ہے امامیہ کہتے ہین کہ اس آیت سے حضرت ابوبکر کی خلافت اور امارت تو درکنار اُنکی کسیطرح کی فضیلت بھی نہین ثابت ہوتی - بلکہ اسکے برعکس معاملہ نظر آتا ہے حقیقت حال کی دریافت کیلئے ضرور ہے کہ ہم اس آیت کریمہ کی اجزا پر نظر غور ڈالین - واضح ہو کہ آیت بالا کے اتنے ٹکڑے ہین جو نزاعی معلوم ہوتے ہین اوّل "ثَانِيَ اثْنَيْنِ" دوم "لِصَاحِبِهٖ" سوم "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" چہارم "سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ" ذیل مین ہر ٹکڑے کی حقیقت کو ہم نذر ناظرین کرتے ہین -

اوّل - ثَانِيَ اثْنَيْنِ اسکی نسبت حضرات اہل سنت ارشاد فرماتے ہین کہ "ثانی اثنین" سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہین - اور بعد جناب پیغمبر خدا کے دوسرے شخص ہین جو ادائے مناصب دینی کی واسطے الٰہی طور پر مقرر کئے گئے ہین - امامیہ کہتے ہین کہ "ثانی اثنین" سے مراد خود جناب رسولؐ خدا ہین حضرت ابوبکرؓ نہین ہین اور آیت شریف مین ادائے مناصب دینی کا نہ ذکر ہے نہ اشارہ اسمین صرف ایسے لوگونکی شکایت اللہ تعالی فرماتا ہے - جو اُسکے رسولؐ کی مددگاری مین پسپائی کرتے ہین اور وہ لوگ ایسے ہین کہ یا تو جہاد سے جان چراتے ہین یا جان نثاری کی عوض میدان جنگ سے ہمیشہ فرار ہو جایا کرتے ہین مثلاً فراریان احد کہ جس مین خود حضرت ابوبکرؓ بھی داخل ہین یہ ایسے افراد ہین جو بدر و خندق و خیبر و حنین مین کچھ بھی جہاد فی سبیل اللہ نہ کر سکے اور ہمیشہ جناب رسول خداؐ کو محل خطر مین چھوڑ کر بھاگ جایا کئے - پھر ثانی اثنین اور ثالث ثلٰثہ کے معنی احد الاثنین اور احد الثلاثہ ہین یہان ثانی اثنین سے بھی واحد الاثنین ہے جو منجملہ دو شخص غار کے اندر والون کے ایک تھا - اور جو اپنے ساتھی کو یعنی اس دوسرے کو جو اُسکے ساتھ غار مین تھا مضطرب الحال دیکھکر فہمائش کر رہا تھا - ظاہر بظاہر یہ فہمائش کرنیوالے جناب رسولؐ خدا تھے نہ حضرت ابوبکرؓ اس ٹکڑے سے

تو حضرت ابوبکرؓ یا کسی شخص کی خلافت کسی طرح پر ثابت نہین ہوتی اس ٹکڑے کو امر خلافت و امارت سے کسیطرح کا تعلق ہی نظر نہین آتا حقیقت حال تو یہ ہے۔ یون ہٹ دہرمی کا کوئی جواب نہین۔

دوم "لصاحبہ" حضرات اہل سنت فرماتے ہین۔ کہ "لصاحبہ" سے خداوند تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کو ثابت فرمایا ہے۔ امامیہ حضرت ابوبکر کی صحابیت سے انکار نہین کرتے۔ مگر یہ کہتے ہین کہ صحابیت بجائے خود کوئی ایسی شے نہین ہے کہ جو عدم ایمان کی حالت مین بھی سرمایہ فضائل و محامد سمجھی جائے۔ لاریب جناب رسولؐ خدا کے وہی صحابی لائق امتیاز ہین۔ جو صاحب ایمان بھی ہین۔ ورنہ مجرد صحابی ہونیسے کوئی فائدہ حاصل نہین ہو سکتا ایسے صحابی کس کام کے ہو سکتے ہین جنکی نسبت تہدید کے کلمے خدائے تعالیٰ قرآن مین ارشاد فرمائے جیسا کہ اُس آیت مین ان ظاہر صورت مسلمان صحابہ کی نسبت ارشاد فرماتا ہے۔ جو جناب رسولؐ خدا کی مددگاری سے جان چُراتے رہے یا رسولؐ اللہ کو میدان جنگ مین محل خطر مین چھوڑ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے رہے وغیرہ۔ ظاہرا اس آیت مین اُس صحابی اور صحابیت کا ذکر ہی نہین معلوم ہوتا۔ جو معروف عام ہے۔ یہان پر صاحب سے مراد وہ ساتھی ہے جو غار مین رسولؐ اللہ کیساتھ تھا۔ یعنی حضرت ابوبکر جو غار مین جناب رسولؐ اللہ کیساتھ تھے تو یہان صاف صاف اور ظاہر بظاہر طور پر تو صاحب کا یہی مطلب نظر آتا ہے۔ یون ہٹ دہرمی کی اور بات ہے علاوہ اسکے صاحب کوئی ایسا لفظ نہین ہے کہ اسکا استعمال صرف باوقعت اشخاص تک محدود ہو غیر معزز اشخاص کیلئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ سورہ یوسف مین خدائے تعالیٰ اُسنے ایسے اشخاص کی نسبت استعمال فرماتا ہے۔ جو کسیطرح کا دنیوی یا دینی اقتدار نہ رکھتے تھے پس مجرد لفظ صاحب سے کوئی فضیلت حضرت ابوبکر کی ثابت نہین ہوتی۔ اس سے ساتھی ہونا ثابت ہوتا ہے مگر اس سے کسی طرح کا اقتدار دینی یا دنیوی آپکا ثابت نہین ہوتا۔ یعنی اس سے آپکا ویسا ساتھی ہونا نہین ثابت ہوتا ہے۔ جسکے لئے ضرور ہے۔ کہ صاحب وجاہت بھی ہو۔

سوم - "لا تحزن ان اللہ معنا" حضرات اہل سنت فرماتے ہین۔ کہ ان الفاظ قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب پیغمبر خدا نے حضرت ابوبکر کو تسلی دی۔ اور خدا کی حفاظت اور نصرت مین ان کو اپنا ساتھی بنایا امامیہ کہتے ہین کہ ان الفاظ سے حضرت ابوبکرؓ یا کسی شخص کی کوئی فضیلت نہین ظاہر ہوتی ہے۔ حال یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسولؐ اللہ کی نصرت اور مددگاری کی نظر سے رسولؐ اللہ کیساتھ ترک وطن نہین فرمایا تھا جب مکہ سے آپ جناب پیغمبر خدا کیساتھ نکلے تو اعدا شے بچنے کی نظر سے پیغمبر خدا نے ایک غار مین پناہ لی اور حضرت ابوبکر بھی آنحضرت کیساتھ غار مین داخل ہوئے۔ مگر غار مین حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال ہو گیا کہ آپ آمد اعدا سے لگے گریہ وزاری کرنے اسپر رسولؐ اللہ کو فہمایش کی حاجت ہوئی۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا کہ اے شخص تو کیون روتا ہے۔ مگر آنحضرت کے اس فرمانے سے بھی آپ کا رونا موقوف نہین ہوا لاریب ایسی حالت مین کہ رسولؐ اللہ دشمنون کے خوف سے ایک غار تاریک مین جا چھپے تھے۔ سکوت اور سکون کی بڑی ضرورت تھی۔ ظاہرا یہ بے محل کا رونا رسولؐ اللہ کو پکڑوا دیتا۔ اس لئے کہ آنحضرت کے اعدا آپ کی

تلاش مین لگو تو تعجب ہے کہ سراقہ در غار پر آ پہنچا اور اسوقت بہی حضرت ابوبکرؓ کو رونیسے افاقہ نہین ہوا اگر کہین وہ دشمن دین غار مین گہس آتا۔ تو حضرت ابوبکرؓ کی مضطرب الحالی کا جو رنگ ہو رہا تہا اسکے لیے امید نہین کیجاتی کہ حضرت ابوبکرؓ کسی وضع کی مدد جناب رسول خداؐ کو دیسکتے بقرینۂ غالب اُنکیلیے اُس کمبخت سے جناب پیغمبر خدا ہی کو کشتی کرنا پڑتی۔ الحاصل ایسے مضطرب الحال ساتھی کو جناب پیغمبر خداؐ نے یہ فرماکر سمجہایا کہ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" تو اس سے اُس ساتھی کی کیا تعریف نکلی۔ البتہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جناب پیغمبر خدا کا جو ساتھی تہا۔ باوجود اسکے کہ اسکو معلوم تہا کہ خدائے تعالیٰ اپنے رسول کو کافرون کے ہاتھ سے ہلاک نہونے دیگا۔ اُسپر بہی اسکو خدا کا بہروسا نہو سکا۔

جاننا چاہیے۔ کہ لَاتَحْزَنْ کے ساتھ حضرات اہل سنت اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا سے تو اور بہی فضائل حضرت ابوبکرؓ کے ثابت کرتے ہین معنا سے طرح طرح کی معیت بتاتے ہین لاریب مولویت عجب چیز ہے کبہی معیت من حیث التائید والنصرت اور کبہی معیت من حیث العلم والقدرۃ کے بیانات سے اپنی تقریرون کو جلوہ دیتے ہین اور آخر مین یہ بہی دکہلاتے ہین۔ کہ بقول آنحضرتؐ مَعَنَا سے حضرت ابوبکرؓ کیساتھ خدا کی معیت ثابت ہوتی ہے امامیہ کہتے ہین کہ یہ سب سخن سازیان ہین۔ درحقیقت یہ کوئی وقعت انگیز معیت نہین ہے کہ جس سے حضرت ابوبکرؓ کی کوئی تعریف ثابت ہوتی ہو۔ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی کیا تعریف نکلتی ہے۔ کہ جناب رسول خداؐ فہمایش کر رہے ہین کہ اے شخص مبتلائے غم نہ رہ۔ اللہ ہم لوگون کا مونس و مددگار ہے۔ تو سمجہتا ہے کہ دشمن آپہنچے۔ اب تیرا ساتھ دینے والا کون ہے۔ غم نہ کہا۔ خدا ہم لوگون کا مددگار اور ساتھی ہے امامیہ اہل سنت کی تردید مین یہ بہی کہتے ہین کہ یہان جناب پیغمبر خدا نے معنا بمعنی مَعِیَ فرمایا تہا اور یہہ بولنے کا طور ہے کہ بصیغہ متکلم مع الغیر اپنے کو بولا کرتے ہین۔ اردو زبان مین بہی صیغہ واحد کی جگہہ جمع بولتے ہین چنانچہ مین کی جگہہ ہم کہہ جاتے ہین۔ یہ قول بہی مولویت کا رنگ رکہتا ہے۔ کیا ضرور ہے کہ مَعَنَا بمعنی مَعِیَ سمجہا جائے۔ صاف بات یہ ہے۔ کہ جسطرح خدا رسول اللہؐ کیساتھ تہا حضرت ابوبکرؓ کے بہی ساتھ تہا اور ہر بندہ کے ساتھ تہا۔ ہے۔ اور رہیگا پس ایسی معیت مین کسی کیواسطے فخر و مباہات کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ جناب رسول خدا نے جو مَعَنَا فرمایا ہرگز بمعنی مَعِیَ نہین فرمایا۔ رسول اللہؐ سمجہتے تہے کہ خدا میرے ساتھ ہے اور ابوبکرؓ کے ساتھ ہے اور ہر کسی کے ساتھ ہے مَعِیَ فرمانیکی ضرورت ہی کیا تہی۔ جب آپ حضرت ابوبکرؓ کو سمجہا رہے تہے۔ تو معی کیون فرماتے۔ اسلیئے مَعَنَا فرمایا۔ اس سے توصیف کسی بندہ کی کیا ثابت ہوتی ہے البتہ اس سے صفت خدا کی ثابت ہوتی ہے کہ وہ شانہٗ تعالیٰ سب کے ساتھ ہے میری دانست مین حضرات امامیہ کو اسکے کہنے کی کوئی ضرورت نہین معلوم ہوتی ہے کہ مَعَنَا مَعِیَ کی جگہہ پر استعمال کیا گیا ہے ایک عالم امامیہ اس جگہہ پر یہ کہتے ہین کہ مَعَنَا کے متعلق اگر اہل سنت کہین کہ ہم کو اطلاق جمع علی الواحد پسند نہین ہے۔ بلکہ ضرور ہے کہ اس مقام پر دو شخص

شریک کئے جائین - تو ہم کہین گے - کہ شخص دیگر جناب امیر علیہ السلام ہین یعنی جب رسول اللہ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ "لِمَ تَبْکِی" یعنی اے ابوبکرؓ کیون روتے ہو؟ تو جیساکہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ازالۃ الخفا مین مندرج ہی حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات عرض کی کہ مین اپنے واسطے نہین روتا ہون بلکہ علی کے واسطے روتا ہون کہ وہ مارڈالے گئے ہونگے - نیز آپ کے واسطے روتا ہون - کہ آپ عنقریب شہید ہوجائین گے - تب آنحضرت نے فرمایا - کہ "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" یعنی خدا ہم دونون کے ساتھ ہے جس سے مراد یہ ہے - کہ خدا ہمارا اور علیؑ کا ناصر او معین ہے - اسجگہ پر علمائے اہل سنت اور علمائے اہل تشیع دونون نے مولویت کی بہار دکھائی ہے جیساکہ ایک فرقہ کا اعتراض ہو - ویسا ہی دوسرے فرقہ کا جواب ہے اسپر سے طرہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریر ہے - اب مین پوچھتا ہون کہ اے حضرات امامیہ اسمین آپ کا کیا بگڑا اگر "مَعَنَا" مین حضرت ابوبکرؓ داخل ہے - یقیناً اس "مَعَنَا" مین حضرت ابوبکرؓ داخل تھے - اور اگر تیسرا شخص کافر سے کافر بھی اُس غار مین ہوتا تو وہ بھی اس "مَعَنَا" مین داخل ہوتا - پھر اے حضرات اہل سنت آپ سے میری گذارش یہ ہی - کہ اگر اس "مَعَنَا" مین حضرت ابوبکرؓ داخل تھے تو اس معیت سے کون سی فضیلت حضرت ابوبکرؓ کی ثابت ہوئی - حق یہ ہی کہ مولویت نے جھگڑنے والون کو فطرت کی راہ سے بہت دور کردیا - اسلیئے اسطرح کے غیر فطری خیالات اُن کے دماغ مین مرکوز رہتے ہین - اس جگہ فریقین کے جھگڑے غیر فطری انداز رکھتے ہین - اور خالی جھگڑے ہی جھگڑے ہین - جائے تعجب ہی - کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے پایہ کا عالم اپنی تصنیف مین ایسی لچر مضمون کو جگہ دے سکے جسکا اعادہ اوپر ہوا ہے - کوئی فطرت پسند اور تعلیم یافتہ دماغ کا آدمی ایسے فسانہ نما امر کو قرین حق نہین سمجھ سکتا - ایسے شخص کو جناب محدث صاحب کی تحریر ایک ساختہ قصہ اور سراسر فطرت کے خلاف معلوم ہوگی - تعجب ہے - کہ غار مین جناب محمد مصطفےٰ اعلیٰ کے لئے تو رو رہے ہین اور روئین - تو حضرت ابوبکرؓ جو مضطرب الحالی حضرت ابوبکرؓ کی اُس غار مین تھے - اُسکا ہرگز یہ تقاضا نہین ہوسکتا - کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ کو یاد کرکے حضرت علیؓ کے واسطے جزع و فزع کرتے لاریب اس جزع و فزع کا سبب محض حضرت ابوبکر کا ضعف قلب تھا - امر واقعی یہ ہے کہ آپ کسی کے لئے بھی نہین روتے تھے - اگر جناب محدث صاحب کا قول صحیح ہے - کہ آپ جناب رسول خدا اور علیؑ کے لئے روتے تھے - تو یہ جانفشانی آپ کی غمگساری کی بنا پر سعدی علیہ الرحمہ کے اس شعر کا مصداق ہوجاتا ہے جو کیمیا مین دیکھا جاتا ہے اور جس سے ہر فارسی خوان خبر رکھتا ہی یعنی - ترا اثر دہا گر بود یار غار - ازان بہ کہ جاہل بود غمگسار - حقیقت حال یہ ہے - کہ یہ جزع و فزع آپ کی اسطور کی تھی کہ مضطرب الحالی مین اضطراراً آدمی گھبرا کر رونے لگتا ہے - اور اُس وقت اپنے رونے کے مآل کو اندیشہ مین نہین لاتا مین حضرت ابوبکرؓ کے اس رونے کی بنیاد پر آپ پر کسی طرح کا الزام نہین عائد کرسکتا اور کوئی شخص

بھی جو قانون فطرت سے کم و بیش طور پر واقفیت رکھتا ہو ایسا نہین کر سکتا۔ یہ ضرور نہین ہی کہ ہر شخص قوی دل ہو۔ ہزار مین ایک آدمی قوی دل ہوتا ہے۔ جسکو فطرت نے قوی دل نہین بنایا۔ اسپر الزام نہین عائد کیا جا سکتا کہ وہ قوی دل کیون نہین ہے۔ مجھے حضرات امامیہ کی اس الزام دہی کے ساتھ بھی اتفاق نہین ہے کہ حضرت ابوبکرؓ غار مین اسلیئے جزع و فزع کرتے تھے کہ اعدا اُن کے رونیکی آواز سنکر غار مین گھس آوین۔ میری دانست مین حضرت ابوبکرؓ ہرگز اس خیال سے جزع و فزع نہین کر رہے تھے۔ لاریب حضرت ابوبکرؓ نہایت نیک نیتی اور خلوص کے تقاضے سے رسول اللہؐ کے ساتھ غار مین داخل ہوئے تھے۔ مگر چونکہ دلیر طبیعت کے آدمی نہ تھے۔ دشوار وقت جو سامنے آپہنچا تو اُن کو مضطرب الحالی و انگیر ہوگئی۔ ظاہراً کوئی بات نہین المعلوم ہوتی جس سے یہ گمان کیا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت کا بگڑ و اونیا منظور نظر تھا۔ ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے زندہ اور کامیاب رہنے مین حضرت ابوبکرؓ کو بہبودی کی صورت متصور تھی۔ آپ کوئی دولتمند آدمی نہ تھے اور نہ آپکا قبیلہ کوئی امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے رسول اللہؐ کی رفاقت اس نظر سے بھی گوارا کی تھی کہ اس رفاقت سے آئندہ خوشحالی نصیب ہو جائیگی۔ چنانچہ مدینہ مین رہ کر تجارت اور مال غنائم کے ذریعہ سے آپکی حیثیت درست ہو گئی۔ حتی کہ رسول اللہؐ کے بعد آپ مسلمانون کے بادشاہ بھی ہوگئے۔ حضرت ابوبکر ایک نہایت فہمیدہ شخص تھے۔ غار مین رسول اللہؐ کے ساتھ رہ کر رسول اللہؐ کی ہلاکت کیلئے کوشان ہو نہین سکتے تھے۔ ان باتون سے مجھے اسکا پورا یقین ہے کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت کو کسیطرح کا گزند پہنچانے کے واسطے جزع و فزع نہین کرتے تھے۔ بات اسیقدر ہے اور اس سے زیادہ کوئی اور بات نہین معلوم ہوتی لاریب مضطرب الحال ہو جانا دل کی کمزوری کا نتیجہ ہے اور اوس مین کوئی شک نہین کہ حضرت ابوبکرؓ نے پیغمبر خدا و علی مرتضیٰ کے برابر کا دل نہین پایا تھا۔ جناب پیغمبر خدا کے غزوات و سرایا سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ ہرگز قوی دل نہ تھے۔ پس غار مین آپکا مضطرب الحال ہونا خلاف توقع نہ تھا حضرت ابوبکرؓ کے غار مین رونیسے جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو اقرار ہے کہ یہی خوف کا رونا تھا محل خوف کا رونا مضطرب الحال ہونیکی نشانی ہی اور مضطرب الحال ہونا دلکی کمزوری کی خبر دیتا ہی لاریب حضرت ابوبکرؓ کی یہ جزع و فزع کسی پہلو سے سراہے جانیکی حیثیت نہین رکھتی ایسے نازک وقتمین آواز بلند کیساتھ آپکا رونا تو یقیناً پیغمبر خدا کے لئے خوف آگین تھا۔ مگر آہستہ آہستہ رونا بھی مصلحت وقت سے دور تھا ایسے وقت مشکل مین ساتھی کا کام یہ ہے کہ ساتھی کا دل بڑھائے نہ کہ اپنی مضطرب الحالی سے ساتھی کی اوسان خطا کر ڈالے۔ مگر اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ واقعی بڑے مستقل مزاج اور شجاع شخص تھے۔ کہ ایسے انتشار کے وقت مین اپنے حواس کو مجتمع رکھکر حضرت ابوبکرؓ کی مضطرب الحالی کے ازالہ کی طرف بھی پورے طور پر توجہ فرمائی۔ المختصر لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا سے نہ حضرت ابوبکرؓ کی کسی

قسم کی تعریف نکلتی ہے۔ اور نہ کسی اور فرد بشر کی۔ البتہ جو کچھ تعریف نکلتی ہے۔ وہ جناب رسولؐ خدا کی نکلتی ہے۔ کہ سبحان اللہ ایسے اضطراب کے وقت مین بھی خدا پر پورا بھروسا رکھتے تھے اور استقلال اور متانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس آیت سے کیونکر حضرت ابوبکر کی خلافت یا امامت یا نیابت ثابت ہوتی ہے۔ اسکے راز سے حضرات اہل سنت کے علاوہ کوئی بندہ خدا کا نہ واقف ہوا ہے۔ اور نہ ہوگا۔

چہارم۔ "سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ" ان الفاظ سے حضرات اہل سنت دکھلاتے ہین۔ کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ پر تسکین نازل فرمائی۔ اور یہ امر بالیقین حضرت ابوبکرؓ کی بڑی عظمت سے خبر دیتا ہے امامیہ جواب دیتے ہین۔ کہ اللہ تعالےٰ نے یہ تسکین اپنے نبی محترم پر نازل فرمائی حضرت ابوبکر پر نہین یعنی ایسے وقت مین کہ جب وہ نبیؐ غار مین چھپے تھے۔ اور اُن کے ساتھ جو صاحب تھے وہ بسبب اپنی مضطرب الحالی کے گریہ وزاری کر رہے تھے جسکی وجہ سے اُس نبی کو برابر اسکی ضرورت تھی۔ کہ اپنے ساتھی کو چپ رہنے کی فہمایش کرتا رہے۔ اللہ جلشانہ نے اپنے نبی پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکرون سے اپنے نبی کو مدد دی۔ جن کو انسان کی آنکھین نہین دیکھ سکتی تھین اہل انصاف دیکھین کہ اس نزول تسکین و تائید کا تعلق رسولؐ اللہ سے ہے۔ یا حضرت ابوبکرؓ سے۔ حضرت ابوبکرؓ سے تو نہ نزول تسکین کو تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ کسی قسم کی تائید کو ظاہر ایہ بالکل ہٹ دھرمی ہی ہٹ دھرمی ہے کہ حضرت ابوبکر نزول سکینہ کے مورد قرار دیے جاتے ہین۔ حضرات حق بین سے پوشیدہ نہین ہے۔ کہ نزول سکینہ کا مضمون جناب رسول اللہ پر تمام تر صادق آتا ہے۔ اسلیئے کہ آنحضرت اُس غار مین مبتلائے قلق و اضطراب نہوئے۔ اور ایک مضطرب الحال ساتھی کی بھی خبر لیتے رہے۔ اگر نزول سکینہ حضرت ابوبکرؓ سے متعلق ہوتا۔ تو کیا آپ کی ایسی حالت ہو سکتی تھی۔ کہ آپ اُس غار مین روتے رہتے اور سمجھانے سے بھی جزع و فزع کم نہ کرتے۔ بلکہ جب کفار قریش تلاش کنان غار کے نزدیک آپہنچے تو اور بھی زیادہ گریہ وزاری کرنے لگے کیا اسکو نزول سکینہ کا مورد ہونا کہتے ہین۔ کہ نزول سکینہ پر بھی جزع و فزع حضرت ابوبکرؓ کی نہ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے تمامی حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو اُس غار کے علاوہ بھی کبھی تسکین قلبی نصیب ہی نہین ہوئی عقل سے یہ بات باہر معلوم ہوتی ہے۔ کہ کسی پر تسکین خدا نازل ہو اور وہ چند بار رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر میدان جنگ سے فرار اختیار کرے یا جب جہاد پر جائے تو دلکی کمزوری سے کفار کا مقابلہ کشادہ پیشانی کے ساتھ نہ کر سکے۔ اگر حضرت ابوبکر ایسے شرف الٰہی کے مورد ہوئے ہوتے۔ تو اُنکے دلکو تمام تر تسکین اور اطمینان کی صورت حاصل رہتی ایسی صورتمین اُنکو تمام تر خدا پر بھروسا رہتا۔ اور بدر و احد و خندق و خیبر و حنین کی لڑائیون مین خدائے تعالیٰ کو حافظ حقیقی جان کر دشمنان خدا کا سامنا کرتے۔ پس جب آپکو اسطرح کا اطمینان یا سکون کبھی نصیب ہی نہین ہوا۔ تو آپ کیونکر نزول سکینہ کے مورد غار یا او

کسی مقام مین قرار دیے جا سکتے ہین حضرات حق پسند شیعون کے اس جواب کو انصاف کی ترازو مین خود موازنہ فرمالین راقم کو کوئی حاجت اظہار رائے کی نہین ہے۔

واضح ہو۔ کہ کچھ حضرات اہل سنت حضرت ابوبکرؓ پر نزول سکینہ کا اطلاق اسطور پر فرماتے ہین۔ کہ عَلَيْهِ کی ضمیر کو حضرت ابوبکرؓ کی طرف پھیرتے ہین۔ نواب مولوی سید مہدی علی خان صاحب مصنف آیات بینات اور اور بھی چند دیگر غیر معروف مولوی صاحبان ایسا ہی کرتے ہین۔ مگر اکابر مفسرین اہل سنت "عَلَيْهِ" کی ضمیر کو صاف صاف طور پر رسولؐ خدا کی طرف پھیرتے ہین جس سے حضرت رسولؐ خدا بین طور پر نزول سکینہ کے مورد قرار پاتے ہین۔ بلاشبہ مطلب خدائے تعالے کا بھی یہی ہے۔ جیسا کہ وہ اکابر مفسرین ارشاد فرماتے ہین۔ مگر مولویت عجیب چیز ہے۔ مولویت اسی کی متقاضی رہتی ہے۔ کہ مناظرہ مین نحو۔ بلاغت معنی بیان اور واقعہ کا خون ہو جائے۔ تو ہو جائے مگر مرغی کی وہی ایک ٹانگ قائم رہے۔ مناظرہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ فریقین بحث مباحثہ کر کے بلا تعصب کسی امر کی تنقیح کر سکین جب یہ نہین ہے۔ تو بیکار کے جھگڑے سے کیا حاصل اب اہل انصاف دیکھین کہ "عَلَيْهِ" کی ضمیر کو حضرت ابوبکرؓ کی طرف پھیرنے سے کسقدر نحوی خبطگی پیدا ہوتی ہے سب ضمیرین تو اس آیت مین رسول اللہ کیطرف پھر رہی ہین۔ بیچ مین ایک ضمیر "عَلَيْهِ" کی حضرت ابوبکرؓ کیطرف پھیری جاتی ہے۔ اور پھر اسکے بعد کی ضمیر یعنی اَيَّدَهُ کی جناب رسولؐ خدا کی طرف پھرتی ہے۔ یہ کوئی حواس کی بات ہے۔ مگر مولویت ایسی بدحواسی پر جان دیتی ہے۔ خدارا غور کرو اس طور پر عَلَيْهِ کی ضمیر کو حضرت ابوبکرؓ کیطرف پھیرنے سے زبانِ قرآن کا لطف جاتا رہتا ہے طبعی اور بین طور پر یہ جتنی ضمیرین ہین سب کی سب جناب رسولؐ خدا کیطرف رجوع کرتی ہین اسپر بھی اُن مین سے ایک ضمیر "عَلَيْهِ" کی نہایت خود غرضی سے حضرت ابوبکرؓ کیطرف پھیری جاتی ہے یا خدا یہ بھی کوئی بات ہے۔ حرف ناراست سر و دن روشن اہرمن است۔

سائل سوال کر سکتا ہے کہ اسطرح پر کیون یہ ضمیر پھیری جاتی ہے۔ جائز ہے کہ جسطرف اور سب ضمیرین پھرتی ہین اسی طرف یہ ضمیر بھی پھرے اور یہ امر تمامتر قرینہ اور واقعہ کے بھی مطابق معلوم ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت مین جب ضمیر کا یہ پھیر پھار ایک نزاعی اور احتمالی امر ہو گیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ کا مورد نزول سکینہ ہونا بھی ایک نزاعی اور احتمالی امر ٹھیرا پس ایسے نزاعی اور احتمالی نزول سکینہ کے مضمون پر نہ کوئی اہل فہم ناز و افتخار کر سکتا ہے اور نہ ایسے نزاعی اور احتمالی امر کو ذریعہ استدلال بنا سکتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس آیت غار کو حضرت ابوبکرؓ یا کسی شخص کی خلافت یا امارت یا کسیطرح کی تعریف سے علاقہ نہین ہے اس آیت کا مطلب اسیقدر ہے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اے دشمنان دین اگر تم نے میری نبی کی مدد نہین کی تو اس سے کیا ہوا۔ اللہ اسکا مددگار ہے۔ اللہ نے تو اسوقت اسکی مدد کی کہ جب کافرون نے اُسے گھر سے نکالا اور وہ ایک غار مین جا چھپا۔ اسوقت اس غار مین دو شخص تھے ایک خود وہ اور دوسرا

اُس کا ساتھی جو مضطرب الحال ہو رہا تھا۔ ایسی حالت میں وہ یعنی نبیؐ اس کو سمجھاتا تھا۔ کہ گھبرا نہیں۔ اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے پس اللہ نے اُس نبیؐ پر تسکین نازل فرمائی اور لشکر ملائکہ سے اسکی مدد دی بات اسیقدر ہے۔ مگر تاویلات سے جو اس آیت کریمہ کی درگت کی گئی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اہل انصاف خود حق و ناحق کا موازنہ فرمالیں۔ راقم کو اس سے زیادہ عرض حال کی ضرورت نہیں ہے۔ ذیل میں پانچ امور جو اس معاملہ غار کے متعلق ہیں۔ توجہ سامعین کے طالب ہوتے ہیں۔

(۱) اگر ہم یہ بھی مان لیں۔ کہ حضرت ابوبکرؓ غار میں دلیری کے ساتھ جناب رسولؐ خدا کے شریک حال رہے تب بھی جب آپ کی اس معیت کا موازنہ علیؑ مرتضیٰ کی اُس کارروائی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جو آپ کے بستر رسول اللہ پر سو رہنے سے تعلق رکھتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی کارروائی حضرت ابوبکرؓ کی معیت سے بہت زیادہ شجاعت کا پیرایہ رکھتی ہے اس کارروائی سے کہ حضرت علیؑ بلا خوف جان رسولؐ اللہ کے بستر پر سو رہے۔ علیؑ کی خلقی شجاعت اور مستقل مزاجی کا موازنہ کرنا دشوار نظر آتا ہے۔ یہ ایک بیحد بہادر خلوص پرور استقلال کیش دوست پرست باوفا خداشناس خداترس اور دیندار آدمی کا کام تھا۔ جو حضرت علیؑ سے ظہور میں آیا۔ انصاف بھی ہے۔ کہ اس معاملہ سے حضرت ابوبکرؓ کے معاملہ غار کو کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اسپر بھی حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؑ پر مرجح کئے جاتے ہیں اور رسول اللہ کے بعد اداے مناصب دینی کے مستحق بتائے جاتے ہیں۔ یہ عجیب دنیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ دنیا میں انصاف نہیں ہے۔ انصاف اگر ہے۔ تو خدا کے پاس ہے۔ یا قیامت میں ہوگا۔ میری دانست میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا ہی بڑی مسلمانی ہے۔ جسمیں ہٹ دھرمی ہے وہ کیا مسلمان ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے مردانگی کے ساتھ رسول اللہ کے شریک حال رہنے میں تو علیؑ پر کوئی ترجیح کی صورت نکلتی ہی نہیں ہے مگر اہل انصاف اُسے کیا کہینگے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کی مضطرب الحالی پر رسول اللہ نے بصیغہ نہی "لا تحزن" فرمایا جس سے آنحضرت کی ممانعت صاف طور پر حضرت ابوبکرؓ کے ایک فعل ناپسندیدہ سے ظاہر ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں تو کسی پہلو سے بھی حضرت علیؑ کی مفضولیت ثابت نہیں ہوئی پھر آپ پر حضرت ابوبکرؓ کو اس معاملہ غار کی بنیاد پر ترجیح دینا جادہ انصاف سے منزلوں دور ہے۔ خدا ہی جانے کہ حضرات اہل سنت کو حضرت ابوبکرؓ کی اسطرح کی بے سروپا محبت عاقبت میں کیا کیا تماشے دکھلائے گی یہ عجب انصاف کش محبت ہے کہ قرآن حدیث عقل و فہم سب کا خون کرنے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہتی ہے۔ اللّٰھم احفظنا وارحمنا وانت خیر الراحمین ۝

(۲) علامہ جلال الدین سیوطی حضرت ابوبکرؓ کی نسبت لکھتے ہیں کہ آپ اشجع الصحابہ یعنی شجاع ترین صحابی رسول اللہ کے تھے۔ اگر علامہ موصوف آپ کو مجرد شجاع کہتے تو ایک بات تھی مگر علامہ موصوف کا یہ فرمانا۔ وانہ اشجع الصحابۃ ایک حیرت انگیز قول ہے۔ لیکن اسپر طرہ یہ ہے۔ کہ علامہ موصوف

بروایت علیؑ ایک حدیث کی رو سے حضرت ابوبکرؓ کو اشجع النّاس بھی ثابت کرتے ہین یعنی صرف
علیؑ ہی سے نہین بلکہ حضرت ابوبکرؓ رسولؐ اللہ اور جمیع بنی آدمؑ سے بھی شجاع ترین شخص تھے۔ علیؑ
کی زبانی حضرت ابوبکرؓ کو اشجع النّاس کہلانا علامہ موصوف کی بڑی ذہانت سے خبر دیتا ہے۔ اہل انصاف
غور فرمائین۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کو اشجع النّاس قرار دینے سے دو ناراست امر وجود مین آئے ایک یہ کہ
حضرت ابوبکرؓ جو معمولی شجاع بھی نہ تھے اشجع النّاس قرار دیے گئے۔ دوم یہ کہ حضرت رسولؐ خدا
اور علیؑ مرتضیٰ جو واقعی اپنے اپنے طور کے اشجع الناس تھے شجاعت مین مفضول بنائے گئے۔ غار کی
معاملہ سے ہویدا ہی کہ پیغمبر خدا اور حضرت ابوبکرؓ ان دونون مین سے کون اشجع ثابت ہوتا ہے اور جو معاملات بدر احد خندق وخیبر حنین سے روشن ہے کہ
حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؑ ان دونون مین سے کون شجاع تر کہلانیکا مستحق ہے؟ ابھی تک راقم کو قرآن حدیث اخبار آثار تاریخ سیر
وغیرہ سے اسکا پتہ نہین لگا کہ حضرت ابوبکرؓ نے شجاعت کا کون السا کارنمایان کیا ہے جس سے آپ اشجع الصحابہ اور اشجع الناس کہے جانیکا
استحقاق رکھتے ہین۔ غار کا معاملہ تو آپ کی کسی قسم کی شجاعت سے خبر نہین دیتا ہے۔ بدر مین آپ سے
کیا شجاعت ظہور مین آئی اسکی حقیقت اہل دنیا پر آج تک نہین کھلی۔ غزوات احد خندق خیبر حنین
وغیرہ مین آپکی غیر ثابت قدمی تو اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے۔ حقیقت یہ ہی کہ حضرت ابوبکرؓ لڑائی
بھڑائی کے آدمی تھے ہی نہین۔ البتہ آپ کو تجارت کا مذاق بہت اچھا تھا اور اس کام کو خوب جانتے تھے
روز بازار مدینہ مین تجارتی ضرورتون سے تشریف لیجاتے تھے اور کسب معاش فرماتے تھے یہ ضرور نہین کہ
ہر شخص مرد میدان ہو۔ فطرت نے نہ آپ کو سپاہی مخلوق کیا تھا۔ اور نہ حضرت عمرؓ کو ہر دو بزرگوار
جداگانہ صفات سے متصف تھے جسطرح حضرت ابوبکرؓ تجارتی قابلیت رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ایک
نادر پولٹیکل صلاحیت فطرت نے بخشی تھی۔ اسلیئے غزوات رسولؐ اللہ مین آپ دونون صاحبون مین سے
کسی سے بھی کوئی خاطر خواہ کارروائی ظہور مین نہ آسکی۔ ان غزوات مین لڑنے بھڑنیوالے حضرت علیؑ
اور دیگر بنی ہاشم اور بھی اکثر انصار مدینہ سے تھے۔ علیؑ کی تلوار نے کیا کیا تماشے دکھلائے۔ سیر و تاریخ
کی کتابین شاہد حال ہین۔ اگر علیؑ نہوتے۔ تو اسلام مدینہ مین استحکام حاصل نکر سکتا۔ حقیقت حال یہی
کہ یون جسکو جسکا جی چاہے اشجع الصحابہ یا اشجع النّاس قرار دیدے۔ مگر شجاعت کی صفت
لاریب حضرت علیؑ پر ختم تھی۔ کیا جائے تعجب ہے کہ علامہ سیوطی جیسے عالم بھی ایسی ایسی بے سر و پا باتین
حوالہ قلم کر جاتے ہین۔ کہ جنکی تطبیق واقعات سے امکان ہی نہین رکھتی۔ اسیطرح کا ایک قول
حضرت علامہ کا یہ بھی ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ اَعْلَمُ الصحابہ واذکیھم" یعنی عالم تر اور ذکی تر
صحابی رسولؐ اللہ کے تھے۔ لاریب اعلم الصحابہ واذکیھم کے مصداق علیؑ تھے اور کوئی نہ تھا
واقعی بھی ہے۔ مگر اسمین شک نہین۔ کہ حضرت عمرؓ کے مقابلہ مین حضرت ابوبکرؓ اعلم و اذکی تھے کما
لا یخفےٰ علےٰ اہل التحقیق مختصر یہ ہے۔ کہ تعصب ایمان کا دشمن ہے خدائے تعالےٰ اپنی بندون کو

حق گوئی اور حق پسندی کی توفیق مرحمت فرمائے حق شناسی کے بغیر آدمی کو دارین کی عافیت نصیب نہیں ہو سکتی

آیت وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ پر تحقیق کی نظر

واضح ہو کہ ہم آیت غار سے اوپر دکھا چکے ہین کہ حضرت ابو بکرؓ یا کسی شخص کی خلافت یا امارت یا کسی طرح کی کسی کی تعریف یا توصیف ثابت نہین ہوتی ہے۔ اب ہم اُس آیت کی طرف حضرات ناظرین کی توجہ کے طالب ہوتے ہین جن سے بڑی شد و مد کے ساتھ خلفائے اربعہ کی خلافت ترتیب کے ساتھ ثابت کیجاتی ہے۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ مثبتین خلافت فرماتے ہین کہ اس آیت مین "مَعَہٗ" سے مراد حضرت ابو بکر اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ سے حضرت عمرؓ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ سے حضرت عثمانؓ رُکَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علیؓ ہین اور اسی ترتیب سے خلافت بھی ظہور مین آئی ہے۔ اور یہ چارون خلافتین نص قرآنی کی رو سے ترتیب کے ساتھ حق ثابت ہوئی ہین۔ حق یہ ہے کہ ناواقف حقیقت کو یہ بیان دھوکے مین لا سکتا ہے۔ چنانچہ ہزارون مسلمان ایسے ہین۔ جو اس دھوکے مین مبتلا دیکھے جاتے ہین خدائے تعالےٰ انہین حق بینی کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرات اہل انصاف اس آیت شریفہ کے نہایت صاف مطلب ہے نہ اسمین غیر مانوس الفاظ مستعمل ہوئے ہین۔ اور نہ اسکی نحوی ترکیب ایسی پیچ در پیچ واقع ہوئی ہے کہ اسکے سمجھنے مین کسی قسم کی دقت نظر آتی ہو۔ ترجمہ اسکا یہ ہے کہ محمد اللہ کے رسولؐ ہین اور جو اُن کے ساتھی ہین۔ شدید ترین ہین اوپر کفار کے اور رحیم ترین آپسمین تو دیکھتا ہے۔ انہین رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے خواہان ہین وہ لوگ خدا کے فضل اور خوشنودی کے اور اُن کے چہرہ سے آثار سجدہ عیان ہین مطلب اُسکا اسیقدر ہے کہ محمد اللہ کے رسولؐ ہین اور جو اُنکے ساتھی ہین۔ اُن کی تعریف یہ ہے کہ وہ حضرات اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ وغیرہ وغیرہ والے آخر تک ہین اور لاریب آنحضرتؐ کے صحابی جن کا دل شرک و نفاق سے پاک تھا۔ اور جو مومن صادق تھے۔ وہ ان صفات سے متصف تھے۔ جنکا ذکر خدائے پاک اس آیت مین فرماتا ہے۔ اس آیت سے یہ بات نہین نکلتی ہے۔ کہ فلان صحابی مین فلان خاص صفت تھی یعنی کوئی اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ تھا تو کوئی رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تھا۔ کوئی بڑا راکع اور ساجد تھا۔ الے آخرہٖ۔ بلکہ یہ آیت رسول اللہ کے سچے صحابیون کی ایک سچی تصویر دکھلاتی ہے۔ جس سے رسول اللہ کے سچے صحابیون کا سچا فوٹو پیش نظر ہوجاتا ہے مگر افسوس ہے کہ اس آیت کے سیدھے معنی و مطلب کو چھوڑ کر جناب شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین اس آیت کو بہ سند ابن عباس یون بیان فرماتے ہین کہ "محمد اللہ کے رسول ہین اور اَلَّذِیْنَ مَعَہٗ"

ابو بکر ہین تراھم رکعا سجدا" علی ہین یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا طلحہ و زبیر ہین سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود" عبدالرحمن بن عوف و سعد ابن ابی وقاص و ابو عبیدہ بن الجراح ہین - خدارا اسے اہل انصاف اس بے تکی بات کا کوئی بھی جواب ہے نہایت جائے افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے پایہ کا عالم ایسی لایعنی باتین کرے اور ایسے پوچ و لچر مقامات کو داخل تصنیف کر کے اسکی اشاعت عامہ روا رکھے - اگر کوئی جاہل ایسی بے سر و پا باتین حوالۂ قلم کرتا - تو اسکی یہ تحریر جہالت پر محمول کیجاتی - اور پڑھنے والے اُسکے اس سے درگذر کر جاتے مگر اتنے بڑے عالم کی قلم سے ایسی تحریر کا صفحۂ کاغذ پر جلوہ گر ہونا صاف صاف اس امر سے خبر دیتا ہے کہ تعصب ایک بری بلا ہے - تعصب عالم سے عالم کو بھی نافہم کر دیتا ہے - وقت تحریر جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ نہین خیال فرمایا کہ کیا مہملات حوالۂ قلم ہو رہے ہین - اور طرفہ یہ کہ اس کی سند حضرت مصنف ابن عباسؓ سے لیتے ہین - ابن عباسؓ ایک تعلیم یافتہ آدمی تھے - علم قرآن انھون نے جناب امیرؑ سے حاصل کیا تھا - لاریب نہ حضرت امیرؑ نے اس آیت کی ترکیب نحوی کو اسطور پر غارت غول کیا ہوگا - اور نہ ابن عباسؓ نے ظاہر لفظا ہر "الذین معہ" کو جو مبتدا ہے اور جس کی چند خبرین یکے بعد دیگرے واقع ہوئی ہین اور وہ خبرین نسخ ہو - فسخ ہو وغیرہ ہین - جس سے صاف طور پر یہ معنی ظاہر ہوتے ہین کہ الذین معہ یعنی وہ لوگ جو اس رسول کے ساتھ ہین "اشداء علی الکفار رحماء بینھم" وغیرہ ہین - نہ یہ کہ کوئی اشداء علی الکفار ہے اور کوئی رحماء بینھم ہے - اور کوئی کیا ہے اور کوئی کیا ہے - الا آخرہا - جیسا کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے تاویلات سے عیان ہوتا ہے - یہی تاویلات غنیۃ الطالبین و دیگر کتب اہل سنت مین بھی موجود ہین - نہایت جائے تعجب ہے کہ اتنے بڑے بڑے علما تاویلات آیات مین فطری معنے سے انحراف کرنے پر تل گئے ہین اور کمال خودغرضی سے نحو معنی و بلاغت و واقعہ سب کو بالائے طاق رکھ دیا - اب ذیل مین ہم اس آیت کریمہ کے ہر ٹکڑے پر تحقیق کی نظر ڈالتے ہین اور جو امر دریافت مین آتا ہے - اُسے بلا تعصب اور پابندی انصاف کے ساتھ حوالۂ قلم کرتے ہین -

واضح ہو کہ پہلا ٹکڑا اس آیت کریمہ کا جو نزاعی نمایا گیا ہے "الذین معہ" ہے - جس سے جناب شاہ ولی اللہ صاحب حضرت ابو بکر کو مراد لیتے ہین - ظاہر ہے - کہ شاہ صاحب نے اس "معہ" کو اس معیت رسول اللہ کا حوالہ سمجھا ہے جس کا بیان سابق مین آیت غار کے لگاؤ سو آچکا ہے - لاریب غار کی معیت حضرت ابو بکر کے لیے کوئی فخر و ناز کی وجہ نہین معلوم ہوتی ہے - جیسا کہ راقم نے اوپر اسکو واضح طور پر ثابت کر دکھایا ہے اور جب یہ حال ہو - تو پھر کسی اور آیت مین

خداے تعالے آپکے غار کی معیت کو کیون یاد دلانے لگا پس ہرگز ایسا نہین معلوم ہوتا کہ خداے تعالے نے اس آیت مین آیت غار کی طرف کوئی اشارہ فرمایا ہو۔ ایسی صورت مین مَعَہٗ کی نسبت حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سخن سازی کے سوا کچھ نہین ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ دنیا سے حق جوئی حق گوئی اور حق بینی معدوم ہوگئی ہے۔ کیا غضب کی بات ہے۔ کہ اہل علم تقاضاے خود غرضی سے تاویلات رکیک کے مرتکب نظر آتے ہین۔ علم کا تقاضا تقویم حق ہے۔ نہ کہ اتلاف حق۔ مگر اسکے برعکس معاملات بعض اہل علم کے دکھلائی دیتے ہین۔ اہل انصاف دیکھین کہ اس "مَعَہٗ" کو حضرت ابوبکرؓ کی معیت غار سے کیا تعلق ہے۔ اگر اسکو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کسی قسم کی خصوصیت حاصل ہوتی۔ تو قرآن مجید مین جہان جہان لفظ مَعَ استعمال ہوا ہے۔ وہ سب مواقع مَعَ کے بھی حضرت ابوبکرؓ کی معیت غار سے ضرور تعلق رکھتے۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ انسان کو لازم ہے۔ کہ کبھی زبان کو لغو گفتاری سے آشنا نہو نے دے حرف ناراست مسرو دن روشن اہرمن است۔ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین مین حضرت پیر دستگیرؒ فرماتے ہین کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ فِی الْعَسِیْرِ وَالْغَارِ وَالْعَرِیْشِ اَبُوْ بَکْرٍ" خدا تعالے نے تو صاف صاف طور پر رسول اللہ کے باوفا ساتھیون کی اجمالی صفتین ارشاد فرمائی ہین۔ مگر حضرت غوث اعظمؒ بھی دیگر علماے اہل سنت کے طریقہ پر مَعَہٗ کی نسبت کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مختص کئے دیتے ہین۔

اول تو حضرت کی تحریر پر تنویر سے قول خدا کی نحوی ترکیب مین جھول پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہر نحوی پر یہ امر روشن ہے۔ دوئم یہ کہ تفسیری بیان کی حضرت کے واقعات کے ساتھ پورے طور پر تطبیق کی شکل نہین پیدا ہوتی۔ حضرت کے ارشاد کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کی معیت رسول اللہ کے ساتھ چار مواقع کی بیان کی جاتی ہے۔ اول معیت فِی الْعَسِیْرِ دوم معیت فِی الْیُسْرِ سوم معیت فِی الْغَارِ چہارم معیت فی العریش اب دیکھنا چاہیے۔ کہ یہ معیتین کیا حقیقت رکھتی ہین معیت فِی العسر یعنی حضرت ابوبکرؓ کا رسول اللہ کا ساتھ دینا یا ساتھ مین رہنا تکلیف کی حالت مین اسکا پتہ کہین سے بھی نہین لگتا۔ بلکہ اسکے خلاف بہت سی باتین ظاہر ہوتی ہین۔ قابل لحاظ سب سے پہلی معیت حضرت ابوبکرؓ کی جناب رسول اللہ کے ساتھ معیت غار ہے۔ اس معیت پر راقم اپنی راے ظاہر کر چکا ہے۔

حقیقت مین یہ معیت کسی طرح کا وزن نہین رکھتی۔ اس معیت پر نظر ڈالنے سے صاحب انصاف اسکے سوا دوسری راے نہین قایم کر سکتا۔ کہ کاش جناب رسولؐ خدا کو غار مین حضرت ابوبکرؓ کی معیت نصیب نہوئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ کے لگاوٹ سے غار کا قصہ ایک ایسا قصہ ہے۔ کہ ہر کریم النفس شخص کو اُسے بھول جانا چاہیے۔ حضرت سعدیؒ نے جو شعر کریما مین لکھدیا ہے۔ نہایت حق آگین اور اہل جہان کی زبان زد ہو رہا ہے۔ اس معیت فی العسر مین داخل معیت فی الغزوات بھی ہے اب اسجگہ اُحد خندق و خیبر و حنین وغیرہ کے واقعات کی ادھیڑ بن کون کرے۔ اہل واقفیت سے کیا پوشیدہ ہے

ان امور کے اعادہ کی حاجت نہین مختصر یہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کی کوئی معیت فی العسر جو درجہ امتیاز رکھتی ہو۔ معروف عام نہین معلوم ہوتی۔ یون بات بنانے کے لیئے از زمین تا بہ آسمان سخن است۔ اب دیکھنا چاہیے۔ کہ معیت فی العیسر کا کیا حال ہے۔ اس سے راقم کو کسی طرح کا انکار نہین۔ لاریب حضرت پیران پیرؒ کا یہ قول نہایت قرین حق ہے۔ اور کوئی حق پرست اس سے گریز نہین کرسکتا تیسرے معیت حضرت ابوبکرؓ کی معیت غار ہے۔ اسکی تحقیق ہوچکی اور اب اس کے اعادہ کی حاجت نہین ہے۔ آخر معیت حسب فرمودہ حضرت غوث اعظمؒ معیت فی العریش ہے۔ اگر عریش سے مراد وہ تخت ہے جو جنگ بدر مین حسب تحریر علامہ سیوطی ا جناب رسولؐ خدا کے واسطے قایم کیا گیا تھا۔ تو اس معیت مین بھی راقم کو جائے گفتگو نہین۔ اس لئے کہ یہ معیت حضرت ابوبکر کے واسطے معیت فی العیسر کا حکم رکھتی ہے۔ حال یہ ہے کہ جنگ بدر مین مسلمانون نے ایک جگہ مرتفع لکڑیون سے جناب رسولؐ خدا کے واسطے بنادی تھی۔ آپ جنرل کی طرح اُس مقام سے ساری جنگی کارروائیون کو ملاحظہ فرماسکتے تھے۔ اسوقت مین بھی ایسی بلند جگہ کی ضرورت افسران فوج کو ہوا کرتی ہے۔ جنرل فوج کی روح ہوتا ہے۔ اس کو ہمیشہ فوج کی حالت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ ہرچند فوج لڑتی ہے۔ مگر اسکی نگرانی کے بغیر فوج کو کامیابی نہین ہوسکتی۔ غرض اسکی ساخت سے یہی تھی۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے جناب رسولؐ خدا کے پاس بیکار تا اختتام جنگ رہا کئے۔ حقیقت حال یہ ہے۔ مگر علامہ سیوطی نے اس کو اس طور پر لکھا ہے کہ چونکہ حضرت ابوبکرؓ بڑے تلور سے تھے۔ جناب رسولؐ خدا کی حفاظت کے لئے تلوار کھینچے آپ کے نزدیک کھڑے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو تلوریا ہونے سے کیا علاقہ آپ ایک نیک آدمی تھے۔ آپ کی تیغ نہ بدر مین چلی۔ نہ اُحد مین نہ خندق مین نہ خیبر مین نہ حنین مین اور نہ کسی اور معرکہ مین۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ دنیا مین حق گوئی صرف خاصان خدا کو دی گئی ہے۔ یہ نعمت ہر شخص کے حصہ مین نہین آئی۔ جن کو یہ نعمت عطا ہوئی ہے۔ اُن کو معاملات عالم کچھ اور ہی طرح پر دکھائی دیتے ہین خدائے تعالےٰ حق بینی کی صلاحیت انسان کو عطا فرمائے کہ یہ ذریعہ نجات ہے۔ اب ہم اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی تحقیق کیا چاہتے ہین۔ ظاہر ہے کہ اصحاب جناب رسولؐ خدا سے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے مصداق وہی حضرات تھے جو حکم خدا و رسولؐ کے مقابلے مین جان تک کو دریغ نہین رکھتے تھے۔ کشادہ پیشانی کے ساتھ اعدائے دین کا سامنا کرتے تھے۔ جان جائے تو جائے۔ مگر لڑائی سے منہ نہین موڑتے تھے۔ جناب رسولؐ خدا کے غزوات مین برابر ثابت قدم رہتے تھے۔ اعدائے رسولؐ اللہ سے مقابلہ کرنے مین جان نہین چراتے تھے میدان جنگ سے جناب رسولؐ خدا کو نرغہ اعدا مین چھوڑ کر بھاگ نہین نکلتے تھے۔ مختصر یہ ہے

کہ ایسے حضرات پورے شجاعت شعار تھے۔ اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کہے جانیکا تمام تر استحقاق رکھتے تھے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر حضرات علمائے اہل سنت فرماتے ہین۔ کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ سے مراد آیت بالا مین حضرت عمرؓ ہین۔ اس بات کی تحقیق کے لئے ضرور ہے کہ آپ کے معاملات عمری پر نظر غور ڈالی جائے۔ یہ بات عقلی طور پر قابل پذیرائی ہے۔ کہ کوئی شخص اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق تب ہی ہوگا۔ جب اسمین شجاعت شعاری داخل ہو گی۔ ایسی صورت مین لازم ہے۔ کہ ہم پہلے آپ کی شجاعت شعاری سے بحث کرین۔ اگر آپ کی شجاعت شعاری کامل العیار ثابت ہو جائے۔ تو آپ کو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق جاننا قرین حق ہوگا۔

شجاعت کے متعلق پہلے پہل جو حضرت عمرؓ کی کسی ممتاز کارروائی پر کسی محقق کی نظر پڑتی ہے تو وہ یہ ہے۔ کہ جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ کہ محمد بن عبد اللہ یعنی جناب رسولؐ خدا ایک نیا دین شایع کیا چاہتے ہین۔ تو آپ کو اسکی دریافت سے نہایت غیظ پیدا ہوا۔ اور چھ برس تک آپ اس غیظ مین مبتلا رہے۔ اتنے عرصہ تک آپ برابر جناب رسولؐ خدا کے قتل پر مستعدی سے تلے رہے۔ مگر ارادہ دلی کو پورا نہ کر سکے۔ بہر حال ایک روز حالت غیظ مین جناب رسولؐ خدا کے قتل کا قصد مصمم کر کے شمشیر بدست گھر سے نکلے۔ مگر راہ مین ایک شخص نے یہ کہا۔ کہ قتل محمدؐ پر تو چلے ہو۔ مگر اس خون کا معاوضہ بنی زہرہ اور بنی ہاشم تم سے لینگے۔ یہ سنتے ہی آپ آنحضرتؐ کے قتل سے درگذرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ارادہ شدت غیظ مین پیدا ہو گیا تھا۔ مگر جب ایسے ارادہ کے مآل پر آپ نے نظر ڈالی تو وہ مستعدی بھی زائل ہو گئی۔

دوسری مثال حضرت عمرؓ کی شجاعت کی یہ پیش کیجاتی ہے۔ کہ آپ نے مکہ سے بڑی دلیری کے ساتھ کھلے کھلے طور پر مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ ناواقف حقیقت کو تعجب گزرے گا۔ کہ جب جناب رسولؐ خدا نے اخفا کے ساتھ مکہ کو چھوڑا۔ اور دیگر یاران رسولؐ بھی اسی پوشیدہ طور پر مکہ سے نکلے تو واقعی حضرت عمرؓ کچھ ایسے ہی بہادر بے رعب اور بے خوف صاحب ہون گے۔ کہ برملا طواف کعبہ سے فراغت کر کے اہل مکہ کے روبرو ہجرت فرمائی۔ واقعی اس طرح کی ہجرت کرنے کے واسطے ایک غیر معمولی جرأت درکار تھی۔ بس لازم آتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ ایسے ہی شجاع تھے۔ کہ اہل مکہ آپ کی ہیبت سے کچھ بھی آپ کے مزاحم نہ ہو سکے۔ مگر حضرت عمرؓ کی یہ شجاعت تب ایک نادر شجاعت شمار کیجاتی۔ اگر آپ کے ماموں یعنی ابوجہل صاحب آپ کو امان نہ دے چکے ہوتے۔ جسکے سبب سے کسی اہل مکہ کی یہ مجال نہ ہوئی۔ کہ ایک رونگٹا بھی آپ کا میلا کر سکتا۔ آپ کے مکہ سے ہجرت کرنے کا تو یہ معاملہ ہے۔ جو ابھی ذکر پایا۔ اب آپکے ایک دوسرے

معاملہ پر نظر درکار ہی۔ جسکی رو سی آپ کو مدینہ سے مکہ جانا ہوا اور آپ مکہ تشریف لیجا سکے اسکی حقیقت
یہ ہی کہ صلح حدیبیہ کے پہلے جب جناب رسول خدا نے حضرت عمر سی مکہ جانیکے لئے ارشاد فرمایا کہ تم مکہ
جاؤ اور قریش کو مطمئن کر دو۔ کہ ہم صرف عمرہ کے ارادی سی داخل مکہ ہوا چاہتے ہین تو حضرت عمرؓ تعمیل
ارشاد نبوی سی قاصر رہے آپنے یہ عذر پیش کیا کہ مجھے کفار قریش جیتا نہ چھوڑینگے۔ اب میرا حامی یا مددگار
مکہ مین نہین ہے۔ یہ عذر آپکا نہایت درست تھا۔ اسلیئے کہ ابوجہل صاحب جنکے اطمینان پر سابق
مین علانیہ طور پر آپ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تھی۔ جنگ بدر مین فی النار ہو چکے تھے۔ حق یہ ہی کہ
جس شجاعت کیساتھ آپ ایک وقت مین مکہ سی نکلے تھے۔ اب اسی دلیری کیساتھ مکہ مین پھر نہین جا سکتے تھے۔ ہر
چیز کا ایک وقت ہوتا ہی اور زمانہ ایک رنگ پر نہین رہتا۔ خیر ان دو مثالون کے سوا راقم کو اور کوئی مثال
آپکی عام شجاعت شعاری کی نہین معلوم ہوئی اُن پر رائے زنی کی کوئی حاجت نہین۔ اب ذیل مین آپکی
غزواتی شجاعت کا بیان مختصر طور پر حوالہ قلم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کو جناب رسولؐ خدا کی چند بھاری لڑائیون مین حاضر رہنے کا اتفاق ہوا پہلی جنگ بدر کی تھی
جسمین انکا فرار ثابت نہین ہی۔ صرف عدم کارگذاری ثابت ہے۔ عدم کارگذاری کی وجہ یہ ہوئی کہ اس جنگ مین
آپکے ماموں ابوجہل صاحب اہل مکہ کی ساتھ جناب رسولؐ خدا سی لڑنے آئے تھے ماموں صاحب کے خلاف مین آپ کسی
حالمین نہین لڑ سکتے تھے آپ محسن کشی کا داغ اپنے اوپر لگانا پسند نہین فرما سکتے تھے۔ اسلئے میدان جنگ کے کنارہ
ہی رہے۔ خندق کی لڑائی مین آپنے صاف صاف طور پر عمرو ابن عبدود سی لڑنے مین انکار فرمایا یہ عذر آپکا بسبب
تھا۔ وہ کافر ایک غیر معمولی خلقت کا آدمی تھا۔ آدم زاد نہ تھا دیو زاد تھا ایسے شخص سی سامنا کرنا نہایت خلاف عقل
تھا۔ اُحد مین مجاہدین اسلام پر برا وقت آپڑا۔ جناب رسولؐ خدا بھی سخت زخمی ہوئے بہت مسلمان میدان جنگ
سی بھاگ نکلے حضرت عمرؓ نے بھی فرار اختیار فرمایا ایسا نکرتے تو کیا کرتے مجال قرار نہین تو فرار سی کیا چارہ ہی۔ کتاب بخاری
مین فرار سی آپکا اقرار صاف صاف طور پر درج ہی اسیطرح آپکا فرار امام فخر الدین رازی اور علامہ نیشاپوری کی
شہادت سے بھی ثابت ہی ان دونون علما کی تحریر سی معلوم ہوتا ہی کہ حضرت عثمانؓ بھی علاوہ حضرت عمرؓ کی منہزمین
احد یعنی فراریان احد سی تھے۔ علامہ سیوطی اپنی تفسیر در منثور مین حضرت عمرؓ کے فرار کو خود حضرت عمرؓ سی روایت فرما
ہین اور وہ یہ ہی عن عمر لما کان یوم الاحد هزمنا و فررت حتی صعدت الجبل بقدر الحاجة
اب رہا حضرت ابوبکرؓ کا فرار اسکا ثبوت حضرت عمرؓ کے قول سی ملتا ہی۔ اسکی صورت یہ ہی کہ جب جنگ احد مین
حضرت رسولؐ خدا کو چھوڑ کر میدان جنگ سے حضرت کی صحابی بھاگ نکلے اور آنحضرت زخمی ہو کر بیہوش ہوگئے۔ تو کسی
نے یہ آواز بلند کی کہ قد قتل محمد فارجعوا الی دینکم یعنی بہ تحقیق کہ محمد مارے گئے پس تم لوگ اپنے اپنے مذہب
جاہلیت کیطرف پلٹ جاؤ اسکا اشارہ قرآن مین بھی پایا جاتا ہی۔ کقولہ تعالے وما محمد الا رسول
قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله

یعنی محمد خدا کے رسول ہین۔ انکے پہلے بھی بہت رسول گذر چکے پس اگر وہ محمد مرجائین یا مارے جائین تو دین محمدی سے
پلٹ جاوگے پس جو شخص یون پلٹ جاویگا تو ایسا شخص خدا کا کوئی نقصان نکریگا۔ اپنا نقصان کریگا کس نے
یہ آواز بلند کی اسکی دریافت کی غرض سے بروایت مسند احمد بن حنبل حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ
اَلسّت المنادی قد قتل محمد فارجعوا الی ادیانکم یعنی آپنے ایسی صدا بلند کی تھی کہ محمد صاحب قتل ہوگئے پس تم
لوگ اپنے اپنے مذہب جاہلیت کیطرف عود کر جاو۔ اس سوال کے جواب مین حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ تحقیق ایسی صدا
بلند کی حضرت ابوبکرؓ نے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ فرار کی حالتمین کسی جگہ پر قریب ایک
دوسرے کے تھے اور ایسے ایک دوسرے کے قریب تھے کہ حضرت عمرؓ اطمینان کیساتھ فرماسکے کہ وہ صدا بلند کردہ حضرت
ابوبکرؓ کی تھی یہ واقعہ کچھ عجب رنگ رکھتا ہے اس سے عجب عجب طرح کے نتائج نکلتے ہین مگر مین ان سے اس جگہہ پر درگذر
کرتا ہون علاوہ اس روایت احمد بن حنبل کے تاریخ خمیس مین قول حضرت ابوبکرؓ کا مندرج ہے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ بروز احد حضرت ابوبکرؓ نے بھی فرار اختیار فرمایا تھا آپ کا قول یہ ہے انصرف الناس یوم الاحد عن
رسول الله فکنت اول من جآء یعنی احد کے دن سب آدمی جناب رسول خدا کو چھوڑ کر چل نکلے مگر واپس آنیوالون
مین مین پہلا شخص تھا جو واپس آئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احد کی لڑائی کے دن حضرت ابوبکرؓ بھی اور اشخاص کیطرح
جناب رسول خدا کو میدان جنگ مین چھوڑ کر چل نکلے تھے۔ مگر جب بھاگ جانے والے واپس آئے تو آپ پہلے شخص تھے
جو ماشاءالله واپس آئے اس سے یہ نہین سمجھنا چاہیے کہ میدان جنگ کو واپس آئے اسکا مطلب یہ ہے کہ جب تو ان
مین حضرت ابوبکرؓ پہلے واپس آنے والے تھے۔ دیگر حضرات بعد جنگ دوسرے یا تیسرے روز مدینہ کو واپس آئے
مختصر یہ ہے کہ اس احد کی لڑائی مین بنی ہاشم اور انصار مدینہ کے سوا جتنے اکابر مہاجرین تھے سب کے سب میدان
احد سے چل نکلے تھے۔ علیؑ کی ثابت قدمی اور جانبازی کے ذکر کی تو کوئی حاجت ہی نہین۔ غیب سے ندا آئی۔ کہ
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ خیبر مین مجبور دو دن تک حضرات شیخین حارث سے شکستین کھاکھا کر خیمہ
گاہ جناب رسول خدا تک بھاگ آئے اور وہ یہودی دونون صاحبون کا برابر دو روز خیمہ جناب رسول خدا
تک تعاقب کیا کئے۔ میری دانست مین یہ باتین کوئی الزام کی نہین ہین اور نہ بہادری کی حضرت عمرؓ اور نیز حضرت
ابوبکرؓ میدان کارروائیون کیلئے مخلوق ہی نہین ہوئے تھے۔ فطرت پر کسی طرح کا الزام نہین لگایا جاسکتا۔
ان بہادری کے اور میدانی کارروائیون کے واسطے خدائے تعالیٰ نے علیؑ ابن ابی طالب کو مخلوق فرمایا تھا۔ جن کامون
کے واسطے شیر خدا پیدا ہوئے تھے۔ انہین حسب مرضی الٰہی آپ انجام فرماتے ہے حنین مین بھی حضرت عمرؓ اور حضرت
ابوبکرؓ سے کوئی میدانی کارروائی ظہور مین نہین آئی جسطرح پر بہت سے مسلمان میدان جنگ سے بھاگ نکلے حضرت
عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ بھی بھاگ نکلے۔ یہان بھی جناب علی مرتضیٰ کی تلوار نے اسلام کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ شیر
یزدان سے جو کام اسلام کے انجام ہونے کو تھے۔ انجام ہوئے۔ شاہ مردان شیر یزدان قوت پروردگار
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ میدانی کارروائیون مین جو حال حضرت عمرؓ کا تھا۔ وہی حال

حضرت ابوبکر کا بھی دکھائی دیتا ہے حقیقت حال یہی ہے کہ جناب شیخین لڑائی بھڑائی کے ڈھب کے تھے ہی نہین ۔ یہ
ایک کذب عظیم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اشجع الناس اور حضرت عمرؓ عرب کے ایک بڑے شجاع تھے ان دونون مین سے
کوئی صاحب مرد میدان نہ تھے عہد جناب رسول خدا مین جناب شیخین سے کوئی ایسی شجاعت ظاہر نہوئی کہ جسکی
بنیاد پر یہ دونون صاحب مرد کارزار سمجھے جا سکتے ۔ یہ جناب شیخین کے ہواخواہون کی کم حوصلگی ہے کہ ایسے صفات
کی نسبت آپ صاحبون کیطرف کرتے ہین جن صفات سے آپ دونون صاحب متصف ہی نہ تھے ایسی ایسی
بے بنیاد باتین اسلیئے گھڑی جاتی ہین کہ آپ حضرات کی خلافتین قرآنی ذرایع سے حق ثابت کیجائین ۔ یہ ایک
فضول امر ہے کہ اس نہج سے حقیت خلافت ثابت کی جاتی ہے ۔ جب واقعہ یہ ہے کہ یہ سب خلافتین اجماع و
استخلاف و شوریٰ و قہر و غضب کے ذریعہ سے قایم ہولی گئی ہین تو ان کا نصی ذرایع سے حق ثابت کیا جانا
نہایت ہی خلاف عقل ہے ۔ خیر ۔ عہد جناب رسول خدا مین بالیقین جناب شیخین سے کوئی ایسی شجاعت
ظاہر نہو سکی کہ جس سے حضرت ابوبکرؓ اشجع الناس یا حضرت عمرؓ شجاع عرب کہلا سکین لیکن بعد وفات جناب
رسول خدا کے جو میدانی کارروائیان جناب شیخین سے ظہور مین آئی ہون اُن کو آیت بالا سے تعلق ہو نہین سکتا
ظاہر ہے کہ آیت بالا کو جناب رسول خدا کے زمانہ سے تعلق ہے نہ آپ کے بعد کے زمانہ سے ۔ اب ہم جناب رسول خدا کے بعد
کے زمانہ پر نظر ڈالتے ہین ۔ کوئی شک نہین کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین مسلمانون کے ہاتھ سے بہت سے ملک فتح ہوئے
اور کچھ ملک حضرت عثمانؓ کے زمانے مین بھی ۔ مگر جائے لحاظ ہے کہ یہ فتحین بدر و خندق و خیبر و حنین وغیرہ کی فتحون
کیطرح کی نہ تھین ۔ یہ فتحین جو مسلمانون کو نصیب ہوئین ۔ وہ اس قسم کی تھین ۔ جسطرح پر قوم گاتھ اور وینڈل
Goths and Vandaie کو سلطنت روما کے مقابلہ مین حاصل ہوئی تھین جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہین ۔ یہ بھوکے عرب مور و
ملخ کیصورت اجزائے سلطنت کسریٰ و روم شرقی پر ٹوٹ پڑے اور انھون نے ایرانیون اور رومیون سے بہت سے
ملک چھین لیے ۔ ان فتحون مین خلیفہ کی ذاتی شجاعت کو کوئی بھی دخل نہ تھا ۔ مدینہ کا خلیفہ کوئی شخص ہوتا ۔
عربون کو یہ فتحین ضرور نصیب ہوتین ۔ عربون سے اُسوقت جسقدر ملکون کا فتح ہونا احاطہ امکان مین تھا
فتح ہو گئے ۔ اس سے زیادہ فتحیابیون کے لیئے نہ اہل عرب کو اُسوقت استعداد حاصل تھی اور نہ زمانہ ان کیساتھ موافقت
کر سکتا تھا ۔ ظاہراً زیادہ فتحین حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین اہل عرب کو نصیب ہوئین اور کم حضرت عثمانؓ
کے عہد مین لیکن اگر حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے ہوا ہوتا تو زیادہ فتحین حضرت
عثمانؓ ہی کے عہد مین ظہور پکڑتین ۔ مختصر یہ ہے کہ ان ملک گیریون مین حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کی ذاتی شجاعت
کو کسیطرح کا دخل نہ تھا ۔ ہان اگر جناب رسول خدا کے غزوات مین حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت
عثمانؓ کی تلوار سے جناب رسول خدا کو فتحین نصیب ہوتین تو حضرات خلفائے ثلاثہ کی شجاعت شعاری سے
کسی اہل فہم کو انکار نہو سکتا ۔ المختصر عہد جناب رسول خدا کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی ذاتی شجاعت کا کوئی پتہ
نہین لگتا ۔ پس شجاعت شعاری کی نسبت آپ کیساتھ کسی زمانہ مین قرین واقعہ نہین معلوم ہوتی ظاہر ہے کہ

اس صفت کے فقدان کیساتھ کفار پر آپ کو تشدد کی صلاحیت کا حاصل ہونا کیونکر قرین قیاس سمجھا جاسکتا ہے۔ پس امور بالا کو ملحوظ رکھکر آپ کیونکر اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق مانے جاسکتے ہین اسکو اہل انصاف خود تجویز فرمائین۔ کفار پر آپکا اشداء ہونا تو ثابت نہین ہوتا۔ مگر آپ مین چونکہ فطرت سے شدید المزاجی داخل تھی۔ اسارائے جنگ کے ساتھ آپنے شدت کو دکھانے مین کبھی کمی نہین فرمائی۔ دوست احباب بیٹے بہن اور گھر والون کیساتھ بھی شدت کے ساتھ پیش آیا کئے۔ اور سب سے زیادہ آپ نے شدت جناب بی بی فاطمہؑ اور اون کے شوہر کے ساتھ جائز رکھی۔ جیسا کہ راقم نے اس مضمون کو قبل مین تحقیق بلیغ کیساتھ اس کتاب مین حوالہ قلم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرحکی شدید المزاجی سے کوئی شخص اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق نہین سمجھا جا سکتا۔ یون اہل غرض جو چاہین کہین خلق کو حلق ہے۔ کوئی کسیکی زبان پکڑ نہین سکتا۔ مگر حق گوئی کی توفیق ایک بڑی نعمت ہے۔ اس سے اللہ اپنے بندون کو محروم نہ رکھے لاریب اس سے وہی محروم ہوا کرتا ہے جو مورد قہر الٰہی ہوتا ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ کیساتھ حضرت عثمانؓ کو کوئی خصوصیت حاصل ہے یا نہین۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت خلیفہ ثالث کی زندگی چار حصون پر تقسیم ہوتی ہے پہلا حصہ حالت کفر کا ہے یعنی وہ حصہ جو آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے قبل کا ہے۔ ظاہر آپ کے اس حصہ عمرؓ کی کوئی تعریف نہین قرآن مجید مین نہین دیکھی جاتی۔ حضرات اہل سنت کا بھی یہ دعویٰ نہین ہے کہ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ کے مصداق آپ اپنے اس عرصہ عمر مین تھے۔ دوسرا حصہ آپکی زندگی کا وہ ہے جو آپکے اسلام قبول کرنے سے وفات آنحضرتؐ تک گذرا ہے۔ بلا گفتگو اسی عرصہ کے اندر اس آیت شریفہ یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اِلٰی اٰخِرِہٖ کا نزول بھی واقع ہے۔ مگر اس عرصہ کے اندر کوئی ایسی رحیمانہ کارروائی جو پایۂ امتیاز رکھتی ہو آپ سے منسوب نہین معلوم ہوتی۔ پس کیونکر رب العزت آپکو اس شرف مخصوص کیساتھ یاد فرماتا۔ عہد جناب رسولؐ خدا مین خاص طور پر کوئی رحیمانہ سلوک آپ کا جناب رسولؐ خدا کے کسی صحابی کیساتھ ڈھونڈھنے سے بھی نہین ملتا۔ پس رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ کی تخصیص آپکے ساتھ کسی طرح چسپان نظر نہین آتی۔ لیکن اسمین شک نہین کہ اپنے قبیلہ بنی امیہ و دیگر قبائل قریش مین جو فتح مکہ کے قبل مشرک تھے آپ کے مسلمان ہو جانے پر بھی آپکو اقتدار اور درخور سابق کے انداز کا حاصل تھا اور آپ کیساتھ آپکے مشرک عزیزون کو وہی سابق کی محبت باقی تھی یہ اسلیے کہ آپکا انکے ساتھ وہی سابق مخلصانہ برتاو قایم تھا جس بنا پر آپ بلا خوف جان ان مشرکین مین آمد و رفت فرما سکتے تھے اور آپکے وہ مشرک عزیز آپکی محبت فرمایا کرتے تھے وجوہ سے آپکو عزیز رکھتی تھی آپکا محبوب قریش سمجھا جانا اس بنیاد پر تھا ورنہ مسلم اور مشرک مین اتحاد کا موجود رہنا توقع کے خلاف تھا۔ پس اس افتاد کو ملحوظ رکھکر ایک شوخ طبع عالم کہتے ہین کہ اگر بَیْنَہُمْ کی ضمیر مشرکین قریش کی طرف پھیری جائے تو واقعات کی رو سے آپکا رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ کا مصداق ہونا ثابت ہو جائیگا۔ لیکن اگر ضمیرون کو پھیر پھار کرنیوالے یہ فرمائین کہ قول خدا مین اس بَیْنَہُمْ کے اوپر قریش کا ذکر نہین

ہے تو رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے قبل ہی تو لفظ الکُفَّارِ کا ہے شوق سے یہ حضرات ھُمْ کی ضمیر کو الکفار کیطرف پھیر دین۔ اس سے اتنا تو ہوگا کہ آپ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے مصداق قرار پا جائینگے اور یہ بات واقعہ تاریخی کے خلاف بھی ہوگی ظاہر ہے کہ یہ ایک ظریفانہ تقریر ہے اور اسکے سوا کچھ نہیں مطلب خداوندی رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ سے رُحَمَآءُ بَیْنَ الکفار نہیں ہے بین المسلمین یا بَیْنَ الَّذِیْنَ مَعَہٗ ہے۔ واضح ہو کہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے مصداق بھی وہی لوگ تھے جو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق تھے یعنی جن لوگوں نے کافروں سے مقابلے کیے کافروں کو مارا اسلام کو بربادی سے بچایا جناب رسول خدا کی اعانت کی دین خدا کی بے آبروئی ہونے دی کبھی لڑائی سے دل نہ چرایا ہمت نہ ہاری مدام ثابت قدم رہے۔ کبھی جناب رسول خدا اور اپنے ساتھی کلمہ گویوں کو میدان جنگ مین چھوڑ کر بھاگ نہ نکلے مسلمانوں کو کفار کی ایذا رسانیوں سے امن مین رکھا انہین کفار کے ہاتھ مین پڑنے نہ دیا۔ اُن کو عذاب اسیری سے بچاتے رہے انکو زن و فرزند پر کفار کو دسترس نہ پانے دیا دین خدا اور رسول خدا اور اپنے دینی بھائیون کی بجا آوری خدمات مین پس پائی نہ کی۔ خوب خوب خدا کی راہ مین لڑے بھڑے۔ بڑے بڑے یلان کفار کا سامنا کیا لشکر کفار سے کبھی منہ نہ موڑا اپنی جان کی کبھی پروا نکی اپنے دینی بھائیون کیساتھ ہمدردی کرتے رہے۔ ایسے ہی لوگ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ نیز رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے مصداق تھے عند العقل یہ دونون صفتین اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ لازم و ملزوم ہین یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا مصداق ہو اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق سے خالی رہو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق ہوئے بغیر کوئی شخص رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا مصداق ہو ہی نہین سکتا۔ اب ارباب عقل و انصاف تجویز فرماین کہ حضرت عثمان آیا اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق تھے جو رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے بھی مصداق قرار دے جا سکتے۔

عند التحقیق جیسا کہ سابق مین دکھلایا جا چکا ہے آپ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق نہین ثابت ہوتے تو ایسی صورت مین رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے مصداق بھی نہین قرار دیے جا سکتے واقعات پر نظر ڈالنے سے ہویدا ہے کہ نہ جناب شیخین اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق تھے اور نہ حضرت عثمانؓ اسلیے یہ حضرات ثلثہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی صفت سے بھی تمامتر خالی ہین یہ اہل تعصب کی پوری پوری ہٹ دھرمی ہی ہے کہ آیت بالا مین ہر صفت ایک خاص شخص کیلیے مختص کیے دیتے ہین یعنی اَلَّذِیْنَ مَعَہٗ حضرت ابوبکرؓ کیلیے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ حضرت عمرؓ کیلیے اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ حضرت عثمانؓ کیلیے۔ حالانکہ مطلب اس آیت کریمہ کا صاف صاف طور پر یہ ہے کہ جناب رسول خدا کیساتھ جو لوگ ہین انمین صفتین اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ وغیرہ وغیرہ کی ہین نہ یہ کہ فلان ساتھی مین یہ صفت خاص ہے اور فلان مین یہ۔ وغیرہ وغیرہ اگر ان صفات سے علیحدہ علیحدہ طور پر اشخاص خاص مراد ہوتے تو ایسی صفتین قول خدا مین مذکور ہوتین کہ جن صفتون مین درحقیقت اشتراک یا مجانست یا تلازم یا اور کسی قسم کا تعلق ایکدوسرے سے پایا جاتا ہے اور جو صفتین ضرور ہین کہ صحابی مومن مین موجود ہون جیسا کہ جناب رسول خدا کے صاحب ایمان اور غیر منافق صحابیون مین موجود تھین واقعی یہ آیت کریمہ ایک پوری تصویر جناب رسول خدا کے سچے صحابیون کی ہے جو صفات بالا سے مجموعی طور پر بلا

گفتگو متصف تھے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

تیسرا حصہ حضرت عثمانؓ کی زندگی کا وہ ہے کہ جو حضرات شیخین کی خلافتون مین گذرا۔ اسمین کوئی بات ایسی نہین دکھائی دیتی جس سے رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ کی خصوصیت آپ کیساتھ پائی جائے۔ اب رہا چوتھا حصہ جو آپکی خلافت خاص کا زمانہ ہے اس زمانہ پر نظر ڈالنے سے آپکے مزاج کا اصلی انداز ظاہر ہوتا ہے۔ عامۂ مومنین اور اصحاب جناب رسول خدا کے ساتھ اپنے عہد خلافت مین۔ آپ کیا رحیمانہ برتاؤ فرماتے رہے اسکی حقیقت آپکے زمانہ کے واقعات سے روشن ہوتی ہے ان امور پر لحاظ کرنیسے اہل انصاف خود تجویز فرمالینگے کہ آپ کو کسقدر رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ کے مصداق ہونیکا استحقاق حاصل ہے۔ ذیل مین کچھ آپکے عہد کے واقعات گذارش ہوتے ہین۔

واقعہ نمبر۱ حضرت خلیفہ ثالثؓ نے مغیرہ ابن شعبہ کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے اُسکی جگہ پر سعد ابن ابی وقاص کو جو اہل سنت کے عشرۂ مبشرہ سے ہین مقرر فرمایا۔ یہ صاحب ایک برس حاکم کوفہ رہے ہونگے کہ انکی جگہ پر حضرت خلیفہ نے ولید ابن عقبہ کو حاکم مقرر فرمایا اس شخص کی مختصر روداد یہ ہے کہ وہ بنی امیہ ہونیکے ساتھ رشتہ مین حضرت خلیفہ کا سوتیلا بھائی مان کیطرف سے تھا حاکم ہونے پر شراب خواری مین یہ شخص غرق رہنے لگا۔ یہانتک کہ ایک روز کی حقیقت یہ ہے کہ ولید نے نشہ کی حالت مین داخل مسجد ہو کر صبح کی نماز دو رکعت کے عوض چار رکعت پڑھا دی اور مصلائے مسجد پر جو شراب پی تھی قے کر ڈالی۔ پھر نمازیون سے فرمایا کہ اگر تم لوگون کی خواہش ہو تو کچھ اور رکعتین بھی پڑھا دون اُن لوگون نے جواب مین یہ بات عرض کی کہ زیادہ کی حاجت نہین ہے حضرت اسیقدر کافی ہے۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون مین لکھا ہے کہ ابن مسعود نے اس واقعہ کے بعد یہ کہا کہ خدا تعالیٰ نہ تیری خیر کو زیادہ کرے اور نہ اسکی خیر کو جسنے تجھے ہم لوگون کیطرف بھیجا۔ یعنی حضرت عثمانؓ کی جنہون نے ولید بن عقبہ کو انکی طرف حاکم بنا کر بھیجا تھا عبارت عربی کی یہ ہے۔ فَقَالَ لَهُ ابْنُ مَسْعُودٍ لَا زَادَكَ اللهُ خَيْرًا وَلَا مَنْ بَعَثَكَ إِلَيْنَا تاریخ ابو الفدا اور مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق صاحب محدث مین بھی یہ قصہ درج ہے اسکے صحیح ہونے مین کوئی گفتگو نہین ہے۔ واضح ہو کہ یہ ولید تنزیل فاسق ہے ایسے کمبخت اور گمراہ کو بلاد اسلام مین حاکم مقرر کرنا حضرت خلیفہ کا ایک حیرت خیز فعل معلوم ہوتا ہے پہر دو شخص کی پے در پے معزولی کا کوئی سبب نہین معلوم ہوا مگر ولید کی بحالی کا سبب محتاج بیان نہین ہے۔ یہ شخص بنی امیہ مین سے تھا اور حضرت خلیفہ صاحب سے رشتہ داری بھی رکھتا تھا اُسکے واسطے ایک عشرہ مبشرہ کی بے آبروئی اور تفضیحیک روا سمجھی گئی یہ شخص جو ابن ابی وقاص پر حضرت خلیفہ کے رشتہ دار ہونیکے سوا کوئی ترجیح نہ رکھتا تھا ایسے شخص کو حاکم مقرر کرنا حضرت خلیفہ کی برادر پروری سے تو خبر دیتا ہے مگر ایسی برادر پروری بھی کوئی برادر پروری ہے کہ جس سے خلق خدا پر ستم ہو اور حکم خدا و سنت رسول خدا مین فتور واقع ہو۔ برادر پروری کے خیال سے ایک فاسق فاجر کو حاکم بلاد اسلام بنانا عجب طرفہ مضمون ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اہل تعصب حضرت خلیفہ کی اس بیہودہ کارروائی کو صلۂ رحمی قرار دیتے ہین۔ چنانچہ ایک عالم صاحب حضرت خلیفہ صاحب کی طرفداری مین مجھسے یہ کہتے تھے کہ حضرت خلیفۂ ثالث جو اپنے عزیز و اقربا کو بلاد اسلام کی حکومتون پر مقرر فرماتے تھے تو

اُس حکم خداوندی کی تعمیل کرتے تھے جو ذوی القربیٰ کیلئے صادر ہوا ہے۔ یہ بہکے ہوئے اشخاص کے منہ سے ایسی ایسی باتون کا نکلنا عجب حیرت خیز ہے۔ جرات بے مسخ و رونی کے بغیر کوئی شخص ایسی نامربوط باتین زبان پر نہین لاسکتا۔ بھائیو خدارا انصاف کرو کیا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے عزیز و اقربا کی پرورش کیلئے عامۂ خلائق کی تکلیف و تصدیع کے باعث ہو اور حکم خدا و رسول مین اگر فساد واقع ہو تو ہو مگر عزیز و اقربا کیساتھ سلوک کئے جاؤ اور صلہ رحم کا حکم اپنے اموال و مملوکات سے ہوا ہے یا حقوق مشترکہ اہل اسلام سے۔ المختصر مغیرہ اور سعد کیساتھ جو سلوک حضرت خلیفہ نے جائز رکھا اسکو سلوک رحیمانہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے اب جو کچھ رحم و کرم آپنے اپنے بھائی صاحب کے حال پر مبذول رکھا اسکی رو سے آپ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے مصداق قرار دیے جاسکتے ہین یا نہین اسکو اہل انصاف خود تجویز فرمالین راقم کو اس سے زیادہ گفتگو کی ضرورت نہین۔ حضرات حق مین قبیلۂ بنی امیہ کے اطوار پر ایکجگہ نظر ڈالیئے۔ اس قبیلۂ ملعونہ کے آدمی اکثر ولید ابن عقبہ کے انداز کے دکھائی دیتے ہین۔ یہ شخص اپنے قومی اطوار کا نمونہ تھا اس قبیلہ کا آدمی ہزارون مین نہین چھپ سکتا ابوسفیان معاویہ و یزید و مروان وغیرہ وغیرہ ایسے ہی اشخاص تھے کہ اُن کو ہزارون مین تمیز کر لینا کوئی دشوار امر نہین معلوم ہوتا ہر ایک انہین سے قبیلۂ بنی امیہ کا ایک پورا نمونہ نظر آتا ہے۔ ان اشخاص کے اطوار انکی قبیلہ کے اطوار کو مشخص کرا دینے کی انداز رکھتے ہین اطوار افراد سے قومی اطوار کی تشخیص عمل مین آیا کرتی ہے۔ اسیطرح حضرت ہاشم حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ حضرت ابوطالب حضرت حمزہ حضرت محمد مصطفےٰ حضرت علی مرتضیٰؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور جمیع ائمہ خاندان پیغمبر کے فرداً فرداً ایسے اطوار ہین کہ جن سے بنی ہاشم کے قومی اطوار کی تشخیص مین کوئی دقت نہین پیش آتی ان افراد گرامی کے اطوار ایسے ہی ہین کہ فرداً فرداً ان کا ہر بزرگ قبیلۂ بنی ہاشم کے قومی اطوار کا اچھا نمونہ ہے۔ سبحان اللہ بنی ہاشم کسقدر خوش اطوار تھے اگر بنی ہاشم ایسے نہوتے تو اس قبیلۂ گرامی مین نہ نبوت اترتی اور نہ نزول قرآن مجید ہوتا جب ایسے تھے تب ایسے اعزاز پائے۔ رب العزت بنی ہاشم پر درود و سلام بھیجتا ہے اے ایمان والو تم بھی انپر درود بھیجو۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔

واقعہ نمبر ۲۔ حضرت خلیفہ نے عبداللہ ابن سعد کو مصر کی حکومت بخشی یہ شخص مرتد تھا۔ ظاہر آپکی رحیمی ایسے ہی شخصون کیساتھ ظہور مین آیا کرتی تھی۔ ولید جو حاکم کوفہ بنایا گیا سخت فاسق تھا اور یہ شخص جو حاکم مصر بنایا گیا معروف مرتد تھا۔ فاسق اور مرتد کو مسلمانون کا حاکم بنانا کونسی رحم دلی ہے۔ کیا ایسی ہی رحیمی سے کوئی شخص رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا مصداق ہو سکتا ہے فربہی چیزے دیگر و آماس چیزے دیگر۔

واقعہ نمبر ۳۔ حضرت خلیفہ نے ابوموسیٰ اشعری کو حکومت بصرہ سے معزول کرکے ابن عامر اپنے خالہ زاد بھائی کو حاکم بصرہ بنایا۔ یہ تقرر بھی صلہ رحمی کے اصول پر عمل مین آیا۔ اب اہل انصاف خود تجویز فرمالین کہ ابوموسیٰ اشعری کی معزولی ایک رشتہ دار کو تقرر کیواسطے رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے مضمون کی تائید کرتی ہے یا نہین۔ یہ صحابی یعنی ابوموسیٰ اشعری اہل سنت کے عشرۂ مبشرہ سے ہین۔ انکے ساتھ اس طرح کا سلوک کسی سبب معقول کے بغیر قرینِ رحیمی متصور ہے یا نہین؟

واقعہ نمبر ۴ ۔ حضرت عثمانؓ کی عہد خلافت مین سعد ابن ابی وقاص جو حاکم کوفہ تھے اور مالک اشتر کی درمیان بحث و نزاع واقع ہوئی حاکم کوفہ کی آدمیون نے مالک اشتر کو اسقدر مار ماری کہ مالک اشتر بیہوش ہو گئے ۔ یہ بات اشراف و اعیان کوفہ پر گران گذری اور ثابت ابن قیس وغیرہ جو اشراف کوفہ سے تھے ۔ اس بنا پر سعد سے ناراض ہو کر انکی شکایت مجلسون مین کرنے لگے اور حضرت عثمانؓ کو بھی ناراضمندی کیساتھ یاد کرنے لگے ۔ جب سعد نے حضرت خلیفہ کو اُن لوگون کی حکایت شکایت سے اطلاع دی تو حضرت خلیفہ نے اُن لوگون کو کوفہ سے شام کی طرف نکلوا دیا پھر اُن بیچارون کیلئے اسیقدر سزا کافی نہ سمجھی گئی ۔ حضرت معاویہ حاکم شام نے حضرت خلیفہ سے اُنکے حق مین یہ حکم صادر کرا دیا کہ وہ بیچارے شام سے شہر حمص کی طرف بھیجدیے جائین تاکہ عبدالرحمن بن ولید جو شہر حمص کا ایک نہایت درشت خو حاکم تھا اُن اشراف کوفہ کی اچھی طرح خبر لے ۔ اہل انصاف سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ کچھ عجب فساد اور بیرحمی کا زمانہ تھا ۔ بنی امیہ جو حضرت خلیفہ کی رشتہ دار تھے حکومتون کی زور پر جو بیرحمی اور شیطنت کی کام چاہتے تھے کرتے تھے ۔ مالک اشتر کیساتھ جو کیا گیا سو کیا گیا ۔ جن اشراف کوفہ نے مالک اشتر کی حالت پر ترس کھا کر حاکم کوفہ اور حضرت خلیفہ سے ناراضمندی ظاہر کی انکی ساتھ یہ عجیب ظالمانہ کارروائی کیگئی جس سے حضرت خلیفہ کا حلیم مزاج ہونا تو درکنار آپکا ظلم پرور ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ جائے لحاظ ہے کہ وہ بیچارے اشراف کوفہ پہلے نفی بلد کیے گئے ۔ پھر حضرت معاویہ کی ستمگری سے ایسی طرف بھجوائے گئے ۔ جہان انکی رگ گردن کی زخمی کیے جانیکا سامان کامل طور پر مہیا تھا ۔ ان سب باتون پر نظر کرکے کون عقل کا مارا حضرت خلیفہ کو رُحماء بینہم کا مصداق سمجھیگا

واضح ہو کہ مالک اشتر جناب رسولؐ خدا کی ایک معروف صحابی تھے مگر اس وصف کیساتھ انمین ایک بڑا نقصان یہ تھا کہ وہ خاندان پیغمبر خدا کی بڑی دوستدار تھے ۔ آپ حضرت علیؑ کی ایک ذاتی دوست تھے لاریب اُسوقت اور اسوقت کی اسلامی دنیا مین اس سے زیادہ بھاری دوسرا عیب ہو نہین سکتا تھا حضرت عثمانؓ اور بنی امیہ کی حکومتون کی زمانہ مین علیؑ کی دوستدارون کی جو درگتین ہوئی ہین اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہین ۔ محبان علیؑ مین سے کوئی بھی ایسا شخص نظر نہین آتا جو حضرت عثمان یا دیگر بنی امیہ کی حکومتون کی زمانہ مین زدوکوب یا نفی بلد کی سلوک سے بچ رہا ہو ۔

واقعہ نمبر ۵ ۔ حضرت ابوذر غفاری کیساتھ جو سلوک اس عہد خلافت مین ہوا ۔ وہ بہت کچھ قابل لحاظ ہے بیچارے ایک مشہور و معروف صحابی جناب رسولؐ خدا کی تھے ۔ مگر خاندان پیغمبرؐ کی محبت کی عیب سے مالک اشتر سلمان مقداد اور عمار بن یاسر کی طرح پاک نہ تھے عہد بنی امیہ مین حضرت علیؑ کی طرفدارون کی ساتھ ظالمانہ برتاؤ کا ظہور مین آنا ۔ کوئی خلاف قیاس امر نہ تھا ۔ چنانچہ ابوذر سے ناراض ہو کر حضرت معاویہ نے جو حضرت خلیفہ کو یہ لکھا کہ اگر تجھے ولایت شام کی حاجت ہے تو ابوذر کو شام سے کسی دوسری ملک مین بھیجدے اسپر حضرت خلیفہ نے معاویہ کو حکم بھیجا کہ تو ابوذر کو ایک مجنون اور برہنہ پشت اونٹ پر سوار کرکے میرے پاس مدینہ مین بھیجدے حضرت خلیفہ کی اس حکم کی ویسی ہی تعمیل کیگئی جیسا کہ منشاء حکم تھا ۔ یعنی حضرت معاویہ نے ابوذر کو ایک برہنہ پشت او

مجنون شتر پر سوار کرکے مدینہ تک پہنچوا دیا۔ حضرات ناظرین حضرت خلیفہ صاحب کے اس حیا و منزا پر لحاظ فرمائین
کہ اسمین کسقدر ایذارسانی جدت ہی اور اُس سے کسقدر حضرت خلیفہ کی رحمدلی کا پتہ لگتا ہی۔ کیا رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ
ایسے ہی حضرات ہوا کرتے ہین جو جناب رسول خدا کے کسی نامی صحابی کو منزبون مجنون اور برہنہ پشت شتر پر چڑہوایا
کرتے ہون۔ ابوذر جیسے سن رسیدہ آدمی کا شام سے مدینہ تک اس طور پر پہنچایا جانا ایک طرفہ مضمون ہی تعجب
یہی ہی کہ ابوذر کیونکر زندہ رہکر مدینہ تک پہنچ سکے۔ خدا حافظ حقیقی تھا ورنہ اس ترکیب غریب سے انکا سختی کیساتھ
مرجانا بہت قرین قیاس تھا۔ بقرینۂ غالب ایسے بے سروپا حکم کا مطلب بھی یہی تھا کہ ابوذر کے سر پاؤن راہ مین
برابر ہوجائین۔ مگر چونکہ حیات مستعار باقی تھی کسی نہ کسی طرح زندہ رہ گئے۔ یہ معاملہ کہو دیتا ہی کہ حضرت خلیفہ کو
نہ صرف بیرحمی کیطرف میلان قوی تھا بلکہ صاحب حیا ہونیکی نسبت بھی جو آپ کیطرف عموماً کیجاتی ہی وہ بھی
محض خیالی بات معلوم ہوتی ہی۔ ظاہر ہی کہ کوئی صاحب حیا ایسی سزا ایجاد نکریگا جسکا اعادہ مین انکو بیان کرنے
والیکو بھی حیا دامنگیر ہوتی ہو۔ حضرت خلیفہ کے اس مخترع مہمل حکم کا ذکر تاریخ خمیس مین ہی جو چاہے دیکھ لے۔
بہرحال اس خرابی و خستگی کیساتھ جو ابوذر مدینہ پہنچے تو یہان حضرت خلیفہ نے اس صحابی رسولؐ کو مدینہ سے بھی
نکل جانیکا حکم دیا۔ ابوذر اس حکم کو پاکر ربذہ کو چلے گئے۔ (دیکھو تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ٥٢٥ و اعثم کوفی ٢٢٠
و ابوالفدا صفحہ ١٠٤ و روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ١١٩ و روضۃ الاحباب) حکم حضرت خلیفہ کا یہ بھی تھا کہ
کوئی شخص اُس مظلوم کی مشایعت نکرے چنانچہ کسی نے مشایعت نکی الا علی ابن ابیطالب اور عمار بن یاسر
نے جو تھوڑی دور تک مشایعت کی طور پر اُس غریب الوطن کے ساتھ گئے۔ اہل سیر لکھتے ہین کہ جب حضرت
خلیفہ سے ابوذر نے اخراج کا حکم پایا تو اُس جفا رسیدہ نے فرمایا کہ ہمنے پیغمبر خدا سے سنا ہی کہ ابوذر تنہا زندگی کریگا اور تنہائی
مین مریگا۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ جناب رسول خدا نے فرمایا تھا۔ حضرت ابوذر کی ان مصائب گذشتنی کو
خیال کرکے کسکا دل نہین بھر آتا۔ جو جو جفائین اُس غریب صحابی پر گذری ہین اُن کا انصاف قاضی
محشر کے ہاتھ ہی۔ واضح ہو کہ جو کچھ الزامات حضرت خلیفہ کیطرف سے ابوذر پر عاید کئے گئے تھے وہ سب کے سب محض
بے بنیاد تھے۔ ابوذر بھی اُنسے انکار کرتے تھے اور حضرت امیرؑ نے بھی ابوذر کے حق مین یہ فرمایا کہ مینے جناب پیغمبر خدا
سے سنا ہی کہ ابوذر نہایت سچا آدمی ہی۔ مگر مولائے کائنات کی شہادت حضرات بنی امیہ کیواسطے کب کافی ہوسکتی
تھی۔ چنانچہ اس فرمودۂ علیؑ پر کوئی توجہ نکیگئی اور ابوذر بیگناہ اس ذلت و خرابی کیساتھ نفی بلد کئے گئے۔
اصل وجہ ان ایذا رسانیونکی کوئی خطا وری ابوذر کی نہ تھی جو کچھ خطا اُس بیگناہ کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ مظلوم
دوستداران علیؑ سے تھا اور محامد و محاسن علی مرتضیٰؑ کے بیان کیا کرتا تھا۔ اگر ابوذر علیؑ کے محب نہوتے تو ان سب
آفتون مین نہ پڑتے۔ اب اہل انصاف معاملات ابوذر پر لحاظ فرماکر خود تجویز کرلین کہ ایسی بیرحمی کی کارروائیان
ایسے کسی شخص سے عمل مین آسکتی ہین جو رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ کے مصداق ہونیکا استحقاق رکھتا ہو۔
واقعہ نمبر ٦ ۔ محمد ابن ابی بکرؓ کیساتھ جو بدعنوانی کا برتاؤ ظہور مین آیا وہ یہ تھا کہ مصر کے نامہ مین اقتلوہ

کی عوض یہ اقتلوہ لکھدیا گیا۔ اگر یہ کہیے کہ مروان نے ایسا لکھدیا تو بھی الزام سے حضرت خلیفہ پاک نہین ہوتی۔ مروان تو حضرت خلیفہ کا دست راست تہا یہ شخص حضرت خلیفہ کا مقرر کردہ وزیر تہا اور حضرت خلیفہ کی تمام ملکی اور مالی کام سے سراسر تعلق رکہتا تہا پس جو کچہ نیک و بد حضرت مروان کیا کرتی تہی اسکا جوابدہ حضرت خلیفہ کی سوا کوئی دوسرا شخص قرار نہین دیا جا سکتا۔ یہ شخص حکم نبوی کی رو سے تمام بلاد اسلام سے نکالا ہوا تہا حتی کہ حضرات شیخین نے بہی اس کمبخت کو اپنی اپنی عہد خلافت مین بلاد اسلام سے خارج کیا تہا۔ مگر حضرت خلیفہ نے رشتہ داری کی بنا پر اپنے عہد خلافت مین اُسے مدینہ بلوا کر اپنا وزیر اور مشیر بنایا (دیکہو محاضرات راغب اصفہانی) ایسی صورتمین اُس مردود خدا و رسول سے جو جو افعال قبیحہ صادر ہوتی گئے۔ اُن سب کا جوابدہ حضرت خلیفہ صاحب کے سوا کوئی دوسرا نہین قرار پا سکتا۔ مروان کو محمد ابن ابی بکرؓ سے عداوت کی وجہ اسکی سوا اور کچہ نہ تہی کہ یہ صاحب خلیفہ اول صاحب کی صاحبزادے ہوکر بہی طرفداران علیؑ مین سے تہی اتنی بات قوم بنی امیہ کو انکا دشمن جانی بنا دینے کیواسطے کافی تہی ورنہ محمد بن ابی بکرؓ ایسے شخص تہی کہ اُنکی صاحبزادگی کا مضمون علیؑ کی مخالفین مین ضرور قابل خیال ہوتا آخر محمد بن ابی بکرؓ کی جان انہی بنی امیہ کی ہاتہ سے گئی۔ حضرت معاویہ نے انہین قتل کرا کر اُنکی لاش کو ایک گدہی کی چمڑی مین رکہکر جلوا ڈالا۔ (دیکہو تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ۵۹۲ و ابو الفدا صفحہ ۴۴۳)۔

واقعہ نمبر ۷۔ عمار ابن یاسر کے ساتہ جو اصحاب جناب رسولؐ خدا سے تہی کیا بیرحمانہ سلوک حضرت خلیفہ صاحب کی عہد مین کیا گیا ہی اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے۔ واضح ہو کہ جب حضرت خلیفہ کی بے اعتدالیان حد سے گذر گئین اور عامہ مسلمین کی آسایش مین سخت خلل لاحق ہونیلگا تو بچاس اشخاص مہاجرین و انصار نے عمار بن یاسر کو ایک نامہ دیکر حضرت خلیفہ صاحب کی خدمت مین بہیجا جسکا مضمون یہ تہا کہ اگر حضرت خلیفہ اپنی ضررسان کارروائیون سے باز نہ آئینگی تو خلافت سے معزول کردی جائینگی اس سفارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمار ابن یاسر پر اسقدر مار پڑی کہ وہ عارضہ فتق مین مبتلا ہوگئی اہل انصاف تجویز فرمالین کہ یہ بہی کیا ہی ایک عمدہ مثال بیرحمانہ کارروائی کی ہے جو جناب رسولؐ خدا کے ایک معروف صحابی کی مقابلہ مین عمل مین لائی گئی اگر دوستداران حضرت خلیفہ صاحب یہ فرماوین کہ اپنی ہاتہون سے اسطرح کا صدمہ حضرت خلیفہ نے عمار ابن یاسر کو نہین پہنچایا تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت خلیفہ نے عمار کی جفاکارونکو اس مارپیٹ سے کیون نہ روکا اور اگر مارپیٹ کی وقت انسداد نہ کرسکی تو اس وقوع کے بعد اُن جفاکارونکو سزا کیون نہ دی۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ چونکہ اُن جفاکارون نے یہ فعل خود حضرت خلیفہ صاحب کی نفع کیلئے کیا تہا حضرت خلیفہ صاحب اُنہین کیون روکتے یا اُنہین سزا کیون دیتے۔ یہ ہم تنزلاً عرض کر رہے ہین حقیقت امر تو یہ ہے کہ اس وضع کی بے اعتدالیان حضرت خلیفہ صاحب کی عہد مین نہ فقط امر جائز بلکہ ضروری سمجہی جاتی تہین۔ اور خود حضرت خلیفہ صاحب ایسی بے اعتدالیون کے باعث

ہوا کرتی تھی - بلکہ بعض اوقات بے اعتدالیاں ایجاد بھی فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابوذر کو برہنہ پشت اور مجنون شتر پر سفر کرانیکی سرگذشت اوپر عرض ہو چکی ہے۔ حضرت عمار کیساتھ ایسی بیرحمی کے سلوک کیوجہ قوی یہ تھی کہ آپ بھی حضرت علیؑ کی دوستداری کا عیب رکھتے تھے - یہان ایک موقعہ جو حضرت علیؑ کی محبت کے معاوضہ کا ہاتھ آگیا تو پھر کیا تھا - بیچارے عمارؓ پر جو گذرنی تھی گذر گئی - دوران بقاچو باد صبا بگذشت الی اخرہ - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ عجب بدنظمی کا زمانہ تھا خود حضرت خلیفہ صاحب مین ملکداری کی صلاحیت مطلق نہ تھی اور آپکے قبیلہ کے اشخاص فطرت سے شر کیجانب میلان رکھتے تھے - انہین جب جب موقع شر کا ملتا تھا یا خود شر کے مرتکب ہوتے تھے یا حضرت خلیفہ کے ہاتھ سے شر کا فعل کرا دیتے تھے - آپکی ضعیف المزاجی کی باعث آپکے قبیلہ کے آدمی جو چاہتے تھے کرتے تھے - اور عامہ مسلمین کو اُنکے افعال سے طرح طرح کی ایذائین پہنچتی تھین بڑے بڑے عہدون پر مردمان بنی امیہ ہی سرفراز تھے اور جو کچھ سلوک نیک ممکن تھا حضرت خلیفہ صاحب کیجانب سے اُنکے ساتھ کیا جاتا تھا - مثلاً مروان کو آپنے طلب کر کے اپنا وزیر بنایا اور اُسے خمس افریقیہ عنایت فرمایا حکم ابن عاص کو یکبار ایک لاکھ درم دیدیے اور اُسکی بیٹی حارث کیواسطے دسوان حصہ زر خمس کا بر دو کا نذار مدینہ سے مقرر کرادیا اسیطرح مختلف ملکون مین اپنی قوم کے حاکم مقرر فرمادیے - یہان تک کہ ہر طرف بنی امیہ ہی کی حکومت نظر آنےلگی - یہ حکام بنی امیہ فعال ما یرید کی طرز پر اپنے عہدے کے کام انجام دیا کرتے تھے اور اسپر طرہ یہ تھا کہ حضرت خلیفہ صاحب اُنکی پشت پناہی مین کوتاہی نکرتے تھے شام مین تو بنی امیہ کی حکومت ابتدائے خلافت راشدہ سے ہی قایم ہو چکی تھی اور شام اور اُسکے اطراف کا ملک مملوکہ بنی امیہ ہو ہی چکا تھا - حضرت خلیفہ صاحب کے عہد مین سارا بلاد اسلام بنی امیہ ہی کے زیر حکومت ہو گیا اور یہ اشرار کوس انا و لا غیری بہ آواز بلند بجانے لگے چونکہ یہ بنی امیہ اشر الناس تھے ہر طرح کے فسادات اس عہد مین ظہور کرنےلگے اور کوئی تعجب نہین ہے کہ بے اعتدالی کے افعال یہ عاقبت برباد خود حضرت خلیفہ صاحب کے ہاتھ سے کراتے رہے - بے اعتدالیون کا یہ دفتر جو اہل انصاف کے پیش نظر کیا جاتا ہے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ صاحب اور آپ کے قبیلہ کے اہل حکومت عامہ مسلمین کی عافیت کو مد نظر رکھنے کے عوض اپنے اغراض ذاتی کے حاصل کرنے مین ہر طرح کی بیرحمیون کے کاربند ہوتے تھے -

واقعہ نمبر ۸ - عبد الرحمن بن عوف حضرات اہل سنت کے نزدیک از عشرہ مبشرہ ہین - آپ جناب رسول خدا کے صحابی تھے - مگر حضرت خلیفہ صاحب کے حکم سے نفی بلد کیے گئے یعنی مدینہ سے آپ بھی نکالے گئے - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت عثمانؓ عبد الرحمن بن عوف ہی کے زور سے خلیفہ مقرر کیے گئے تھے (دیکھو تاریخ طبری) اگر یہ صحابی نہوتے تو خلافت حضرت عثمانؓ تک ہرگز نہ پہنچتی - مگر اس نیکی کے عوض انکے ساتھ جو اسطرح کا سلوک بدعمل مین لایا گیا تو اس سے ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ انہین اپنے غیر منصفانہ کارروائی کی خدا کی جانب سے سزا ملی حقیقت حال یہ ہے کہ خلیفہ قرار پاتے ہی حضرت عثمانؓ عبد الرحمن بن عوف سے ناخوش رہنے لگے اسی ناخوشی کی بنیاد پر حالت پشیمانی مین عبد الرحمن بن عوف نے ایک بار حضرت خلیفہ سے یہ کہا کہ اگر ہم یہ جانتے کہ تم ہم سے مخالفت کروگے تو ہم تم کو خلیفہ ہی نہونے دیتے -

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بنائے جانیکی سرگذشت یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ ابو لولو فیروز کے ہاتھ سے زخمی ہوکر قریب جلت ہوئے تو آپنے اپنی جانشینی کا ایسا ایک معقول سامان فرمایا کہ جس سے حضرت علیؓ کو خلافت کا ملنا خارج از امکان تھا۔ بلکہ اگر علیؓ حصول خلافت کے درپے ہوتے تو انکا قتل کیا جانا امر یقینی تھا واقعی حضرت عمرؓ بڑے قابل شخص تھے آپنے حضرت علیؓ کو اپنے سے پہلے خلیفہ نہونے دیا اور اپنے بعد بھی خلیفہ ہونے سے بڑی خوبصورتی کیساتھ روکا۔ لاریب حضرت عمرؓ کا پولیٹیکل دماغ نہایت ہی غیر معمولی ترکیب کا واقع ہوا تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور اپنی خلافت کے زمانوں کو نہایت بیدار مغزی کیساتھ کاٹا۔ حضرت علیؓ اور تمام بنی ہاشم پر بڑے زوروں کیساتھ اپنا پولیٹیکل اثر پہنچاتے رہے یہ آپکی ہی قابلیت تھی کہ جسنے بنی امیہ کو تھوڑے عرصہ مین منتہائے ثروت کو پہنچا دیا اور بنی ہاشم جیسے زبردست قبیلہ کو صرف کمزور ہی نہین کر ڈالا بلکہ آپ اُن لوگون کو اُس راہ پر لگا گئے جس مین وہ قبیلہ کا قبیلہ آئندہ ہمیشہ ہر ہر قدم پر سخت ٹھوکرین کہاتا رہا۔ اللہ رے حضرت کی پولیٹیکل دماغ کی قوت۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ وقت آخر مین آپ ایسے زخمی ہو رہے تھے کہ جس سے پہر آپکو جانبری نہوسکی۔ مگر ایسی بُری حالت مین بھی آپ اپنی جانشینی کا انتظام اُس قوت دماغی کیساتھ عمل مین لائے کہ جسکو دیکھکر عقل دنگ ہوجاتی ہے۔ آپنے بڑی دوربینی کیساتھ اپنی جانشینی کو شورے پر چھوڑا شورے کیلئے چند آدمیون کو انتخاب فرمایا اور نہایت پولیٹیکل مصلحت بینی کیساتھ حضرت علیؓ کو بھی یکے از اہل شورے قرار دیا۔ یہ آپکو معلوم تھا کہ دیگر اہل شورے عداوت کی بنیاد پر علیؓ کا ساتھ نہ دینگے جس سے علیؓ خلیفہ مقرر نہوسکینگے اس ہدایت کیساتھ ایک عجیب پیچ حضرت عمرؓ نے یہ بھی لگا دی کہ اگر اہل شورے کی تجویز کے بعد کوئی شخص اہل شورے کی تجویز سے اختلاف کرے تو اُسے قتل کر ڈالنا ضرور ہے ایسے نازک وقت مین کہ آپکی جان لبون تک آچکی تھی اس طرح کے پیچ در پیچ معاملات کو ذہن مین رکھکر اُنکی پولیٹیکل نتایج کو پیش نظر رکہنا ایک معمولی دماغ کا کام نہ تھا خیر جب حضرت عمر جلت فرما گئے تو اہل شورے نے خلیفہ کے انتخاب کی کارروائی شروع کی۔ عبدالرحمن بن عوف نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ اگر تم خلیفہ بنائے جاؤ تو معاملات خلافت کا انجام احکام قرآنی اور سنت جناب رسولؐ خدا اور سیرت شیخین کے مطابق کروگے یا نہین؟ جناب علیؓ ایک سچے آدمی تھے آپ نے فرمایا کہ جہانتک ممکن ہوگا کرینگے (دیکھو تاریخ طبری) لیکن محقق امر یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ فرمایا کہ حکم خدا اور سنت رسولؐ کے مطابق ہم عمل کرینگے اور اسکے بعد جو ازروے اجتہاد کے ہمکو مناسب معلوم ہوگا ویسا کرینگے سیرت شیخین ہمارے نزدیک کوئی چیز نہین ہے۔

اس جواب سے عبدالرحمن بن عوف بظاہر ناخوش ہوئے آپ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تم شرط کیساتھ جواب دیتے ہو اسکے بعد عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمانؓ سے وہی سوال کیا جس پر حضرت عثمانؓ نے بڑی کشادہ پیشانی کیساتھ جواب مین فرمایا ہان ہم ایسا ہی کرینگے یہ جواب بلا شرط حضرت عثمان سے پاکر عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان کو خلیفہ قرار دیدیا۔ جناب علیؓ خاموش ہو رہے اور جاہلانہ طور پر اپنی جان کو معرض ہلاکت مین ڈالنا پسند نفرمایا۔ اگر اُس وقت آپ کچھ بھی لاؤ نعم کو راہ دیتے تو خلیفہ متوفی کی ہدایت آخری کے مطابق آپ قابل قتل قرار دیے جاتے اور قتل کر ڈالے جاتے۔ یہ بھی حضرت عمرؓ کی ہدایت قابل لحاظ ہے آپ زخمی ہوکر مرتے

تھی۔ مگر حضرت علیؑ کی خبر بینی سے اُسوقت بھی غافل نہ تھی اگر کارروائی شوریٰ کیوقت اہل شوریٰ کی تجویز سے آپ خاموش نہ رہتے تو آپکا قتل کر دیا جانا امر یقینی تھا کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ بہت گہری تھی۔ مگر حضرت علیؑ نے بھی اپنی فطری دانشمندی سے بڑی دوربینی کو راہ دی اور محل خطر سے اپنے آپکو محفوظ رکھا۔ خلیفہ ہو کر حضرت عثمان جسقدر احکام قرآنی اور سنت رسولؐ و سیرت شیخین کی پیروی کرتے رہے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔

واقعہ نمبر ۹۔ جب حضرت خلیفہ نے اور نسخہ جات قرآن مجید کیساتھ حضرت عائشہ کے پدر بزرگوار کے نسخہ قرآن کو بھی جلوا ڈالا تو حضرت ام المومنین کو اسکا سخت رنج ہوا اس پر آپنے فرمایا کہ "اُقتلوا نعثلاً" یعنی مار ڈالو اس نعثل کو۔ نعثل ایک یہودی تھا کہ جس سے حضرت خلیفہ صاحب بہت ہم شبیہ تھے۔ یا نعثل سے مراد پیر فرتوت اور احمق ہے۔ بعض اشخاص نے نعثل کو کفتار یعنی لگڑ بگڑ کا مترادف بھی جانا ہے۔ خیر جو بھی معنی نعثل کے ہوں یہ جملہ حضرت ام المومنین کی بیزاری سے خبر دیتا ہے۔ غرض اس معاملہ کے عرض کرنے سے یہ ہے کہ حضرت خلیفہ کے عہد کے لوگ آپ سے بہت کم راضی تھے دیکھو تاریخ الخلفا سیوطی کی اور تاریخ طبری اسکی مثالیں اور بھی پیش کیجا سکتی ہیں مگر انکے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے کیا سمجھکر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانیکا سامان کیا تھا۔ راقم کچھ کہہ نہیں سکتا۔ حضرت عثمانؓ کو مطلق صلاحیت خلافت رانی کی نہ تھی۔ بھی خواہ اسلام ہو کر حضرت عمرؓ کا فرض منصبی تھا کہ ایک لایق خلیفہ کی جانشینی کا سامان فرماتے شوریٰ پر معاملہ خلافت کو چھوڑ دینے سے صرف اتنی بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے حضرت علیؑ تک خلافت نہیں پہنچ سکتی تھی جیسا کہ ظہور میں آیا۔ اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ نے کبھی یہ نہ چاہا کہ حضرت علیؑ خلیفہ ہوں خواہ انکے پہلے خواہ انکے بعد۔ مگر اس عداوت کیلئے حضرت عثمان کو خلیفہ بنوا کر تمام بلاد اسلام کو بدحالی میں مبتلا کر دینا ہرگز اسلام کی بھی خواہی کی بات نہ تھی خلیفہ کے انتخاب کیلئے حضرت عمر کو لازم تھا کہ حضرت علیؑ کی عداوت کو بالکل بھولجاتے لاریب اگر علیؑ انتخاب میں ور آتے تو ہزار گونہ حضرت عثمانؓ سے بہتر خلیفہ نکلتے حضرت عمرؓ کے بعد ہی خلیفہ ہو جانے سے بہت سے فتنہ و فساد جو حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ کے بعد خلیفہ ہونے سے پیش آئے ہرگز پیش نہ آتے مثلاً حضرت علیؑ کو جنگ جمل کی نوبت نہ پہنچتی معاویہ صاحب آسانی کیساتھ معزول ہو جاتے اور جتنی خونریزیوں کے باعث یہ صاحب دنیا میں ہوئے ہیں اُنکی نوبت نہ آتی۔

ان سب آفتوں سے محفوظ رہکر حضرت علیؑ اطمینان کیساتھ انتظام خلافت بھی عمل میں لاتے کوئی شک نہیں کہ حضرت علی ایک بڑے ہادی اور استعداد والے آدمی تھے آپکے وقت میں ایسی ہی معقول فتوحات ظہور میں آتیں جنکا ذکر اوپر حضرت عمرؓ کی خلافت کے لگاو سے کیا جاچکا ہے بہت ممکن تھا کہ آپ بجائے علی لبد حضرت عمرؓ کے ہی خلیفہ قرار نہ پا سکے آپ ایسے وقت میں خلیفہ بنائے گئے کہ بہت شور و فساد کا وقت تھا۔ بے ایمانوں کی بغاوتوں سے آپکو اتنی فرصت کہاں نصیب ہوئی کہ ملکی انتظامات کی طرف پوری توجہ مبذول فرما سکیں۔

اب تمام حالات بالا کو ملحوظ رکھکر ارباب انصاف تجویز فرمالیں کہ جو خلیفہ صاحب ولید بن عقبہ جیسے فاسق کو کسی بلاد اسلام کا حاکم بنادیں۔ عمرو ان جیسے مردود درگاہ خدا و رسولؐ کو عہدہ وزارت پر سرفراز فرمائیں۔

حکم بن عاص کو بلا استحقاق زر کثیر عنایت کرین۔ حارث کو مفت مین دسوان حصہ زر خمس کا و دکانداران مدینہ سی دلوائین (دیکھو صواعق محرقہ ابن حجر مکی کی حال عثمان باب السابع فصل الثالث) تمام حکومتون کو مفسدان بنی امیہ اور دیگر اشرار کی سپرد کردین۔ ناحق مغیرہ بن سعد اور ابو موسیٰ اشعری کو جو اہل سنت کی عشرہ مبشرہ سی ہین حکومتون سی معزول کرین۔ ایک اور کو عشرہ مبشرہ سی یعنی عبد الرحمٰن بن عوف کو مدینہ سی نکلوا دین۔ نہایت بیرحمی کیساتھ ایسی ممتاز صحابیون کیساتھ جیسی کہ مالک اشتر ابوذر غفاری عمار ابن یاسر تھی پیش آوین محمد بن ابی بکرؓ کی قتل کئی جانیکا بندوبست کرین یا بندوبست ہونی دین ام المومنین حضرت عائشہؓ کو اپنی ایذا اعتدائیون سی رنج دین شرفائی کوفہ کو انواع طرح کی عقوبتون مین مبتلا کرین اور عامہ مسلمین کو اپنی ایذا رسان کاروائیون سی بیحد آزردہ کر ڈالین۔ تو پھر ایسی خلیفہ صاحب کو جناب شاہ ولی اللہ صاحب کیون کر رحماء بینھم کا مصداق قرار دیتی ہین۔ جاننا چاہئی کہ صرف شاہ صاحب موصوف ہی ایسا نہین فرماتی ہین یہی مضمون فقیر کی نظر سی کتاب غنیۃ الطالبین وغیرہ مین بھی گذرا ہی معلوم ہوتا ہی کہ اسطرح کی غلط خیالیان اوپر ہی سی چلی آتی ہین۔ خدا تعالیٰ اپنی بندون کو حق جوئی حق بینی اور حق گوئی کی توفیق عطا فرمائی۔ واضح رہی کہ نجات ایسی ہی حق جوئی حق بینی اور حق گوئی پر موقوف ہی۔ ظاہر ہی کہ غلط خیالیون کا پابند نہ خدا کا دوست ہو سکتا ہی اور نہ اُسکی عاقبت بخیر ہو سکتی ہی۔ المختصر حضرت عثمان کی کسی حصہ زندگی سی ایسا نہین معلوم ہوتا کہ آپ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے مصداق کسی وقت مین بھی تھے۔

اب دیکھنا چاہئی کہ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا کی مصداق حضرت علیؑ ہین یا نہین۔ ظاہر کہ کسیکو جناب علیؑ مرتضیٰ کی توفیق عبادت سی انکار نہین ہو سکتا ہی۔ لاریب آپ دولت تعبد سی مالا مال تھی ہمیشہ خالق کی بندگی مین مشغول رہا کرتے تھی۔ مگر شاہ ولی اللہ صاحب یا اُن کی جیسی اور علمائی جو حضرت امیرؑ کو اس صفت خاص کیساتھ منسوب فرمایا ہی تو یہ بھی خالی از علت نہین ہی۔ یعنی اس صفت کی تخصیص سی یہ بات نکلتی ہی کہ جناب مرتضوی خالی روزہ و نماز کی آدمی تھی اور گو یہ صفت کسی درجہ کی اچھی ہو مگر اس سی صاف یہ معلوم ہوتا ہی کہ جو شخص ہمیشہ رکوع و سجود مین مبتلا رہیگا وہ قومی خدمتون مین مقابلہ ایسی لوگون کی جو مصداق اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی سمجھی جاتی ہین ضرور قاصر رہیگا۔ اسلئی ایسی عبادت گذار شخص کو بمقابلہ ایسی بکار آمد حضرات کی کسی طرح کی ترجیح حاصل نہین ہو سکتی۔ ظاہر ہی کہ جو شخص صرف نماز و روزہ کیا کرتا ہی وہ اپنی ذات خاص کو نفع پہنچاتا ہی۔ مگر اسکو کسی صورت سی ایسی حضرات پر ترجیح نہین دیجا سکتی۔ جو دین خدا کیلئی اپنی زور بازو اور قوت دل سی ہمیشہ کفار پر بڑی شدتین کرتی تھی یا جنھین نہایت درجہ کا رحیمانہ برتاؤ رکھتی تھی جنکی وجہ سی عامہ مسلمین اور برادران دینی کو فوائد کثیرہ پہنچاتے تھے لاریب ان صفات کی حضرات مجرد رکوع و سجود مین مشغول رہنی والی پر ہزار درجہ ترجیح رکھتی ہین بس

علمائے متعصب شعار کا حضرت علیؑ کو دُکَّعًا سُجَّدًا کی تخصیص کیساتھ یاد فرمانا خالی از علت نہین ہے شعر

محبت ہی نہین قاتل کی خالی ہے عداوت سے
اشارہ بھی جو کرتا ہے تو انگشت شہادت سے

لیکن اگر ان علما کو انصاف نصیب ہوتا تو وہ صفتین جن کو حضرات خلفائے ثلثہ کیساتھ مخصوص جانتے ہین انکو بھی ذات پاک مرتضوی کیساتھ مخصوص سمجھتے۔ اسلیئے ان صفات کو بھی تمامتر حضرت علیؑ ہی کی ذات پاک کیساتھ خصوصیت حاصل ہے اب ہم ان صفات کی تعلق کی تحقیق ذیل مین حوالہ قلم کرتے ہین۔

واضح ہو کہ سب سے بڑی صفت اہل سنت کے نزدیک معیت جناب رسول خداؐ کی ہے اور اس صفت کی تخصیص حضرت ابوبکرؓ کیساتھ کیجاتی ہے حضرت ابوبکرؓ کی بڑی سے بڑی معیت جناب رسولؐ خدا کیساتھ انکی معیت غار ہے البتہ یہ معیت ایک بڑی ممتاز معیت ہوتی اگر آپ ضعف قلب کی باعث مضطرب الحالی نہ دکھلاتے۔ انکی معیت تو جناب رسولؐ خدا کی واسطے صلاح نہ شد بلا شد ہو گئی تھی حضرت ابوبکرؓ ترسندہ جانی کی باعث اس غار مین کسی طرح پر جناب رسولؐ خدا کی مدد کرنے کے قابل نہین رہے تھے۔ یہ وقت جناب رسولؐ خدا کیلئے نہایت نازک تھا غار کے باہر کفار آپکو تلاش کر رہے تھے اور اندر غار کے آپ کے ساتھی صاحب یعنی حضرت ابوبکرؓ مضطربانہ طور پر جزع و فزع مین مبتلا ہو رہے تھے۔ واقعی یہ عجب وقت جناب رسولؐ خدا پر آپڑا تھا۔ مگر آپکی خلقی شجاعت نے ایسی نازک وقت مین بھی آپکا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ نہایت استقلال کیساتھ حضرت ابوبکرؓ کو جزع و فزع سے منع کرتے رہے حتی کہ وہ نازک وقت سر سے ٹل گیا۔ اب اہل انصاف غور فرمائین کہ ایسی معیت سے کیا کسی شخص کو صورت فخر و ناز ہو سکتی ہے۔ اور ایسی معیت سے کیا تعریف حضرت ابوبکرؓ کی ثابت ہوتی ہے۔ آیت غار سے اسیقدر تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جناب رسولؐ خدا کیساتھ غار مین تھے اور مضطرب الحال ہو رہے تھے اور انکی مضطرب الحالی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ جناب رسولؐ خدا کو مجبوراً لَا تَحْزَنْ فرمانا پڑا۔ یہ کیسی معیت تھی اور اس معیت سے حضرت ابوبکرؓ کی کیا فضیلت عیاں ہوتی ہے اسکو اہل انصاف خود تجویز فرمالین۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ اس معیت کی سوا اور کوئی معیت جناب رسولؐ خدا کی جو قابل لحاظ ہو حضرت ابوبکرؓ کو نصیب نہین ہوئی اب حضرات ناظرین حضرت علیؑ کی معیت ہائے فراوان پر اپنی توجہ مبذول فرمائین۔ ذیل مین کچھ معیتیں عرض کیجاتی ہین۔

اوّل معیت حضرت علی کی یہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا اور حضرت علیؑ ایک نور سے ہیں جیسا کہ خود جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ اَنَا وَعَلِيٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ (دیکھو صواعق محرقہ ابن حجر مکی کی) اس حدیث کی حق ہونے مین علم حدیث کی رو سے کسی مسلمان کو عذر نہین ہو سکتا۔ وہ جلد عبقات کی جسمین حدیث نور کی تحقیق مندرج ہے قابل ملاحظہ ہے اسکی معاینہ سے کسی شخص بے تعصب کو اس حدیث کی صحت مین کسی طرح کا شک باقی نہین رہ سکتا۔ المختصر خدا ہی جانے کہ یہ معیت کس قسم کی ہے۔

کسوقت سی یہ معیت وجود مین تھی اسکو خداتعالی کی سوا کوئی دوسرا نہین جان سکتا۔

دوسری معیت یہ ہی کہ حسب قول نبوی علیؑ مرتضی جناب رسولؐ خدا کی خون گوشت نفس اور روح ہین۔ اس معیت سی زیادہ قابل لحاظ کونسی دوسری معیت ہوسکتی ہی۔ قول نبوی یہ ہی۔ دَمُکَ دَمِی وَلَحمُکَ لَحمِی وَنَفسُکَ نَفسِی وَرُوحُکَ رُوحِی۔

سوم معیت یہ ہی کہ علیؑ بمنزلہ ہارونؑ کی تھی۔ قول نبوی یہ ہی کہ۔ یَا عَلِیُّ اَنتَ مِنِّی بِمَنزِلَۃِ ہَارُونَ مِن مُوسیٰ یہ حدیث بخاری کی ہی۔ یہ معیت کیا کم قابل لحاظ ہی۔ جس طرح ہارونؑ کو موسیٰؑ کیساتھ معیت حاصل تھی علیؑ مرتضی کو جناب رسولؐ خدا کیساتھ حاصل تھی۔

چہارم معیت یہ ہی کہ حسب فرمودہ نبوی علیؑ مرتضی جناب رسولؐ خدا کی بھائی دنیا اور آخرت مین ہین آنحضرتؐ نی فرمایا ہی کہ۔ یَا عَلِیُّ اَنتَ اَخِی فِی الدُّنیَا وَالاٰخِرَۃِ۔ جس سی معلوم ہوتا ہی کہ علیؑ مرتضی کو معیت جناب رسولؐ خدا کی دنیا اور آخرت مین یکسان حاصل ہی۔ اس سی بڑھ کر معیت کسی نصیب ہوئی ہے یا ہوگی۔

پنجم معیت یہ ہی کہ آیت مباہلہ مین جناب علیؑ مرتضی جناب رسولؐ خدا کے ساتھ ہین۔ (دیکھو صواعق محرقہ ابن حجر مکی) آیت مباہلہ یہ ہی۔ قُل تَعَالَوا نَدعُ اَبنَاءَنَا وَاَبنَاءَکُم وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَکُم وَاَنفُسَنَا وَاَنفُسَکُم ثُمَّ نَبتَہِل فَنَجعَل لَعنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الکَاذِبِینَ۔

سبحان اللہ معیت اسکو کہتے ہین۔

ششم معیت یہ ہی کہ جناب علیؑ مرتضی آیت تطہیر مین جناب رسولؐ خدا سے جدا نہین ہین۔ (دیکھو مشکوۃ شریف) آیت تطہیر یہ ہے۔ اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذہِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَہلَ البَیتِ وَیُطَہِّرَکُم تَطہِیرًا۔ مرحبا۔ کیا معیت ہے۔

ہفتم معیت یہ ہی کہ قول نبوی کی رو سی جسکی مولی جناب رسولؐ خدا ہین۔ اسکی مولی جناب علیؑ مرتضی ہین اہل غرض مولی کی معنی جو کچھہ بتلائین مگر مولائیت مین علیؑ رسول خدا کی ساتھ ساتھ ہین یہ معیت کیا کم معیت ہے؟

ہشتم معیت یہ ہی کہ معراج مین جب باریتعالی نی کلام فرمایا تو لہجہ علیؑ کی آواز کا تھا (دیکھو سوانح عمری مصنفہ مولوی عبید اللہ امرتسری) یہ اس غرض سی کہ جناب رسولؐ خدا جس آواز سی مانوس تھی وہی آواز گوش مبارک مین جگہہ کرگئی۔ اس سی ظاہر ہی کہ خدا تعالی نی بہی علیؑ کی معیت کو ملحوظ رکہا اہل انصاف اس معیت کے درجہ پر نظر غور ڈالین۔

نہم معیت یہ ہی کہ جب خانہ کعبہ مین جناب رسولؐ خدا بت شکنی کیلیئو گئی تو حضرت علیؑ ساتھ تہی اور بحکم جناب آنحضرتؐ کے دوش مبارک پر چڑہکر آپ نے خانہ کعبہ کی بتون کو توڑا (دیکھو زین الفتی عاصمی)

اس معیت کا جواب کہین بھی نظر آتا ہی؟ سبحان اللہ معیت اس کو کہتے ہین۔

١٠ دہم معیت یہ ہی کہ جب جناب رسول خدا طیر بریان کو نوش فرمانیکو بیٹھے تو اسوقت یہ فرمایا کہ اے اللہ بھیج تو اُس شخص کو جو احب ہی تیرا۔ میری طرف تاکہ وہ میرے ساتھ اس طیر بریان کو کھائے۔ اسیکے ساتھ علیؑ آگئے اور جناب رسول خدا کیساتھ اُس طیر بریان کو نوش فرمایا۔ واہ کیا مزہ دار معیت ہی۔ یارون کے منھہ مین تو پانی بھر آیا ہوگا۔ (دیکھو مشکوۃ شریف)

١١ یازدہم معیت یہ ہی کہ کسی غزوہ مین علی مرتضی جناب رسول خدا کو چھوڑ کر نہ بھاگے۔ بدر و احد و خندق و خیبر و حنین وغیرہ مین برابر جناب رسول خدا کے معین اور مددگار رہے۔ خدا کے دشمنون کو زیروزبر کرتے رہے (دیکھو تاریخ کی کتابین) یہ معیت فرارین کو کیونکر نصیب ہو سکتی ہی۔ یہ معیت غزوات کی بہت قابل لحاظ معیت ہی۔ اس معیت کا شرف حضرات خلفاے ثلثہ مین سے کسیکو نصیب ہی نہین ہوا یہ حضرات جب ہوا تب جناب رسول خدا کو نرغۂ اعدا مین چھوڑکر بھاگ نکلے اور اس بھاگنے کی عادت فرار سے جناب رسول خدا کی ایسی معیت سے اپنے کو محروم رکھا حیف صد حیف بلکہ ہزار حیف

١٢ دوازدہم معیت یہ ہی کہ بچپن سے جو علیؑ کی معیت جناب رسول خدا کیساتھ شروع ہوئی تو آنحضرت کے آخر وقت تک قایم رہی۔ اسی کو عمری معیت کہتے ہین۔ بچپن کی معیت کی مثال یہ ہی کہ جب نبوت کی ابتدا مین جناب رسول خدا نے قبیلہ بنی ہاشم کی دعوت فرمائی اور قوم کیطرف اس طرح پر خطاب فرمایا کہ کون ہی جو میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر میرا خلیفہ ہوگا تو کسی نے آنحضرت کا جواب نہ دیا اور سب کے سب خاموش رہگئے۔ مگر علیؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور بہ آواز بلند بولے کہ ہم آپکے بھائی آپکے وصی آپکے وزیر آپکے خلیفہ ہونگے (دیکھو تاریخ ابو الفدا) سبحان اللہ اس معیت کا کیا کہنا ہی حقیقت حال بھی یہی ہی کہ جبتک جناب رسول خدا اس عالم مین جلوہ افروز رہے علی مرتضی جناب رسول خدا سے کبھی جدا نہ ہوئے۔

١٣ سیزدہم معیت یہ ہی کہ جب رسول مقبول نے رحلت فرمائی تو دفن کے وقت تک علیؑ لاشۂ اطہر سے جدا نہوے ساتھی ہو تو ایسا ہو کہ جیتے مرے ساتھ نہ چھوڑے یہ بھی سعادت علی ہی کے لئے مقدر تھی کہ لاشۂ سرور کائنات کو چھوڑکر سیٹے کی فکر مین کہین چلے نہ گئے۔ ع این سعادت بزور بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خداے بخشندہ۔

١٤ چہاردہم معیت یہ ہی کہ جب مقام غدیر مین جناب رسول خدا نے پالان شتر سے منبر بنوایا تو آپنے حضرت علی کو منبر پر کھینچ لیا اور اسکے بعد فرمایا اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ الخ۔ اس معیت کا جواب کہین بھی ہی۔ ہزارون آدمی کے سامنے حضرت رسول خدا نے علی مرتضی کو اپنے برابر جگہ دیکے مولائے مومنین کی حیثیت بخشی۔ اندہے کو یہ معیت عظیم صورت نظر نہ آئے تو نظر نہ آئے۔ مگر اہل بینش اس معیت کو جس نظر سے دیکھتے ہین محتاج بیان نہین ہی۔ اب اہل انصاف غور فرمائین کہ معیت کی صفت حضرت علی پر ختم نظر آتی ہی یا کسی اور پر۔ اسیطرح علی مرتضی ہی کو اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت بدرجۂ اتم حاصل تھی۔ اسلام تمامتر ذو الفقار علی کا ممنون ہی اسلام کو استحکام شاہ لافتی کے زور بازو سے نصیب ہوا ہی کفر کی کمر اُس دست خدا نے توڑی ہی۔ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی نسبت نہ حضرت

ابوبکرؓ کیجانب کسی قاعدہ سے کیجا سکتی ہے اور نہ حضرت عمرؓ کیجانب - ان دونون بزرگوارون نے تو کسی لڑائی مین کسی کافر کو مارنا تو درکنار کسی کافر پر ایک خط بھی نہین لگایا - ہر معرکہ سے فرار ہی فرماتے رہے چنانچہ حضرات شیخین کا فرار آٹھ لڑائیون سے تاریخی طور پر ثابت ہے مشہور فرار آپ صاحبون کا اُحد و خیبر و حنین سے ہین - تماشہ کی بات یہ ہے کہ جن لڑائیون مین جناب شیخین معطل رہے یا جس جنگ مین کسی پہلوان سے آپ صاحبون نے ڈر سے انکار کیا یا جن لڑائیون سے آپ صاحبون نے فرار گوارا فرمایا - اُن سب معرکون مین علیؑ ہی کی تلوار نے دشمنان دین خدا کا قلع و قمع کر ڈالا - المختصر جسطرح حضرت علیؑ صفت معیت کیساتھ متصف ہین اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے بھی مصداق ہین - ہم دکھلا چکے ہین کہ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ سے حضرت عثمانؓ کو کوئی علاقہ نہین ہو سکتا - اب ہم دکھلاتے ہین کہ اس صفت کو بھی علیؑ ہی سے تعلق ہے رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ کے مصداق ہونیکے واسطے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہین انسان مین اعلیٰ درجہ کی ہمدردی کی بڑی ضرورت ہے اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ہمدردی کی صفت شجاعت شعاری کے بغیر نہین پائی جا سکتی جسقدر انسان زیادہ شجاع ہوگا اسیقدر اُسمین ہمدردی کی صفت زیادہ موجود ہوگی - ہمدردی رحیمی سے جدا نہین ہے اسلئے شجاعت اور رحیمی دست و گریبان ہونیکا حکم رکھتی ہین چونکہ جناب علیؑ اشجع الناس تھے اسواسطے اُس جناب مین کمال درجہ کی ہمدردی بھی موجود تھی اسیواسطے آپ نہایت رحیم بھی تھے - جو شجاع نہین ہے اسمین صفت ہمدردی نہین پائی جا سکتی - پھر وہ رحیم بھی نہین ہو سکتا علیؑ میدان جنگ سے کبھی نہین بھاگے ساتھیون کو کبھی نرغہ اعدا مین نہین چھوڑا مسلمانون کو دست کفار مین پڑا نہ دیا - اسلام کی بھلائی مین کبھی جان نہ چرائی نہ کبھی اپنی جان کی پروا - غرض ذات جناب رسولؐ خدا مین کی کمال درجہ کی ہمدردی کا برتاؤ اسلام والون کیساتھ فرماتے رہے کیا اس سے زیادہ رحیمانہ کارروائی کسی بنی آدم سے عمل مین آسکتی ہے - پس کیونکر آپ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ کے مصداق نہین سمجھے جا سکتے ہین اس روسے صفت رحیمی کی بھی خصوصیت ذات مرتضویؑ کیساتھ پائی جاتی ہے اور اس خصوصیت کو تمہارے ایسے لوگون کیساتھ تعلق نہین ہے - جو اپنی جان بچانیکے واسطے بار بار اپنے برادران دینی کو نرغہ کفار مین چھوڑ چھوڑ کر میدان جنگ سے ایسے فرار ہو ہو گئے ہین کہ تین تین دن تک اُن کا پتہ نہ ملسکا کہ ہو کیا گئے - اور گئے کدھر - اب اہل انصاف دیکھین کہ ایسے حضرات مین جب شجاعت کی صفت موجود نہ تھی تو ایسے حضرات ہمدردی کی صفت سے بھی خالی تھے - اور جب انمین ہمدردی نہ تھی تو انمین رحیمی کی صفت بھی مفقود تھی - پس ایسے حضرات رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ کے مصداق کیونکر قرار دیے جا سکتے تھے -

مختصر یہ ہے کہ یہ اہل تعصب کی ناانصافی ہی ناانصافی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کو صرف تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا کے مصداق جانتے ہین حالانکہ وہ جناب تمام آیۂ شریفہ کے مصداق ہین نیز اس آیت شریفہ کے مصداق وہ مہاجرین اور انصار بھی ہین جو حضرت کی روش پر چلنیوالے تھے -

واضح ہو کہ حضرات اہل سنت آیت بالا سے ترتیب و در خلفائے اربعہ کی خلافت ثابت کرتے ہین یہ ایک محض بے بنیاد بات معلوم ہوتی ہے - اس آیت سے نہ خلافت اور نہ ترتیب خلافت ثابت ہوتی ہے - یہ آیت جناب

رسول خدا کے اچھے لکار آمد اور وفادار صحابیوں کی حقیقت سے خبر دیتی ہے اور اوس سے زیادہ اس آیت کا کوئی مطلب ہی نہین ہے۔ یہ نہایت ہٹ دہرمی کی بات ہے جو اس آیت سے اہل غرض اثبات خلافت کرتے ہین۔ راقم کی تحریرات بالا سے عیان ہے کہ اس آیت کو خلافت سے کوئی علاقہ ہی نہین ہے۔ یہ خلافت جسے اہل سنت خلافت راشدہ کہتے ہین نہ نص قرآن مجید کی رو سے ہے اور نہ قول نبوی سے اسکا کوئی ثبوت کافی طور پر ملتا ہے لاریب یہ خلافت من الناس ظہور مین آئی اور اسکی حقیقت اسیقدر ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر اجماع کے ذریعہ سے خلیفہ قرار پائے جیسا کہ شرح عقائد نسفی اور کتب تاریخ وسیر سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ اجماع اگر بالفرض کامل مان بھی لیا جائے تو بھی پریسیڈنٹون کے الیکشن سے زیادہ حیثیت رکھنے والا تصور نہین کیا جاسکتا۔ دوسری خلافت حضرت عمر کی ہے یہ خلافت استخلاف کے ذریعہ سے قرار پائی۔ تیسری خلافت حضرت عثمانؓ کی ہے جو حسب ہدایت حضرت عمرؓ کے شوریٰ کے ذریعہ سے شکل پذیر ہوئی۔ چوتھی خلافت حضرت علیؑ کی ہے جو نہ معلوم کس بنا پر ظہور مین آئی۔ حضرات اہل سنت اس خلافت کی نسبت خاموش معلوم ہوتے ہین۔ حضرت علیؑ کی خلافت کی شرط کا نام راقم کو ابتک دریافت نہین ہوا۔ اسلیے اس خلافت کی نسبت کچھ عرض نہین کرسکتا۔ مختصر یہ ہے کہ یہ خلافت راشدہ محقق کی نظر مین کوئی دینی عظمت نہین رکھتی۔ یہ خلافت راشدہ اہل تحقیق کی نظر مین اتنی ہی حیثیت رکھتی ہے کہ اگر حضرت عمر نہوتے اور اہل بیت نبوی سے مخالفت نرکھتے تو نہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول قرار پاتے اور نہ استخلاف اور شوریٰ کے ذریعہ سے خود آپ اور حضرت عثمان خلیفہ ثانی اور خلیفہ ثالث کے لقب سے نامزد ہوتے۔ چونکہ یہ خلافت راشدہ ایسی خلافت ہے جو منجانب الناس ظہور مین آئی ہے ممکن تہا کہ حضرت ابوبکرؓ کیجگہہ حضرت زبیر یا حضرت طلحہ یا انصار مین سے کوئی شخص خلیفہ قرار دیا جاتا۔ اتفاق وقت سے حضرت عمرؓ کی قابلیت نے حضرت ابوبکرؓ ہی پر معاملہ خلافت کو طے کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی خلافت منجانب اللہ نہین کہلا سکتی۔ لاریب دینی عظمت اُسی خلافت کو حاصل ہوسکتی ہے جو منجانب الناس نہ قرار پائی ہو جیسا کہ خلافت منجانب اللہ ائمہ اثنا عشر کی دیکھی جاتی ہے۔ اسی لیے اُس خلافت کو دینی وقعت حاصل ہے۔ اسی دینی وقعت کو ملحوظ رکھکر جناب شاہ ولی اللہ صاحب اور بعض دیگر علمائے اہل سنت خلافت خلفائے اربعہ کو نصی ثابت کیا چاہتے ہین۔ تاکہ یہ خلافت بھی خلافت منجانب اللہ قرار پا جائے۔ مگر راقم کی تحریرات بالا سے ظاہر ہو چکا کہ یہ خلافت کوئی نصی حیثیت نہین رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کوئی نصی حیثیت رکھتی تو پھر آپکو خلیفہ جماعت اور آپکی خلافت کو خلافت اجماعی کہنا درست نہ ہوتا۔ المختصر خلافت منجانب اللہ خاندان پیغمبر خدا مین محدود رہی اور اس سلسلۂ خلافت کے پہلے خلیفہ جناب علی مرتضیٰ دوم جناب امام حسنؑ مجتبیٰ سوم جناب امام حسینؑ شہید کربلا چہارم جناب امام زین العابدینؑ پنجم جناب امام محمد باقرؑ ششم جناب امام جعفر صادقؑ ہفتم جناب امام موسیٰ کاظمؑ ہشتم جناب امام علی رضاؑ نہم جناب امام محمد تقیؑ دہم جناب امام علی نقیؑ۔ یازدہم جناب امام حسن عسکریؑ۔ دوازدہم جناب امام محمد مہدیؑ ہادی صاحب العصر والزمان ہین صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ منجانب اللہ کی کھلی مثال

یزید اور جناب امام حسینؑ بین بلاشبہ دونون ایکدوسری کی ہمعصر خلیفہ تھی۔ مگر ایک کو خلافت منجانب الناس اور دوسری کو خلافت منجانب اللہ حاصل تھی۔ یزید شورہ خلافت کیساتھ خلیفہ قرار پایا تھا۔ اسلیئے اسکی خلافت منجانب الناس تھی۔ جناب امام حسینؑ رسولؐ اللہ کی خلیفہ عصمت کی بنیاد پر تھی اسلیئے آپکی خلافت منجانب اللہ تھی

جاننا چاہیئے کہ حضرات اہل سنت مثلاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب اپنی اپنی تصنیفون بین آیات بالا سے دو کام لیتے ہین۔ ایک تو یہ حضرات اس آیت سے خلفائے اربعہ کی خلافت ترتیب وار ثابت کیا چاہتے ہین۔ دوم یہ کہ عشرہ مبشرہ کی مضمون کو بھی ایک نفتی پیرایہ دیتے ہین کو نشان نظر آتے ہین۔ واضح ہو کہ حضرات اہل سنت کی عشرہ مبشرہ بین سے چار حضرات تو یہی حضرات خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؑ ہین۔ باقی رہے چھ حضرات انکے نام نامی یہ ہین۔ حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت عبدالرحمن ابن عوف حضرت سعد ابن ابی وقاص حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح اور حضرت ابوموسیٰ اشعری۔ عموماً دس حضرات کہے جاتے ہین کہ عشرہ مبشرہ ہین مگر اہل سنت کی کتابون کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دس عدد کوئی مستقل حیثیت نہین رکھتے ہین۔ مشکوٰۃ بین تسعہ مبشرہ مذکور ہے اور اس کتاب بین حضرت علیؑ داخل عشرہ مبشرہ نہین پائے جاتے ہیں اس کتاب بین سعید بن عمرو بن نفیل دسوین اہل جنت دیکھے جاتے ہین پھر کسی روایت بین ابوعبیدہ بن الجراح و سعید بن عمرو بن نفیل مذکور نہین ہین۔

اسیطرح خلاف سب روایتون کی سعد بن مالک بھی اشخاص مبشرہ بین ایک روایت کی رو سے داخل ہین۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر سب روایتون کو جمع کرین تو اشخاص مبشرہ کا عدد بارہ تک پہنچتا ہے۔ یہ تو کیفیت عشرہ مبشرہ کی ہے۔ بہرحال حضرت ابوموسیٰ اشعری کو چھوڑ کر بقیہ پانچون حضرات کی نسبت جناب شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہین کہ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۔ سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر مراد ہین۔ ان دونون بزرگوارون کی وقائع عمر پر نظر کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر دو حضرات فتنہ پردازی کی سوا اور کسی صفت حمیدہ کیساتھ متصف نہ تھے واقعی ان دونون بزرگوارون کی خلقت کچھ عجب ترکیب پر واقع ہوئی تھی حق یہ ہے کہ ان دونون صاحبون کو خدا کی خوشنودی اور رضامندی کی طلب کرنیسے تو کوئی علاقہ نہ تھا۔ دونون حضرتون نے اول خلیفہ چہارم کی ہاتھ پر بیعت کی اور اُسی کی ساتھ شکست بیعت کرکے مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوگئے۔ وہان جاکر حضرت عائشہ کو خلیفہ وقت کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ اس فساد انگیزی سے مسلمانون کو خلیفہ وقت سے برگشتہ کرلیا اور حقیقت یہ ہے کہ ایک بغاوت عظیم برپا کی اور کرادی پھر حضرت ام المومنینؓ کیساتھ جنگ جمل بین شریک ہوے اور اس جنگ بین ہزارون مسلمانون کی جانین ضایع ہوگئین اور اسی لڑائی بین خود بھی تہ تیغ ہوگئے محارب علیؑ کی نسبت جو حکم ہوتی ہے اس کی اہل واقفیت سے مخفی نہین بین حدیث نبویؐ کی رو سے قاتل اور مقتول حضرت علیؑ کی قطعی دوزخی ہین پس یہ دونون جناب حضرت علیؑ سے لڑکر مقتول علی ہوگئے کیا تماشا ہے کہ عشرہ مبشرہ بین داخل ہوگئے جبکہ آپ دونون جناب قطعی جنتی سمجھے گئے ہین مقتول علیؑ ہونے سے بلا گفتگو قطعی دوزخی بھی ثابت ہوتے ہین غضب خدا کا ہے کہ ایسے بزرگوار محارب و مقتول علیؑ ہونے پر بھی يَبْتَغُونَ فَضْلًا

اللّٰہِ وَرِضْوَاناً کی مصداق قرار دی جاتی ہین۔ ظاہر اہل عناد کو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کیساتھ زیادہ شغف اور راسخ الاعتقادی کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہی کہ آپ ہر دو صاحب حضرت علیؑ کی کھلی کھلی مخالف تھی۔ حضرات اہل سنت ان دونون صاحبون کیطرف سی خطائی اجتہادی کا عذر پیش کرتے ہین۔ یہ عذر حضرت معاویہ کیطرف سی بھی پیش کیا جاتا ہی یہ نہین معلوم کہ ان باغیان علیؑ کو اجتہادی حیثیت کہان سی حاصل ہوئی تھی۔ ای اہل انصاف کیا طلحہ زبیر اور معاویہ کی بغاوتین خطائی اجتہادی کہلا سکتی ہین۔ علمائی اہل سنت ان حضرات ثلثہ کی بغاوتون کا جو کچھہ بھی نام رکھلین مگر حقیقت حال یہ ہی کہ یہ حضرات ثلثہ بلا گفتگو خلیفۂ وقت سی باغی تھی ان تینون حضرات نی بہت سوچ سمجھکر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تھا اور اس بغاوت کی بنا پر پوری طور پر سزائی موت کی مستوجب تہی۔ بلا شبہ یہ حضرات خلیفۂ وقت کی مجرم تھی۔ مگر علمائی اہل سنت کو خطائی اجتہادی کا ایک عجیب ہتھکنڈا ملگیا ہی۔ جو مخالفان علیؑ کو الزامات سخت سی بچانی کیلئے ہمیشہ کام مین لایا کرتی ہین۔ اے اہل انصاف ملاحظہ فرمائی کہ خلیفۂ وقت کی موجودگی مین خلیفۂ وقت کی خلاف عقلاً یا مذہباً کسیکو اجتہاد کا کیا حق حاصل ہو سکتا ہی واقعی خطائی اجتہادی کا مضمون ایسا ہی ہی کہ حق پرست حق بین اور حق شناس کی دماغ مین کسی طرح جگہہ نہین کر سکتا اسکو ایک امر حق ماننی کی واسطی حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت معاویہ کا سا دل و دماغ ہونا چاہئی کوئی ایماندار آدمی خطائی اجتہادی کو قرین ایمان نہین سمجہہ سکتا۔ اسکی قدر وہی کر سکتا ہی جسکا دل حضرات بالا کی خوبیون کا محل واقع ہوا ہی۔ اب سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ کی فرضی مصداقون کی طرف اہل انصاف اپنی توجہ مبذول فرمائین۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب فرماتی ہین کہ اس جزو آیت سی عبد الرحمٰن ابن عوف سعد ابن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن الجراح مراد ہین۔ تمام حالات سی ان تینون حضرات کی کچھہ نہین معلوم ہوتا کہ اس جزو آیت کو ان حضرات کیساتھ کیا خصوصیت حاصل ہی شاہ صاحب ممدوح خود بھی کوئی اظہار خصوصیت نہین فرماتی اور فکر بلیغ سی بھی راقم کو کوئی خصوصیت کا پہلو نہین دکھائی دیا۔ مگر یہان پر ایک سوال پیدا ہوتا ہی کہ اگر عبد الرحمٰن ابن عوف اور سعد ابن ابی وقاص ایسی بزرگوار تہی کہ انکی طرف اس جزو آیت مین خدا کا اشارہ ہی یا اس جزو آیت سی یہ دونون بزرگوار مراد خدا تہی تو حضرت عثمانؓ کا فرض منصبی تہا کہ عبد الرحمٰن ابن عوف اور سعد ابن ابی وقاص کیساتھ ایسی درشتیون کیساتھ جن کا بیان سابق مین آچکا ہی پیش نہ آتی کسواسطی کہ نہایت حیرت تعجب ہی کہ جن لوگون کی عظمت ان زورون کیساتھ اہل سنت کی نزدیک نص قرآنی سی ثابت ہو۔ انکی ساتھ حضرت خلیفۂ ثالث ایسی ایسی کارروائیان جائز رکھین۔

اب حضرات اہل انصاف راقم کی تمام تحریرات بالا پر نظر غور ڈالنی سی بعد تجویز فرمائین کہ وَالَّذِينَ مَعَهُ اِلیٰ اٰخِرِہٖ ھا کا کیا منشا ہی۔ راقم نی اوپر صاف صاف طور پر ثابت کر دیا ہی کہ اس آیت مین کسی طرح بخاص شخصون کا ذکر نہین پایا جاتا۔ اس مین خدا تعالیٰ اپنی رسولؐ کی ساتھیون کی اجمالی

تعریف بیان فرماتا ہی کہ وہ ساتھی ایسے ہین اور ایسے ہین اور ایسے ہین ۔ مگر نہ اُس سے ترتیب خلافت ظاہر ہوتی ہی اور نہ اِس سے امر خلافت کو کسیطرح کا علاقہ معلوم ہوتا ہی اسیطرح اس سے حضرات اہل سنت کی عشرہ مبشرہ کا بھی کچھ لگاؤ نظر نہین آتا ۔ تعجب ہی جناب شاہ ولی اللہ صاحب سے کہ ایسی پوچ اور بیجا باتون کو اپنی کتاب ازالۃ الخفا مین جگہہ دی گئی ہین معلوم ہوتا ہی کہ کتاب غنیۃ الطالبین وغیرہ مین جو کچھہ آیت بالا کی نسبت تحریرین پائی جاتی ہین وہ بلا تحقیق جناب شاہ صاحب ممدوح نے اپنی تصنیف مین حوالہ قلم کر دین عوام الناس کو اسسے کیا مطلب کہ امر حق کیا ہی ۔ یہ بیچارے جو کچھہ کسی بڑے آدمی کی کتاب مین دیکھتے ہین یا کسی بڑے آدمی سے سنتے ہین اُسکو کلام وحی سمجھہ لیتے ہین ۔ نہایت جائے تعجب ہی کہ یہ آیت شریفہ عموماً امر خلافت اور ترتیب خلافت پر دال سمجھی جاتی ہی اِس مغالطہ مین ایک بھاری حصّہ اسلامی دنیا کا گرفتار نظر آتا ہی ۔ مگر اس غلط خیالی کی جوابدہ وہی علما ہین جنہون نے ایسے باطل عقیدہ کا عوام کو پابند بنا رکھا ہی ۔

واضح ہو کہ راقم نے یہ کتاب ایسے حضرات کیلئے لکھی ہی جو حق و باطل کی تمیز رکھتے ہین اور تمیز کیساتھ تحقیق حق کو امر ضروری جانتے ہین ایسے حضرات سے فقیر کی گذارش یہ ہی کہ میری تحریرات پر وہ حضرات محققانہ نظر ڈالین اسکے بعد مختار ہین کہ میرے ساتھ موافقت رائے فرمائین یا نفرت ۔ مین نے اپنی دانست مین ہر امر کو اس کتاب مین تحقیق بلیغ کیساتھ حوالہ قلم کیا ہی اور رائے قایم کرنے مین کسیطرح پر تعصب کو دخل نہین دیا ہی اپنی زعم مین اپنے کو تعصب سے اسقدر دور سمجھتا ہون کہ کسی دین کے برحق ثابت ہونے پر مجھے اُس دین کو اختیار کر لینے مین کوئی عذر نہین ہو سکتا تیس برس کی تحقیق کے بعد جس دین کا پابند ہون اُسکی پابندی کی وجہ یہ ہی کہ اس وقت تک اُس سے بہتر دین میری تحقیق مین نہین آیا ۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہین ہی کہ تحقیق ادیان مین راقم نے کوئی کوشش اُٹھا نہین رکھی ۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اپنے اسوقت کے عقائد کی پابندی کیساتھ مجھے اس عالم سے جانا ہوگا ۔ خیر سر دست ذیل مین معاملہ خلافت و ماتعلق بہا پر کچھہ اور بھی اپنے خیالات کا اظہار ضروری سمجھکر حضرات حق پسند کی توجہ کا طالب ہون ۔

معاملہ خلافت پر جسقدر غور کیا جائے اسیقدر گوناگون مضامین پیش نظر ہونے لگتے ہین ۔ جاننا چاہیے کہ خلافت معروفہ جیسا کہ سابق مین دکھایا گیا ہی نہ قرآن مجید کی رو سے وجود پذیر ہوئی ہی نہ کسی حدیث کی رو سے قرآن مجید سے اسکا نصی ہونا کسی طرح پر ثابت ہی نہین ہوتا ۔ خلافت کی حدیث موجود ہی مگر خلافت معروفہ کی حدیث جو اسکی مثبت ہو کوئی بھی اطمینان بخش درجہ کی نہین دکھائی دیتی ۔ جو حضرات اہل سنت قرآن مجید یا حدیث سے خلافت معروفہ کی حقیت کو ثابت کیا چاہتے ہین وہ سراسر اپنے متعصبانہ خیالات کی تائید کرنے والے دیکھے جاتے ہین ۔ اکابر علمائے مذہب اہل تسنن ۔ جیسا کہ اوپر اپنے محل مین دکھایا گیا ہی اسی قدر فرماتے ہین کہ اجماع کی رو سے حضرت ابوبکرؓ خلافت طلبانی اور استخلاف شوریٰ اور قہر و غضب کی بنیاد پر حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہ مسند آرائے خلافت ہو گئے اور اہل سنت کے دیگر خلفا بھی انہی شروط کی پابندی کیساتھ درجہ خلافت کو پہنچے ۔ البتہ منجملہ دوازدہ خلفائے اہل سنت کے خلیفہ چہارم یعنی حضرت علیؑ کی شرط خلافت کا پتہ اہل سنت کی کسی کتاب سے نہین لگتا کہ آپ کس

شرط کے روسے خلیفہ قرار پائے۔ بہرحال ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ ان خلفائے اثنا عشر کی خلافتون کو خلافت منجانب الناس کے سوا خلافت منجانب اللہ نہین کہہ سکتے۔ پوشیدہ نہین ہے کہ ان حضرات خلفائے اہل سنت کی خلافتین کسی خاص اصول کی پابند نہین ہین۔ تمامتر یہ خلافت ہائے دوازدہ گانہ منتشر الاصول نظر آتی ہین۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصول خلافت تو پیچھے قایم ہوئے ورنہ جسکو جسطرح موقعہ ملا خلیفہ پہلے ہی بن بیٹھا لازم بھی تھا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ اجماع کے روسے خلیفہ قرار پائے تھے تو اُس اجماع کے ذریعہ سے بقیہ گیارہ خلفائے اہل سنت بھی قایم ہوتے یعنی اُسی اجماع کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت معاویہ و دیگر خلفائے اہل سنت خلیفہ بنائے جاتے۔ یہ تو عجب وحشت خیز معاملہ نظر آتا ہے کہ خود حضرت ابوبکرؓ تو اجماع کے روسے خلیفہ مقرر ہون مگر اصول اجماع کو ترک فرماکے آپنے حضرت عمرؓ کو استخلاف کے روسے خلیفہ بنادیا اور چلتے بنے اگر الیکشن Election کا قاعدہ اچھا تھا تو حضرت ابوبکرؓ کا فرض منصبی تھا کہ اُسکو کسی حال مین نہ توڑتے لیکن اسکے توڑنیکی ضرورت یہ ہوئی کہ اسکی پابندی سے احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ کو خلافت حاصل نہو۔ اور امر واقع تھا بھی یہی کہ اگر تجویز خلیفہ کی الیکشن کے ذریعہ سے ہوتی تو جس آسانی کیساتھ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ قرار پاگئے تھے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بننے مین وہ آسانی نصیب نہوتی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے رحلت کے وقت اپنی جانشینی کیلئے نہ تو الیکشن کی کارروائی پسند فرمائی کہ اگر آپ الیکشن پر اپنی جانشینی کو چھوڑ دیتے تو حضرت عثمانؓ تک خلافت بہت ہی دشواری سے پہنچ سکتی۔ اسی لئے آپنے اس معاملہ کو شورے پر چھوڑا اور اہل شوریٰ ایسے ہی لوگ قرار دئے جنکا عدد چھ سے زیادہ نہ تھا اور وہ سب کے سب حضرت عثمانؓ ہی کا دم بھرنے والے تھے آخر مین حضرت معاویہ نے اجماع۔ استخلاف یا شورے کسی کا کچھ انتظار نفرمایا جسکی لاٹھی اسکی بھینس کے قاعدہ سے خلیفہ بن بیٹھے۔ اسی لئے آپکی خلافت قہر و غضب کی شرط کی خلافت کہلاتی ہے۔ المختصر تمام ان معاملات خلافت پر محققانہ نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب خلافتین خلافت منجانب اللہ کی حیثیت نہین رکھتی ہین اور اس روسے انکو کوئی دینی پایہ حاصل نہین ہوسکتا عند اللہ و عند العقل ایسی خلافتون کو کوئی ذی فہم جناب رسول خداؐ کی خلافت نہین کہہ سکتا۔ برخلاف اسکے فرقہ امامیہ کا عقیدۂ خلافت یہ نظر آتا ہے کہ وہ خلافت کو ایک امر منجانب اللہ مانتے ہین۔ اور رسول اللہؐ کی خلافت کیلئے عصمت کو ضروری شرط جانتے ہین اس اصول کی پابندی سے اُنکے بارہ خلفا معصوم ہونیکی بنا پر رسول اللہؐ کے خلفا ہین اور اُنکی خلافتین منجانب اللہ ظہور مین آئی ہین۔ ان خلفائے اثنا عشر کی خلافتون مین کوئی انتشار اصول نہین دیکھا جاتا یعنی جس اصول پر ان بارہ خلفا مین سے ایک خلیفہ قرار پایا ہے۔ اُسی اصول کی پابندی سے بقیہ گیارہ خلفا بھی خلیفہ قرار پاتے ہین۔ ظاہر ہے کہ یہ خلافتین خلفائے امامیہ کی تمامتر روحانی انداز رکھتی ہین۔ برخلاف خلافت ہائے خلفائے اہل تسنن کے جنمین مادی رنگ شوخی کیساتھ جلوہ گر دیکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہین کہ اس مادی جلوہ گری کے باعث حضرات اہل سنت اپنے معاملۂ خلافت کو تشفی کی نظر سے نہین دیکھتے اسلئے اُنکے بعض علما اپنے امر خلافت کو قرآن اور حدیث سے منسوب کرنے مین کوشان نظر آتے ہین نصی طور پر اثبات خلافت حضرات اہل تسنن کیلئے

امر دشوار ہی جیسا کہ فقیر نے اسکی رد سابق مین حوالہ قلم کی ہی۔ قرآن تو قرآن کوئی حدیث بھی ایسی نظر سے نہ دیکھنے مین نہین آتی جو کسی ذی فہم کے نزدیک مثبت خلافت معروفہ ہو۔ پس بہ اسباب ظاہر حضرات اہل تسنّن کو اپنے دوازدہ خلفا کی خلافتون کو روحانی پہلو بخشنی کا کوئی موقعہ ملتا نہین دکھائی دیتا۔ البتہ یہ امر دینی قوت کا بڑہانیوالا متصور نہین ہی۔ ظاہر ہی کہ روحانی پیرایہ بغیر آجتک کوئی دین نہ موقر ہوا ہی اور نہ ہوگا۔

پوشیدہ نہین ہی کہ مذہب موسوی مذہب عیسوی اور دیگر ادیان مختلفہ مین روحانی معاملات کا پوری طور پر دخل دیا جاتا ہی۔ اس روحانی پہلو کی معدوم ہونے سے مذہب اہل تسنّن بڑی گھاٹے مین رہا جاتا ہی۔ اس لئے کہ خالی سرمایہ خلافت منجانب الناس سے مذہب اہل تسنّن کو روحانی وقعت حاصل نہین ہو سکتی تھی۔ پس اس مذہب مین روحانیات سے مدد لینا امر مجبوری ہوا اسکی یہ صورت پیدا کیگئی کہ اس مذہب مین تصوف فی الفور داخل کیا یونانیون مین تصوف جگہ پا ہی چکا تھا اور فارس مین بھی تصوف چند صدیون سے رواج پائی ہوئی تھا۔ مسلمانون نے یونانیون اور زردشتیون کے علوم سے یہ علم بھی آ ہی گیا۔ پھر مسلمانون کو ہندوستان مین جب ہندو فقرا سے سابقہ پڑنے لگا تو اہل ہند کے تصوف نے اون کے مذہبی معاملات پر پورا اثر ڈالا رفتہ رفتہ آخر کار تصوف اعلیٰ طبقہ کے سنّی مسلمانون کا جزو مذہب ہوگیا۔ ذکر و اذکار و مکاشفات و مجاہدات و مراقبات و حال و قال و وجد و سماع وغیرہ وغیرہ نے مذہبی طور پر رواج پکڑا۔ مختصر یہ ہی کہ روحانیات کی جو کمی مذہب اہل تسنّن مین محسوس ہوتی تھی وہ تصوف یونان و فارس و ہند کی بدولت پوری کر لی گئی۔ اسکی برخلاف فرقہ امامیہ کو باہر سے تصوف کی لانیکی حاجت نہ تھی۔ ان کا مذہب ہی روحانی پہلو رکھتا تھا۔ انکی اماموں کی تعلیمات ہی جان تصوف تھی۔ پس جب مذہب امامیہ مین روحانیات کی کوئی کمی نہ تھی تو اس فرقہ کا اپنی حالت موجودہ پر قانع رہنا فطری امر تھا۔ عوام کی یہ ایک غلط فہمی ہی جو یہ سمجھتے ہین کہ مذہب امامیہ تصوف سے بے تعلقی رکھتا ہی۔ مذہب امامیہ مین بھی تصوف ہی مگر تصوف وہ ہی جو مین قرآن حدیث و تعلیم ائمہ معصومین ہی اور یہ ایسا تصوف ہی کہ اس سے بڑھکر روئے زمین پر کوئی دوسرا تصوف ہو ہی نہین سکتا۔

تصوف مروجہ پر نظر

مین اوپر عرض کر چکا ہون کہ بہترین تصوف قرآن مجید اور حدیث ہی۔ مگر جو تصوف کہ مروج عام ہی اسکی حقیقت یہ ہی کہ صحابہ کے زمانہ تک علم دینیات کا رواج رہا مگر اسکے بعد بدعتین ظہور مین آ گئین ان بدعتون مین سے فرقہ اہل سنت کا تصوف ایک قابل لحاظ بدعت ہی جس وقت سے فرقہ ہائے صوفیہ کی ابتدا ہوئی (دیکھو مجلسی جلد ۱ صفحہ ۲۲۴) اس بدعت نے مذہب اہل سنت مین سخت انقلاب پیدا کر دیا۔ یہان تک کہ اہل سنت کی بعض متصوفین نے حلول و اتحاد کے مسئلہ مین اسقدر مبالغہ کر دیا کہ اُن کا عقیدہ نصاریٰ کے عقیدہ تک پہنچ گیا (دیکھو شرح مواقف صفحہ ۵۷۴) ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ ان اہل تصوف نے فرفوریوس حکیم یونانی کا مذہب اختیار کیا ہی (دیکھو حاشیہ سواد الہدیٰ بر حاشیہ غلام یحییٰ بہاری صفحہ ۱۸۳)۔

اب ہندوستان مین رفتہ رفتہ اس مذہب نے ایسی صورت نکالی ہے کہ اکثر امور جو شرع محمدی مین ممنوع ہین وہ سب پورے پورے طور سے متصوفین حال مین رواج پا گئے ہین اسوقت کے بہت سے ایسے مشائخ ہین کہ حقیقت مین انہین فقیری سے کوئی علاقہ ہی نہین یہ حضرات صرف "پیران نمی پرند و مریدان می پرانند" کے مصداق ہو رہے ہین حقیقت یہ ہے کہ تصوف روزی کمانیکا ایک ذریعہ ہو گیا ہے فقیری شکم پروری کا وسیلہ ہو گئی ہے "جو احمق در جہان باقی است کس بدر نمی ماند" زور، مکر و شعبدات داخل تصوف کر لی گئی ہین۔ منہیات شرعیہ سے اجتناب کی حاجت نہین رہی ایسی چیزین جیسے گانجہ اور بھنگ وغیرہ تصوف کے زور کو قایم رکھنے کے واسطے ضروریات کا حکم رکھتی ہین۔ حُسن پرستی تو تصوف کی جان اور روح قرار پا گئی ہے۔ ڈھولک، ستار، راگ، ٹھمری وغیرہ بغیر تو حال کا آنا ہی محال ہے متصوفین کی مجلسین ہنود کی سنگت کا سمان دکھلاتی ہین جسطرح گانا بجانا کبیر پنتھیون اور نانک شاہیون مین جزو مذہب ہے متصوفین بھی اُسے اسی قدر ضروریات مذہب سے جانتے ہین۔ اگر ایسا نہین ہے تو کیون ان کی مجلسین قوال وغیرہ سے خالی نہین رہتین کہین رنڈیان بھی پیر صاحب کو اپنے گانے اور ناچنے کے تماشے عاقبت بخیر ہونیکی غرض سے دکھلاتی ہین۔ زندہ اور مردہ دونون طرح کے پیرون کے آگے ناچتی ہوئی رنڈیون کا ہجوم ہوا کرتا ہے الٰہی یہ کیسا اسلام ہے جو شریعت محمدی سے بدیہی طور کا مخالف دکھائی دیتا ہے۔ ہندو معابد سے ہزارون رنڈیان مذہبی اغراض سے متعلق رہتی تھین اور اب بھی کسیقدر ہین اسیطرح حضرات متصوفین کی خانقاہون مین بھی ان کا گذر ہوا کرتا ہے مختصر یہ ہے کہ اس قسم کی جتنی باتین شرع محمدی نے منع کر دی ہین۔ نہایت کشادہ پیشانی سے اچھی قرار پا کر عمل مین لائی جاتی ہین۔ کچھ اہل تصوف صوم و صلوٰۃ سے بھی کنارہ کش نظر آتے ہین۔ خاص کر صلوٰۃ کا اسکا ترک اولیٰ سمجھا گیا ہے اُن کے علاوہ اور بھی عجیب عجیب حرکات ہین جو پیر پرستیان کہلاتی ہین اور لوازم تصوف سے شمار کیجاتی ہین۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ مختصر یہ ہے کہ اسطرح کی ساری کارروائیان حضرات تصوف پرور کی ایسی ہین کہ نہ رسول اللہ کو اور نہ اہل سنت کے خلفاے راشدین کو اور نہ صحابہ کو اور نہ اہل تشیع کے دوازدہ امام اور نہ اہل بیت نبوی کے کسی فعل یا قول کیساتھ انطباق کی صورت رکھتی ہین۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تصوف نے زمانہ بنی اُمیہ اور بنی عباس مین ایجاد پایا اس تصوف کے ایجاد سے مطلب یہ تھا کہ اسکی وجہ سے عوام کالانعام مذہب اہل سنت کی طرف مائل رہین اور اہل بیت نبوی کے فضائل کیطرف رخ کرنیکا موقعہ نہ پائین عوام کے گرفتار کرنیکا بڑا زبردست آلہ مکاشفہ ہے۔ یہ در حقیقت کوئی بڑی چیز نہین ہے۔ بقول ملا علی قاری مکاشفہ کافر اور مسلم دونون کو حاصل ہو سکتا ہے (دیکھو شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۷) خلاصہ سب کا یہ ہے کہ راقم کی دانست مین بہترین تصوف پیروی خدا و رسول و ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی ہے ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا
توان رفت جز در پئے مصطفےٰ

واضح ہو کہ فرقۂ امامیہ مین بھی تصوف ہے مگر فرقۂ امامیہ کا تصوف شرع محمدی کے خلاف ایک جو

برابر بھی نہین ہی امامیہ بھی اولیاء اللہ کی قایل ہین مگر نہ اُس بدحواسی کیساتھ جیسا کہ متصوفین اہل سنت کچھ جاتی ہین صوفی فرقہ شیعہ مین بہت گذرے ہین ۔ مثلاً صدر الدین شیرازی ۔ عبد الرزاق لاہیجی ۔ ملا محسن کاشی حافظ رجب برسی وغیرہ ۔ قاضی نور اللہ شوشتری کی کتاب مجالس المومنین مین تو ایک اچھی فہرست شیعہ متصوفین کی دیکھی جاتی ہی ۔ انمین قابل ذکر اسمائی گرامی یہ ہین ۔ محی الدین ابن العربی ۔ امام غزالی ۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ۔ نجم الدین کبریٰ ۔ بایزید بسطامی ۔ جلال الدین رومی ۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی خواجہ حافظ شیرازی ۔ فرید الدین عطار ۔ سید اشرف الدین جہانگیر کچھوچھہ ۔ سید معین الدین چشتی اجمیری یہ ان بزرگوار وہین سی اکثر ضرورت وقت کی باعث پابند تقیہ تھی اسی لئے اہل سنت نی انہین سنی تصور کرلیا ہی اسوقت بھی شیعان صوفی طریقت موجود ہین فرقہ کشفی سید کاظم رشتی کا اور فرقہ شیخی شیخ احمد الحساوی کا نام لیوا ہین ۔ اسی طرح ایران مین فرقہ خاکسار ہی ۔ اور ابھی تک انمین پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہی یہان پر امام غزالی کی نسبت یہ عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہی کہ ابتدا مین آپ سوفسطائی تھی یعنی کسی فرقہ اسلام کی پابند نہ تھی جب مسلمانی اختیار کی تو حنفی ہی اسکی بعد شافعی ہوگئی پھر صوفی طریقت ہوگئی آخر مین مذہب اہل بیت اختیار کیا یہی وجہہ ہی کہ آپکی تصنیفات مختلف وقتون کی مختلف رنگ رکھتی ہین ۔ محقق کا یہی حال ہوتا ہی کہ اسکی خیالات مذہبی مین انقلابات پیدا ہوتی رہتی ہین آخر کار جب اسکی تحقیق کا زمانہ ختم ہوجاتا ہی تو وہ اپنی تحقیق کردہ مذہب مین دکھائی دیتا ہی ۔ تحقیق سی معلوم ہوتا ہی کہ امام غزالی کا خاتمہ مذہب اہل بیت یعنی مذہب امامیہ پر ہوا مَنْ یَّهْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ الحمد للہ کہ راقم کا مذہب آخر بھی امامیہ ہوا اور انشاء اللہ تعالی اسی پر راقم کا خاتمہ بالخیر بھی ہوگا ۔

اب ہم تصوف کی بحث کو مختصر کردیتے ہین اس لئے کہ اس کتاب مختصر مین اسکی گنجایش امکان نہین رکھتی ہی ۔ والسلام ۔ علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدیٰ

حضرت ابوبکرؓ کی امامتِ نماز

جناب رسول خداؐ جب مرض الموت مین مبتلا ہوئی تو آپکی امت سی اور آپ سی دو امر مین مخالفت کی صورت پیدا ہوئی ایک بشکل قصہ قرطاس اور دوسری بشکل جیش اسامہ جیسا کہ ان دونون مخالفتون کی حالات بسبیل اختصار قبل مین عرض ہوچکی ہین لیکن اتنا اس جگہہ حوالہ قلم کردینا خلاف موقعہ نہین ہی کہ ان دونون معاملات مخالفت سی جناب رسول خداؐ کو سخت ملال لاحق ہوگئی تھی ۔ جیسا کہ مسلمانون کی اس درخواست پر کہ حالت مرض مین زیارت کی اجازت دیجائی آنحضرت نی بقول ابو الفدا جواب مین یہ فرمایا تھا کہ میری بیماری کی مصیبت تمھاری موجودگی کی اعتبار سی کم ہی ۔ بالیقین ایسا معلوم ہوتا ہی کہ آنحضرت اپنی امت کی طرف سی بہت آزردہ خاطر عالم جاودانی کو سدھارے ۔ اس سی زیادہ کیا خفگی کی صورت ہوسکتی

ہی کہ اپنے مرض الموت مین نہ مسلمانون کو زیارت کی اجازت دی نہ اُنکی عیادت گوارا فرمائی اور نہ اُنسے تیمارداری کی خدمت
لینا پسند فرمائی - ہرچند مورخین نے ایسی درخواست کرنے والون کے نام اپنی تصانیف مین درج نہین کیے - مگر عقل
بتادیتی ہی کہ آنحضرت کو ایسے رنج دینے والے کون کون مسلمان حضرات ہو سکتے تھے - ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ یہ وہی
حضرات مسلمان ہونگے جو قصۂ قرطاس اور جیش اُسامہ سے تعلق رکھتے تھے - جناب رسولؐ خدا کو وقتِ آخر کے معاملات
پر نظر ڈالنے سے اسکا یقین ہوتا ہی کہ اگر آنحضرتؐ دو چار سال اور بھی بقید حیات رہتے تو مسلمانان وقت کھلے کھلے طور
پر آپ سے روگردانی اختیار کرلیتے روگردانی کی پولیٹیکل ابتدا جیش اُسامہ کے تخلف سے ہوگئی تھی - آیندہ کس حد تک
مسلمانون کا تخالف پہنچ جاتا اسکو کوئی نہین کہہ سکتا مگر تخالف کا پیدا ہو کر مخالفت کا روبہ ترقی رہنا قرین قیاس
معلوم ہوتا ہی - بہرحال آپکے اسی مرض موت کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کی امامت نماز کا بھی معاملہ ہی جس سے حضرات اہل
سنت اُن حضرات کی خلافت کو حق ثابت کرتے ہین - خود یہ معاملہ کیا وزن رکھتا ہی - اہل دانش سے پوشیدہ نہین ہی
حضرات اہل سنت فرماتے ہین کہ جب وقت آخر مین جناب رسولؐ خدا کو شدت مرض سے بہت تکلیف لاحق ہوگئی
اور آپ فرطِ ضعف سے اس قابل نہ رہے کہ مسجد نبوی مین جاکر امامتِ نماز فرما سکین تو آپنے حضرت ابوبکرؓ کو امامت
نماز کیلیے کہلا بھیجا اور حضرت ابوبکرؓ نے حسب ارشاد آنحضرت امامت نماز فرمائی پس یہ شرف ایسا ہی کہ جو حضرت
ابوبکرؓ کی جانشینی کے بحق ہونیکے لیے ثبوت کافی ہی - آیا امامتِ مسجد دلیل خلافت ہو سکتی ہی یا نہین اہل فراست اسکی
تجویز کرین - مگر یہان امر امامت ہی امر نزاعی نظر آتا ہی ایک ابن خلدون حضرت ابوبکرؓ کی امامتِ نماز کا قائل
دکھائی دیتا ہی - ورنہ طبری - اعثم کوفی صاحب مناقب مرتضوی صاحب حیات القلوب وغیرہ تمام تر ابن خلدون
سے اس امر مین بیّن طور پر اختلاف رکھتے ہین - خلاصہ اس مورخ کی تحریر کا یہ ہی کہ جب حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑہانے
کا حکم آنحضرت کیطرف سے ملا تو آپنے نماز پڑہانا شروع کردی آپ نماز پڑہا ہی رہے تھے کہ آنحضرت درد مرض کو کم ہوجانیسے
مسجد مین تشریف لائے حضرت ابوبکرؓ نے پیچھے ہٹنے کا قصد کیا - آنحضرت نے اپکا مونڈھا پکڑ کر دبا دیا جس سے آپ اپنی جگہ
سے ہٹ نہ سکے اور خود آنحضرت آپکے پہلو مین بیٹھکر نماز پڑہنے لگے حتی کہ آپ نے نماز تمام کی آپکی امامت نماز کا یہ
بیان پورے طور پر تشفی بخش نہین معلوم ہوتا - اسلیے کہ جناب رسولؐ خدا کا مسجد مین اس طور پر تشریف لانا کہ شدت مرض
کے باعث اپنے پاؤن چل نہین سکتے تھے اور اس سبب سے اپکو دو عزیزون کے سہارے سے مسجد مین لائے گئے تھے درحالیکہ آپکے پای مبارک
نقاہت سے گھسٹتے تھے صرف اتنی غرض سے تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز ادا کرتے تمام تر بعید از عقل و قیاس ہی ایسی ناتوانی
کی حالت مین آنحضرتؐ کا حضرت ابوبکرؓ کی مونڈھے کو دبا دینا بلاشبہ ایک اور بھی طرفہ مضمون ہی اور طرفہ تر مضمون آنحضرت کا
حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز کا پڑہنا ہی - اُس حالت مین کہ حضرت ابوبکرؓ جیش اُسامہ کی شرکت کے حکم کو بجا نہ لائے تھے اور نہ
وہ حکم آپسے آنحضرت نے واپس لیا تھا - ابن خلدون کو لازم تھا کہ جناب رسولؐ خدا کی اقتدا کیے نماز کی وجہ کو واضح
طور پر حوالہ قلم کرتا - اُس تحریر سے اتنا ظاہر ہوتا ہی کہ جناب رسولؐ خدا کو کوئی خاص آرزو حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز
پڑہنے کی تھی جو ایسی حالت بیماری مین دو آدمیون کے سہارے سے نہایت پریشانی کے ساتھ مسجد مین تشریف لائے -

لیکن کوئی ایسی آرزو جناب رسولِ خدا کو کیون تھی اسکی نسبت یہ مورخ کچھ نہین حوالۂ قلم کرتا ظاہرا یہ قرین قیاس نہین معلوم ہوتا کہ یہ آرزو ہو کہ حضرت رسولِ خدا حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کو ایسی تکلیف جسمانی کی حالت مین تشریف لائے ہون بلکہ زیادہ تر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی امامت نماز کو روک دینے کو یہ تکلیف سخت گوارا فرمائی تھی۔ طبری کی تحریر راقم کے خیال بالا کی پوری تائید کرتی ہے۔ یہ مورخ لکھتا ہے کہ جب حضرت رسولِ خدا مسجد مین تشریف لائے تو نمازیون نے نہ صرف امامت ابوبکرؓ کی نیت توڑ ڈالی بلکہ خود حضرت ابوبکرؓ نے بھی نماز توڑ دی" طبری کی اس تحریر سے یہ بات نہین ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر کو کوئی حکم امامت نماز کا حضرت رسولِ خدا کیطرف سے ملا تھا اگر کوئی ایسا حکم ملا ہوتا تو آپ کیون نماز توڑ ڈالتے اسکی تائید صاحب مناقب مرتضوی کی تحریر سے ہوتی ہے۔ یہ صاحب لکھتے ہین کہ " امامت مسجد کا حکم جناب رسولِ خدا کیطرف سے نہ تھا بلکہ حضرت عائشہ کے ایما سے تھا کیونکہ اگر جناب رسولِ خدا کا حکم ہوتا تو خود آنحضرت باہر تشریف نہ لاتے" اس تحریر کی تائید صاحب حیات القلوب کی تحریر سے بھی ہوتی ہے جو فرماتے ہین کہ حضرت عائشہ نے ابوبکرؓ کو علالت جناب رسولِ خدا کی وجہ سے لشکر اسامہ کیساتھ جانے سے روکا اور جب مرض کی زیادتی ہوئی تو ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کیلئے کہلوا دیا اسکے بعد یہ مصنف گرامی لکھتے ہین کہ جب حضرت ابوبکرؓ مسجد مین گئے تو لوگون نے پوچھا کہ آپکو کسنے بھیجا ہے آپنے کہا حضرت بلالؓ نے کہا ٹھہرو مین دریافت کرآتا ہون۔ بلال گئے اور فضل ابن عباس سے ملاقی ہوئے فضل نے پوچھا کہ کیا ابوبکرؓ جیش اسامہ کے ساتھ نہین گئے۔ اسکے بعد حضرت رسولِ خدا حقیقت حال سے واقف ہوئے اور مسجد مین تشریف لائے۔ الختم کوئی بھی ان مصنفان نامی کا ہم خیال پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات مصنفین کے سارے بیانات تمامتر قرین عقل وقیاس معلوم ہوتے ہین اور اہل عقل ورائے کے نزدیک پایۂ امتیاز رکھتے ہین۔ آخر مین عرض راقم یہ ہے کہ بندہ تمامتر حضرت عائشہ کو جمیع الزامات سے جو اس قصۂ امامت نماز سے متعلق ہین بری سمجھتا ہے۔ اگر حضرت عائشہ نے اپنے باپ کو اپنے مصالح خاص کی بناپر لشکر اسامہ کی شرکت سے روکا یا اپنے باپ کو امامتِ نماز کیواسطے کہلا بھیجا تو کوئی کام فطرت کے خلاف نہین کیا۔ فرزند فرزند ہے اور انسان انسان ہے۔ خدا نہین ہے۔ حضرت عائشہ ام المومنین ہین۔ آپکی جسقدر عزت وعظمت حضرت مولائے کائنات فرماگئے تھے۔ ہم غلامان مولی کا بھی فرض منصبی ہے کہ اس مین ذرہ برابر کمی نکرین۔ باقی رہا حضرت ابوبکر کی امامتِ نماز کو اپنی حقیت کا ثبوت سمجھنا عقل سے دشمنی کرنا ہے۔ جو حضرات ایسا کرتے ہین اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ کا مصداق اپنے آپ کو بناتے ہین یعنی مرتا کیا نکرتا۔ تنزلاً اگر جناب رسولِ خدا نے امامت مسجد کا حکم حضرت ابوبکرؓ کو دیا ہے اور پھر خود بھی حضرت کیساتھ اقتدائے نماز کی تو اس سے حقیت حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی کیونکر ثابت ہو سکتی ہے۔ مدارج النبوۃ اور روضۃ طاہر صفحہ ۱۲ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے عبدالرحمن بن عوف کے پیچھے بھی نماز پڑھی تھی اگر ایسی ہی امامت مثبت خلافت ہے تو عبدالرحمن مذکور کو حضرت ابوبکرؓ سے پہلے خلیفہ قرار پانا تھا۔ راقم ذیل مین کچھ حدیثین بھی درج ہذا کرکے ان پر رائے زنی کی جرأت کرتا ہے۔ بخاری کی جلد ۱ صفحہ ۳۸ سے بروایت انس بن مالک یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے روز دوشنبہ کی نماز صبح مین امامت کی اور یہ اس خیال پر کہ حضرت

رسول خدا کو مسجد مین تشریف لانیکی قوت حاصل نہتی - مگر ناگاہ پردہ حجرہ کو سرکا کر آپنے ملاحظہ فرمایا - اور حضرت ابو بکرؓ نے خیال کیا کہ شاید جناب رسول خدا آنا چاہتے ہین اسلئے صف چھوڑنیکا قصد کیا لیکن حضرت رسول خدا نے اشارہ سے کہا کہ اپنی نماز کو تمام کرو - واضح ہو کہ اس روایت سے حضرت ابو بکرؓ کا امامت کرنا خود رائی سے معلوم ہوتا ہے اگر حضرت ابو بکرؓ جناب رسول خدا کی طرف سے امامت کیلئے مامور ہوئے ہوتے تو صف چھوڑنیکا قصد کیون کرتے ؟

بخاری کی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ سے بروایت سہل بن سعد الساعدی ہویدا ہوتا ہے کہ نماز عصر کو حضرت ابو بکرؓ نے امام ہو کر پڑھا اور حضرت رسول خدا نے حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے اقتدا کی اور جب حضرت ابو بکر کو حضرت رسول خدا کی موجودگی کا علم ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے جدا ہونیکا ارادہ کیا - اسپر حضرت رسول خدا نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہہ پر رہو - واضح ہو کہ اس حدیث مین حضرت رسول خدا کا اقتدا فرمانا اُن احادیث صحاح ستہ کے خلاف نظر آتا ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ ماموم سے امام کو افضل ہونا چاہئے ایسی صورت مین کہ حضرت رسول مقتدی بنے تو نماز بہ اقتدائے مفضول کیون کر جائز ہوئی - علاوہ اسکے حضرت ابو بکرؓ کی غلطی تسبیح و تصفیق پر آنحضرت نے اصلاح فرمائی - تو امام کی غلطی کیساتھ ماموم کی نماز کیونکر درست ہو سکی بڑی حیرت کا مقام ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو نماز بھی صحیح طور پر نہ آتی تھی - آپ نماز نسوان و رجال کے فرق سے بیخبر تھے اس پر بھی علامہ سیوطی آپکو بحوالہ قول نووی اَعْلَمُ الصَّحَابَۃِ وَاَذْکَاھُمْ تحریر فرماتے ہین - ہائے علی ہائے علی - بیشک آپکی قدردان عرب کی جاہل قوم نہین ہو سکتی - مگر تعجب ہے اُن پڑھے لکھے جہل مرکب جاہلون سے جو آپکو چھوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کو اعلم الصحابہ قرار دیتے ہین - واضح ہو کہ اس حدیث مین نماز عصر کے وقت حضرت ابو بکرؓ کی امامت بیان کیجاتی ہے اسکی پہلی حدیث مین نماز صبح کا وقت درج ہے سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۳۴ مین جو حدیث امامت نماز حضرت ابو بکرؓ کی مشتمل ہے وہ بخاری کی حدیث بالا کی طرح ہے -

بخاری کی جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ - اور نیز بخاری کی جلد ۱ صفحہ ۳۷ و صفحہ ۳۸ و صفحہ ۳۹ کی حدیثون سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ جناب رسول خدا نے اپنے مرض الموت مین فرمایا کہ کہو ابو بکرؓ کو کہ نماز پڑھائین - تب مین نے عرض کی کہ یا حضرت - ابو بکرؓ بہت رقیق القلب ہین فرط بکا سے آپکی جگہہ پر قیام نکر سکین گے - آپ حضرت عمرؓ کو فرمایئے کہ وہ امامت کرین - اسکے بعد حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ اس امر مین تم حضرت رسول خدا کو سمجھاؤ حضرت حفصہ نے ایسا ہی کیا - مگر اسپر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اصرار اور ہمکلامی مین عاشقان حضرت یوسفؑ کی مانند ہو کہو ابو بکرؓ کو نماز پڑھائین - واضح ہو کہ اس امامت نماز کی راوی صرف حضرت عائشہ ہی نظر آتی ہین - کیونکہ اور کسی نے روایت نہین کی یہ تعجب سے خالی نہین ہے -

بخاری کی جلد ۲ صفحہ ۳۷۹ مین یہ حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ مین جناب رسول خدا کو اپنے باپ کی خلافت کی طرف رجوع کراتی تھی - اس حدیث سے حضرت عائشہ کی نیت کا خوب پتہ لگتا ہے - بس روایت بالا انکی عقلاً قابل قبول نہین معلوم ہوتی -

جاننا چاہئے کہ حضرت ابو بکرؓ کی امامت نماز کے وقت مین اختلافات کثیر دیکھے جاتی ہین سیرۃ الحلبیہ جلد ۳

صفحہ ۵۹۴ اور تاریخ خمیس کی جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز عشا کیساتھ حضرت ابوبکرؓ کی نماز امامت کو تعلق ہے۔ واضح ہو کہ بخاری مین بہت سی حدیثین حضرت ابوبکرؓ کی امامت نماز کے بارے مین دیکھی جاتی ہین اور وہ سب پُر از اختلاف نظر آتی ہین کسی سے حضرت رسولؐ خدا کا اقتدا کرنا ظاہر ہوتا ہے اور کسی سے اقتدا نکرنا ظاہر ہوتا ہے کسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت رسولؐ خدا کیساتھ اقتدا کی اور نمازیون نے حضرت ابوبکرؓ کیساتھ اقتدا کی یعنی ایک نماز مین دو امام اور دو اقتدا والے بتلائے جاتے ہین پھر حضرت رسولؐ خدا کے روز وفات مین اختلاف دیکھا جاتا ہے یعنی مشہور روز انتقال دوشنبہ ہے مگر بخاری کی ایک روایت سے شنبہ روز وفات ظاہر ہوتا ہے بخاری کی روایت سے وقت انتقال عشا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ترمذی کی روایت سے ظہر معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضرت عائشہ کی ایک روایت بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے اپنے گھر مین نہ کہ مسجد مین شدت مرض کے باعث نماز پڑھی اور نمازیون نے اقتدا کی۔ اس روایت سے حضرت رسولؐ خدا کا اقتدا فرمانا حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بیکار ہوا جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ خود بخاری کی روایتین اختلاف سے خالی نہین ہین۔ اب صحیح ابوداود کی جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ کو دیکھیے تو بروایت عبداللہ بن زمعہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کہو کسی کو کہ نماز پڑھائے۔ پس عبداللہ آدمیون کے مجمع کی طرف گئے اور اس مجمع مین حضرت عمرؓ کو پایا اور حضرت ابوبکرؓ وہان نہ تھے۔ تب عبداللہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے عمر آپ نماز پڑھائیے۔ حضرت عمرؓ نے امامت کی اور حضرت رسولؐ نے حضرت عمرؓ کی آواز جو بہت کریہ اور کڑی تھی سنی۔ اسپر آپنے فرمایا کہ ابوبکرؓ کہان ہین۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کی امامت کے ختم ہونیکے بعد آئے اور از سر نو حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔ تعجب ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے پہلے تو حکم دیا کہ کوئی شخص نماز پڑھائے لیکن حضرت عمرؓ نے امامت کی تو حضرت ابوبکرؓ بلائے گئے اور حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔ بہر حال اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت رسولؐ خدا کی اجازت کے بغیر امامت کی۔ ترمذی کی حدیث صفحہ ۱۴۱ سے جسکے راوی سالم ہین ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم نماز دیا۔ مگر حضرت رسولؐ خدا کی یہ حالت شدت مرض سے ہو رہی تھی کہ غش پر غش آرہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے امامت کی مگر حضرت رسولؐ خدا شریک نماز نہو سکے اور رحلت فرما گئے۔ مگر قسطلانی کی جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ سے عیان ہوتا ہے کہ حضرات شیخین اسوقت حضرت رسولؐ خدا کے نزدیک موجود نہ تھے اسامہ کے لشکر کیساتھ مدینہ سے باہر جا چکے تھے۔ ایسی حالت مین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی پیش نمازی چہ معنی دارد۔ کتاب المغازی کی جلد ۱ صفحہ ۱۷ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تم لوگ حضرت عمرؓ کو کہ نماز پڑھائین پس بلال نے جاکر حضرت فاروق سے کہا کہ حضرت رسولؐ خدا نماز کو فرماتے ہین۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسے نہو گا کہ مین حضرت صدیق کے رہتے نماز پڑھاؤن۔ تب بلالؓ حضرت رسولؐ خدا کے پاس واپس گئے اور عرض کی کہ حضرت ابوبکرؓ دروازے پر کھڑے ہین اور حضرت عمرؓ کی تقریر کو بھی بیان کیا۔ اسپر حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اچھا جیسی رائے اُن صاحبون کی ہو۔ کہو کہ ابوبکرؓ ہی نماز پڑھائین اور حضرت ابوبکرؓ نے آٹھ دن تک نماز پڑھائی۔ ظاہر ہے کہ یہ روایت بھی صحیح ابوداود کی روایت عبداللہ سے مطابق نہین کھاتی (دیکھو روایت بالا) المختصر روایات بالا مین اختلافات پائے جاتے ہین اور وہ اختلافات یہ ہین۔

نمبر ۱- کسی روایت مین حضرت ابوبکرؓ کا روز امامت دوشنبہ اور کسی مین شنبہ مذکور ہے- نمبر ۲- کسی روایت مین وقت امامت صبح اور کسی مین ظہر اور کسی مین عشا بیان کیا جاتا ہے- نمبر ۳- کسی روایت سے اقتدا کرنا حضرت ابوبکرؓ کا اور کسی روایت سے اقتدا کرنا حضرت رسولؐ خدا کا ظاہر ہوتا ہے- نمبر ۴- کسی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت رسولؐ خدا کی اجازت سے امامت کی اور کسی سے بلا اجازت امامت کرنا ظاہر ہوتا ہے- نمبر ۵- کسی روایت مین حضرت عمرؓ کا امامت کرنا درج دیکھا جاتا ہے- نمبر ۶- قیام وقعود مقتدی و امام مین اختلاف دیکھا جاتا ہے- نمبر ۷- مقام نماز بھی اختلاف سے خالی نہین ہے کسی روایت مین حجرہ مین نماز جماعت کا ہونا مذکور ہے اور کسی روایت مین مسجد مین- نمبر ۸- ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا شدت مرض مین حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کی اعانت سے مسجد مین تشریف لائے- پس جس حال مین کہ آنحضرت کو منظور تھا کہ نمازی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اقتدا کرین تو حضرت رسولؐ خدا کو پھر مسجد مین تشریف لانیکی کیا ضرورت تھی- نمبر ۹- چند روایتون سے حضرت ابوبکرؓ کا حضرت رسولؐ خدا کی اجازت کے بغیر امامت کرنا ظاہر ہوتا ہے- صرف حضرت عائشہ کی ایک روایت سے حضرت ابوبکر کا نماز پڑھانا حضرت رسول کی اجازت سے عیان ہوتا ہے- مگر یہ حدیث قابل اعتماد نہین معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ حضرت عائشہ اپنے والد بزرگوار کی خلافت کیلئے بڑی کوشان تھین جیسا کہ اوپر خود آپ کے قول سے دکھلایا جاچکا ہے تعجب ہے کہ ایک حضرت عائشہ اپنے باپ کی اجازت امامت کی راوی ہین مگر کسی اور شخص نے اس مضمون کی روایت نہین بیان کی حالانکہ نماز باجماعت تھی اور تیمارداری کیوجہ سے عزیزان و اقربان و اصحاب جناب رسولؐ کے پاس ہی رہا کرتے تھے انمین سے کوئی شخص بھی تو حضرت عائشہ کی روایت کا ساتھ دیتا ایسی صورت مین خبر واحد اور وہ بھی اسطرح کی خبر واحد کیونکر قابل پذیرائی ہوسکتی ہے نمبر ۱۰- جب حضرت رسولؐ خدا کا یہ فرمودہ ہے کہ مصلی کا قیام وقعود امام کے قیام وقعود پر موقوف ہے پس ایسی حالت مین کہ جب حضرت رسولؐ خدا امامت فرمائین نشستہ اور نمازی سب حضرت ابوبکرؓ کے قیام کے باعث جلوس نکرین تو کیس قسم کی نماز تھی قسطلانی نے بھی اعتراض کیا ہے اور خوب اعتراض کیا ہے- نمبر ۱۱- اکثر ناقلین سیر و اخبار کہتے ہین کہ حضرات شیخین لشکر اسامہ کیساتھ روانہ کئے گئے تھے جیسا کہ قسطلانی کی فحوای تحریر سے بھی ظاہر ہوتا ہے تو پھر یہ پیش نمازی کی روائتین کیسی ہین- نمبر ۱۲- کسی روایت مین ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے پیش نمازی کی اور لکھوادی گئی- اور کسی روایت مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے امامت کی اور برطرف کردئے گئے کسی روایت مین دیکھا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت رسولؐ خدا کی اجازت سے امامت کی مگر خود حضرت رسولؐ خدا اس اجازت دہی کے بعد بھی مسجد مین چلے آئے- پھر ایک روایت مین ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت رسولؐ خدا نے پیچھے کھینچ کھڑا کیا پھر ایک روایت مین ہے کہ حضرت ابوبکرؓ مکبر بنے پھر ایک روایت مین ہے کہ جانب چپ کھڑے ہوئے- مختصر یہ ہے کہ ایک حضرت ابوبکرؓ کی امامت کیا ہے تو وہ طوفان ہے اور سارا مطلب اس امامت کا صرف اسیقدر ہے کہ اس امامت سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حق سمجھی جائے لیکن جب ایک بار قبل مین حضرت رسولؐ عبدالرحمن بن عوف کے پیچھے اقتدای نماز کرچکے تھے اور جب اقتدائے نماز ہی استحقاق خلافت

کا ذریعہ ہو سکتی ہے تب عبدالرحمن بن عوف نے کیا قصور کیا تھا کہ خلافت سے محروم رہ گئے۔ یہ معاملہ بھی عجب حیرت انگیز ہے کہ حضرات اہل سنت کے نزدیک پیش نمازی اور امامت جماعت کوئی باوقعت منصب نہیں ہے کہ ہر نیک و بد کیلئے اسکی اہلیت حاصل ہے۔ وہ حضرات اسطرح لکھتے ہیں کہ صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ۔ پس اگر یہ بات مان بھی لیجائے کہ حضرت ابوبکرؓ نے نماز جماعت پڑھائی یا رسول اللہؐ نے انسے پڑھوائی یا خود اقتدا فرمائی تو اسمیں فخر کیا ہو گیا پیش نماز تو ہر نیک و بد ہو سکتا ہے۔ بہرحال پیش نمازی کسی نیکی یا عزت یا شرف کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ مگر حیرت انگیز ہے کہ اس واقعہ کو اسلئے کہا کہ یا تو پیش نمازی نیک نفسی کے ثبوت سے بھی قاصر تھی یا وہی پیش نمازی خلافت ایسے منصب جلیل کی صلاحیت کی دلیل ہو گئی۔ یہ عجیب معمہ ہے

سادات کرام کا لونڈی بچہ قرار دیا جانا

تحریر ذیل کے حوالہ قلم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے ایک کرم فرما جو کسی زمینداری کے مینیجر یعنی منتظم ہیں اور انہیں خاص طور پر کتب بینی کا مشغلہ بھی رکھتے ہیں ایک روز مجھسے فرمانے لگے کہ یہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت خاندان پیغمبر کی مقبولہ تھی اسلئے اسکے برحق ہونے میں کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی اگر مقبولہ نہوتی تو حضرت علیؑ غنائم جہاد میں سے حصہ نہ لیا کرتے اور حضرت شہربانو کو جناب امام حسین اپنے تصرف میں نہ لاتے۔ مینیجر صاحب موصوف کا یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے عموماً ہر مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ جب حضرت شہربانو جہاد کے ذریعہ سے قیدی کی حیثیت میں آئیں اور چونکہ جہاد کی قیدی عورتوں کے ساتھ تمتع کیلئے نکاح کی کوئی حاجت نہیں ہے تو جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس آپ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کی حیثیت سے رہیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ انکے بطن سے جو اولاد ہوئی اور اسوقت تک جو آپکی اولاد در اولاد موجود ہے سب کی سب ولد الجاریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس مواصلت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان پیغمبر غنائم جہاد میں شرکت کرتی تھی جس سے حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت حق ثابت ہوتی ہے یعنی اگر اہل بیت نبوی خلافت ثلثہ کو باطل جانتے تو غنائم جہاد میں شرکت نکرتے۔ واضح ہو کہ پیروان علیؑ کا عقیدہ خلافت حضرات خلفائے ثلثہ کی نسبت بیشک یہ ہے کہ ان حضرات خلفا کی خلافت حق نہیں ہے۔ مگر اسکے ساتھ اس فرقہ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ جتنی اسلامی کارروائیاں ان تینوں حضرات خلفا کے وقت میں ہوتی گئیں سب کی سب کو ناجائز سمجھنا چاہیے بلکہ جو جو کارروائیاں جائز مانی جانے کے قابل تھیں ان کو جائز ماننا چاہیے اور جو اس قابل نہ تھیں انکو ناجائز ماننا چاہیے مثلاً اگر کسی خلیفہ کے وقت میں کوئی مسجد تعمیر ہوئی تو یہ مسجد ناجائز شے نہیں قرار دیجا سکتی یا اگر کسی خلیفہ کے وقت میں کسی صوبۂ اسلام کی مالگذاری ترقی پذیر ہوئی تو یہ ترقی ناجائز نہیں مانی جا سکتی یا اگر کسی خلیفہ کے وقت میں کوئی ملک فتح ہوا تو اس فتح کو ناجائز نہیں کہیں گے پھر اس فتح کیساتھ مال غنائم بھی جو حاصل ہوا تو اسپر لفظ ناجائز کا اطلاق نہ ہو گا۔

اسیطرح ہزاروں باتیں ہیں کہ خلیفہ غیر برحق کے ہاتھ سے عمل میں آسکتی ہیں۔ مگر اسلام سے خلاف نہونیکی حالت

مین پیروانِ علیؑ کو اُن کی جائز مانی جانی سے انکار نہین ہوسکتا اس اصول کی پابندی سے حضرت علیؑ کا مال غنائم سے حصّہ لینا کوئی امر مذہب اہل تشیع کے خلاف متصور نہین ہوسکتا حضرت علیؑ کی اس کارروائی سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ حضرت علیؑ ان خلافتون کو امر حق سمجھتے تھے اسلیے مال غنائم مین سے حصّہ لیا کرتے تھے۔ آپ کا ان خلافتون کو غیر حق سمجھنا اور اصول پر تھا اور مال غنائم مین شریک ہونا اور اصول پر جای غور ہے کہ جب حضرت علیؑ مسند آرای خلافت ہوئے اُس وقت تک بہت سے ملک کفار کے بلاد اسلام مین فتوحات کے ذریعہ سے داخل ہوچکے تھے خلیفہ ہوکر آپنے ان ملکون کو داخل خلافت رکھا۔ ہرگز یہ نہین فرمایا کہ یہ ملک سب خلفای ثلثہ کے وقت مین فتح ہوئے ہین ان ملکون کو انکے سابق کے فرمانرواؤن کو واپس دیدو اور اسیقدر ملکون کو خلافت سے متعلق رکھو جو حضرت رسولؐ خدا کی رحلت کے وقت بلاد اسلام مین داخل تھے۔ راقم نے منیجر صاحب موصوف سے مثالاً یہ کہا کہ اگر موقعہ وقت سے ایسا ہو کہ آپ اپنے مالک کے سب علاقون کو غصباً اپنا خالصہ کرڈالین اور ایک عرصہ دراز تک اُسپر قابض رہکر اُن علاقون مین خوب گل اندازی کرائین۔ نہرین چاہ تالاب وغیرہ تعمیر کرائین۔ مکانات کچہری اور انبار خانہ کے بنوائین۔ پھر نئے نئے علاقہ خرید کر کے اسٹیٹ مین داخل کرین اور اپنے حسن انتظام سے اُن علاقون کو نہایت خوش حیثیت کرڈالین مگر ایک وقت ایسا آجائے کہ یہ علاقہ آپکے بیدخل شدہ مالک کے قبضہ مین حق بحق دار رسید کے طور پر واپس ہوجائے تو کیا آپ کے مالک کو اسکی شرعی یا عرفی مجبوری لاحق ہوگی کہ وہ صاحب آپکے تمام انتظامات کو بدل ڈالین۔ مثلاً آپ نے جسقدر سامان سیرابی مواضع اور اُنکی آبادی کے کیے ہون یا نئے زمینداریان داخل ریاست کی ہون یا جتنے ٹھیکے پٹے وغیرہ کی کارروائیان عمل مین لائے ہون سب کی سب کو آپکے مالک غت ربود کرکے ریاست کی پہلی حیثیت کی طرف عود کرنا گوارا کرین۔ کوئی آدمی صحت دماغی کیساتھ اسطرحکی مجنونانہ کارروائیون کو اختیار نہین کرسکتا۔ آپکا قبضہ جو کچھ اُس ریاست پر مخالفانہ اور غاصبانہ رہا ہو مگر آپکی معقول کارروائیان نامعقول نہین سمجھی جاسکتین اسی پر معاملہ خلافت اور اسلام کے فتوحات وانتظامات اور حضرت علیؑ مرتضیٰ کی شرکت غنائم وغیرہ کو قیاس کر لیجیے۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ جناب پیغمبر خداؐ کے لونڈی بچہ ہونیکے الزام کو اپنی کوشش بلیغ سے غفران مآب نواب عارف جنگ سر سید احمد خان صاحب بہادر نے دور دفع کرنیکا شرف حاصل کیا ہے سر سید مرحوم نے اطمینان تمام کیساتھ ثابت کردیا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی ہاجرہؑ کسی طریقہ سے لونڈی نہ تھین بلکہ شاہزادی تھین اور اب یہ آثم دکھلاتا ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت شہربانو بھی لونڈی نہ تھین بلکہ شاہزادی اور جناب امام حسین علیہ السلام کی منکوحہ بی بی تھین۔ یہ عجیب بات ہے کہ اہل غرض حضرات خلفای ثلثہ کی خلافتون کو حق ثابت کرنے مین ایسے غرق ہوجاتے ہین کہ انھین پھر کسی پہلو کا لحاظ ہی نہین رہتا۔ قرآن شریف کی بلاغت یا نحو اگر بالائے طاق ہوجائے تو ہوجائے احکام قرآنی غت ربود ہوجائین تو ہوجائین۔ جناب رسولؐ خدا کی توہین ہوجائے

تو ہو جائے مگر کسی طرح خلفائے ثلثہ کی خلافت برحق ثابت ہو جائے۔ خدارا کیسی بات ہے حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت
حق ثابت کرنیکو کون منع کرتا ہے۔ مگر راہ تحقیق مین بے اعتنائیون اور بے اعتدالیون کو دخل دینا کسی محقق کا کام نہین
ہے اعتراض پیش نظر کرنے سے صرف یہی نہین ظاہر ہوتا کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام (معاذ اللہ) لونڈی
بچہ تھے بلکہ آپ نعوذ باللہ ولد الحرام بھی قرار پاتے ہین منیجر صاحب موصوف کا ایسا ہی خیال تھا۔ مگر صاحب موصوف
کو بڑا تعجب گذرا جب آثم نے انسے کہا کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کے ناحق ہونیکی صورت مین بھی جناب امام
حسین کی مواصلت حضرت شہر بانو کیساتھ ناجائز نہین قرار دیجا سکتی جیسا کہ اوپر حوالہ قلم ہو چکا ہے اور ضروریات
یہ ہے کہ لونڈی کی حیثیت سے حضرت شہر بانو جناب امام حسین علیہ السلام کے تصرف مین نہین لائی گئی تھین۔
واضح ہو کہ حضرت شہر بانو کے مدینہ مین اسیر ہو کر آنیکے زمانہ مین اختلاف دیکھا جاتا ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ
آپ حضرت علیؑ کے عہد مین تشریف لائین۔ شیخ ابن بابویہ لکھتے ہین کہ آپکا تشریف لانا حضرت عثمانؓ کی خلافت
کے زمانہ مین ہوا اور قطب راوندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین تشریف لائین۔ زمانہ آپکی تشریف
آوری کا کوئی بھی ہو مگر اہل غرض کا مدعا کسی پہلو سے ثابت نہین ہوتا حضرت علیؑ کی شرکت غنائم مورد اعتراض
نہین ہو سکتی جیسا کہ اوپر حوالہ قلم ہو چکا ہے ارباب انصاف کے نزدیک اُن حضرت کی شرکت غنائم سے حضرات خلفا
کی خلافت حق ثابت نہین ہوتی۔ فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت شہر بانو جیسا کہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ لکھتے ہین کہ
حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانہ مین مدینہ منورہ آئین۔ حضرت شیخ فرماتے ہین کہ جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام
کے بعد حضرت سید الساجدین امام زین العابدینؑ ہادی و پیشوائے خلق ہین ماں حضرت کی شاہ زنان یزدجرد بن
شہریار بن کسریٰ کی بیٹی ہین اور بعضون نے لکھا ہے کہ نام اُن کا شہر بانویہ ہے۔ جناب امیرؑ نے حریث بن جابر
جعفی کو پورب کے کسی ملک پر مامور فرمایا تھا۔ اُنہون نے وہان سے دو بیٹیان یزدجرد کی اسیر کر کے حضرت کی خدمت
مین بھیجین حضرت نے شاہ زنان یعنی حضرت شہر بانو کو جناب امام حسین علیہ السلام کو عطا کیا اور دوسری کو محمد
بن ابوبکرؓ کو دیا حضرت شہر بانو سے حضرت سید الساجدین امام زین العابدینؑ اور دوسری سے قاسم ابن محمد پیدا
ہوئے۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی تحقیق کی تائید جناب مولوی سید شاہ محمد کبیر صاحب ابو العلائی داناپوری رحمۃ اللہ
تعالیٰ کی تحقیق سے پورے طور پر ہوتی ہے۔ جناب شاہ صاحب غفران مآب اپنی کتاب معروف بہ تذکرۃ الکرام تاریخ
خلفائے عرب و اسلام کی تیسری فصل صفحہ ۲۵۵ مین اس واقعہ کو حضرت علی علیہ السلام کے عہد خلافت سے متعلق
بتاتے ہین۔ واضح ہو کہ یہ کتاب انگریزی اور فارسی کتابون سے منتخب کر کے تالیف کیگئی ہے اور منشی نولکشور کے
مطبع نامی مین چھپی ہے اسکے مصنف ایک معزز اہل علم اور صاحب تقویٰ نیز ایک ممتاز بزرگ صوفیان کرام
سے تھے جب جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ اور جناب حضرت شاہ صاحب کی تحقیق سے حضرت شہر بانو کا آنا عہد خلافت
حضرت علیؑ مین ثابت ہوتا ہے تو اس واقعہ کے متعلق کسی قسم کا اعتراض وارد ہی نہین کیا جاسکتا یعنی جس
طرح حضرت امیرؑ کے عہد کی ساری کاروائیان جائز مانی جائینگی آپ کے وقت کے جہاد بھی جائز مانے جائینگے اور

جب آپکے جہاد جائز مانے گئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام کا تعلق بھی حضرت شہربانو کیساتھ جائز مانا جائیگا
پس وہ اعتراض مخبر صاحب کا جو اس تعلق پر عاید ہوتا تھا اب عائد نہین ہو سکتا ہے اب راقم کو اسقدر اور ثابت
کرنا ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کا عقد حضرت شہربانو کیساتھ عمل مین لایا گیا یعنی حضرت شہربانو جہادی
لونڈیون کی طرح حضرت امام حسینؑ کے تمتع مین نہین لائی گئین ۔ واضح ہو کہ جناب شاہ صاحب
ممدوح رحمۃ اللہ تعالی اپنی تصنیف شریف کے اسی صفحہ بالا مین فرماتے ہین کہ حضرت امیر
المومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے زمانہ مین حریث بن جابر جعفی کو خراسان کے بعض شہرون کا
حاکم مقرر فرمایا تھا۔ حریث کو یزدجرد کی تین لڑکیان مہربانو و ماہ بانو و شہربانو غنیمت مین ملین اسنے انہین
حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت مین روانہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بادشاہ کی لڑکیان ہین
معزز شخصون کی خدمت مین ان کو دینا چاہیئے۔ چنانچہ مہربانو کو محمد ابن ابی بکرؓ کی زوجیت مین
دیا اور ماہ بانو کو عبداللہ ابن عمر کی زوجیت مین دیا اور شہربانو کو حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کی
زوجیت مین دیا اور انہی سے جناب امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جناب شاہ صاحب
ممدوح کی تحریر بالا سے عیان ہے کہ حضرت شہربانو کا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام کیساتھ عمل مین آیا
جیساکہ حضرت کا لفظ عوض زوجیت اس امر پر صاف صاف طور پر دال ہے۔ آپکا اس قول کی تائید شیعون کی
تحاریر سے بھی پورے طور پر ہوتی ہے جس سے بین طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شہربانو کا نکاح حضرت امام
حسین علیہ السلام کے ساتھ انجام پایا اور بحکم جناب علی مرتضیؑ نکاح کا خطبہ حضرت حذیفہ نے پڑھا۔
المختصر تحقیقات بالا سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حضرت علیؑ کی شرکت غنائم جہادی مین مورد اعتراض
نہین ہو سکتی ہے اور یہ کہ مواصلت جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت شہربانو کیساتھ مناکحت پر
مبنی تھی جسکی وجہ سے جناب امام زین العابدین علیہ السلام لونڈی بچہ ہونیکے داغ سے تمام تر محفوظ ہین۔
یہان ایک رمز لطیف کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے مروی ہے کہ جو جہاد
امام وقت کی اجازت سے ہوتے ہون انمین جو غنائم آئین وہ سب کے سب امام وقت کا مال ہین
لہذا اموال یا اسیر شیخین کیوقت مین اسلام والے غنیمت مین لائے وہ سب جناب امیر المومنین کا مال تھا
جسقدر حضرت کو انمین سے ملگیا وہ حق بحقدار رسید کا مضمون ہوا اور جو لوگ لیگئے انکے ذمہ دار وہ لوگ رہے علاوہ
برین اکثر جہاد حضرت امیر المومنین سے استصواب رائے کے بعد ہوتے تھے لہذا وہ صحیح بھی ہو جائینگے اور جہاد
کا صحیح ہونا خلافت کی صحت کیلئے مستلزم نہین ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ امام ممدوح پدری اور مادری
دونون جانب سے شاہزادگی کا شرف رکھتے ہین۔ پدری سلسلہ شاہنشاہ کونین جناب محمد مصطفےٰ اور
شاہ ولایت جناب علی مرتضیٰ تک جاتا ہے۔ یہ آپکی دینی شاہزادگی ہے اور مادری سلسلہ نوشیروان
عادل تک پہونچتا ہے۔ یہ آپکی دنیوی شاہزادگی ہے جناب امام زین العابدینؑ کیا کہتے ہین۔ ان کو

نہیں لگاہ سے وہی دیکھیگا جو ازل مین کور باطن تھا اور اس عالم مین آکر بھی کور باطن رہا اللھم صل علی محمد و آل محمد۔ آخر مین اتنا عرض کردینا ضرور ہی کہ راقم کو ایسے ایسے خیالات کے اظہار سے جو مندرج ہذا ہوگئے ہین کسی شخص یا کسی فرقہ کی دل شکنی منظور نہین ہی جہان تک ممکن ہوتا ہی فقیر قلم کو روک کر واقعات نگاری کرتا ہی اور اپنی دانست مین حق کے سوا زبان پر امر ناحق کو لانا حرام جانتا ہی اسیپر بھی ایک جلسہ مین چند صاحبون نے یہ فرمایا کہ فلان شخص یعنی یہ غلام اہل بیتؑ محامد و محاسن اپنے آقاؤن کے لکھا کرتا ہی۔ اب اسکی ویسی ہی درگت کیجائیگی جیسا کہ پٹنہ کے فلان مصنف کی درگت کیگئی بخدا میری درگت میرے لئے سرمایہ ناز ہی نہین بلکہ سرمایہ نجات ہوگی مخالفان اہل بیتؑ شوق سے اس ناچیز کی درگت عمل مین لائین جیسا کہ ثابت ہی حضرت بی بی فاطمہؑ جناب علی مرتضیٰؑ حضرت حسنؑ و حسینؑ و ائمہ خاندان پیغمبرؐ کی مخالفان خاندان پیغمبرؐ کے ہاتھون خوب درگت ہوچکی ہی۔ مین ان حضرات کے غلامون کا غلام ہون۔ زہے نصیب میرے کہ ان حضرات کے اثبات حق کے سبب میری بھی درگت عمل مین لائی جائے۔ مین اپنی درگت کو ان حضرات کے غلامون کے غلامون کا ایک بڑا بھاری سرٹیفکیٹ سمجھونگا۔ واقعی مجھے اپنی درگت کا خوف رتی برابر بھی نہین ہی جب میرے اتنے بڑے بڑے آقاؤن کی درگت ہوچکی ہی تو مین کیا ہون جو اپنی درگت کا خیال کرون۔

مین تو اس آیت شریفہ کا ملحوظ رکھنے والا ہون قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

ترجمہ۔ کہدو اے محمدؐ مین تم سے اجر رسالت کچھ نہین چاہتا ہون مگر یہ چاہتا ہون کہ تم میرے عزیزون کی محبت اختیار کرو ظاہر ہی کہ اس آیت کریمہ کا ملحوظ رکھنے والا مخالفان خاندان پیغمبرؐ کی درگت کا کیا خوف کرسکتا ہی۔ ہزار حیف کہ ہر عہد کے مخالفان اہل بیتؑ اس قول خدا سے ہمیشہ منہ موڑا کئے اور خاندان پیغمبرؐ کی محبت تو درکنار انکی ذرہ برابر بھی توقیر ان سے عمل مین نہ آسکی۔ گذشتہ تحریرات فقیر سے کسیقدر ہویدا ہوچکا ہی۔ کہ مخالفان اہل بیتؑ کا سلوک خاندان پیغمبرؐ کیساتھ کسطرح برسر ہوتا رہا ہی۔ اختصار اور نیز خاطرداری اہل زمانہ کی بنا پر راقم نے معاملات اہل بیتؑ کو گویا کچھ بھی حوالۂ قلم نہین کیا ہی۔ اگر ان کو مشرح طور پر درج ہذا کرتا یہ کتاب بہت طولانی ہوجاتی حقیقت حال یہ ہی کہ جناب رسول خداؐ کے مرض موت کے زمانہ سے جو بدعنوانیان شروع ہوئین ان کا سلسلہ آجتک برابر چلا جاتا ہی۔ اگر تمام واقعات خود جناب رسول خداؐ اور اہل بیت نبویؑ کی ایذا یابیون کے مسلسل طور پر احاطۂ تحریر مین لائی جائین تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہی۔ اسوقت بھی اہل بیتؑ کی مخالفت سے دنیا خالی نہین ہی اہل بیتؑ تو ظاہر نہین ہین۔ مگر دوستداران اہل بیتؑ کی درگت کے لئے اس عہد کے بدخواہان اہل بیت اسیطرح کمربستہ ہین جس طرح خود زمانہ اہل بیتؑ مین تھے۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور اسلام

اس سرخی پر کسی قسم کی تحریر کی چندان حاجت نہ تھی مگر راقم کو ایک ایسا معاملہ پیش آگیا کہ جس سے

اسبار ہی مین مجھے اپنے خیالات کو حوالۂ قلم کرنا پڑا۔ حقیقت حال یہ ہی کہ میرے ایک کرم فرما ہین جو قوم کے رو سے سید اور مذہب کی حیثیت سے متصوف ہین۔ یہ صاحب ہمیشہ میلاد شریف اور مجلس عزا کی تقریبین کیا کرتے ہین اور اہل سنت اور اہل تشیع دونون کو ایسی تقریبون مین مدعو فرمایا کرتے ہین۔ ایکبار مین میلاد شریف کی تقریب سے اُن کے دائرہ دولت پر حاضر تھا کہ وہان مجھے ایک نئی آمد کے ایسے مولود خوان نظر پڑے کہ جنکی مولود خوانی کا ذکر شہر مین ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ اکثر حضرات ان کے سننے کیلئے شریک تقریب ہوئے تھے۔ اور اس وجہ سے اُس دن کا مجمع کچھ غیر معمولی انداز کا ہوگیا تھا۔ مولود خوان صاحب نے بڑی خوش الحانی کیساتھ مولود خوانی فرمائی۔ جب مولود خوانی کر چکے تب کچھ وعظ فرمانے لگے۔ اتنے عرصہ مین مولود خوان صاحب کو معلوم ہوگیا کہ مین اہل سنت سے نہین ہون۔ اسکی دریافت سے آپ دل مین بہت پیچ و تاب کھانے لگے۔ حتیٰ کہ اُس عداوت کے تقاضہ سے جو اُن کے دل مین میرے آبائے کرام کی طرف سے لاحق تھی دوران وعظ مین یون فرمانے لگے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ایمان مین کامل تھے اور (معاذ اللہ) علیؑ کا ایمان ناقص تھا وغیرہ وغیرہ۔ حضرات اہل سنت کو کیا غرض پڑی تھی کہ مولود خوان صاحب کو ایسی بیہودہ گوئی سے منع کرتے۔ وہ اسیطرح لایعنی بکا کئے اور یہ سب حضرات سنا کئے۔ خیر۔ وہ صحبت تو تمام ہوگئی۔ مگر اب مین ذیل مین ایک ایسی تحریر نذر ناظرین حق پسند کرتا ہون کہ جس سے حضرات شیخین اور حضرت علیؑ کے ایمان کی حقیقت پورے طور پر منکشف ہوتی ہے۔ وہو ہذا۔

حضرت ابوبکرؓ کی نسبت یہ گذارش ہی کہ اگر آپ کامل انداز کا ایمان رکھتے تو آپ ہرگز جناب رسول اللہؐ کو جنگ اُحد اور جنگ حنین مین چھوڑ کر بھاگ نہ جاتے۔ جسکا ایمان کامل ہوگا وہ ایسی پوچ حرکت نہین کر سکتا۔ کوئی کامل الایمان راہ خدا مین جان نذر کرنیسے منہ نہین موڑ سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ تو جناب رسولؐ خدا کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ دوست کو چھوڑ کر کوئی دعویدار دوستی ایسا نہین کر سکتا۔ میری دانست مین کوئی آدمی جسکی مزاج کی افتاد شریفانہ واقع ہوئی ہی دوست کو مخدوش حالت مین چھوڑ کر اپنی جان کو بچانیکی نظر سے فرار گوارا نہین کر سکتا ہی۔ مرد کیلئے تو مر جانیکی بات ہی کہئے تو کیسی مسلمانی ہی کہ کوئی شخص جناب رسولؐ خدا کے ساتھ جہاد کیلئے جائے اور جب بُرا وقت آپڑے تو رسولؐ اللہ کو دریچۂ ہلاکت مین چھوڑ کر میدان جنگ سے کافور ہو جائے۔ لاحول ثم لاحول۔ یہ کیسا کمال ایمان ہی۔

اس فعل کا مرتکب کوئی مسلمان تو ہو نہین سکتا ہی۔ بار بار کے فرار سے ثابت ہوتا ہی کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایمان ایک معمولی درجہ کے مسلمان کے برابر بھی نہ تھا۔ جنگ خیبر مین بھی آپ دو دن تک حارث و مرحب کے مقابلہ سے راہ فرار ہی اختیار کرتے رہے۔ عند العقل ہرگز ہرگز ایسے فرار پسند حضرت کا ایمان کامل نہین مانا جا سکتا ہی۔ جنگ خندق مین آپ مدینہ مین کہان چھپے رہے اسکو آپ جانتے ہونگے یا آپکے دوست حضرت عمرؓ۔ عمرو بن عبدود کی صورت پر بھی آپکی نظر پڑنے نہین پائی۔ کیا یہ شان جناب حضرت ابوبکرؓ کی

نقصان ایمان کو ثابت کرنے کیلئے ناکافی سمجھی جا سکتی ہین؟ ہرگز نہین شخص کامل الایمان کبھی ایسی نامردی کا کام نہین کر سکتا۔ کہ اپنی جان کی خیر کیلیئے رسول اللہ کو مخدوش حالتون مین چھوڑ کر بھاگ جایا کرے اور جہاد فی سبیل اللہ سے اس بد قرینگی کیساتھ جان چرا تا ہے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہنے مین مضایقہ معلوم ہوتا ہے رسول اللہ کا خلیفہ ماننا تو درکنار۔ یہہ تو حضرت ابوبکرؓ کے غزواتی معاملات ہین جو آپکی عادت فرار اور عدم کارگذاری سے تعلق رکھتے ہین۔ اب مین آپکا ایک قول سے دکھلاتا ہون جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے کامل طور سے آپ کے دل مین جگہہ ہی نہین کی تھی۔ کچھہ شک نہین ہے کہ اگر آپکا ایمان پورا ہوتا اور اسلام نے کامل طور سے آپ کے دل مین جگہہ کی ہوتی تو آپ جنگ اُحد کے دن ایسا کلمہ نفرماتے کہ قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ فَارْجِعُوا اِلٰی اَدْیَانِکُمْ یعنی کہ بہ تحقیق محمد مارے گئے پس تم لوگ اپنے اپنے مذہب جاہلیت کی طرف پلٹ جاؤ۔ حضرات ناظرین رقم کی سابق کی تحریر کو ملاحظہ فرمائین جس سے اس قول کی پوری حقیقت ظاہر ہوگی لاریب ایسے قول کا قائل ہرگز کامل الایمان نہین ہو سکتا۔ خدائے پاک بھی اس قول مکروہ کی رد فرماتا ہے۔ کقولہ تعالیٰ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا یعنی محمد خدا کے رسول ہین اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہین پس اگر وہ (رسول) مرجائین یا مارے جائین تو دین محمدی سے تم پلٹ جاؤ گے؟ پس جو شخص یون پلٹ جائیگا تو ایسا شخص خدا کا کوئی نقصان نہین کریگا اپنا نقصان کریگا“ نہایت جائے تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ تو اس طرح زورون کیساتھ مذہب جاہلیت کی طرف پلٹ جانیکو منع فرماتا ہے اور حضرت ابوبکرؓ اسکے خلاف مین مسلمانون کو مذہب جاہلیت کی طرف پلٹ جانیکی ہدایت کرین لاریب یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے دل مین اسلام نے پورے طور پر جگہہ نہین کی تھی جسکے سبب سے آپ کامل الایمان نہ تھے۔ تمامتر ناقص الایمان تھے۔ حضرت عمرؓ کے غزواتی معاملات وہی ہین جو حضرت ابوبکرؓ کے ہین دونون صاحبون کے فرار وغیرہ وغیرہ برابر درج کیے گئے ہین۔ ان کیفیتون کیساتھ کیونکر کوئی آپ کو کامل الایمان مان سکتا ہے آپ بھی حضرت ابوبکرؓ کی طرح ناقص الایمان نظر آتے ہین۔ علاوہ نامطبوع غزواتی معاملات کے آپ کا یہہ قول بھی جو صلح حدیبیہ سے تعلق ہے کہ ”جیسا کہ آج مجھکو شک نبوت رسول اللہ مین ہوا پہلے کبھی نہین ہوا“ کافی طور پر اسکا مثبت ہے کہ آپکو حضرت رسولؐ کی نبوت مین شک لاحق رہا کرتا تھا مگر اس صلح کے وقوع سے زیادہ شک پیدا ہو گیا۔ اس شک سے عیان ہوتا ہے کہ آپکو بھی حضرت ابوبکرؓ کی طرح کمال ایمان تو درکنار کسی درجہ کا شرف ایمان حاصل نہ تھا۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جن جن غزوات مین حضرات شیخین نے فرار اختیار فرمایا۔ یا اعدائے دین سے مقابلہ کرنے مین جی چرایا کیے انہین غزوات مین حضرت علیؑ سے برعکس کارروائیان ظہور مین آیا کین۔ علاوہ اسکے حضرت علیؑ کی زبان مبارک پر کبھی ایسا لفظ نہین آیا جس سے کسی طرح کا بھی نقصان ایمان ظاہر ہوتا ہے۔ آپ ہمیشہ قولاً و فعلاً حضرت رسولؐ خدا کے پیرو رہے کبھی کسی امر مین انحراف ورزی نہین کی۔ پس لاریب آپ پورے نمونہ کامل

الایمان کے تھے اور اپنے قول وفعل سے پورے طور پر جناب رسول خدا کی جانشینی کا استحقاق رکھتے تھے حق یہ ہے کہ جب آپ ہر غزوہ میں ثابت قدم رہے صرف ثابت قدم ہی نہیں رہے بلکہ ہر غزوہ کی فتحیابی کے سبب اعظم ہوا کئے کبھی کسی غزوہ میں جناب رسول خدا سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی ہمیشہ رسول اللہ کو اعدائے دین سے بچاتے رہے ذرہ برابر بھی ترسندہ جانی اور بزدلی کو اپنے گرد آنے نہ دیا۔ پھر آپکی کارگزاریوں کی بنا پر وہ موقعہ پر اس طور پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ موجود و گذشتہ و آئندہ کے نیکوکاروں کی نیکوکاریاں آپکی غزواتی خدمتوں کے برابر نہیں قرار دیجا سکتی ہیں ایسی صورت میں تو آپ کے کامل الایمان ہونے میں کسی حق شناس کو عذر نہیں ہو سکتا ہے بلکہ نہایت انصاف کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں آپ کے برابر کا کوئی کامل الایمان نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا اور نہ ہے کیا غضب کی بات ہے کہ مخالفین آپکے آپ کے ایمان کو ناقص اور جناب شیخین کے ایمان کو کامل قرار دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے متعصب کی بینائی کی قوت جاتی رہتی ہے۔

سورہ نور کی آیت

(وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ اِلٰى اٰخِرِهَا)

پر نظر

حضرات اہلسنت فرماتے ہیں کہ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلٰى اٰخِرِهَا دال ہے خلافت راشدہ یعنی خلافت ثلثہ پر۔ یہ آیت کامل طور پر سورہ نور میں یوں واقع ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ یعنی وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے ایسے لوگوں کیساتھ جو خدا پر ایمان لائے اور کئے نیک کام کہ ہر آئینہ اللہ اُن لوگوں کو حاکم کریگا ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں کو اور اللہ ہر آئینہ جما دیگا اُن کو دین اُن کا جو پسند کر دیا ہے اُسی اللہ نے اُن کے واسطے اور اللہ دیگا اُن کو اُن کے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کرینگے شریک نہیں کرینگے میرا کسیکو اور جو کوئی ناشکری کریگا اسکے بعد پس وہی لوگ فاسق ہیں۔ مگر اس آیت کے کسی لفظ سے خدا کا وعدہ استخلاف مخصوص بحضرات خلفائے ثلثہ ظاہر نہیں ہوتا ہے یہاں صاف صاف طور پر خدا تعالیٰ عام مومنین صالحین سے وعدہ استخلاف فرما رہا ہے کہ تم میں سے ملک میں لوگوں کو حاکم کریگا جیسا کہ حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں کو خدا کا یہ خطاب عام جمیع مومنین کے ساتھ ہے جیسا کہ تفسیر زاہدی وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اور مخصوص باصحاب کرام یا حضرات خلفائے ثلثہ نہیں ہے اور نہ اس آیت میں کوئی قید زمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ وعدہ ایسا ہے کہ اسمیں حضرت رسول خدا کے زمانہ سے لیکر آئندہ تک کے مومنین صالحین سب

پر صادق دکھائی دیتا ہی۔ یہ آیت ایسی عام انداز کی ہی کہ دوستداران حضرات ثلثہ کہہ سکتے ہین کہ اسکی مخصوصیت حضرات ثلثہ کی خلافت کے ساتھ ہی۔ بنی امیہ اپنی خلافت کی طرف اسکو منسوب کر سکتے ہین۔ بنی عباس اپنی خلافت کی طرف اسکو کھینچکر لیجا سکتے ہین۔ بنی ہاشم اسکو اپنے لیے وعدہ استخلاف قرار دے سکتے ہین ایسی صورت مین اس آیت کو بالتخصیص حضرات ثلثہ کی خلافت پر دال سمجھنا سخت ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ آیت خلافت حضرات ثلثہ پر دال ہوتی تو حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ اس کو سقیفہ کے ہنگامہ کیوقت اہل سقیفہ کے آگے بطریق استدلال پیش کرتے۔ مگر کسی نے ایسا نہین کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ عہد شیخین مین یہ آیت دلیل خلافت نہین سمجھی جاتی تھی عہد شیخین تو عہد شیخین صدر اول اور صدر ثانی مین بھی یہ آیت حقیت خلافت ثلثہ کے ثبوت مین کبھی کسی کی طرف سے نہین پیش کیگئی۔ یہ مابعد کے زمانہ کا ڈھکوسلا ہی کہ خلافت خلفا کو نصّی ثابت کرنے کیلیے نامربوط قرآنی تاویلات اختیار کی ہین راقم کی دانست مین اس آیت سے کسی طرح پر خلافت حضرات خلفا کی حقیت بلکہ کسی خلافت کی حقیت ثابت نہین ہوتی لیکن ایک حدیث نبوی کی بنا پر آیت بالا ائمہ خاندان پیغمبرؐ کی طرف منسوب کی جا سکتی ہی اور وہ حدیث کتاب روضۃ الاحباب مین محدث میر جمال الدین حسینیؒ کی بروایت حضرت جابرؓ بن عبد اللہ انصاری یون منقول ہی کہ جب آیت یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللّٰهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ نازل ہوئی تو مین نے جناب رسولؐ خدا سے عرض کی کہ مین نے خدا و رسولؐ خدا کو تو پہچانا مگر اولوالامر کون ہین جنکی اطاعت کو خدا تعالی نے فرض فرمایا ہی۔ اسپر حضرت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ هُمْ خُلَفَائِی مِنْ بَعْدِی أَوَّلُهُمْ عَلِیُّ ابْنُ أَبِی طَالِبٍ ثُمَّ الْحَسَنُ ثُمَّ الْحُسَیْنُ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ الْمَعْرُوفُ فِی التَّوْرَاةِ بِالْبَاقِرِ وَسَتُدْرِکُهُ یَا جَابِرُ فَإِذَا لَقِیتَهُ فَاقْرَأْهُ مِنِّی السَّلَامَ ثُمَّ الصَّادِقُ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ مُوسَی بْنُ جَعْفَرٍ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ مُوسَی ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ ثُمَّ حُجَّةُ اللّٰهِ فِی أَرْضِهِ یعنی جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اولوالامر میرے بعد خلفا ہین اوّل انمین علیؑ ابن ابی طالب ہین ان کے بعد حسنؑ ہین ان کے بعد حسینؑ ہین ان کے بعد علی ابن الحسینؑ ہین اُن کے بعد محمد بن علیؑ ہین جو باقر کے نام سے توریت مین مذکور ہین اور قریب ہی اے جابر تم انکو جا ملوگے پس جب تم اُن سے ملاقی ہو تو میرا سلام اُن سے کہنا اُن کے بعد جعفر صادق بن محمد ہین انکے بعد موسیٰ بن جعفر ہین انکے بعد علیؑ بن موسیٰ ہین ان کے بعد محمد بن علی ہین انکے بعد علیؑ بن محمد ہین انکے بعد حسنؑ بن علی ہین انکے بعد حجۃ اللہ یعنی امام مہدی صاحب العصر ہین۔ یہ کتاب روضۃ الاحباب ایسی ہی کہ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنے رسالہ اصول حدیث مین اسکو خوبی کیساتھ یاد کرتے ہین۔ جاننا چاہیے کہ حضرت ائمہ اثنا عشر ایسے بزرگوار ہین کہ جنکا ذکر توریت مین واضح طور سے دیکھا جاتا ہی۔ خدا تعالی اُس کتاب عتیق مین فرماتا ہی کہ ہم نسل اسمٰعیل کو برگزیدہ اور ممتاز بنائینگے اور ان مین بارہ شاہزادے ہونگے وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ اسکے حدیث بالا سے بھی معلوم ہوتا ہی کہ جناب امام محمد بن علیؑ توریت مین باقر کے نام سے مذکور ہین پس کوئی

تعجب نہین کہ آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ الی آخرہا مین جو استخلاف کا مضمون پایا جاتا ہی وہ اشارہ ہی حضرات ائمہ اثنا عشر کی طرف جن کو حسب روایت حضرت جابرؓ انصاری جناب رسولؐ خدا نے اپنا خلیفہ فرمایا ہی سچ یہ ہی کہ ان حضرات ائمہ سے بڑھکر کون جناب رسولؐ خدا کا جانشین ہو سکتا ہی ہر چند ان حضرات کو مسلمانون کی ناہمواری کی باعث دنیوی حکومت نہین حاصل ہوئی مگر انکی دینی حکومت تو خدا کی طرف سے ہمیشہ سے تھی اور تا بقائے اسلام رہیگی ظاہر ہی کہ دنیوی حکومت کیا چیز ہی۔ یہ حکومت تو نمرود و شداد و فرعون و حجاج و یزید وغیرہ کو بھی حاصل ہوتی رہی ہی۔ اس سے کیا ہوتا ہی کیا ایسے لوگ آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ مین مراد خدا ہو سکتے ہین۔ ہرگز نہین ہرگز نہین۔ لاریب جو کچھ ہی دینی خلافت ہی اور یہ تمامتر بقول جناب رسولؐ مقبول حق حضرات ائمہ اثنا عشر کا ہی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

حدیث

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ پر نظر

یہ حدیث کہ جسکا ترجمہ یہ ہی کہ "میرے اصحاب تارون کی مانند ہین جسکے ساتھ تم اقتدا کروگے ہدایت یاب ہوگے" ایک غیر مستند قول ہی۔ امام ابن تیمیہ اس حدیث کو ضعیف بتاتے ہین (دیکھو منہاج) بزار کہتے ہین کہ جناب رسولؐ خدا سے نقل اس حدیث کی کسی طرح صحیح نہین ہی اور حدیث کی کتب معتمدہ مین یہ دیکھی نہین جاتی اسی طرح ابن حزم اپنے رسالہ کبریٰ مین اس حدیث کو مکذوب و موضوع و باطل قرار دیتے ہین۔ احمد و مزی و ذہبی و سبکی اور ابو الحجاج کا بھی اس حدیث کی نسبت ایسا ہی قول ہی جناب مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم شرح مسلم مین اور جناب ملا نظام الدین صاحب انکے پدر گرامی صبح صادق شرح منار مین اس حدیث کو بسند حزم و احمد و بزار و مزی و ذہبی و سبکی و ابو الحجاج باطل و موضوع جانتے ہین جناب مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی بھی اپنی کتاب تحفۃ الاخیار مین اس حدیث کو بنائی ہوئی تحریر فرماتے ہین اور اسکی صحت کی ذرہ برابر قائل نہین مختصر یہ ہی کہ یہ حدیث اصحابی کالنجوم کی ہرگز قول جناب رسولؐ خدا نہین ہی۔

جب یہ حال ہے تو پھر کیون عوام اہل سنت اسکے اسقدر دلدادہ نظر آتے ہین۔ ظاہرا اس کا سبب یہ ہے کہ حضرات اہل سنت حدیث ثقلین سے اپنی مشکین بندھی ہوئی پاتے ہین۔ تو پھر اس حدیث نجوم کو اگر غنیمت نہ جانین تو کیا کرین۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ایک قدیم مثل ہے۔ ظاہر ہی کہ ان کا یہ فعل صریحی طور پر جناب رسولؐ خدا پر افترا و کذب و بہتان ہی۔ مگر حضرات خلفائے ثلثہ کی محبت مین انہین کچھ سجھائی نہین دیتا۔ اسلیئے عموماً حدیث زیر بحث کی موضوعیت سے چشم پوشی کرتے ہین خدا تعالیٰ اپنے ہر بندے کو توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ اس موقع پر کسی شاعر کا شعر حدیث بالا کو بفرض محال صحیح تسلیم کرنیکی حالت مین قابل ملاحظہ ہی ~ صحابہ گرچہ جملہ کالنجوم اند۔ مگر بعضے کو اکب نحس و شوم اند۔

وجود حضرت مہدیؑ صاحب العصر علیہ السلام

واضح ہو کہ یہودیون کو اس کا عقیدہ تھا اور اب بھی ہو کہ ایک وقت مین مسیح موعود اس دنیا مین تشریف لائینگے حضرت مسیح علیہ السلام جو تشریف لائے تو یہودیون نے آپکو مسیح موعود نہ مانا اور یہان تک آپکے دشمن رہے کہ آپکی ہلاکت مین کوئی کوشش اُٹھا نرکھی ابھی تک یہودیون کو مسیح موعود کا انتظار رہی ہی۔ نصاریٰ بھی رجعت حضرت مسیح کے منتظر ہین۔ اہل اسلام بھی اس عقیدہ کے شریک ہین۔ فرق اسقدر ہو کہ مسلمان حضرت صاحب العصر والامر علیہ السلام کے بعد حضرت مسیحؑ کی تشریف لانیکے انتظار کش ہین۔ حضرت دوازدہم کا پیدا ہوچکنا فریقین کی کتابون سے ثابت ہی۔ آپ ائمہ اثنا عشر مین سے آخر امام ہین اور اولاد حضرت خاتون جنت سے ہین پدر عالی مقام آپ کے جناب امام حسنؑ عسکری ولد امام علی نقی بن امام محمدؑ تقی ابن امام علیؑ رضا ابن امام موسیٰؑ کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدینؑ علی ابن الحسین ابن علیؑ مرتضیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین ہین (دیکھو اسعاف الراغبین صفحہ ۱۴۰) آپکی والدۂ ماجدہ کا نام نرجسؑ خاتون ہی مگر ملا عبد الرحمن جامی کی کتاب شواہد النبوت کے صفحہ ۲۴۴ سے معلوم ہوتا ہی کہ اُن مخدومہ کا نام صیقل تھا اور بعضون نے سوسن بھی لکھا ہی۔ آپکا اسم شریف وہی ہی جو حضرت رسول خدا کا ہی تاریخ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۴ مین مذکور ہو کہ آپکی ولادت باسعادت بروز جمعہ نصف شعبان مین ظہور مین آئی۔ اور جسوقت آپکے والد ماجد یعنی جناب امام حسنؑ عسکری علیہ السلام نے رحلت فرمائی اسوقت آپکا سن مبارک پانچ برس کا تہا۔ ابن الازرق لکھتے ہین کہ آپکی ولادت نوین ربیع الاول ۲۵۸ھ کو واقع ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہو کہ تاریخ ولادت آپکی آٹھوین شعبان کی تھی اور سن ولادت ۲۵۶ تہا راقم کی دانست مین ابن خلکان کی تحقیق یعنی نصف شعبان مین آپکا پیدا ہونا درست معلوم ہوتا ہی اور اکثر اسوقت کے اہل تحقیق ۱۵ شعبان ہی کو تاریخ ولادت قرار دیتے ہین۔ اسیطرح جب آپ سرداب مین داخل ہوکر غائب ہوگئے تو آپکی عمر اسوقت چار برس کی تھی اور بعض نے کہا ہو کہ اُسوقت آپ پانچ برس کے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہو کہ آپکا سرداب مین داخل ہونا ۲۷۵ھ مین ظہور پذیر ہوا اور اُس وقت عمر آپکی ۱۷ اسال کی تھی۔ عبد الوہاب شعرانی کہتے ہین کہ امام مہدیؑ بیٹے امام حسنؑ عسکری کے ہین اور نصف شعبان مین پیدا ہوئے اور زندہ موجود ہین۔ آپکی ولادت سنن ابی داؤد اور صواعق محرقہ مین بہی مذکور دیکھی جاتی ہی۔ شیخ محی الدین الفتوحات مین فرماتے ہین کہ امام مہدی کا ظہور فرمانا ضرور ہی مگر جبتک دنیا جور و ظلم اور گناہون سے خوب پر نہولے تب تک ظاہر نہون گے اور جب وہ امام ظاہر ہون گے تب دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینگے جیسے کہ وہ ظلم و جور سے معمور ہوگی۔ اور وہ عترت رسولؐ خدا اور اولاد فاطمہ زہرا سے ہین اُستاد فن شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی نے ایک غزل جناب

امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام کی مدح مین لکھی ہی۔ اسکے دو شعر ذیل مین عرض ہوتی ہین ؎

دکھا یارب جہان مین غل ہے جسکی آمد آمد کا — الٰہی ہون بہت مشتاق دیدار محمد کا
بہارِ گلشنِ دینِ محمد اب دکھا یارب — ترصّد بلبل دل کو ہے فصل گل کی آمد کا

واقعہ جدّ امجد

واضح ہو کہ صرف ایک فرقہ اہل اسلام کا یہ کہتا ہی کہ ابھی تک حضرت صاحب العصر علیہ السلام پیدا نہین ہوے ہین۔ آئندہ پیدا ہونگے۔ مگر فریقین کی کتابون سے تمام تحقیقات کا مختصر یہ ہی کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام پیدا ہو چکے ہین۔ اور کچھ روز اس دنیا مین رہکر آدمیون کی نظر سے غائب ہو گئے ہین آپ ابھی تک زندہ ہین۔ اور ایک وقت مین پھر ظہور فرمائین گے۔ آپکے ظہور کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائینگے اور جناب امام صاحب العصر علیہ السلام کی اقتدا فرمائین گے۔ یہان تک تو خیر فریقین مین گویا اختلاف نہین ہی۔ مگر اب علمائے احناف کے ڈھکوسلے شروع ہوتے ہین۔ در مختار مین مرقوم ہی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایام رجعت مین تقلید امام ابو حنیفہ کی کرینگے یہ عجب عقیدہ ہی۔ [illegible] ہدایہ کے مقدمہ مین خود عالم حنفی مولوی عبد الحی صاحب مرحوم لکھنوی یون فرماتے ہین کہ "یہ ایک بے دلیل امر ہی۔ اسیطرح سیوطی نے لکھا ہی کہ تقلید کرنا حضرت عیسیٰ کا چارون امام مجتہدین کے قول محض بے اصل ہی۔ اور کیون کر ہو سکتا کہ نبی مقلد مجتہد کا ہو بلکہ وہ شریعت محمدی پر بالوحی و بالقرآن عمل کرینگے اور ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی لکھا ہی کہ اختراعات سے جہالت مآب علمائے احناف کے یہ بھی ہی کہ حضرت خضر نے تیس برس شاگردی امام ابو حنیفہ صاحب کی آپکی حیات مین اور آپکی ممات کے بعد آپکی قبر کی کری ہی۔ ملا علی قاری کہتے ہین کہ خضر وہ شخص ہین کہ جنکی نسبت سورۂ کہف مین خدا نے ان کو علم لدنی کے بخشنے کا ذکر فرمایا ہی اور وہ حضرت موسیٰ کے استاد ہوئے تھے۔ پس کس طرح ایسا شخص امام ابو حنیفہ صاحب کا مقلد ہو سکتا ہی۔ اور یہ بھی علمائے احناف کا افترا ہی جو کہتے ہین کہ امام مہدی علیہ السلام ظہور کرکے امام ابو حنیفہ صاحب کی تقلید کرینگے۔ علامہ ممدوح کہتے ہین کہ امام مہدی خود مجتہد ہین ان کو کسی کی تقلید جائز نہین اور محی الدین ابن العربی نے لکھا ہی کہ آپ یعنی حضرت صاحب العصر پر قیاس حرام ہی۔ اور جو کچھ آپ حکم کرینگے خدا ایک فرشتہ مبعوث کریگا آپ پر کہ وہ القا کیا کریگا اور کسی تقدیر مین امام ابو حنیفہ صاحب کی تقلید آپ پر جائز نہین ہو سکتی۔" اب مجھے علمائے حنفی کی ایسے بے بنیاد دعوے کی تردید کی حاجت باقی نہین رہی۔ جناب مولوی عبد الحی صاحب غفران مآب کی تحریر پر تنویر کی بدولت مین اسکی زحمت سے محفوظ رہا۔ لیکن اہل انصاف غور فرمائین کہ حضرات علمائے حنفی کسقدر مبتلائے تعصب نظر آتے ہین کہ آنکھ بند کئے ہوئے امام اعظم صاحب کی محبت مین جیسا چاہتے ہین فرما جاتے ہین۔ واہ واہ کیا خوب حضرات علمائے حنفی نے امام صاحب کو اتنا بڑہایا کہ وہ حضرت ایک معروف نبی کے سالہا سال کے استاد ہو گئے اور نیز امام صاحب العصر علیہ السلام کے مقتدا قرار پا گئے۔ اس بدلگامی کا کوئی بھی جواب دنیا مین ہی۔ حنفی بھائیو انصاف اور حق گوئی کا بڑا درجہ

ہی - حق پرستی کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہین رہ سکتا ہی - ذرا سوچو - جو چیز حق ہے حق ہے - امام صاحب کی محبت مین جادۂ اعتدال سے گذر کر ایسی باتین کرنے لگتے ہو کہ عقل اُسے ہرگز قبول نہین کر سکتی -

واضح ہو کہ ظہور جناب امام صاحب العصر علیہ السلام کے متعلق جو حضرات اہل سنت کے قابل لحاظ عقائد مین درج ذیل ہوتے ہین اور اُن پر جو اعتراضات اہل تشیع کیطرف سے وارد ہوتے ہین وہ بھی اُن کے ساتھ جگہ پاتے ہین -

عقیدۂ اہل سنت کا یہ ہی کہ جناب امام مہدی علیہ السلام امام اور خلیفہ مبعوث منجانب اللہ ہین - اور آپ کو منصوصی حیثیت حاصل ہی دیکھو صواعق محرقہ بحث فی المہدیؑ صفحہ ۱۱۴ عبارت عربی یہ ہی يَجْعَلَ اللّٰهُ الْقَائِمَ بِالْخِلَافَةِ الْحَقِّ - یہ روایت ابو داود کی ہے پھر بروایت احمد اسی کتاب مین یہ بھی مندرج ہے - يَكُوْنُ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ پھر بروایت حضرت علی سنن ابو داود کے صفحہ ۲۳۲ مین قول نبویؐ یہ ہے کہ لَيَبْعَثَنَّ اللّٰهُ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يَمْلَاُهَا عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا

اس عقیدہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہی کہ اہل سنت کے نزدیک امر خلافت اجماع اور بیعت پر منحصر ہے - مگر امام مہدی علیہ السلام کے واسطے اجماع حل وعقد نہین ہی - پس اصول مذہب اہل سنت کی رو سے آپکی خلافت کیونکر صحیح ہوگی - دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک استقرار خلافت و امامت خلق پر واجب ہے نہ خدا پر - مگر ابو داود کی حدیث مین جملے جَعَلَ اللّٰهُ الْقَائِمَ بِالْخِلَافَةِ الْحَقِّ و لَيَبْعَثَنَّ اللّٰهُ رَجُلًا کے دیکھے جاتے ہین جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استقرار خلافت و امامت خدا نے اپنے اوپر واجب جانا خلق پر نہین - پس جب امام مہدی علیہ السلام کی شان مین جعل اور لیبعث کے الفاظ وارد ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے متعلق تقرر خلافت و امامت بید اللہ ہوا ہے نہ بدست انسان ایسی صورت مین اہل سنت کا کلیہ خلافت و امامت کے مادے مین جو مبنی اجماع و بیعت پر ہی باطل ثابت ہوتا ہی -

حسب عقیدۂ اہل سنت خلافت و امامت و ولایت حضرت امام مہدی علیہ السلام کی منصوصی ہی تب بقیہ ائمۂ اطہار کی خلافت و امامت و ولایت کیون نہین منصوصی مانی جائیگی - اس کا کیا مطلب ہی کہ ایک امام آخر کی خلافت و امامت و ولایت تو منصوصی مانی جائے اور بقیہ ائمہ کی خلافت و امامت و ولایت از امام اول یعنی حضرت علی مرتضیٰ تا بہ امام یازدہم یعنی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اسکے برخلاف سمجھی جائے - پوشیدہ نہین ہی کہ اہل تشیع اصول واحد کی پابند ہین یعنی جس اصول سے گیارہ امام کی خلافت و امامت و ولایت کو نصی طور پر حق مانتے ہین اُسی اصول کی پابندی کے ساتھ جناب امام مہدی علیہ السلام کی خلافت و امامت و ولایت کو بھی نصی طور پر حق مانتے ہین -

تب معلوم ہوا کہ حضرات اہل سنت جو اسکے برخلاف پابند دکھائی دیتے ہین وہ صرف اس غرض سے ہے کہ پابندی بالا کی وجہ سے حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت و امامت و ولایت سب کی سب بیکار ہو جاتی ہے۔

حضرات اہل سنت کے نزدیک جناب امام مہدی علیہ السلام امام دوازدہم ہین۔ مگر اہل سنت کی ائمہ اثنا عشر مین خلفائے بنی امیہ و بنی عباسیہ بھی داخل ہین ظاہر ہی کہ یہ خلفا تو ختم ہو گئے۔ پس امام مہدی علیہ السلام کو تیرھوین خلیفہ ہونے سے چارہ نہین رہتا ہی جب یہ حال ہی تو اہل سنت امام مہدی علیہ السلام کو امام دوازدہم کیون کر کہہ سکتے ہین۔

بعض محدثین اہل سنت نے مہدی عباسی کو مہدی موعود مانا ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کب مہدی عباسی کے پیچھے نماز پڑھی یا کسی قسم کی اقتدا کی۔

حضرت عمرؓ سے صحیحین مین یہ حدیث کہ لعن یستخلف رسول اللہ دیکھی جاتی ہی۔ مگر امام مہدی علیہ السلام کی متعلق کی حدیثون مین لفظ خلیفہ کا پایا جاتا ہی۔ پس ان حدیثون کو حضرت عمرؓ کی حدیث کیساتھ کیون کر تطبیق دیجا سکتی ہی۔

حضرات اہل سنت کی نزدیک ائمہ اطہار سی انبیا افضل ہین پس نماز پڑھنا حضرت عیسیٰؑ کا حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے ناجائز ہوگا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی علیہ السلام کیساتھ اقتدا کر کے آپ کے پیچھے نماز پڑھین گے تو ضرور ہے کہ امام مہدی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ مین افضیلت کی حیثیت رکھین۔ مگر حسب عقیدہ اہل سنت حضرات خلفائے ثلثہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سی افضل نہین تو ضرور ہے کہ امام مہدی علیہ السلام حضرات خلفائے ثلثہ سے افضل بلکہ افضل سی بھی زیادہ افضل ہون۔ مگر امام مہدی علیہ السلام سے حضرت علیؑ مرتضیٰ افضل ہین تو ضرور ہوا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام حضرات خلفائے ثلثہ سے اور بھی کچھ زیادہ تر افضل ہون۔ مگر حسب عقیدہ اہل سنت حضرت علیؑ حضرات خلفائے ثلثہ سے مفضول مانے جاتے ہین یہ کیا گورکھ دھندا ہے اس کا فیصلہ خود حضرات اہل سنت کرین۔ حقیقت یہ ہی کہ حضرات اہل سنت کی بہت باتین ایسا انداز رکھتی ہین کہ عقل سلیم اُن کو ہرگز قبول نہین کر سکتی ہے۔ منجملہ اُن کے ایک بات امامت کے لگاؤ سی یہ بھی ہے کہ حضرات اہل سنت آل عباسی کو بھی اہل بیت نبوی مین داخل کرتے ہین۔ مگر حدیث ثقلین کے رو سی اہل بیت نبوی کیساتھ متمسک ہونا امر ضروری ہے اس رو سی کل عباسی واجب الاطاعت امورین مین قرار پاتے ہین۔ ایسی صورت مین کیون ائمہ اربعہ سی امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام حنبل نے معتصم و متوکل و ہارون و مامون کی جو خلفائے معتزلی تھے اطاعت قبول نہین کی۔

سچ ہو کہ ایک عقیدۂ باطل کی پیروی سے ہزارہا امور باطل کا سامنا کرنا پڑتا ہے
واضح ہو کہ راقم حضرت امام مہدی صاحب العصر علیہ السلام تک کے مضامین کو حوالۂ قلم کر کے اپنی اس تصنیف مختصر کو ختم کر دیتا تھا مگر دل میں یہ خیال گذرا کہ کچھ اور امور مذہبی بھی جو فریقین سے تعلق رکھتے ہیں تصنیف ہذا میں داخل کر دی جائیں۔ اب یہاں سے وہ امور بقیہ نمبروار درج ہوتے ہیں۔ راقم اہل انصاف سے توجہ فرمائی کا خواستگار ہے۔

بعض امور ضروری پر نظر عبداللہ بن سبا اور تشیع

حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ موجد مذہب شیعہ کا عبداللہ بن سبا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی اپنی کتاب تحفہ میں یہ تبعیت نصراللہ کابلی ایسا ہی لکھا ہے کتاب ملل و نحل شہرستانی کے صفحہ ۶۸ میں یہ عبارت دیکھی جاتی ہے۔ اَلسَّبَائِیَّۃُ اَصْحَابُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَبَا الَّذِی قَالَ لِعَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنْتَ الْاِلٰہُ فَنَفَاہُ اِلَی الْمَدَائِنِ وَزَعَمُوْا اَنَّہٗ کَانَ یَھُوْدِیًّا فَاَسْلَمَ وَزَعَمُوْا اَنَّ عَلِیًّا حَیٌّ لَمْ یُقْتَلْ وَفِیْہِ الْجُزْءُ الْاِلٰھِیُّ وَھُوَ فِی السَّحَابِ وَالرَّعْدُ صَوْتُہٗ وَالْبَرْقُ سَوْطُہٗ وَاَنَّہٗ سَیَنْزِلُ بَعْدَ ذٰلِکَ اِلَی الْاَرْضِ یعنی سبائیہ فرقہ عبداللہ بن سبا کا ہے جو حضرت علیؑ کو خدا کہتا ہے حضرت علیؑ نے ابن سبا کو مداین کی طرف نکال دیا تھا۔ اور گمان کیا جاتا ہے کہ ابن سبا ایک یہودی تھا جس نے اسلام قبول کیا تھا۔ فرقہ سبائیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ علیؑ زندہ ہیں مارے نہیں گئے ہیں اور اُن میں جزو الٰہی شامل ہے اور بادل اور بجلی میں جو آواز ہے وہ علیؑ کی ہے اور بجلی اُن کا کوڑا ہے اور زمانہ قریب قیامت میں وہ دنیا میں پھر آئینگے اس تحریر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا فرقہ نصیری کا موجد ہے شیعہ اثناعشری تو حضرت علیؑ کے ساتھ عقائد واہیہ نہیں رکھتے ہیں شیعیان اثناعشری نہ حضرت علیؑ کو خدا کہتے ہیں اور نہ آپ کی شہادت کا انکار رکھتے ہیں۔ تعجب ہے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کہ ایسی بے سروپا باتیں اپنی تصنیف میں لکھ گئے جن کو پڑھ کر جناب شاہ صاحب پر بیحد افسوس آتا ہے راقم کو اسی تحفہ اثناعشریہ نے مذہب اہل تسنن سے کنارہ کرایا ہے۔ کہاں شیعیان اثناعشری اور کہاں اصحاب عبداللہ بن سبا۔ عبداللہ بن سبا کو مذہب اثناعشری کی موجد ہونے سے کیا علاقہ۔

تفضیل شیخین بروایت سادات زیدیہ

حضرات اہل سنت فرماتے ہین کہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ مین دار قطنی کے واسطے سے سادات و ائمہ زیدیہ وغیرہ سے ایسی روایتین مروی ہین جنسے تفضیل شیخین کی ظاہر ہوتی ہی۔ اور مخرج اُن مین سے ہر حدیث کا حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام تک مسلسل طور پر انتہا پذیر ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت مین فضائل شیخین سے شیعون کا انکار اہل بیت طاہرین کے اقوال پاک کا مخالف نظر آتا ہے۔ اس اعتراض کی رد یون ہوتی ہی کہ فرقۂ زیدیہ حسب تحقیق صاحب ملل و نحل مذہب معتزلہ کا پابند تھا اور متاخرین معتزلہ مائل بہ تشیع ہو گئے تھے ایسی صورت مین اہل سنت کے اصول فقہ کے مطابق دونون فرقون کی روایت غیر مقبول متصور ہی۔ علاوہ اسکے اعتراض بالا قابل توجہ جب ہوتا کہ جب یہ اعتراض کتب صحیحہ شیعہ سے بھی صورت پذیر ہو سکتا اہل سنت کی کسی کتاب کی بنا پر اس طرح کا اعتراض وارد کرنا جادۂ انصاف سے باہر قدم رکھنا ہے۔ بہرحال اب دیکھنا چاہیئے کہ صواعق محرقہ مین سادات زیدیہ کی روایات تفضیل شیخین کے مادے مین کیسی ہین۔ اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایتین محذوف الاسناد ہین۔ علاوہ اسکے کوئی اُن کی راویون مین سے بنی امیہ کا فضلہ خوار و ضاع حدیث و کاذب و ناشی و دشمن اہل بیت ہے اور کوئی راوی جیسا کہ صیرفی ہے معتزلی ہی اسی طرح ایک روایت امام شافعی کی طرف منسوب دیکھی جاتی ہی مگر امام شافعی کا حضرت امام صادق علیہ السلام سے ملاقی ہونے کا کہین ثبوت نہین پایا جاتا ہی اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ امیر معاویہ حدیثین مشعر بفضایل شیخین وضع کرایا کرتے تھے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے اور شاہ عبد الحق دہلوی بھی اشعۃ اللمعات کے باب مناقب شیخین مین لکھتے ہین کہ بہت سی حدیثین فضائل شیخین کی موضوع ہین۔ چنانچہ آخر سفر السعادت مین موضوعات فضائل شیخین موجود ہین۔ اسیطرح شاہ عبد العزیز صاحب بستان المحدثین مین لکھتے ہین کہ اہل سنت نے چودہ ہزار حدیثین فضائل شیخین مین وضع کرائین اور ابن جوزی نے اُن موضوعات کو جمع کیا ہی ظاہر ہے کہ اگر فضائل شیخین مین حدیثین موجود ہوتین تو ایسی حدیثون کے وضع کرانیکی کیا ضرورت پیش آتی جائے غور ہے کہ اگر حضرات ائمۂ طاہرین جناب شیخین کے فضائل کے قائل ہوتے تو اونکو اور اونکے پیروان کے خلاف کیون فتوے دیا کرتے۔ اسی طرح جب عبد الرحمن بن عوف نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا کہ اگر آپ خلیفہ ہو جیئے گا تو سیرت شیخین پر عامل ہو جیئے گا یا نہین تو آپنے صاف صاف طور پر انکار کیا۔ ظاہر ہی کہ اگر حضرت علیؑ فضائل شیخین کے معترف ہوتے تو ایسا جواب باصواب ارشاد نہ فرماتے۔ حضرت علیؑ کسی طرح پر فضائل شیخین کے قائل نہ تھے۔ اگر ہوتے تو خطبۂ شقشقیہ مین اس ملال

سختی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو یاد فرماتے پس تفضیل شیخین مذہب سادات ہو نہیں ہوسکتا سادات مین سے جو تفضیل شیخین کے قائل تھے یا ہین مذہب سادات کے خلاف عمل کرنیوالے تھے اور ہین۔ یہ سادات زیدیہ اگر تفضیل شیخین کے قائل تھے تو تمام تر پر غلط تھے اور ان کا ایسا اعتراف ضرور حصول دنیا کی بنیاد پر تھا جیسا کہ مال دنیا کے طلبگار ہونگے باعث اقوال عباس و ابن عباس و ابن عقیل و عبداللہ و یحییٰ و متوکل و جعفر کذاب پایۂ اعتبار نہین رکھتے۔ فضائل شیخین کے حضرات ائمہ طاہرینؑ مطلق قائل نہ تھے۔ چنانچہ حضرت سید الساجدینؑ نے دمشق مین ایک ایسا خطبہ پڑھا جسمین صرف اپنے اور اپنے آبائے طاہرینؑ کے فضائل بیان کئے اور جناب شیخین کو ایک حرف سے بھی یاد نفرمایا۔ اس خطبہ کو ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل مین درج کیا ہے اور یہ ایسا خطبہ تھا کہ جس کو سنکر نعرہ ہائے آہ کے ساتھ روسائے دمشق خوب روئے اور یزید لعین کو ملامت کرتے ہوئے اُٹھے۔ اسیطرح اس مناظرہ مین جو درمیان حضرت امام محمد جوادؑ اور قاضی یحییٰ بن اکثم کے خلیفہ مامون کے حضور مین واقع ہوا حضرت امام علمائے بغداد کے سامنے تفضیل شیخین سے برسر انکار رہے۔ اور جناب شیخین کو طرح طرح کے الزام دیتے رہے۔ اُس مناظرہ کا ذکر ابن اثیر نے تاریخ کامل مین کیا ہے پس جاننا چاہیئے کہ مذہب سادات تفضیل شیخین ہو نہین سکتا۔ دونون مین سفید و سیاہ کا فرق ہے اب مین آخر مین اُس امر کو بھی حوالہ قلم کرتا ہون جو حضرات سادات کرام کو کبھی کبھی تفضیل شیخین کے اقرار پر مجبور کرتا تھا۔ یہ امر تقیہ تھا اگر اس مجبوری کے زمانہ مین حضرات سادات تقیہ کے عامل نہوا کرتے تو آج دنیا مین نہ سادات کا نشان دکھائی دیتا اور نہ اُن کے آبائی مذہب کا۔ تقیہ کی بحث آیندہ آنے کو ہے۔ حضرات اہل سنت کے وار رد کرنے کے لئے شیعون نے تقیہ کی سپر خوب لگائی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ ایک نہایت سچی مثل ہے۔ ایسے فرقہ کے مقابلہ مین جسکے مذہب کی بنا اہل بیتؑ کی مخالفت اور عداوت پر واقع ہوئی ہے شیعون کو اس سے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ کہ اپنے کو قولاً و فعلاً سنی صورت مین دکھلائین۔ الحمد للہ کہ اس عہد انگلشیہ مین اس وضع کے تقیہ کی کوئی ضرورت باقی نہین ہے۔ المنۃ للہ والحمد للہ۔ خیر۔ حضرت زید شہید کے اکثر اقوال مبنی بر تقیہ ہین اور مصلحتاً للوقت تھے۔ یہی زیدیہ سادات ہین جو ایک وقت مین فضائل شیخین کے قائل نظر آتے ہین اور وہی زیدیہ سادات ہین جو بغداد کی مسجدون مین طائع للہ اور معز الدولہ کے زمانے مین جناب شیخین کے نام سے مسجدون کے دروازون پر لعنت لکھ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح زیدیہ روایتین ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغت مین ایسی درج کی ہین جو امر خلافت کے متعلق ظلم شیخین کا اظہار کرتی ہین۔

صحیفۂ کاملہ اور فضائل شیخین

اہل سنت فرماتے ہین کہ صحیفۂ کاملہ کی دعا اتباع الرسل مین فضائل خلفائے راشدین مذکور ہین۔ وہ دعا اس طور پر ہے۔ اللھم واصحاب محمد خاصۃ الذین احسنوا الصحابۃ والذین ابلوا البلاء الحسن الی آخرہٖ۔ اس دعا مین کسی کا نام درج نہین ہے مگر وہ صحابہ جنہون نے دین کی نصرت کی اور مصیبتین اُٹھائین اور استحکام دین مین کوشش عظیم کی ایسے حضرات صحابہ اس دعا مین مقصود ہین لیکن اس دعا مین حضرات خلفائے ثلثہ کی طرف کوئی اشارہ نہین ہو سکتا۔ اس لئے کہ ان حضرات نے کوئی نصرت دین کی نہین کی اور دین کیلئے کوئی مصیبت نہین اٹھائی اور استحکام دین مین کوئی کوشش نہین کی جب ہوا تو یہی ہوا کہ آپ حضرات جناب رسولؐ خدا کو زغۂ کفار مین چھوڑ چھوڑ کر اپنی جان عزیز کے بچانیکے واسطے میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ کبھی یہان کفار کا سامنا نہین کیا ہمیشہ جہاد کی سختیون سے جان چُراتے رہے۔ پس ایسے حضرات کے لئے امام علیہ السلام صحیفۂ کاملہ مین کیون دعا کرنے لگے۔ مگر چونکہ اس دعا مین اصحاب کا لفظ وارد ہوا ہے۔ حضرات اہل سنت کو اپنے خلفائے ثلثہ کا خیال فوراً سامنے آ کھڑا ہوا کہ بحکم چشمان دل مبین جز دوست ٭ ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست ٭ اس معاملہ مین حضرات اہل سنت کی حالت الغریق یتشبث بالحشیش کی سی دیکھی جاتی ہے۔

آخر مین راقم کی یہ عرض ہے کہ اگر حضرت امام زین العابدینؑ کا مطلب اصحاب جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلفائے ثلثہ ہوتا تو آپکو ان کے نام لینے مین کوئی امر مانع نہ تھا۔

کچھ اہل سنت کہتے ہین کہ یزید کی دلی خواہش قتل حسینؑ کی نہ تھی۔

قتل حسینؑ اور خواہش یزید

اس پر دوستداران یزید طبری سے (دیکھو صفحہ ۱۷۶) حجت لاتے ہین کہ یزید نے جناب امام زین العابدینؑ سے بعد واقعۂ کربلا کے یہ کہا کہ بخدا میرا ارادہ آپکے والد ماجد کے قتل کا نہ تھا۔ خدا کی لعنت پسر مرجانہ یعنی ابن زیاد پر۔ مین نے اسے قتل حسینؑ کا حکم نہین دیا تھا۔ یہ سب کچھ سہی۔ مگر تاریخ ابو الحسن مدائنی و سیرت ابن ہشام کلبی و ابن اثیر صاحب تاریخ کامل و ابو جعفر طبری و ابو مخنف و ابو اسحق اسفرائینی کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے کھلے کھلے طور پر ولید حاکم مدینہ کے پاس یہ حکم بھیجا تھا کہ اگر حسینؑ بیعت سے انکار کرین تو ان کی گردن ماردے اور سر اُن کا میرے پاس بھیجدے۔ پوشیدہ نہین ہے کہ یہ انکار یزید کا اس مصلحت پر مبنی تھا کہ اہل شام کی ملامت سے اُسے نجات ہو اور یہ کہ ملک مین بلوانہ ہو جائے جس کا نتیجہ زوال سلطنت ہو۔ ورنہ یزید کے خطوط جو ولید کے نام سے ہین اس وقت تک تاریخون مین موجود ہین۔ ابو مخنف۔

کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب یزید اہل شام کی تنبیہہ اور ملامت سے ڈرا تو اسنے ہر سردار سے پوچھنا شروع کیا کہ آیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا ہے سب ملاعین انکار کرتے گئے حتیٰ کہ شمر و خولی نے بھی قسمین کھا کھا کر قتل حسینؑ سے انکار کیا۔ آخر بن قیس نے یزید سے کہا کہ تو نے حسین کو قتل کیا اس سے یزید کو پشیمانی لاحق ہوئی۔ اور اسیوقت سے یزید اپنے منہہ پر طمانچے مارا کرتا تھا پھر اسنے قیدیان حرم اہل بیتؑ سے مدارت بھی کی" دوستداران یزید لکھ سکتے ہین کہ اس پشیمانی سے یزید کے گناہ معاف ہو گئے ہون گے لیکن ایسے حضرات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ غرق نیل ہونیکے وقت فرعون نے بھی کہا تھا کہ اٰمنت برب موسیٰ وھارون ہ کیا یہ قول فرعون کے ایمان کی دلیل ہو سکتا ہے فعل اضطراری ہرگز پایۂ وثوق نہین رکھتا ہے اور لائق تسلیم متصور نہین ہو سکتا مین پوچھتا ہون کہ دوستداران یزید کو قتل حسینؑ کے مادے مین اسقدر اضطراب کیون ہے ایسے حضرات یزید کی بے جرمی کی دلیل مین یہ کیون نہین لکھ دیتے کہ حسینؑ باغی خلیفہ تھے اگر ان کا قتل ظہور مین آیا تو خلیفہ پر کوئی الزام عائد نہین ہو سکتا۔ دوستداران یزید کو ایسا کہنے کا حق ہے اسلیے کہ یزید اُن کے اصول خلافت کی رو سے خلیفہ برحق تھا اور حسینؑ باغی خلافت تھے اس عقیدے کے مسلمان اگر بہت نہین ہین تو بھی بے وجود نہین ہین۔ ظاہراً یہ عقیدہ اُن کے اصول مذہب کے خلاف بھی نہین ہے پس دوستداران یزید کو اسکے کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ یزید کو حسینؑ کے قتل کی لی خواہش نہ تھی وغیرہ وغیرہ۔ اس معذرت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ شرط خلافت اگر یزید کے حسب حال نہوتی تو یہ ایک دوسری بات تھی۔ یزید کی خلافت کے حسب حال تو شرط واحد ہی شامل حال نہین ہے بلکہ شروط ہین سچ یہ ہے کہ ایک گمراہی کے اختیار کرلینے سے ہزارون گمراہیون مین مبتلا ہونا ہوتا ہے۔ ایک معاملہ سقیفہ نے مسلمانون کو ہزارون گمراہیون مین مبتلا کر دیا۔

حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ

حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ دونون ام المومنین ہین اور اس حیثیت سے یہ دونون بیبیان اہل اسلام کے نزدیک واجب التعظیم ہین مگر دونون مادران مومنین کا فرق اُن کے حالات باخود با کے بیان سے ظاہر ہوگا۔ تحریر ذیل خواستگار توجہ ہے۔

حضرت خدیجہؓ کو جناب رسولؐ خدا سے قرابت داری تھی حضرت ممدوحہ ایک خوشحال بی بی تھین اور حضرت رسولؐ خدا آپ کے کاروبار کو دیکھ دیا کرتے تھے۔ ابتدائے جوانی مین جناب رسولؐ خدا اکثر اہل مکہ کے مال تجارتی کو ملک شام کی طرف لیجایا کرتے تھے اور مکہ کو واپس آکر اسکے نفع و نقصان کو مال والون کو سمجھا دیا کرتے تھے۔ اس دیانت اور امانت کیساتھ حضرت اس کام کو انجام دیتے تھے کہ اہل مکہ آپ کو لقب امین سے یاد کیا کرتے تھے منجملہ دیگر اہل مکہ کے حضرت رسولؐ خدا حضرت خدیجہؓ

کا مال تجارتی بھی شام کی طرف لیجایا کرتی تھی۔ آنحضرت کی خوش سلیقگی اور دیانت نے حضرت خدیجہؓ کے دل پر ایسا
اثر پیدا کیا کہ آپنے آنحضرت سے عقد کا ارادہ فرمایا۔ اِس عقد کے انجام مین کوئی امر مانع نہین ہو سکتا تھا۔
اسلیئے کہ حضرت خدیجہ مکہ کی نہایت اعلیٰ طبقہ کی بی بی تھین اور حضرت رسولؐ خدا بھی آپ ہی کے
برابر کے آدمی تھے۔ چنانچہ آپ کے چچا اور محسن یعنی حضرت ابو طالب نے بھی اس مواصلت کو پسند فرمایا اور
حضرت خدیجہؓ سے جناب رسولؐ خدا کا عقد انجام پا گیا۔ اس عقد کے وقت سن شریف آنحضرتؐ کا ۲۵ برس
کا تھا اور حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھین سن کا بڑا فرق تھا مگر جس طرح یہ بیاہ فریقین یعنی جناب
رسولؐ خدا اور حضرت خدیجہؓ کیلیے مبارک ہوا خدا تعالیٰ تمام مومنین کا ازدواج اسی طرح مبارک فرمائے
ہر چند حضرت خدیجہؓ جناب رسولؐ خدا سے پندرہ ۱۵ برس بڑی تھین۔ مگر جناب رسولؐ خدا آپ سے بیحد مانوس
تھے۔ افراط محبت اس سے عیان ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی زندگی مین جناب رسولؐ خدا نے کوئی دوسرا عقد نہین
فرمایا۔ اگر کرتے تو رواج ملکی اور اجازت مذہبی کی رو سے کوئی شے آپکو اسکی مانع نہین ہو سکتی تھی۔ ایسا نکرنے
کی وجہ یہ تھی کہ جناب رسولؐ خدا کو حضرت خدیجہؓ کیساتھ تعلق روحانی تھا جسمی لذائذ کی بنا پر آپنے یہ عقد
نہین فرمایا تھا انمین تمامتر روحانی اسباب کو دخل تھا۔ جناب رسولؐ خدا حضرت خدیجہؓ کی بڑی تعظیم کرتے تھے
اور عمر بھر یکسان طور پر آپکی محبت اُن حضرت کیساتھ قایم رہی۔ حضرت خدیجہؓ کی حیات مین تو آنحضرت محبت
خلوص اور دردمندی کیساتھ پیش آتے ہی رہے حضرت ممدوحہؓ کی رحلت کے بعد بھی تاحیات آپ حضرت
ممدوحہؓ کو ہرگز نہ بھولے ہمیشہ اُسی محبت اور خلوص کیساتھ یاد فرمایا کیے۔ ایسی محبت زن و شو مین کم دیکھی
جاتی ہے۔ اِس محبت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت خدیجہؓ جناب رسولؐ خدا کی بڑی قدر فرماتی تھین۔ اور
آنحضرتؐ کی متابعت مین ذرہ بھر قصور نہین کرتی تھین۔ فوراً آپ سمجھ گئین کہ جناب رسولؐ خدا رسولؐ
برحق ہین اور لاریب آپ اول بی بی ہین جو جناب رسولؐ خدا پر ایمان لائین افعال و حرکات مین
حضرت خدیجہؓ ایک نہایت شائستہ بی بی تھین اور فطرت و تعلیم سے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی لیڈی
یعنی خاتون کے اوصاف حمیدہ سے اتصاف رکھتی تھین۔ عورت کی بڑی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک کامل
لیڈی کہی جانیکا استحقاق رکھے مگر روحانیات کے شمول سے حضرت خدیجہؓ لیڈیون یعنی خاتونون کی سردار
سمجھی جانیکی بلاشبہ مستحق تھین۔ روحانیات کا جلوہ آپ مین اِسلیئے نمایان تھا کہ آپکے بطن شریف سے خاتون
محشر بلکہ خاتون خواتین عالم صلی اللہ علیہا و ابیہا عالم وجود مین تشریف لانیکو تھین۔ اور یہ وہ خاتون
خواتین عالم ہین کہ جو شاہ لافتیٰ کی بی بی ہوئین اور جن کے بطن مبارک سے حضرت امام حسنؑ اور حضرت
امام حسین علیہما السلام پیدا ہوئے اور پھر حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی نسل پاک سے نو ائمہ طاہرینؑ زمین
کو روشن کرنیوالے یکے بعد دیگرے ظہور مین آئے۔ انہین روحانی خوبیون کی بنا پر جناب رسولؐ خدا اپنی بی بی
حضرت خدیجہؓ کی اتنی بڑی قدر کرتے تھے۔ لاریب روحانی اسباب کے بغیر ایسی محبت شوہر کے دل مین زوجہ

کیطرف سے قایم نہین ہو سکتی۔ حضرت خدیجہؓ آنحضرت کی ہجرت کے قبل مکہ ہی مین انتقال کر گئین۔ آنحضرت کو آپکی رحلت کا بہت بڑا غم ہوا اور کچھ ایسا ہی غم ہوا کہ تا بقیہ عمر آپ اپنی اُن پیاری بی بی کو بھول نہ سکے۔ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنیکے بعد جناب رسولؐ خدا نے حضرت عائشہؓ سے عقد فرمایا اور اُسکے بعد چند بیبیان اور بھی آپ کے حبالہ نکاح مین در آئین۔ مگر حضرت خدیجہؓ کی جو بات تھی اُسے حضرت خدیجہؓ اپنے ساتھ قبر مین لیگئین۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے اپنی ۲۵ برس کی عمر مین حضرت خدیجہ سے بیاہ کیا تھا۔ اور اپنا سارا شباب اور شباب سے گذر کر کچھ اور حصہ بھی زندگی کا آپ نے حضرت خدیجہؓ کیساتھ بسر فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کسدرجہ کی شایستہ بی بی تھین کہ جناب رسولؐ خدا کی محبت اُن سے روز بروز بڑھتی ہی گئی کبھی کم نہ ہوئی۔ لاریب تائید غیبی کے بغیر اسطرح کی محبت انجام نہین پا سکتی ہے۔ ایسی محبت کے اسباب روحانی ہوا کرتے ہین اور خاصان خدا کیلئے مختص ہین۔

اب راقم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کچھ حالات درج کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ جو صاحبزادی حضرت ابوبکرؓ کی ہین۔ نہایت کم عمری ہین جناب رسولؐ خدا کے عقد مین آئین اس سے آپکی کم عمری عیان ہے کہ جسوقت آنحضرت نے رحلت فرمائی اسوقت اپکا سن شریف صرف اٹھارہ برس کا تھا۔ آپ کا عقد مدینہ مین واقع ہوا اور آپ صرف چند سال سہاگن رہین۔ آپکے عقد کے بعد جناب رسولؐ خدا نے اور بھی چند عقد فرمائے جیسا کہ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے۔ حضرت عائشہؓ صاحب جمال تھین اور اور جناب رسولؐ خدا آپ کی اس صفت کی پوری قدر فرماتے تھے۔ باوجود حاصل ہونے حسن وشباب کے حضرت عائشہؓ جناب رسولؐ خدا کے دل مین وہ عظمت نہین پیدا کر سکین جسے کاتب قدرت نے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے نصیب مین لکھ دیا تھا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کو وہ اوصاف روحانی واہب العطایا نے عطا ہی نہین فرمائے تھے جن سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ متصف کیگئی تھین۔ آپکے روحانی اوصاف حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کے مقابلہ مین گویا کچھ بھی نہ تھے۔ اور ہو کیون کر سکتے جب کہ مشیت خداوندی یہ تھی کہ آپ کے بطن مبارک سے کوئی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے درجہ کی پیدا ہو اور جو حضرت علیؑ جیسے شوہر سے بیاہی جائے اور اُس بیٹی کے ذریعہ سے ایسے گیارہ "ائمہ طاہرین ظہور پائین جن کا ذکر توریت مین دیکھا جائے اور جو منجانب اللہ حقیقی خلفا جناب رسولؐ خدا کے ہون ہم حضرت عائشہؓ کا موازنہ حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کیساتھ ہرگز روا نہین رکھتے اسلئے کہ ہماری لئے دونون صاحبہ ام المومنین ہین مگر حضرات اہل سنت اس معاملہ مین حسب عادت قدیمہ کچھ ایسے جادہ اعتدال سے گذرے ہوئے نظر آتے ہین کہ ناچار حق نگاری سے ہم باز نہین رہ سکتے۔ حضرات اہل سنت کو حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کے مقابلہ مین حضرت عائشہ کا افضل النسا قرار دینا کونسی انصاف پروری ہے۔ مگر چونکہ اُن کے مذہب کی بنا مخالفت اہل بیت پر واقع ہوئی

ہو ایسا نکرتے تو کیا کرتے زیادہ سبب اسکا یہ بھی ہی کہ حضرت عائشہ رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ کی صاحبزادی
ہین اگر یہ صفت آپ کی شامل حال نہوتی تو حضرات اہل سنت کی سرگرمی اس درجہ کی نہوتی لاریب
اگر حضرت پیر دستگیر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو افضل النسا کے لقب سے یاد فرماتے تو بمقابلہ ازواج
حضرت رسولؐ کی یہ لقب اپ کے لئے نہایت زیبا و راست ہوتا غضب خدا کا ہی کہ آپ حضرت
خدیجۃؓ الکبریٰ کو بھول کر حضرت عائشہ کو اس لقب سے یاد فرماتے ہین - راقم کی دانست مین حضرت
عائشہ رضؓ مین جناب رسول خدا کی زوجہ ہونے کے سوا کوئی ایسی ممتاز خوبی نہین وکھائی دیتی جو روحانی
انداز رکھتی ہو یا جو کسی عورت کو ایک پوری لیڈی یا خاتون سمجھے جانے کے لئے کافی متصور ہو - آپ کی
روحانی اور اخلاقی معاملات کی تحقیق کے لئے بہت دور جانیکی ضرورت نہین ہی - صحیح مسلم کی جلد
٢ صفحہ ٢٨٤ کو حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائین جس سے ام المومنین حضرت عائشہ کی قلبی معاملات کا اندازہ
معلوم ہو جائیگا - اُس کتاب مین مندرج ہی کہ جناب رسولؐ خدا حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو ہمیشہ یاد
فرمایا کرتے تھے - ایک روز ایسا ہوا کہ ہالہ بنت خویلد جو حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ کی بہن جناب رسولؐ
خدا کو دیکھنے آئین - جناب رسولؐ خدا ان کی ساتھ نہایت اخلاق کیساتھ پیش آئے - آنحضرت
کی اس اخلاق فرمائی پر حضرت عائشہ رضؓ کی دل مین آتش حسد بلند ہوئی - آپ جناب رسولؐ خدا سے
بولین کیا آپ اُس بڑھیا کو برابر یاد ہی کرتے رہینگے - جسکے دانت گر گئے تھے - اور جس کی گالون
کی سرخی جاتی رہی تھی اور جس کی رانین خشک ہو گئین تھین - خدا نے اب آپکو اس سے بہتر عورت
دی ہی " صاحبو ہم آپ سے پوچھتے ہین کہ اس ساری گفتگو مین کہین بھی روحانیت کا پتہ لگتا ہی - یہ ایسی
گفتگو ہے کہ کوئی لیڈی یا کوئی اعلیٰ درجہ کی بی بی اسپر قادر نہین ہو سکتی - حضرت عائشہ رضؓ جناب
رسولؐ خدا کی بی بی ہین ہم اُن حضرت کی مقابلہ مین اپنی خیالات آزادی کی ساتھ حوالہ قلم نہین کر سکتے
مگر اتنا کہنے سے چارہ نہین کہ یہ کیا اخلاق ہی کہ ایک مردہ سوتن کی بہن جو مہمان کی حیثیت سے گھر گئے
تو اُسکے ساتھ اس طرح کی بعید از اخلاق گفتگو کیجائے - لاریب حضرت عائشہ رضؓ کی سمجھ سے یہ بات
باہر تھی کہ جناب رسولؐ خدا کس درجہ کے جوہر شناس تھے - حضرت ممدوحہ اس کو سمجھ ہی نہین سکتی
تھین کہ آنحضرت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مرنے کے بعد بھی اُن کو کیون اس محبت کے ساتھ یاد
فرمایا کرتے تھے - حق یہ ہی کہ اس کو وہی سمجھی کہ جو روحانی تقاضون سے باخبر ہو - یہ حضرت عائشہ رضؓ کے
سمجھنے کی بات تھی ہی نہین - البتہ ایسے روحانی معاملات کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ خوب سمجھتی تھین اسلئے اپنے
روحانی تقاضون سے جناب رسولؐ خدا پر اپنا روحانی اثر ڈالی ہوئی تھین اور یہ ایسا اثر تھا کہ اُنکی ممات کی بعد بھی
جناب رسولؐ خدا اُس اثر سے علیحدہ نہو سکے - یہ بات بیوجہ نہ تھی کہ آنحضرت نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو حضرت مریمؑ
اور حضرت آسیہ کا ہم پلہ قرار دیا تھا (دیکھو نووی صفحہ ٢٨٤) یہ دونون بیبیان بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کیطرح پاک

اوصاف رکھتی تھین اُسی حدیث مین جناب رسولؐ خدا نے حضرت عائشہؓ کی بھی تعریف فرمائی ہے
آپکو آنحضرتؐ نے ایک خستہ روٹی کے ٹکڑے سے تشبیہ دی ہے جسکی لذت ظاہر طور پر صرف ملویات سے تعلق رکھتی
ہے اور روحانیات سے تمام تر بیگانہ ہے آپ مناسبت طبیعت سے ام المومنین حضرت حفصہؓ کیساتھ ربط
رکھتی تھین۔ یہ ام المومنین حضرت عمرؓ کی صاحبزادی ہین اور اسقدر بد مزاج تھین کہ آپسے بیاہ کرنا کوئی
گوارا نہین کرتا تھا جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ حضرت حفصہؓ کے بیاہ جانیکا کوئی قرینہ نہین ہے تو آپ کو نہایت
جلال آیا اور آپنے میان سے تلوار کھینچی۔ نہین معلوم اس جلال کا کیا نتیجہ ہوتا۔ مگر حضرت رسولؐ خدا نے اس
بے سر و پا فساد کو رفع کرنیکی نظر سے حضرت حفصہ سے عقد کر لیا۔ مردون مین حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؑ سے
نہایت درجہ نفرت تھی اور حقیقت یہ ہے کہ جنگ جمل اُسی نفرت کا نتیجہ تھی حضرت عائشہؓ کی رحلت کی
نسبت کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ نے آپ کو کنوئین مین گرا کر ہلاک کر ڈالا۔ ایسی کارروائی حضرت معاویہ
سے بعید نہ تھی۔ اگر ایسا کیا ہو تو کوئی جائے تعجب نہین ہے۔

راقم اوپر عرض کر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ مین مناسبت طبیعت کے باعث موانست
تھی جسکے تقاضہ سے یہ دونون بیبیان آپس مین بے تکلفانہ باتین کیا کرتی تھین اور صلاح و مشورے
اُن کے درمیان ہوا کرتے تھے اور بہت سی پالسی کی کارروائیان بنتی جاتی تھین۔ چنانچہ پالسی کی
کارروائیون کا ایک نمونہ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کا یہ دستور تھا کہ آپ بیبیون کے گھرون مین التزاماً
جایا کرتے تھے اور کسی بی بی کے گھر اگر جی چاہتا تو کچھ کھا بھی لیا کرتے تھے۔ یا صرف شربت ہی پی لیا کرتے
تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کسی بی بی کے گھر سے شہد کا شربت پیکر حضرت عائشہؓ یا حضرت حفصہؓ کے
گھر تشریف لاتے تھے۔ اس بات سے یہ دونون بیبیان واقف تھین ان دونون
بیبیون نے آپس مین یہ مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کیجیے کہ جناب رسولؐ خدا اور بیبیون کے گھر
نہ جایا کرین اس غرض سے ان دونون بیبیون نے یہ رائے قایم کی کہ جب جناب رسولؐ خدا حضرت عائشہؓ
یا حضرت حفصہؓ کے گھر آئین تو آنحضرتؐ سے کہا جائے کہ آپ کیا شے نوش کر کے آتے ہین کہ آپ کے دہن پاک سے ناگوار
بو آتی ہے چنانچہ یہ دونون بیبیان جناب رسولؐ خدا سے ایسا ہی کہتی گئین۔ نعوذ باللہ العلی العظیم۔ قرآن
پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضرت حفصہؓ نے حضرت رسولؐ خدا کے کسی راز کو افشا کیا جسپر خدا تعالی نے
حضرت رسولؐ خدا کو اس امر سے متنبہ فرما دیا کقولہ تعالی فلما نبأت به واظهره الله (دیکھو سورہ تحریم تفسیر
بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۴۷ و تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۹۱۹ و تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۲۳۵ و تفسیر کبیر رازی
جلد ۸ صفحہ ۳۴۳) پس خطاب عتاب آمیز دونون بیبیون پر خدا کی جانب سے نازل ہوا۔ وہ آیت خطاب
اُسی سورہ تحریم مین یون ہے کہ ان تتوبا الی الله فقد صغت قلوبکما یعنی اے عائشہؓ اور حفصہؓ
دونون خدا کی جناب مین توبہ کرو بہ تحقیق کہ تم دونون کے دل حق سے ہٹ گئے ہین تفسیر بیضاوی

جلد ا صفحہ ۲۰۳ و تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۹۱۹ و تفسیر کبیر رازی جلد ۸ صفحہ ۲۳۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطاب خدا کا حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی جانب ہی اور مفسرین یہ کہتے ہین کہ اس عتاب کے نازل ہونیکی یہ وجہ ہوئی کہ راز رسولؐ کے افشا سے رسول اللہؐ کو ایذا پہنچی۔ یہ تو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کیساتھ خداوندی عتاب وخطاب ہی مگر اس پر بھی حضرت پیر دستگیر غنیۃ الطالبین مین حضرت عائشہؓ کو تمام عالم مین افضل النسا قرار دیتے ہین۔ واقعی حضرات اہل سنت کی کوئی بات بھی سمجھ مین نہین آتی۔ کہان خدا کا عتاب اور کہان افضل النسا کا خطاب۔ ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ اس مذہب کی بنا اتلاف حق اور مخالفت اہل بیتؑ پر واقع ہوئی ہی۔ لاریب ایسی بنا پر جو عمارت مذہب کی قایم کیجائے گی وہ کمزور واقع ہوگی۔ اب اہل انصاف حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؑ کا موازنہ ایمان اور انصاف کیساتھ کرکے پیش خدای پاک اظہار رائے فرمائین۔ کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؑ مین کون بی بی افضل النسا قرار دیے جانیکا حق رکھتی ہین۔ آیت ہای مذکورہ بالا کے علاوہ سورہ احزاب پارہ ۲۲ مین آیت یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلیٰ موجود ہی جس سی خدا تعالے کی نارضامندی ہویدا ہوتی ہی اور جسکا ترجمہ یہ ہی کہ اے نبی کہو تو اپنی بیبیون سی کہ اگر تم لوگون کو حیات دنیا اور زینت دنیا پسند ہی تو آؤ ہم تم کو طلاق دین اور تم اپنی گھرون مین رہا کرو مگر زنان کافر کی روش اختیار نہ کرو۔ بیبیون سی یہان مراد حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ ہین۔ اسلیئے کہ ان دونون بیبیون سے حضرت رسولؐ خدا کو اسقدر ایذا پہنچ چکی تھی کہ ان مین سی حضرت عائشہؓ کیساتھ طلاق دینے کی بات کی تھی اور دوسری صاحبہ یعنی حضرت حفصہؓ کو طلاق رجعی دیچکے تھی (دیکھو تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ و تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۱۵۱۷ و تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۷۹) ان سب معاملات سے ظاہر ہوتا ہی کہ جناب رسولؐ خدا حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ سی رضامند نہ تھے۔ ظاہر ہی کہ آنحضرت کی ایسی نارضامندی کے ساتھ حضرت عائشہؓ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مقابلہ مین برابری کا دعویٰ تو ہو ہی نہین سکتا۔ آپ حضرت خدیجہؑ سی افضل کیون کرمانی جاسکتی ہین۔ اسیطرح یہ ہی کہ حضرت پیر دستگیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے انکو افضل النسا ئے عالم بنا ہی دیا۔ اے خدا کے بندو اتم کو تمہاری خالق نے عقل نہین پیدا کیا ہی۔ خدارا کچھ تو عقل سی کام لو کس قاعدہ اور قانون سی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی ہوتے حضرت عائشہؓ افضل النسا مانی جاسکتی ہین۔ حضرت خلیفہ اول صاحب کی محبت مین اسقدر از خود رفتگی چہ معنی دارد۔ اگر تم خدا تعالیٰ سی اپنے واسطے حق پرستی کی دعا نہین مانگتے تو مین تمہارے واسطے اس توفیق کی دعا مانگتا ہون۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو بڑی سیرچشمی واہب العطایا نے بخشی تھی۔ آپ نے جناب رسول خدا کو کبھی کسی دنیاوی شی کی واسطے تکلیف نہیں دی۔ اپنے سارے مال واموال کو بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ اپنے شوہر یعنی شہنشاہ رسل کو سپرد کر دیا۔ اور خود الفقر فخری کی مصداق ہو گئیں۔ ایک تو فطرت سے حضرت خدیجہ بڑے بڑے اوصاف حمیدہ سے متصف تھیں اس پر آنحضرت کی صحبت پاک ومقدس نے آپ کے اُن اوصاف گرامی کو جلا دیدی۔ اسکے برعکس حضرت عائشہؓ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت جناب رسول خدا کا کوئی اثر آپ میں نہیں ہوا۔ سیرچشمی جو لوازمۂ قناعت سے ہے آپکی سرشت میں داخل نہیں تھی۔ چنانچہ جب مال غنیمت جہاد سے آتا تو حضرت عائشہؓ اُس مال سے حصہ لینے میں زور اور شدت کو راہ دیتی تھیں المختصر تمام معاملات پر نظر ڈالکر چشم انصاف میں حضرت خدیجہ ایک لاجواب بی بی دکھائی دیتی ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ ہرگز آپ کا مثل نہیں قرار پا سکتیں۔ حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عائشہؓ کو عالم کی تمام بیبیوں سے افضل قرار دینا صرف حضرت ابوبکرؓ کی محبت کی تقاضا سے ہے محبت میں محویت ہوتی ہے۔ محویت میں حق وناحق کی تمیز باقی نہیں رہتی اس سے زیادہ اور راقم کیا عرض کرے۔

آخر میں راقم اپنی ایک ایسی سرگذشت کو حوالۂ قلم کرتا ہے جس کو مضامین بالا سے پورا پورا تعلق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہیچمدان ایک دوست کے گھر مولود شریف کی شرکت کی غرض سے مدعو ہوا تھا دو صاحب مولود خوان جو اہل علم سے مانے جاتے تھے جب مولود خوانی سے فارغ ہو چکے تو سرگرم وعظ بھی ہو گئے۔ وعظ میں دونوں صاحب یکے بعد دیگرے کسیقدر محامد سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان کر کے فضائل ام المومنین حضرت عائشہؓ کو دیر تک بطول دیکر بیان کرتے رہے۔ ہر صاحب نے آپکے فضائل کے بیان میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی بیچارے سامعین کہ اکثر بے علم تھے اور کچھ حضرات جو اہل علم سے ہوں گے۔ نہایت رغبت کیساتھ دونوں صاحبوں کے بیانات کی طرف متوجہ رہے لیکن راقم اپنی اس تکلیف کو عرض نہیں کر سکتا کہ جب دونوں صاحبوں نے بڑی لسانی کیساتھ حضرت عائشہؓ کی اس فضیلت کو بیان کیا کہ جناب رسول خدا حضرت ممدوحہؓ کو اپنے کاندھے پر چڑھا کر پٹہ اور بانک کا تماشا آپ کو دکھلاتے تھے۔ اسی فضیلت کو حضرات اہل سنت اکثر بیان فرمایا کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی محبت میں اُن حضرات کو فراز ونشیب کا کوئی خیال نہیں رہتا۔ خیر اس فعل سے گو بھی جناب رسول خدا کی نیک مزاجی ظاہر ہوتی ہے مگر اس سے حضرت عائشہؓ کی کون سی فضیلت ثابت ہوتی ہے صغر سنی کی باعث تماشا دیکھنے کی خواہش فرماتی ہو گی اور جناب رسول خدا تماشا دکھلا دیتے ہوں گے۔ خود یہ قصہ مہمل نظر آتا ہے اور اگر بالفرض ایسا تھا بھی تو

اس پر فخر و مباہات کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اس سے کوئی روحانی تعلق جناب رسول خدا کا حضرت عائشہ رض کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔ اس سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا حضرت عائشہ رض پر بہت مہربان تھے اور اس سے بھی زیادہ مہربان ہوتے اگر حضرت ممدوحہ سے آنحضرت کو ایذائیں نہ پہنچتیں جیساکہ اوپر دکھلایا گیا ہے اور وہ ایسی باتیں تھیں کہ آنحضرت کا رنج اس درجہ تک پہنچ گیا تھا کہ آپکے دماغ پاک میں طلاق تک کا مضمون جگہ کر چکا تھا۔ خیر مجلس وعظ دیر تک رہی مگر آخر اس کے سامعین ذی فہم کو چھٹکارا نصیب ہوا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ جائے غور ہے کہ وہ ذی علم بزرگ دیر تک ام المومنین حضرت عائشہ رض کے فضائل بیان کیا کئے۔ مگر ان میں سے کسی صاحب نے بھولے سے بھی حضرت خدیجہ ع کا نام تک نہ لیا بیان فضائل تو درکنار اس سے سمجھنا چاہیئے کہ حضرات اہل سنت کو حق پرستی اور حق گوئی کی طرف کتنا کچھ میلان ہے۔ سنی بھائیو! سوچنے کی بات ہے۔ اتلاف حق کسی مذہب میں روا نہیں ہے۔ آپ تو اپنے کو فرقہ ناجیہ جانتے ہیں۔ پھر یہ حق کشی کیسی۔ کتابیں آپ کے مذہب کی موجود ہیں۔ انکے مطابق حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رض کے فضائل کا فیصلہ فرما لیجئے۔

جعفر کذّاب

جعفر معروف بہ کذاب۔ یہ بیٹے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے اور بھائی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے تھے۔ چونکہ جعفر نے بمقابلہ حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کے امامت کا دعویٰ کیا تھا اسواسطے ان کو اہل سیر کذاب کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ صاحب اوائل میں نہایت ناہموار اور بدترکیب آدمی تھے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے کوئی درجہ عداوت کا اٹھا نہیں رکھا تھا حضرت امام ہمام کو قید کرا دینے میں کسی کوشش سے باز نہ آئے۔ گو ہمیشہ آپ اپنے ارادوں میں ناکامیاب ہی رہے۔ جعفر کذاب اور ان کے بیٹوں کی نسبت حضرت امام صاحب العصر علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ انکی حالت مشابہ ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے۔ طبرسی اور بعض اشخاص جعفر کذاب کی توبہ کے قائل ہیں اور حق بھی ہے کہ جعفر نے اسی طرح توبہ کی جیساکہ برادران حضرت یوسف نے توبہ کی تھی۔ اس توبہ کے بعد جعفر کذاب جعفر توّاب کہلانے لگے۔ اس بیان کی معین ریاض الشہادۃ کی روایت بھی ہے۔ مختصر یہ کہ توبہ کے بعد جعفر معصیت سے پاک ہو گئے اور کذاب کی جگہ اب ملقب بہ توّاب ہیں۔

حضرت محمد ابن حنفیہ اور امام زین العابدین علیہ السلام

حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت محمد ابن حنفیہ پسر حضرت علی ع نے حضرت

امام زین العابدینؑ کی امامت سے انکار کیا اور خود مدعی امامت ہوئے اسپر بھی شیعہ حضرت محمدؒ ابن حنفیہ کی مدح کرتے ہیں۔ پس اسیطرح حضرات خلفائے ثلثہ کی مدح کیوں نہیں کرتے۔ بظاہر محمدؒ ابن حنفیہ کی مدح کئے جانیکا سبب اسکے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ محمدؒ ابن حنفیہ سادات علویہ سے تھے اور سیادت کی بنیاد پر آپکی عظمت کیجاتی ہے" جواب اسکا شیعوں کیطرف سے یہ ہے کہ جب محمدؒ ابن حنفیہ نے جناب امام زین العابدینؑ سے کہا کہ میرے والد ماجد کی وصیت امامت حسنین علیہما السلام کے متعلق تھی اور تمہارے والد ماجد حسینؑ شہید ہوئے بلا وصیت اور میں تمہارا بزرگ ہوں اور سن میں بھی تمسے زیادہ اور اپنے باپ کی نشانی ہوں ایسی صورت میں تم مجھسے امر امامت میں نزاع و مخالفت نکرو۔ پس جناب امام زین العابدینؑ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ اے چچا میرے والد ماجد نے سفر عراق سے پہلے میرے واسطے وصیت امامت فرمائی اسکے ثبوت میں میرے پاس سلاح جناب رسول خداؐ ہے مناسب یہی ہے کہ آپ میرے ساتھ امر امامت کے مادے میں نزاع نہ کریں۔ ایسے فعل سے کمی عمر و خرابی حال متصور ہے۔ آپکو جاننا چاہئے کہ خدا نے صلب حسینؑ میں منصب امامت عطا فرمایا ہے۔ یہ جواب حضرت امام زین العابدینؑ علیہ السلام کا حضرت محمدؒ ابن حنفیہ جیسے ذی فہم اور حق پرست آدمی پر اثر معقول پیدا کرنیکے واسطے کافی تھا۔ آپ اسکے بعد ہمیشہ جناب امام زین العابدینؑ کو اپنا آقا اور امام جانتے رہے۔ ایکاش حضرات خلفائے ثلثہ بھی اسیطرح حضرت علیؑ کے دعویٰ خلافت کو حق مان لیتے جسکی بنا پر شیعہ شوق سے حضرات ممدوحین کی مدح و عظمت کیا کرتے حق یہ ہے کہ محمدؒ ابن حنفیہ ایک غلطی میں مبتلا ہوئے اور پھر بخت کی یاوری سے اُس غلطی کی اصلاح کر لی۔ حضرات خلفائے ثلثہ آخر دم تک اپنی سینکڑوں غلطیوں پر قایم ہی رہے۔ ایسی صورت میں اہل تشیع سے اُنکی مداحی اور تعظیم کیونکر عمل میں آسکتی ہے۔ واضح ہو کہ یہ روایت کتاب احتجاج تالیف شیخ عزیز الدین حجت الاسلام بن ابی المنصور احمد بن علی بن علی ابن ابی طالب الطبرسی کے صفحہ ۱۷۷ میں دیکھی جاتی ہے۔ اس کتاب کی روایت میں اتنا اور زائد ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ علیہ السلام نے حضرت محمدؒ ابن حنفیہ کا جواب دیکر حضرت محمدؒ ابن حنفیہ سے فرمایا کہ اس مقدمہ کو ہم اور آپ حجر اسود کی شہادت پر حوالہ کریں کہ وہ بقدرت خدا ناطق ہو کر فریقین کے دعوئے امامت کا فیصلہ کر دے۔ حضرت محمدؒ بن حنفیہ نے اسے قبول کیا اور فریقین حجر اسود کے نزدیک آکر اپنا اپنا دعویٰ پیش کرکے خدا تعالیٰ کیطرف رجوع لائے۔ بحکم خدا سے حجر اسود زبان عربی میں بولا کہ حسینؑ کی وصیت امامت علی بن الحسینؑ۔ یعنی امام زین العابدینؑ کیواسطے امر حق ہے۔ یہ فیصلہ حجر اسود کا سنکر حضرت محمدؒ ابن حنفیہ اپنے دعوئے امامت سے باز آئے اور بقیہ عمر حضرت امام زین العابدینؑ کو اپنا امام جانتے رہے۔ راقم کی دانست میں جناب امام زین العابدینؑ کا دعوئے امامت اسقدر پُر زور تھا کہ حضرت محمدؒ ابن حنفیہ جیسے حق پسند آدمی کو حجر اسود کی طرف تصفیہ کی نظر سے رجوع لانیکی بھی کوئی حاجت نہ تھی۔

اہل سنت اور حضرت شہر بانو

اہل سنت فرماتے ہیں کہ اگر جہاد خلفائے ثلثہ حسب اعتقاد اہل تشیع درست نہ تھے تب حضرت شہربانو جو غزوہ قادسیہ کی فتح کے بعد بندی کی حیثیت سے مدینہ میں آئیں اور اُنکے بطن مبارک سے حضرت امام زین العابدین پیدا ہوئے تو اس معاملہ کو شرعی پہلو سے کیونکر درست کہینگے یعنی امام حسین کا تعلق حضرت شہربانو کے ساتھ اور اُنکے بطن سے امام زین العابدین کا پیدا ہونا کیا حیثیت شرعی رکھیگا۔ راقم سابق میں ایک کافی تحریر اس مواصلت کی نسبت بحوالہ قلم کرچکا ہے۔ مگر یہاں پر بحار الانوار کی جلد عاشر کے مطابق یہ عرض کرتا ہے کہ حضرت شہربانو کا نکاح جناب امام حسین علیہ السلام کیساتھ پڑہوایا گیا اور جہاد کی قیدی عورتوں کیساتھ جو کارروائی جائز رکھی گئی ہے وہ کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجت نکاح کی تہی۔ اور یہ حاجت کیوں ہوئی۔ اُسکا سبب یہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ کے جہاد صحیح نہ تھے۔

والدین نبی و امام

اہل سنت فرماتے ہیں کہ اعتقاد اہل تشیع کے مطابق امام اور نبی کے والدین کو مسلمان ہونا چاہیے کافر نہونا چاہیے۔ پس جناب امام زین العابدین کی والدہ شریفہ کی نسبت کیا کہا جائیگا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ملا اخوند مجلسی کی جلاء العیون کی روایت کے مطابق جناب سیدہ علیہا السلام نے خواب میں حضرت شہربانو کو اسلام اور ایمان کی تعلیم و تلقین فرمائی تہی۔ اس سے حضرت شہربانو متمنی جگر گوشہ حضرت رسالتمآب کی رہتی تہیں۔ اسی خواب میں حضرت سیدہ صلوات اللہ علیہا و ابیہا نے حضرت شہربانو کو نام پاک سے بہی حضرت امام حسین علیہ السلام کے آگاہ کردیا تہا آپکے بالوں میں دست مبارک سے شانہ بہی کیا تہا اور بشارت تزویج بہی دیدی تہی۔ راقم عرض کرتا ہے کہ جو بدبخت حضرت شہربانو کو کافرہ سمجھے وہ خود اکفر الناس ہے۔ الزام کفر کا حضرت شہربانو پر عائد نہیں ہوسکتا۔ آپکا نکاح حضرت امام حسین علیہ السلام کیساتھ اسلامی قاعدہ کیساتھ انجام پایا تہا۔ اور آپ اپنے مذہب آبائی سے کنارہ ہو چکی تہیں اور تا دم مرگ مومنہ رہیں۔ حضرات اہل سنت کا اعتراض محض عنادی ہے۔

آیا حضرت ابوطالب کافر تھے؟

اسپر بہی حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب بہی کافر تہے۔ پس راقم ذیل میں اسکی بہی تحقیق عرض کرتا ہے۔ جناب رسول خدا کے والد ماجد حضرت عبد اللہ چند بہائی تہے۔ انمیں سے ایک زبیر اور ایک ابوطالب تہے۔ زبیر کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ زبیر نے جناب رسول خدا کی پرورش و کفالت حضرت کی طفلی کے زمانہ میں کی تہی۔ مگر تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۲۵۳ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب اور زبیر نے اس کام کیلئے قرعہ ڈالا تہا اور قرعہ نام سے حضرت ابوطالب کے نکلا تہا اور خود جناب رسالتمآب نے فرط موانست کیوجہ سے حضرت ابوطالب کی پرورش اور کفالت کو اختیار فرمایا تہا حق یہ ہے کہ

حضرت ابوطالب جناب رسول خدا کو اپنی اولاد سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ محبت کے تقاضا سے یہ چچا حضرت رسول خدا کے پہلو میں سویا کرتے تھے اور جہاں حضرت رسول خدا جاتے آنحضرت کی حفاظت کی نظر سے ساتھ ساتھ رہتے۔ جب حضرت رسول خدا سن رشد کو پہنچے تو آنحضرت سے حضرت ابوطالب نے کہا کہ میں کثیر العیال اور مفلس ہوں اور حضرت خدیجہ تجارت شام کیلئے کسیکو مشخص کرنیوالی ہیں اگر تم حضرت خدیجہ کے پاس جاؤ اور اس کام کی اُنسے درخواست کرو تو وہ تم کو قبول کرینگی۔ جب اس امر کی خبر حضرت خدیجہ کو پہنچی تو آپنے خود آنحضرت کے پاس اپنا وکیل بھیجکر تجارت شام کی تقرری کا پیغام بھیجا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر آپ اسکو قبول فرمائینگے تو دوگنا محنتانہ آپکو دونگی۔ یہ معلوم ہے کہ آپنے اس عہدے کو بڑی دیانت داری سے انجام دیا اسکی وجہ سے حضرت خدیجہ آپکی بڑی قدر کرنے لگیں۔ حضرت خدیجہ جناب رسول خدا کی رفتار و گفتار سے سمجھ گئی تھیں کہ آنحضرت ایک غیر معمولی حیثیت کے آدمی ہیں اسلئے آپنے آنحضرت سے عقد کرلینے کا بھی مصمم قصد کرلیا تھا حضرت ابوطالب نے بھی اس مواصلت کو نہایت مناسب جانکر اپنی خوشنودی ظاہر کی اور یہ مواصلت انجام پاگئی۔ تاریخ خمیس و سیرۃ المحمدیہ و سیرۃ الحلبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نکاح کا خطبہ خود حضرت ابوطالب نے پڑھا تھا۔ اور اس خطبہ میں یہ فرمایا کہ احسان اُس خدا کا ہے کہ جسنے ہم لوگوں کو ذریت ابراہیم کا وارث بنایا اور حفاظت کعبہ اور حجاج کی ہملوگونکو سپرد کی اور ہملوگ احکام الٰہی کے قایم کرنیوالے ہوئے اور حرم کعبہ جائے امن قرار پایا اور ہم لوگ آدمیوں کے حکام مقرر ہوئے اور برادرزادہ میرے یعنی حضرت رسول خدا اگرچہ بے مقدور ہیں الانسب و حسب و عقل و علم میں سب سے افضل ہیں اور مال و ثروت چند روزہ ہے اور دولت دین دائمی ہے۔ اور عنقریب انشاءاللہ وہ دولت ظاہر ہوگی۔ یہ آخر کا جملہ نہایت قابل لحاظ ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب جناب رسول خدا میں اعلیٰ درجے کے آثار برتری پاکر آپکے مؤید من اللہ ہونیکا یقین رکھتے تھے اسکے پہلے کے فقروں سے روشن ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب جناب رسول خدا کی نبوتی ترقی کو پیش نظر نہیں رکھے ہوئے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ نہ کہتے کہ مال و ثروت چند روزہ ہے اور دولت دین دائمی ہے۔ سبحان اللہ حضرت ابوطالب کیسے پاک خیال آدمی تھے۔ اور دینداری کسکو کہتے ہیں؟ کیوں اے مخالفین ابوطالب اب بھی اس عم رسول خدا کو کافر ہی قرار دوگے؟ یہ ناممکن تھا کہ جناب رسول خدا کا وصی اور خلیفہ برحق کسی کافر کا بیٹا ہو۔ خیر جناب رسول خدا کی عقد کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت خدیجہ کے حسب الطلب حضرت خدیجہ کے پاس جناب رسول خدا تشریف لائے تو حضرت خدیجہ نے آنحضرت کا ہاتھ پکڑلیا اور یہ کہا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا۔ میری تزویج قبول کرلو مجھے امید ہے کہ تم نبی ہوگے۔ میرے حق احسان کو مانو۔ جناب رسول خدا نے جواب میں فرمایا کہ اگر مجھے نبوت ہوگی تو بیشک تمہارا کہا کرونگا۔ بہرحال نکاح جناب رسول خدا کا سفر شام کے بعد ہوا۔ آپکے اس نکاح کے بعد کفار قریش نے آپکو قتل کرڈالنے کا قصد کیا۔ حضرت ابوطالب نے جمیع بنی ہاشم کافر و مسلم دونوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میرے مکان پر جاؤ اور کفار قریش کو اس فعل سے باز رکھو۔ پس تمام بنی ہاشم نے ایسا ہی کیا۔ اگر حضرت ابوطالب کو کافر

سننے والو سچ کہو کہ یہ کام حضرت ابو طالب کا مسلمان کا سا تھا یا کافر کا سا؟ جناب رسول خدا کی جان بچانیوالا اور کافر؟ اے سبحان اللہ! حضرت ابو طالب تو کافر قرار دئے جائیں اور ایسے حضرات جو جناب رسول خدا کو نرغۂ کفار میں چھوڑ چھوڑ کر بار بار میدان جنگ سے بھاگ نکلتے ہوں (جیسے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کا فرار جنگ اُحد اور جنگ حنین سے ثابت ہے) اور کبھی رشتہ داری کے عذر پر کفار سے مقابلہ کرنے میں عذر کریں (جیسے کہ حضرت عمرؓ نے جنگ بدر میں شرکت جنگ سے اس بنا پر انکار کیا کہ ابو جہل آپکے ماموں تھے) اور کبھی مخالف کی قوت و ہیبت کیوجہ سے اُس سے مقابلہ کرنے میں انکار کریں (جیسے کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن عبدود کیساتھ مقابلہ کرنے میں عذر کیا) ایسے لوگ مسلمان کامل در کامل حتیٰ کہ جناب رسول خدا کے خلیفہ اور اسلامی دنیا کے امام مانے جائیں اگر مسلمانوں کے حق و ناحق کی یہی تمیز ہے تو لاریب مسلمانوں کا مذہب اعجب العجائب ہے۔ اسکے بعد سیرۃ المحمدیہ صفحہ ۷۰ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب قریش نے دیکھا کہ حضرت ابو طالب جناب رسول خدا کے رسوا و برباد کرنیسے منکر ہوئے تو عمارہ قریشی کو حضرت ابو طالب کے پاس لائے اور کہا کہ عمارہ حسین ہے آپ اسکو متبنےٰ لے لیجئے اور محمد یعنی جناب رسول اللہ کو ہمیں دیدیجئے پھر یہ الزام دیا کہ آپ کیسے آدمی ہیں جو ایسے شخص کا ساتھ دیتے ہیں کہ جسنے آپکے دین کی مخالفت کی اور آپکی قوم اور آپکے بزرگان قوم کو سفیہ بنایا۔ حضرت ابو طالبؑ نے جواب دیا کہ تمہارا خیال بد مجھے نہایت ناگوار گزرا۔ تم ہمیں کیا خوب صلاح بتلانے آئے ہو کہ تمہارے فرزند کو تو میں پرورش کروں اور اپنے فرزند کو قتل کرنے کے لئے تمہیں حوالہ کردوں۔ قسم بخدا ایسا کبھی ہونیوالا نہیں ہے۔ اسکے بعد قریش جناب رسول خدا کے درپے ایذا ہوگئے اُسوقت جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اے چچا ابو طالب قریش کے دفع شر کی راہ نکالئے اسپر حضرت ابو طالب نے تمام قبیلۂ بنی ہاشم کو طلب کرکے یکجا کیا اور اُنسے کہا کہ تم سب محمد یعنی جناب رسول خدا کی حفاظت کرو اور آنحضرت کو شر اعدا سے بچاؤ۔ سارے بنی ہاشم نے سوائے ابو لہب حضرت ابو طالب کے اس ایما کو قبول کیا۔ مگر اسکے بعد قریش علانیہ طور پر جناب رسول خدا پر ظلم کرنے لگے۔ حضرت ابو طالب کو کافر کہنے والے حضرات! کیا آپکی دانست میں یہ کوئی بے حقیقت خدمت بانی اسلام کے حق میں حضرت ابو طالب کیطرف سے ظہور میں آئی۔ صاحبو خدا کی ڈرو۔ جو شخص بانی اسلام کا ایسا دوستدار جان نثار کارگذار اور خیر اندیش ہو وہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق کافر سمجھا جائے۔ اگر مسلمانی اسیکو کہتے ہیں تو ایسی مسلمانی کو سات نہیں سات ہزار بلکہ سات لاکھ سلام جسنے سبکے پابند ایسی بےحیاسی کی بلا میں مبتلا ہیں انکی نسبت یہ کہنا نہایت جائز ہو کہ مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم۔

تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت ابو طالب سے کہا کہ اے میرے چچا خدا نے دنیا میں نبوت بھیجی ہے قرآن کے ذریعہ سے اور اس قرآن میں خدا کا نام ہے اور وہ قرآن منہیات سے منع کرتا ہے۔ یہ سنکر حضرت ابو طالب قریش کیطرف تشریف لے گئے۔ اور انکو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور اُنسے یہ کہا کہ قطع رحم کرنا ملتوی رکھو پھر دیکھو کہ اگر محمد یعنی رسول خدا اپنے دعوی میں کاذب نکلے تو میں اُنہیں تم ہی لوگوں کو دیدونگا لیکن اگر راست نکلے تو تم اپنے فعل سے باز آؤ۔ اس پر

سارے قریش راضی ہو گئے۔ ایسے معاملات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طالب ہر قدم پر اسلام و بانی اسلام کی خدمت عمل میں لایا کرتے تھے۔ اسپر بھی مخالفان ابو طالب کو شرم نہیں آتی کہ آپ کو کافر کہتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر حضرت ابو طالب اسطرح کے محافظ اور خیر اندیش جناب رسول خدا کی نہیں ہوتے تو قریش کے ہاتھوں جناب رسول خدا کی جان نہ بچتی۔

اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ اس جگہ کس حسن و خوبی کیساتھ حضرت ابو طالب نے جناب رسول خدا کا پیغام رسالت قوم قریش کو پہنچا بھی دیا اور انھیں بر سر شر ہونے سے روک بھی دیا۔ اے حضرات حق پسند حضرت ابو طالب کے اس قول کو حضرت ابو بکر کے اس قول سے کہ "بہ تحقیق محمدؐ مارے گئے اب تم لوگ اپنے مذہب جاہلیت کیطرف عود کر جاؤ" یا حضرت عمرؓ کے اس قول سے کہ "مجھے آج جسقدر نبوت جناب رسول خدا میں شک ہوا کبھی اسقدر شک نہیں ہوا تھا" ملائیے تو معلوم ہو جائیگا کہ کونسا قول مقر اسلام کا ہے اور کونسا قول منکر اسلام کا ہے اسپر بھی بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ ابو طالب کافر ہے۔ اور جہنم کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ لاریب یہ روایت وضع کردہ جماعت بنی امیہ کی ہے اسلئے کہ تمامتر عقل و قرینہ کے مخالف ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید اپنی شرح جلد ۲ میں لکھتے ہیں کہ ابو طالب اگر کافر ہوتے تو جناب رسول خدا کافر سے محبت نہ فرماتے۔ اسلئے کہ خدا نے کفار کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ واضح ہو کہ منجملہ دو حدیث کفر کے ایک راوی مغیرہ ہے اور اس کا بغض بنی ہاشم کیساتھ اور خاصکر حضرت علیؑ کیساتھ مشہور زمانہ ہے۔ یہ شخص بڑا نا اہل سخت فاسق بھی تھا۔ اور دوسری حدیث کا راوی شعبہ ہے جسپر دار قطنی نے جرح کر کے کہا ہے کہ "یہ شخص جو فروش گندم نما ہے۔ ظاہر میں یہ شخص ثقہ اور باطن میں ابلیس ہے علاوہ اسکے فاسق بھی تھا" غضب خدا کا ہے کہ ایسے ذرائع روایت پر تکیہ کر کے مخالفان حضرت ابو طالب آپکو کافر قرار دیتے ہیں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ اسلئے کیا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کی فضیلت حضرات شیخین پر کسی پہلو سے ثابت نہو سکے۔ ظاہر ہے کہ حضرات شیخین کے باپ مشرف بہ اسلام نہوئے تھے پس اگر حضرت ابو طالب مسلمان مانے جائینگے تو حضرات شیخین سے حضرت علیؑ کو جہت پدری کیوجہ سے فضیلت حاصل ہو جائیگی۔ پس مصلحت اسی میں ہے کہ سب کے باپ کافر مطلق ہی سمجھے جائیں۔

اسمیں ایک مصلحت اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مذہب امامیہ کی رو سے نبی اور امام کے باپ کو دین خدا کا پابند ہونا چاہئے پس اگر حضرت علیؑ کے باپ مسلمان مان لئے جائیں گے تو بمقابلہ حضرات شیخین کے حضرت علیؑ کو بالیقین مرجح حیثیت امامت کی پیدا ہو جائیگی پس حضرت ابو طالب کے کافر ہونیکی حدیثیں نہ گھڑی جائیں تو کیا کیا جائے۔ حدیثوں کے موضوع کرنیکا تو بڑا اہتمام امیر معاویہ کے وقت میں تھا جیساکہ اوپر بیان ہوا ہے۔ چودہ ہزار حدیثیں حضرت ابو بکرؓ کی شان میں گھڑی گئی ہیں اور اسی کے اضعاف میں کتنی حدیثیں مشعر بہ توہین حضرت علیؑ وضع کی گئی ہیں جو حضرت علیؑ پر تبرا کی متقاضی ہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

سیرۃ الحلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ میں مندرج ہے کہ اہل قریش نے حضرت ابو طالب سے جناب رسول خدا کی

شکایت کی اسپر حضرت ابوطالب نے جناب رسول خدا سے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے میری دانست میں تمہارا کوئی فعل ناپسندیدہ نہیں ہے۔ اس کہنے سے چچا کی مہربانی کو دریافت کر کے آنحضرت حضرت ابوطالب سے بولے کہ اے چچا آپ کلمہ پڑھیے تاکہ میری شفاعت آپکو قیامت میں کام آئے گو کیسی ہی معصیت آپ سے سرزد ہوئی ہو۔ یہ سنکر حضرت ابوطالب نے جواب دیا کہ اے فرزند اگر مجھے قریش کی ایذارسانی اور عداوت کی ترقی کا اور مسلمانوں کے ضعف کا تردد نہوتا تو بیشک میں کلمہ زبان پر برملا لاتا اور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا لیکن میں مرونگا دین آباؤ اجدادی پر۔ مگر حضرت ابوطالب نے وقت رحلت تمام بنی ہاشم سے وصیت کی کہ محمد یعنی حضرت رسول خدا کی اطاعت کرنا اور تصدیق رسالت کرنا تاکہ تمہیں نجات اور ہدایت نصیب ہو اسپر جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اے عم آپ دوسرونکو تو نصیحت کرتے ہیں اور آپ خود اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے۔ اسکے جواب میں حضرت ابوطالب نے کہا کہ اے فرزند میں جانتا ہوں کہ تم اپنے دعویٰ میں صادق ہو لیکن مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ قریش کہیں گے کہ بخوف موت میں نے اقرار رسالت کیا۔

روایت سابقہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب دل سے اسلام کی اعانت کرتے تھے اور درپردہ اسلام کے جاری ہونے میں کوشش کرتے تھے یہ اتنا امر آپکے باایمان سمجھے جانیکے لئے کافی ہے۔ آپ کا برملا اسلام کا اختیار نکرنا خالی از مصلحت نہ تھا۔ اگر آپ قوم قریش یا اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے آگے کھلے کھلے طور پر اسلام کا اقرار کر لیتے تو آپکا وہ اثر جو قوم قریش اور قبیلہ بنی ہاشم پر تھا زائل ہو جاتا۔ مگر اسلام ہو کر آپ جناب رسول خدا کو دشمنان اسلام سے بچا نہ سکتے۔ آپکے مسلمان ہو جانے پر پھر قوم قریش اور قبیلہ بنی ہاشم کے کفار آپکی کچھ نہ سنتے اپنا اثر معقول قایم رکھنے کی نظر سے آپ بظاہر اپنی قدیم حالت پر قایم رہے اس اثر کا زائل ہونا جناب رسول خدا کے حق میں سم ہو جاتا تب قریش آپکو قتل کر ڈالتی اور اسلام یہ اسباب ظاہر شروع ہوتے ہی ختم ہو جاتا۔ حضرت ابوطالب بہت دانا آدمی تھے اور اپنے زمانہ کے نشیب و فراز کو خوب سمجھتے تھے یہ آپ پر روشن تھا کہ ظاہرا اسلام قبول کر کے آپ اسلام اور بانی اسلام کی زیادہ خدمت نکر سکیں گے اسلئے بظاہر آپ بدستور اپنی قدیم حالت پر قایم رہے آپکو پورے طور پر اسلام کا اقرار تھا اور اس دین کی خوبیوں کو آپ بخوبی سمجھے ہوئے تھے اسیوجہ سے ہر قدم پر اسلام اور بانی اسلام کی مددگاری کو آپ ملحوظ رکھتے تھے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرات خلفا کی خلاف میں حضرت علیؑ کی جہاد نکرنے کا سبب

حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ جب جناب رسول خدا نے رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکر خلیفہ قرار پائے تو آپنے یعنی حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ کے خلاف میں جہاد کیوں نہ کیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپکے نزدیک حضرت ابوبکر کی خلافت برحق تھی جواب اسکا یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کو آپ ہرگز حق نہیں جانتے تھے مگر آپ جناب رسول خدا کے فرمودہ پر عامل ہوئے جیسا کہ انوار نعمانیہ کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے

اسی کتاب میں سلیم بن قیس ہلالی کی یہ روایت دیکھی جاتی ہے کہ حضرت علیؑ نے کسی سے یہ سوال کیا کہ آپ نے بنی تیم و بنی عدی اور بنی امیہ سے انکے خلیفہ ہونے پر کیوں نہ جہاد فرمایا حضرتؑ نے جواب دیا کہ مجھے جناب رسول خدا نے فرمایا تھا کہ جب تک تم اپنا معین نہ پاؤ جہاد سے سکوت کرنا اور پھر ارشاد کیا کہ جب حضرت موسےٰؑ کوہ طور پر میقات میں تشریف لے گئے اور اپنی جگہ اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا گئے تو بنی اسرائیل نے حضرت ہارونؑ کے خلاف میں گوسالہ پرستی اختیار کی بایں ہمہ حضرت ہارونؑ نے جہاد سے سکوت اختیار کیا۔ حالانکہ حضرت ہارون نبی تھے اور جہاد کتاب موسےٰؑ کے رو سے جائز تھا پس جب جناب رسول خدا نے وفات پائی اہل مدینہ اور اصحاب جناب رسول خدا حضرت ابوبکرؓ کیطرف مائل ہوئے اور سب نے حضرت ابوبکر سے بیعت کی درحالیکہ میں جناب رسول خدا کے کفن و دفن میں مشغول رہا اور اسکے بعد جمع و ترتیب آیات قرآنی کرتا رہا۔ جاننا چاہیے کہ جہاد سے حضرت ہارون اور حضرت علی مرتضےٰ کا سکوت اختیار فرمانا مبنی بر مصلحت تھا اور وہ یہ کہ اگر حضرت ہارون بنی اسرائیل کے خلاف جہاد اختیار فرماتے تو بنی اسرائیل حضرت ہارونؑ کی اس کارروائی سے تباہ و خراب ہو کر نیست و نابود ہو جاتے اسیطرح اگر حضرت علی حضرت ابوبکرؓ اور اُنکے طرفداروں پر جہاد کرتے تو حضرت رسول خدا کا دین جو آنحضرتؐ کی وفات کیوقت ایک گونہ ابتدائی حالت میں تھا بہت جلد صفحۂ دہر سے مٹجاتا یہ تشبیہ حکم تشبیہ تامہ کا رکھتی ہے بنی اسرائیل کا گوسالہ پرستی اختیار کرنا اور اہل مدینہ کا امام وقت سے منہ موڑ کر اپنا خلیفہ آپ بنا لینا دونوں ایسے امر ہیں کہ بہت کچھ آپس میں مشابہت رکھتے ہیں واقعی حضرت امیرؑ کی بلاغت کوئی حد نہیں رکھتی۔ جن صاحبوں نے آپکے خطبات آپکے اشعار اور آپکے اقوال پر نظر غور ڈالی ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ آپکی بلاغت کیسی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ کلام الامیر امیر الکلام کا مصداق۔ آپکا ہر فرمودہ ہے۔ کیوں نہو۔ کلام معصوم گویا کلام خدا ہوتا ہے کلام خدا کی خوبیاں محتاج بیان نہیں ہیں

اسی کتاب انوار نعمانیہ میں یہ بھی درج ہے کہ کسی شخص نے جناب امام رضا علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ جناب علی مرتضےٰ نے بعد جناب رسول خدا ۲۵ برس تک اپنے اعدا کے برخلاف جہاد کیوں نہ کیا حالانکہ اپنے عہد خلافت میں جہاد فرمایا۔ حضرت امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ نے جناب رسول خدا کیساتھ ترک جہاد میں اقتدا کی۔ جناب رسول خدا نے نبوت حاصل ہونیکے بعد ۱۳ سال تک مکہ میں اور ۱۹ مہینے تک مدینہ آنے پر بھی کفار کے برخلاف جہاد نہیں کیا اسکا سبب یہ تھا کہ اتنے عرصہ تک آپکے اعوان و انصار بہت ہی قلیل تھے لیکن اتنے عرصہ تک جہاد نکرنے سے آپکی نبوت باطل نہیں ہوئی اسیطرح ترک جہاد سے حضرت علیؑ کی امامت میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ جاننا چاہیئے کہ رسول اور امام کا فعل علم الٰہی کے موافق ہوا کرتا ہے۔ رسول اور امام جانتے ہیں کہ کون امر کب ہونیوالا ہے اور امور ماضی و حال و استقبال کے سب رسول اور امام پر منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ جناب رسول خدا کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ کے اعوان و انصار کی ایسی قلت تھی کہ صرف چار کس مقدادؓ و سلمانؓ۔ ابوذرؓ و عمارؓ اصحاب رسول خدا میں سے آپکے طرفدار تھے اسکے برعکس اکثر اصحاب

رسول خدا آپ سے منحرف ہو کر خلفائے ثلاثہ سے موافقت و اتفاق رکھتے تھے۔

عبد اللہ ابن عمر پر بیعت یزید کا الزام

اہل سنت کہتے ہیں کہ جو اعتراض حضرت عبد اللہ ابن عمر پر اہل تشیع کیطرف سے بیعت یزید کی نسبت وارد کیا جاتا ہے اس سے کوئی الزام حضرت عبد اللہ پر عائد نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ اہل تشیع کے امام زادے محمد ابن حنفیہ نے بھی جو حضرت علی کے ایک ذی رتبہ فرزند ہیں دست یزید پر بیعت کی اسکا جواب حضرت محمد ابن حنفیہ کے لگاؤ سے یہ ہے کہ جب یزید نے ایک طویل خط حضرت محمد ابن حنفیہ کو لکھا کہ جس میں وہ آپ سے بیعت کا مستدعی ہوا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ ہاں ہمنے بیعت تمہاری کی۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر کیطرح آپ مدینہ سے دمشق کو بیعت یزید کے حاصل کرنیکے لئے تشریف نہیں لے گئے۔ مدینہ میں بیٹھے بیٹھے یزید کے خط کا ایسا جواب دیدیا کہ یزید کے شر سے آپ محفوظ رہے آپ دیکھ رہے تھے کہ اسی بیعت طلبی کی بنا پر یزید جناب امام حسینؑ علیہ السلام کیساتھ کس طرح پر پیش آ چکا ہے۔ اور اب کہ نہ جناب امام حسنؑ زندہ ہیں اور نہ جناب امام حسینؑ علیہ السلام اور بنی ہاشم ایک حد درجہ کی کمزوری میں مبتلا ہو چکے ہیں اور خود حضرت محمد ابن حنفیہ جنگ صفین کے واقعہ کے بعد دونوں ہاتھوں کی رگوں کے کھنچ جانے سے اس قابل نہ رہے تھے کہ کسی سے بھی نبرد آزمائی کر سکیں ایسی حالت ناچاری میں اگر محمد ابن حنفیہ ایسا جواب یزید کو نہ لکھ بھیجتے تو کیا کرتے۔ جاننا چاہئے کہ یہ روایت بیہقی کی ہے جو اہل سنت سے ہیں اہل تشیع کے یہاں کوئی ایسی روایت نہیں ہے (دیکھو بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۵) یہ الزام اہل سنت کا خود اُنکے مذہب کی روایت پر مبنی ہے۔ اہل تشیع کی کوئی روایت ایسی نہیں ہے کہ جس سے حضرت محمد ابن حنفیہ کا دست یزید پر بیعت کرنا ثابت ہوتا ہو۔ خیر۔ راقم کی دانست میں اہل تشیع کا ایسا اعتراض حضرت عبد اللہ ابن عمر پر بیکار ہے اگر کسی اہل سنت نے حضرت معاویہ یا حضرت یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تو اُسنے اپنے مذہب کے تقاضہ کے خلاف کونسا کام کیا۔ حضرت معاویہ جسطرح اہل سنت کے نزدیک خلیفہ برحق ہیں اُسیطرح حضرت یزید بھی خلیفہ برحق ہونیکا استحقاق رکھتے ہیں۔ خلیفہ برحق سے بیعت کرنے میں کسی اہل سنت پر الزام کیونکر عائد ہو سکتا ہے یہ امر کہ حضرت یزید اہل سنت کے خلیفہ برحق تھے امام غزالی صاحب کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ لکھتے ہیں کہ حسینؑ پر یزید کی اطاعت واجب تھی اسلئے کہ حضرت معاویہ نے یزید کو استخلاف کے ذریعہ سے خلیفہ بنایا تھا۔ حق یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے اس امر میں حضرت ابو بکر کی نسبت اختیار کی تھی یعنی جسطرح آپنے حضرت عمر کو استخلاف کے ذریعہ سے خلیفہ بنایا تھا اُسیطرح حضرت معاویہ نے اپنے صاحبزادے کے حق میں وہی استخلاف کی کارروائی اختیار کی۔ سنی ہو کر اگر حضرت عبد اللہ ابن عمر نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تو کوئی کام اپنے مذہب کے خلاف نہیں کیا جو کچھ کیا خوب کیا۔ یہ کام اہل تشیع کی نظر میں برا معلوم

ہوتا ہے لیکن اہل سنت کی آنکھ میں بُرا نہیں دکھائی دیکتا۔ علاوہ استخلاف کے اجماع و شوریٰ و تسلط و قہر کی شرطیں بھی حضرت یزید کے موافق حال تھیں پس اصول خلافت کی رو سے حضرت یزید بمذہب گفتگو اہل سنت کے خلیفۂ وقت تھے اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا اُنکے ہاتھ پر بیعت کرنا امر ضروری تھا خاصکر ایسی حالت میں کہ آپ بلا بیعت زندہ رہنے کو اپنے مذہب کے تقاضا سے موت جاہلیت سمجھتے تھے۔

حضرت معاویہ ابن حضرت ابوسفیان

۱۳ میں سابق میں لکھ چکا ہوں کہ بنی امیہ سے جناب رسول خدا کو نفرت تامہ تھی یہاں تک کہ آنحضرت نے اس قبیلہ پر لعنت کی، شجرۂ ملعونہ جو قرآن شریف میں مذکور ہے باتفاق مفسرین اُس سے مراد قبیلہ بنی امیہ کا ہے جناب رسول خدا فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے منبر پر بنی امیہ بندر کی طرح چڑھتے اترتے ہیں (دیکھو تفسیر نیشاپوری اور تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر رازی) اور یہ بھی میں سابق میں لکھ چکا ہوں کہ بنی امیہ کس کس طرح سے حاکم شام ہو گئے اور آخر کار عرب کی سلطنت کیونکر اُنکے ہاتھ میں چلی گئی۔ بنی امیہ کو جناب رسول خدا دس برس کی محنت میں اسقدر کمزور کر گئے تھے کہ اب انمیں شیطنت کی قابلیت باقی نہیں رہی تھی مگر حضرات شیخین نے اپنی خلافت بچانیکے لئے اس قبیلہ کے سردار ابوسفیان کو حاکم شام کر دیا مگر چونکہ یہ صاحب خود شام کو نہ جا سکے آپکے بڑے صاحبزادے یزید بن ابی سفیان آپکے بدلے شام کے حاکم بنائے گئے چار برس کے اندر جب یہ بھی فوت ہو گئے تو اُنکی جگہ اُنکے چھوٹے بھائی یا حضرت معاویہ حاکم شام قرار پائے اس صورت سے بنی امیہ کی ثروت دنیوی کی ابتدا ہوئی اور اس ثروت کا تخم بونے والے حضرات شیخین ہوئے۔ سچ یہ ہے کہ جسقدر خاندان پیغمبر پر تباہی آئی اُسکے سبب قریب و بعید جو کچھ ہوئے یہی حضرات شیخین ہوئے۔ حضرت معاویہ حضرات اہل سنت کے خلیفۂ پنجم ہیں۔ اور آپ خلیفہ شرط قہر و غلبہ کیساتھ قرار پائے مگر آپکی خلافت میں اجماع کی شرط بھی شامل تھی ذیل میں آپکے فضائل حوالۂ قلم ہوتے ہیں۔

تاریخ الخلفا صفحہ ۱۹۴- اور نیز ازالۃ الخفا میں درج ہے کہ امیر معاویہ نے کہا کہ جیسے جناب رسول خدا نے یہ فرمایا کہ جب تو بادشاہ ہو تو خلائق کیساتھ نیکی کیجیو تب سے مجھ کو ہمیشہ سلطنت کا لالچ رہا۔ بادشاہ ہو کر معاویہ صاحب نے بندگان خدا کیساتھ جو کچھ بھی نیکی کی ہو گی ہو مگر پیغمبر خدا کے خاندان کیساتھ تو ضرور آپ بہت بڑی بڑی نیکیاں عمل میں لاتے رہے ان نیکیوں کی شہادت بروز جزا حضرت علی حضرت حسن اور جناب رسول خدا کے بہت سے صحابی ضرور ادا کرینگے جناب رسول خدا کو اپنی قوت نبوت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ امیر معاویہ صاحب کیا کیا خوبی بھرے افعال سرزد ہوں گے اسلئے آپ نے خلائق کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت کی ہو گی۔

مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ میں روایت جابر بن سعد کی یہ ہے کہ معاویہ نے سعد ابن ابی وقاص سے حکم کے طور پر یہ کہا کہ تو علی پر لعنت کیوں نہیں کرتا؟ اسیطرح اثبات اللبیب میں مسطور ہے کہ معاویہ نے بطریق جبر لوگوں کو منع کیا کہ جو روایت علی کی روایت کے موافق ہو اُسپر کوئی شخص عمل نہ کرے اور نہ آپکی روایت کی روایت کرے۔

تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۲۱۲ میں مذکور ہے کہ ابتدا زمانہ جناب امام حسنؑ کے خلع خلافت کی سنہ ۴۱ ہجری تا سنہ ۹۹ ہجری خلفائے بنی امیہ منبروں پر حضرت علیؑ پر لعن کیا کئے تا اینکہ عمر بن عبدالعزیز نے اس رسم تبرا کو موقوف کرایا (دیکھو تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۱۷) تاریخ ابوالفدا کی جلد ا صفحہ ۱۹۶ میں بھی درج ہے کہ عاملان معاویہ ہر جمعہ میں بعد خطبہ کے حضرت علیؑ پر لعن کرتے تھے۔ اسیطرح ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۹۶ میں دیکھا جاتا ہے کہ امیر معاویہ نے اپنے نوابان و حکام ماتحت کو اپنی بیعت خلافت کے بعد یہ لکھا کہ جو کوئی فضائل حضرت علیؑ بیان کرے تو تم سب علیؑ پر تبرا کراؤ۔ پس خطیبوں نے منبروں پر حضرت علیؑ کے نام پر لعن پڑھنا شروع کی۔ اسوقت شیعیان کوفہ پر بہت سختی آ بنی تھی۔ اُسوقت کوئی مشہور شیعہ باقی نہیں رہا تھا۔ اسکے بعد امیر معاویہ نے اپنے افسروں کو یہ لکھ بھیجا کہ جو کوئی شیعیان علیؑ سے تمہارے سررشتہ میں ہو اُسکو صیغہ ملازمت سے باہر کر دو اور کسیطرح کا صلہ اور انعام اُسے ندیا جائے۔ اور جو کوئی محب علیؑ پایا جائے اُسے بلائے سخت میں مبتلا کر دو اور اُسکا گھر ڈھا دو اُسوقت میں شیعوں پر ایسا برا وقت آپڑا تھا کہ عراق و کوفہ میں اگر کوئی شیعہ کسی شیعہ کے گھر جاتا تھا تو نہایت مخفی طور سے وہ اُس سے ملتا تھا اور وثوق و اعتماد کافی کئے بغیر اسطرح کی آمد و شد نہیں کرتا تھا۔ آقا اپنے غلام و کنیز سے ڈرتے تھے اور اُنسے سخت قسمیں اس امر کی لیتے تھے کہ میرے تشیع کا راز افشا ہونے نپائے ورنہ یہ امر میری ہلاکت کا باعث ہوگا پس وہ زمانہ جسمیں جناب امام حسنؑ نے انتقال کیا شیعوں کیلئے ایک نہایت سخت زمانہ تھا شیعہ ہمیشہ تقیہ میں عمر بسر کرتے تھے اور یہ اُنکی ایک خوفناک حالت تھی۔ امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا یہ زمانہ شیعوں کیواسطے شدت میں کچھ کم نہ تھا بلکہ نسبتاً کچھ زیادہ ہی تھا۔ اس زمانہ میں حکم خلیفہ یہ تھا کہ بغض علیؑ و اہل بیت علیؑ اختیار کریں اور اسکو تقوے جانیں۔

تاریخ الخلفا صفحہ ۱۵۷ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل شام نے امیر معاویہ کی ہدایت سے جنگ صفین میں براہ مکر قرآن مجید کو نوک نیزہ پر بلند کیا۔ واہ حضرت معاویہ صاحب کسقدر پُر تدبیر تھے۔ کیا خوب قرآن پاک کا مصرف آپ نے نکالا۔ آپ کا کیا کہنا ہے جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔

دراسات اللبیب کے صفحہ ۱۱۵ میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہ نے بدعتیں احداث کیں منجملہ اُنکے بوسہ رکن یمانی و ترک بسم اللہ وغیرہ ہیں۔ اُسی کتاب میں یہ بھی مسطور ہے کہ جب رحلت فرمائی جناب امام حسنؑ نے معاویہ نے کہا کہ ایک چنگاری تھی وہ اب خاموش ہوگئی۔ پیروان معاویہ بھی ضرور ہے کہ حضرت امام حسنؑ کو چنگاری سمجھیں اور اُنکے خاموش ہو جانے پر اپنے خلیفہ اور امام کیطرح اظہار اطمینان کریں۔ معاویہ کا پیرو ہو کر معاویہ کا شریک حال ہونا ایک ضروری امر ہے۔ ایسے مسلمانان معاویہ شاہی کی شفاعت بروز حشر رسول اللہ ضرور کرینگے ایسے مسلمانوں کی شفاعت دھری ہوئی ہے اطمینان کیساتھ یہ حضرات پیروی اپنے پیارے خلیفہ کی کئے جائیں

شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۵ میں درج ہے کہ امیر معاویہ نے کہا کہ قتل مسلمین کی خطا علیؑ کے ذمہ ہے کیونکہ اگر وہ نہ لڑتے تو اسقدر خونریزی کیوں ہوتی؟

حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ اس توجیہ سے قتل امیر حمزہؓ کا حضرت رسول خدا سے ظہور میں آیا اُسی کتاب کی صفحہ ۳۲ میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اول ملوک اسلام میں معاویہ ہیں اور وہ افضل ملوک بنی امیہ سے ہیں اور وہ امام برحق ہیں جب سے حضرت حسنؑ ابن علیؑ نے خلافت سے علیحدگی کی مسلمانوں تمہیں ایسا امام نصیب ہونا مبارک!

تنویر الایمان کے صفحہ ۱۶ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے منبر مدینہ کو اُکھاڑ ڈالا جسدن آپکی یہ کارروائی ہوئی اُسدن آفتاب سیاہ ہوگیا اور تارے نظر آئے۔

صاحب تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسنؑ بیمار ہوئے مروان نے اطلاع عرضی امیر معاویہ کی خدمت میں بھیجی۔ معاویہ صاحب نے جواب میں مروان کو لکھا کہ جب حضرت امام حسنؑ طے ہوجاویں فوراً اسکی خبر دیجائے پس جب حضرت امام حسنؑ کی وفات کی خبر معاویہ کو ملی تو آپنے بآواز بلند تکبیر کہی اور اہل شام نے بھی یہی کارروائی کی۔ اسپر بی بی فاختہ نے کہا کہ ایسی تکبیر کہنے کا کیا سبب ہے معاویہ صاحب نے کہا کہ حضرت امام حسنؑ مرگئے اسپر فاختہ نے کہا کہ تو ابن فاطمہؑ کی موت پر خوش ہوتا ہے معاویہ صاحب بولے کہ اس سے ہم خوش ہی نہیں ہوئی بلکہ اس سے ہمارے دل کو راحت نصیب ہوئی۔ اے پیروان امیر معاویہ آپکے دل کو بھی رحلت حضرت امام حسنؑ کو یاد کرکے راحت نصیب ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر راحت نصیب نہیں ہوتی ہے تو آپ کیسے پیرو اپنے خلیفہ اور امام کے ہیں۔

امام حسنؑ کی رحلت اور دل کو استراحت یہ عجیب طرفہ مضمون ہے۔ لعنت اللّٰہ علی القوم الظالمین۔

تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۹۹ میں مسطور ہے کہ اول جسنے خطبہ پڑھا بیٹھکر وہ معاویہ صاحب ہیں وجہ اسکی آپکی فربہی اور درازی شکم کی تھی۔ اسیطرح آپنے خطبہ نماز عید کے قبل احداث کیا۔ نماز جنازہ سے ایک تکبیر کم کردی چادر ایجاد کی مرد کو خصی کرکے اپنی خدمت میں رکھا وغیرہ وغیرہ اور کعبہ کو برہنہ کرایا آپکے اس فعل کے پہلے کعبہ پر تہ بتہ غلاف رہا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ صاحب کو اسی دنیا سے مطلب تھا۔ آخرت کا خیال اُنکے دل میں جگہہ پاہی نہیں سکتا تھا۔ آپکی ساری کارروائیوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپنے دنیا کو دار القرار سمجھ لیا تھا۔ اور دنیا طلبی کے سوا اور کوئی شے جو مفید عقبیٰ ہو آپکو مرکوز خاطر نہ تھی۔ خانہ کعبہ کو اگر عریاں کیا تھا تو کیا تھا آدمی کو ہیجڑا بنانا اپنی خدمت کیلئے کیسی شقاوت قلبی سے خبر دیتا ہے ؎

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن + ساکن بتخانہ باش و مردم آزاری مکن۔ ایسا فعل کسی مذہب و ملت میں روا نہیں ہے۔ یہ فعل کسی حال میں انسان کا نہیں ہوسکتا۔ لیکن حضرت معاویہ سے اسکی ایسے افعال قبیحہ کا ارتکاب دور از توقع نہ تھا۔ کونسا کار زشت ہے جسکے ارتکاب کی صلاحیت آپ نہیں رکھتے تھے۔ زہر خورانی قتل نفس۔ مکاری۔ عیاری وغیرہ وغیرہ تو آپکی گھٹی میں پڑی تھی۔ کوئی شک نہیں ہے کہ آپ پورے نمونہ اپنے قبیلہ بنی امیہ کے تھے۔ بنی امیہ پر تو رسول خدا نے لعنت کی ہی ہے جیسا

کہ سابق میں مذکور ہو چکا ہے مگر شرح ابن ابی الحدید کے صفحہ ۴۳۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسب بیان طبری فرمودہ جناب رسول خدا کا ہے کہ معاویہ کی موت شریعت محمدی پر نہوگی اور یہ بھی آپنے فرمایا ہے کہ معاویہ تابوت آتشین میں کسی درجۂ جہنم کے پکارتا رہیگا کہ اے خدا جلے جلے۔ پس ملائکہ جواب دینگے کہ تو نے نافرمانی کی اور تو مفسدین سے تھا۔ لہذا اسی سزا کے قابل تھا۔ اس بیان طبری کا معین امام نسائی کا قول بھی نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بقول حضرت رسول اگر معاویہ آتش دوزخ سے نجات پائے تو یہی کی لئے غنیمت ہے۔ اُسکے حق میں فضیلت کیا ہوگی (دیکھو تاریخ ابن خلکان فی ترجمہ ابی عبدالرحمن النسائی) یہ امام نسائی وہی بزرگ ہیں کہ جو فضائل حضرت علیؑ کے بیان کیا کرتے تھے۔ ایک روز آپسے چند اہل شام نے امیر معاویہ کی فضیلت کی فرمائش کی۔ آپنے جواب میں یہ کہا کہ امیر معاویہ کی فضیلت ہی کیا ہے جو بیان کیجائے ہاں ایک حدیث انکی فضیلت میں یہ ہے کہ لا اشبع اللہ بطنہ یعنی اللہ تیرے پیٹ کو کبھی نہ بھرے اسپر اہل شام نے اُنکے خصیے کو ٹکر انکو مار ڈالا قول بالا قول نبی کا تھا ایسا ہی ہوا کہ تا دم مرگ امیر معاویہ کو حرص دامنگیر رہی اور کبھی انہیں دنیا سے سیری نصیب نہیں ہوئی۔ راقم کہتا ہے کہ حضرت رسول خدا امیر معاویہ کو جہنمی جانتے تھے اسلئے یہ فرمایا کہ دوزخ میں معاویہ پڑا ہوا جلے جلے کہیگا علم نبوت کیوجہ سے حضرت رسول خدا کو یہ معاملہ بدیہی نظر آتا ہوگا۔ مگر میری معمولی عقل میں یہ بات پایۂ یقین رکھتی ہے کہ ایسی رفتار گفتار اور کردار کا آدمی بعد مرگ ضرور کسی ایسے مقام میں جگہ پائیگا جو دار العقوبت ہوگا۔ یعنی ایسا آدمی کسیطرح پر مرنیکے بعد دار الراحت میں جگہ نہیں پا سکتا ہے۔ راقم کی دانست میں وجود دوزخ کی بڑی دلیل وجود معاویہ ہے معاویہ صاحب کے دار العقوبت میں وسعت کی کمی نہوگی وہیں اُنکے پیروان وہوا خواہان ماضی وحال و استقبال ہی جگہ پائینگے بمقتضائی اَلْاِنْسَانُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ یعنی انسان جسکو چاہتا ہے اُسی کی معیت میں جگہ پاتا ہے۔

حضرت معاویہ کے فضائل سے یہ بھی ہے کہ آپنے صحابہ اور تابعین کو اس امر پر متفق کیا کہ مذمت علیؑ کی روایتیں پیدا کریں۔ انہیں سے عمرو بن العاص و مغیرہ و عروہ و زہری ہیں اور نیز ابو ہریرہ ہیں جو حضرات اہل سنت کے بڑے پیارے صحابی ہیں۔ عروہ نے ایک حدیث حضرت عائشہ کے نام سے بنائی ہے جو اس مضمون کی ہے کہ علی و عباس بے دین مرینگے اور یہ دونوں ناری ہیں (دیکھو شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۱۹۴) ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث معاویہ صاحب کیطرف سے جناب رسول خدا کی اُس حدیث کا جواب قرار دی گئی ہے جس سے کھلے طور پر معاویہ صاحب کا ناری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ معاویہ صاحب تو حسب ارشاد نبوی فی النار ہو گئے۔ مگر سابین علیؑ بھی معاویہ صاحب کی بدولت اس دنیا میں انواع طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوتے گئے (دیکھو شرح ابن ابی الحدید) اور آخرکار بعد مرگ جہاں معاویہ صاحب تشریف لے گئے وہ بھی اُسی جانب سدھارے۔

گندم از گندم بروید جو ز جو ۔ از مکافات عمل غافل مشو

حضرت معاویہ کے فضائل کے اثبات میں پیروان معاویہ ترمذی کی یہ حدیث کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا

اور امام احمد کی یہ حدیث جو مسند میں درج ہیں یعنی اَللّٰھُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَۃَ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ پیش کرتے ہیں مگر مدارج النبوت کی دوسری جلد میں محدث دہلوی رقم فرماتے ہیں کہ اتفاق محدثین کا اسی پر ہے کہ فضل معاویہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی۔ پس یہ دونوں حدیثیں ضرور وضعی ہیں اور کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔ یوں واضعان حدیث اور پیروان امیر معاویہ جو کچھ اپنے آقا امیر معاویہ کے فضائل بیان کریں مگر حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رسول خدا کو امیر معاویہ سے سخت تنفر پیدا تھا چنانچہ تاریخ ابو الفدا صفحہ ۱۹۰ میں مسطور ہے کہ سنہ فتح مکہ میں معاویہ اور معاویہ کے باپ نے اسلام قبول کیا مگر جناب رسول خدا اُنسے متنفر رہے البتہ شام کا حاکم اُنھیں حضرت عمرؓ نے بنایا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص سے حضرت رسول خدا کو تنفر ہو اور اسکو حضرت رسول خدا ناری ارشاد فرمائیں ایسا شخص صاحب فضائل کیونکر ہو سکتا ہے۔ معاویہ صاحب کے فضائل کا مقر وہی شخص ہو سکتا ہے جو حضرت رسول خدا کا مخالف ہوگا اور جسکے دل میں حضرت علیؑ کا عناد جگہ کئے ہوگا امیر معاویہ کے دوستدار ہونگے۔ ضرور ہے کہ آدمی حضرت رسول خدا اور حضرت علیؑ کا مخالف ہو۔

اب میں دکھلاتا ہوں کہ اسلام میں امیر معاویہ کی دینی حیثیت کیا ہے فرقۂ امامیہ تو آپکو باغی و محارب و دشمن علیؑ اور نیز ایک بھاری بدخواہ خاندان پیمبر کا جانتا ہے اور مجموعی حیثیت سے آپکو سخت بیدین بلکہ حسب فرمودۂ حضرت رسول خدا آپکو ناری جانتا ہے زیادہ حصہ متصوفین کا بھی آپسے بیزار نظر آتا ہے مگر اہل سنت ضرورت مذہبی اور تقاضائے دین سے آپکو برحق خلیفہ اور امام جانتے ہیں آپکی خطاؤں کو خطائے اجتہادی بتاتے ہیں اور آپکو پنجم خلفائے اثنا عشری خلیفۂ پنجم شمار کرتے ہیں۔ ذیل میں آپکی دینی سرداری سے بحث کی جاتی ہے۔

ابوشکور سلمی کے حاشیہ شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۰۲ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع اہل سنت کا در باب امامت معاویہ کے بعد علیؑ و صلح حضرت امام حسنؑ کے اسلئے ہے کہ جمیع صحابہ و اہل اسلام نے معاویہ کی تابعداری کی۔ یزید کے باب میں بعضوں نے کہا ہے کہ خلافت اُسکی حق تھی بایں وجہ کہ معاویہ نے استخلاف کے ذریعہ سے یزید کو خلیفہ بنایا تھا اور اُسکی اطاعت صحابہ اور مسلمین نے کی۔ پس قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ حضرت امام حسینؑ پر یزید کی اطاعت واجب تھی اور اس جگہ پر میں (یعنی ابوشکور سلمی) کہتا ہوں کہ معاویہ عالم غیر فاسق تھا اور اُسمیں دیانت تھی اور اگر دیانت نہوتی تو ہرگز حضرت امام حسنؑ فاسق سے صلح نہ کرتے اور بعد علیؑ کے معاویہ تھا امام عادل و صالح و متقی خدا کے دین میں۔

ابوشکور سلمی کی تحریر بالا سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّل یہ کہ معاویہ اسیطرح خلیفہ اور امام قرار پائے۔ جیسا کہ اجماع سے حضرت ابوبکر خلیفہ اور امام مقرر ہوئے۔ دوم یہ کہ معاویہ صاحب کے صاحبزادے اسیطرح خلیفہ اور امام مقرر ہوئے جیسا کہ استخلاف کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ سوم یہ کہ چونکہ صحابہ اور مسلمین نے اس استخلاف کو قبول کر لیا تھا اسلئے قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ امام حسینؑ یزید کی اطاعت کو واجب جانتے۔ چہارم یہ کہ معاویہ عالم غیر فاسق تھے اور اُنمیں دیانت تھی۔ پنجم یہ کہ اگر معاویہ

میں دیانت ہوتی تو حضرت امام حسنؑ فاسق سے صلح نکرتے ششم یہ کہ معاویہ امام عادل و صالح و متقی و دین
خدا میں تھے اب حضرت معاویہ اور حضرت یزید کیلئے بات کیا باقی رہی ۔ باپ حضرت ابوبکرؓ کے برابر اور بیٹے
حضرت عمرؓ کے برابر امر خلافت و امامت میں ہو گئے حضرات شیخین کے ساختہ و پرداختہ حضرت معاویہ تھے ہی پھر
کیوں آپ اور آپکے بیٹے حضرات شیخین کے قدم بقدم نہ چلتے ۔ جو ذرایع حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کو خلیفہ ہونیکے
لئے پیدا ہو گئے تھے وہی ذرایع معاویہ صاحب اور انکے صاحبزادے کیلئے بھی موجود ہو گئے البتہ امام حسینؑ
اطاعت یزید کی کر نہیں سکتے تھے اسلئے کہ آپ اپنے مذہب کے تقاضا سے یزید تو یزید معاویہ اور سرپرستان
معاویہ یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی واجب الاطاعت نہیں سمجھتے تھے ۔ اسلئے کہ یہ چاروں حضرات
جناب رسول خدا کے خلیفہ نہ تھے عوام کی جانب سے خلیفہ بنائے ہوئے تھے ۔ اسکے برعکس حضرت
امام حسینؑ اپنے کو خلیفہ رسول خدا سمجھتے تھے اور بجا سمجھتے تھے پس امام حسینؑ یزید کی اطاعت کیونکر کرتے ؟ مسئلہ استخلاف
کو امام حسینؑ مسئلہ اجماع کیطرح حق کشی کا ایک آلہ سمجھتے تھے ایسا سمجھکر بھی کیا حضرت امام حسینؑ یزید کو
واجب الاطاعت جانتے ۔ حق یہ ہے کہ امام حسینؑ نہ یزید کو استخلاف کی بنا پر خلیفہ و امام برحق جانتے
تھے نہ حضرت عمرؓ کو ۔ امامت و خلافت کو امام حسینؑ و دیگر ائمہ خاندان پیغمبر ایک امر منجانب اللہ جانتے تھے
منجانب الناس نہیں جانتے تھے ۔ پس ایسی سمجھ کے آدمی پر جیسے کہ امام حسینؑ تھے اطاعت یزید
کا بار نہیں ڈالا جا سکتا ہے ۔ لاریب اہل سنت کی نگاہ میں یزید واجب الاطاعت نظر آتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو
اسقدر مسلمانان شام و اصحاب دین فروش یزید کی بیعت میں سبقت نہ کرتے مگر امام حسینؑ جب
تمامی خلفائے اہل سنت سے کنارہ کش تھے تو یزید میں کیا خصوصیت تھی کہ یزید کی اطاعت کرتے
امام حسینؑ اپنے باپ کیطرح امام اور داخل اہل بیت تھے پھر ایسے ہو کر یزید کی بیعت کیونکر کر سکتے
تھے ؟ البتہ سُنی ہوتے تو یزید و معاویہ و حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکر اور تمام اہل سنت کے خلفا اور ائمہ سے
بیعت کر سکتے تھے ۔ اب رہا معاویہ کا عالم غیر فاسق اور صاحب دیانت ہونا اسکا قائل ابوشکور سلمی کے
سوا کوئی صاحب عقل و حواس نہیں ہو سکتا ہے اگر معاویہ صاحب ایسے ہی ہوتے تو آپسے حضرت
رسول خدا متنفر کیوں رہتے اور آپکو ناری کیوں ارشاد فرماتے ۔ اگر آپ میں کسیطرح کے فضائل ہوتے تو
صاحب مدارج النبوت آپکی نسبت یہ کیوں لکھتے کہ آپکی کوئی فضیلت کہیں سے ثابت نہیں ہوتی ہے
اور پھر محدث نسائی یہ کیوں کہتے کہ معاویہ بقول رسول خدا اگر نار جہنم سے بچ جائے تو غنیمت جانو اسکی
حق میں فضیلت کیا ہوگی ۔ ابوشکور سلمی صاحب معاویہ کو امام عادل و صالح و متقی لکھا کریں مگر بقول
حضرت امیر علیہ السلام معاویہ کی جگہ ہاویہ میں ضرور ہے جیسا کہ فرماتے ہیں اَخْبِرْہُ بِمَحْدُوْدٍ لَا اَدْرِیْ مُعَاوِیَۃَ
اَلیٰ خِطَاالعَیْنِ العَظِیْمِ الحَاوِیَہ ۔ وَھَوَتْ بِہٖ فِی النَّارِ اُمُّ ھَاوِیَہ ۔ وَجَارُہٗ فِیْھَا کِلَابٌ عَاوِیَہ ۔ یہ قول حضرت علیؑ کا
فرمودۂ رسول خدا پر مبنی ہے اگر قول رسول پر یہ قول علیؑ مبنی ہے تب قول نبیؐ و علیؑ دونوں کی

روسے معاویہ صاحب اہل ہاویہ سے ہیں۔ امیر معاویہ کے صاحب دیانت ہونیکی دلیل ابوشکور سلمی یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر معاویہ میں دیانت نہوتی تو حضرت امام حسنؑ معاویہ سے صلح نہ کرتے یہی دلیل اشعۃ اللمعات کی جلد ۴ صفحہ ۶۷۰ میں بھی معاویہ کی صحت امامت میں دیکھی جاتی ہے عبارت یہ ہے "اہل سنت وجماعت را صلح امام حسنؑ دلیل است بر صحت امامت معاویہ" اے حضرات اہل سنت امام حسنؑ کی صلح سے معاویہ صاحب امام برحق کیونکر ثابت ہوجاتے ہیں اور اس صلح سے معاویہ کی صحت امامت کیونکر ثابت ہوسکتی ہے یہ ویسا ہی قول ہے کہ اگر کوئی کہے کہ رسول خدا کی صلح حدیبیہ سے مذہب کفار کی حقیت ثابت ہوگئی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا یہ آپ حضرات کیلئے ایک حسب حال مضمون ہے۔ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح اسلئے نہیں کی تھی کہ معاویہ ایک غیر فاسق عالم صاحب دیانت بزرگ امام عادل مرد صالح اور دین خدا کے ایک متقی شخص ہیں بلکہ صلح کی یہ وجہ تھی کہ اسوقت کے بے ایمان مسلمان خاصکر اہل شام حضرت امام حسنؑ کے مخالف ہورہے تھے اگر آپ پدر یزید سے لڑتے تو کس زور پر لڑتے۔ معاویہ کو تو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اسقدر قوی سنا رکھا تھا کہ اُس باغی علیؑ کو حضرت علیؑ سے مقابلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی حضرت امام حسنؑ کے پاس کیا تھا جو بدخواہ خاندان پیغمبر سے سامنا کرتے۔ صلح کے سوا حضرت امام حسنؑ کو اور چارہ ہی کیا تھا۔ اس صلح سے تو کوئی عمدگی امیر معاویہ کی ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اس صلح سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ قہر وغضب سے امیر معاویہ نے خلافت حاصل کرلی اگر اسطرح کی بے استحقاق خلافت اہل سنت کے نزدیک خلافت وامامت حقہ سمجھی جائے تو اہل سنت کے پیشواؤں کو ایسی خلافت وامامت مبارک! ظاہر ہے کہ صلح کرلینا حضرت امام حسنؑ کا نہایت مناسب وقت تھا امیر شام کی فوج اور دولت حضرت امام حسنؑ کی فوج اور دولت سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔ ایسی لڑائی کا نتیجہ حضرت امام حسنؑ کو اسکے سوا اور کیا ملتا کہ آپ معاویہ کے مقابلہ میں شکست کھاتے۔ بیکار آپکے دیندار اور وفادار تابعین کی جانیں جاتیں۔ ان نتائج کو ملحوظ رکھکر حضرت امام حسنؑ نے اپنے دشمن سے صلح کرلی۔ مگر اس صلح سے انکا دشمن ایک برحق خلیفہ اور امام کیونکر قرار پاگیا۔ ہاں اگر حضرت امام حسنؑ یہ کہکر صلح کرتے کہ اے معاویہ تو اور تیرا قبیلہ رسول اللہ کے وقت سے اسلام کا بڑا معین اور مددگار رہا اور رسول اللہ نے تجھکو اور تیرے قبیلہ کو ناری اور ملعون نہیں فرمایا ہے اور تو بحکم خدا ورسول سزاوار خلافت اور امامت کا ہے اور تو عالم غیر فاسق ہے مثلاً ابوشکور سلمی کے اور تو صاحب دیانت ہے اور امام عادل ہے اور تو مرد صالح اور متقی ہے اور تو عند اللہ والرسولؐ مستحق خلافت اور امامت کا ہے تو ایسی صورت میں حضرت امام حسنؑ کی صلح سے یہ امر مستنبط ہوسکتا ہے کہ معاویہ صاحب فاسق نہ تھے اور یہ صلح حضرت امام حسنؑ کی معاویہ صاحب کی صحت امامت کی دلیل متصور ہے۔ مجرد حضرت امام حسنؑ کے صلح کرلینے سے معاویہ صاحب غیر فاسق اور امام برحق کیونکر قرار پاسکتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ معاویہ صاحب کی جگہ پر کوئی بادشاہ فاسق حضرت امام حسنؑ پر لشکرکشی کرتا۔ اور

حضرت امام حسنؑ اُس سے مقابلہ کی تاب نہ لاکر اُس سے صلح کر لیتے تو ابو شکور سلمی کی تحریر کے مطابق وہ فاسق بادشاہ فاسق نہ سمجھا جاتا اسلئے کہ ہرگز حضرت امام حسنؑ فاسق سے صلح نہیں کر سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں حضرت امام حسنؑ کو اس سے چارہ نہ ہوتا کہ اُس فاسق بادشاہ سے صلح کر لیں۔ ایسے وقت میں تو آدمی یہ نہیں دیکھ سکتا ہے کہ اُس کا مخالف دیندار ہے یا فاسق ضرورت صلح میں انسان صرف اپنے مصالح کو دیکھتا ہے مخالف کی دینداری اور بیدینی کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ حضرت رسُول خدا نے بھی صلح حدیبیہ کے وقت ضرورت صلح کو ملحوظ رکھا تھا۔ اپنے مخالفین کے کافر اور غیر کافر ہونے کو پیش نظر نہیں کیا تھا۔ مگر ابو شکور سلمی کے قاعدہ سے آپ کے مخالفین کفار نہیں سمجھے جا سکتے ہیں اس دلیل پر کہ حضرت رسُول خدا ہرگز کفار سے صلح نہیں کر سکتے تھے۔ واقعی مذہب اہل سنت کا بڑا حیرت انگیز مذہب ہے۔ یوں تو اس دنیا میں طرح طرح کی عجیب چیزیں ہیں مگر یہ مذہب اعجب العجائب ہے۔

چونکہ مذہب اہل سنت مخالفتِ اہل بیت نبوی پر مبنے ہے اسلئے یہ اصول قائم کیا گیا ہے کہ اگر صحابہ سے خطا ایسی صادر ہو کہ سب وطعن کے مستحق ہو جائیں تو بھی تاویل کے ذریعہ سے اُن کو سب وطعن سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ اگر چہ وہ تاویل قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔ اس حیرت انگیز اصول پر اظہار رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل سنت کے اصول کے مطابق فسق وظلم کی بناپر امام معزول نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اکثر ائمہ اہل سنت سے خلفائے راشدین کے بعد فسق وظلم ہوا ہے اور علمائے وقت امام ظالم کے مطیع رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی جاتی ہے تو امام کا گورا یا کالا ہونا سب برابر ہے۔ اہل سنت کو امام ہونا چاہئے اس سے بحث نہیں ہے کہ وہ امام کیسا ہو۔ اصولاً امامت کے لئے حضرت ابو بکرؓ اسیقدر سزاوار امامت ہیں جسقدر کہ یزید۔ اسی بنا پر حضرت یزید اہل سنت کے یکے از خلفائے اثنا عشر ویسے ہی ہیں جیسے کہ حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ۔ اہل سنت کا یہ عجب اصول ہے کہ جسکی بنا پر ہر فاسق وفاجر اہل سنت کا امام قرار پا سکتا ہے جیسا کہ اکثر خلفائے بنی امیہ جو نہایت فاسق وفاجر تھے اہل سنت کے خلفائے اثنا عشر میں شمار کئے جاتے ہیں (دیکھو شرح عقائد نسفی) اسی کتاب عقائد میں یہ بھی مندرج ہے کہ علیؑ کے مقابلہ میں جو لڑائیاں واقع ہوئیں وہ خلافت کی نزاع پر مبنے نہ تھیں بلکہ خطائے اجتہادی کے باعث ظہور میں آئیں۔ مثلاً جنگ جمل وصفین مگر سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۹۵ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ درمیان علیؑ اور معاویہ کے خلافت کی تکرار تھی تب صاحب شرح عقائد نسفی کا قول خطائے اجتہادی کا غلط ہو جائیگا۔ اے اونٹ تیری

کونسی کل سیدہی ایک ایسی مثل ہے جو تمامتر مذہب اہل تسنن پر صادق آتی ہے۔ تاریخ سے ہویدا ہے کہ علی اور معاویہ میں خلافت کی تکرار لاحق تھی معاویہ تمامتر حضرت علیؑ کی خلافت سے انکار کرتے تھے۔ چنانچہ صلحنامہ میں لفظ امیر المومنینؑ کے لکھے جانے سے معاویہ نے تمامتر خلاف کیا جیسا کہ ملا جامی کی شواہد النبوۃ کے صفحہ ۱۸۰ میں صاف صاف طور سے مندرج ہے۔ سچ یہ ہے کہ تھوپ تھاپ کا مذہب اہل سنت کا ہے۔ مسئلہ خطائے اجتہادی کا ایک بڑی مثال تھوپ تھاپ کی ہے اگر اس مسئلہ میں غور کو راہ دیجئے تو ثابت ہوتا ہے کہ اہل سنت نے ایک بڑی سپر کہ جسکا نام خطائے اجتہادی ہے مخالفان اہلبیت کو الزام مذہبی سے بچانیکے لئے بنائی ہے ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام کوششیں اہل سنت کی برابر یہی رہی ہیں کہ کسیطرح پر مخالفان اہلبیت نبوی پر حرف آنے نہ پائے گو اسمیں قرآن و حدیث کے مطالب خبط و بے ربط ہو جائیں یا فہم معقول کے خلاف کوئی بات پیدا ہو جائے

یزید ابن معاویہ ابن ابوسفیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے مروان حاکم مدینہ کو لکھا کہ یزید کیواسطے بیعت لیوے۔ مروان نے اہل مدینہ سے کہا کہ امیر المومنینؑ معاویہ نے حکم دیا ہے کہ یزید کی ولیعہدی پر بیعت کرو اور یہ سنت شیخین کی ہے (دیکھو تاریخ الخلفا صفحہ ۱۹۵) پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۷ میں مسطور ہے کہ جب معاویہ نے یزید کو ولیعہد کر کے یزید کیلئے بیعت لینا شروع کی تو اہل شام نے بیعت کی۔ اسوقت حاکم مدینہ کا معاویہ کیطرف سے مروان بن الحکم تھا اسنے بھی اہل مدینہ سے بیعت لینا چاہی۔ مگر حسینؑ و عبداللہ بن زبیر و عبدالرحمٰن بن ابی بکر مانع آئے۔ اور انکی وجہ سے مردمان مدینہ نے بھی بیعت کرنیسے انکار کیا تب معاویہ صاحب ایکہزار اسوار لیکر مدینہ کیطرف آئے اور حضرت عائشہ سے حقیقت حال بیان کی۔ تب اہل حجاز نے یزید کی بیعت کی مختصر یہ ہے کہ امیر معاویہ یزید کو استخلاف کے روسے خلیفہ بنا کر دنیا سے رخصت ہو گئے

جس روز معاویہ صاحب اس عالم سے سدہارے اُسی روز یزید کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت خلافت کی اور حکم بیعت تمام میں جاری کیا گیا۔ ہر شخص اس حکم کی تعمیل کرتا گیا الا حسینؑ اور عبداللہ ابن زبیر جو ولید عامل مدینہ سے روپوش ہو گئے (دیکھو حیوۃ الحیوان جلد اول) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فوت معاویہ کے بعد بڑی رغبت کیساتھ یزید کو اپنی بیعت کا خط لکھا مگر اہل مدینہ نے بیعت یزید کی توڑ ڈالی۔ اسکا سبب یہ ہوا کہ یزید نے اپنے چچازاد بھائی عمارؔ بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ کا سردار بنایا تھا کچھ اہل مدینہ نے یزید کی نسبت کی اور اسکے فسق و شر انجواری کو ظاہر کیا اور آخر میں عمارؔ کو نکالدیا۔ جب یہ خبر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو معلوم ہوئی تو آپنے ایک خلق کثیر کو جمع کیا اور فرمایا کہ مینے سنا ہے رسول اللہ سے کہ بروز قیامت ہر غادر کیواسطے علم نصب کیا جائیگا اور ہم آئینہ مینے بیعت کی ہے دست یزید پر اور یہ بیعت مقبول خدا و رسول ہے اور میری دانست میں کوئی امر اس سے عظیم نہیں ہے کہ کوئی شخص خدا و رسول کے حکم پر بیعت کر کے منحرف ہو جائے اور میں کوئی وجہ معقول نکث بیعت کی نہیں پاتا ہوں اور واجب ہے

اطاعت امام کی کہ جسپر اجماع ہو چکا اور فسق کی بنا پر نکث بیعت جائز نہیں ہے (دیکھو قسطلانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۲) حضرت عبداللہ ابن عمر کی ان کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکو بیعت یزید کیطرف ایک میلان خاص تھا۔ ہرگز ایسا نہ تھا کہ آپنے کسی مجبوری کے باعث یزید سے بیعت کی تھی اہل انصاف اس بیعت کو محمد ابن حنفیہ کی بیعت کیساتھ موازنہ کریں سچ یہ ہے کہ محمد ابن حنفیہ نے یہ کہکر کہ ہاں ہم بیعت کو حاضر ہیں یا بیعت کر چکے یزید کی فرمائش بیعت کو ٹالدیا تھا۔ جسکو کچھ بھی ایمان ہوگا وہ بیعت کا الزام محمد ابن حنفیہ پر عائد نہیں کر سکتا ہے۔ حضرات اہل سنت عبداللہ ابن عمر کی خیر خواہی میں محمد ابن حنفیہ پر الزام عائد نہ کریں تو کیا کریں۔

اکثر علمائے اہل سنت یزید کے طرفدار نظر آتے ہیں ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں یزید پر لعنت کرنی یا اُسکی تکفیر کرنی جائز نہیں ہے اسلئے کہ یزید مومنین سے ہے اور اُسکا امر مشیت خدا کیساتھ ہے۔ شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملا علی قاری اور امام غزالی کا یہ قول ہے کہ قتل کرنا یزید کا امام حسین کو ثابت نہیں ہے لہذا یزید کی تکفیر جائز نہیں ہے اور نہیں جائز ہے بلا تحقیق ایک مسلم کو منسوب کرنا گناہ کبیرہ کیساتھ ابو شکور سلمی حاشیہ شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۱۰۲ میں لکھتے ہیں کہ امام حسین پر بیعت اور اطاعت یزید کی واجب تھی اسلئے کہ خلافت اُسکی صحیح تھی۔ حیوۃ الحیوان کی جلد ا صفحہ ۲۶۶ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام غزالی یہ کہتے ہیں کہ اگر یزید پر انتہا کا الزام لگایا بھی جائے تو یہ ہوگا کہ اُسنے ایک مسلم کو قتل کر ڈالا۔ اُسنے توبہ کی ہوگی پس یزید پر جو مسلم تھا لعن نہیں کرنا چاہیے تاریخ ابن خلکان میں یہ بھی درج ہے کہ بقول امام غزالی یزید قابل رحمت ہے اور مستحب ہے کہ یزید پر درود بھیجا جائے۔ تفسیر بیضاوی جلد ا صفحہ ۳۳ کے رو سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نصرت یزید کو آیت قرآن کی بشارت کے مطابق نصیب ہوئی۔ سب سے زیادہ طرفداری یزید کی جانب یہ ہے کہ یزید خلفائے اثنا عشر میں اہل سنت کے داخل کیا گیا ہے۔ شرح فقہ اکبر میں مندرج ہے کہ جیسا حضرت رسول خدا نے فرمایا تھا بارہ خلفا آپکے فرمودہ کے مطابق ہوتے گئے۔ چار انمیں خلفائے راشدین یعنی ابوبکر عمر عثمانؓ اور علیؑ ہیں اور بقیہ معاویہ اور اُنکے بیٹے یزید اور عبدالملک بن مروان اور اُنکی چار اولاد یزید بن عبدالملک اور سلیمان اور ہشام اور ولید اور انہیں خلفا میں عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یزید کی خلافت حدیث رسول اللہ کے مطابق ظہور میں آئی۔ اب یزید صاحب کا کیا کہنا ہے باپ اور بیٹے دونوں رسول اللہ کے خلیفہ قرار پا گئے۔ ؎ کھلے بخت بیٹے کے اور باپ کے۔ ملل و نحل شہرستانی کے صفحہ ۸ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سنت معاویہ اور یزید اور بنی مروان کی خلافت کے بھی قائل ہیں۔ ان سب معاملات پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت کی بنا اہلبیت نبوی کی مخالفت پر واقع ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مذہب کو وقت حضرت ابوبکر سے تا این دم اہلبیت نبوی کیساتھ برابر مخالفت رہی ہے اور تا قیامت قائم رہے گی۔

اب میں اسکی تحقیق حوالہ قلم کرتا ہوں کہ آیا یزید قتل حضرت امام حسینؑ سے خوش ہوا یا نہیں؟ بھلا خوش

کیوں نہوتا جب واقعہ کربلا کے پہلے ولید اپنے عامل مدینہ کو لکھ چکا تھا کہ اگر حسینؑ اسکی بیعت قبول نہ کریں تو سر انکا کاٹکر دمشق کو بھیجدے اگر یہ کام ولید نہ کر سکا اور ابن زیاد کر سکا تو یزید کی مرضی کے خلاف کیا بات ظہور میں آئی عقلاً یہ امر اسکی مسرت کا باعث ضرور ہوا۔ میرے اس دعوی کی معین کتاب تاریخ الخلفا ہے جسکی صفحہ ۲۰۰ میں لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ اور آپکے عزیزان وفا شعار قتل ہوئے اور انکے سرہائے مبارک کو ابن زیاد یزید کے پاس لیگیا تو اسوقت یزید نہایت مسرور ہوا مگر اسکے بعد جب مسلمانوں نے اسے ملامت کی تب شرمندہ ہوا اسیطرح شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۱۰۲ میں درج ہے کہ بلا شبہہ یزید قتل حسین پر راضی تھا اور مسرور تھا شہادت امام علیہ السلام سے اور اہلبیت رسول کی اہانت سے خوش ہوتا تھا۔ یہ خبر تواتر کا حکم رکھتی ہے اسکے بعد شارح صاحب لکھتے ہیں کہ میں یزید و انصار و اعوان یزید پر لعنت کرنے میں تامل نہیں کرتا ہوں لعنۃ اللہ علیہ۔ سائل سوال کر سکتا ہے کہ حضرت معاویہ انصار و اعوان یزید میں شمار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟۔ تاریخ بلاذری کے صفحہ ۶۲ میں درج ہے کہ جب شہید ہوئے امام حسینؑ حضرت عبداللہ ابن عمر نے یزید کو لکھا کہ اسلام میں مصیبت عظیم واقع ہوئی اور حادثہ جانکاہ نمایاں ہوا یعنی حسینؑ شہید کئے گئے یزید نے جواب میں لکھ بھیجا کہ ای احمق میں خانہ مستحکم میں فرش گسترده بالش ہائے بلند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوں۔ پس اس قتال میں اگر غیر ہمارے برحق ہیں تو یہ الزام تجھپر ہے کہ آگے سے ایسے ظلم کی سنت تمہارے بزرگو نے جاری ہوئی اس بنا پر کسی نے کہا ہے کہ حسینؑ قتل ہوئے اجماع سقیفہ کے دن ؎ چہ خوش فرمود شخصے ایں لطیفہ ۔ کہ گشتہ شد حسینؑ اندر سقیفہ یہ جواب یزید کا تمام تر حق سے مملو ہے۔ اجماع سقیفہ اول عملی سبب ان اسباب کا ہے جو رفتہ رفتہ طبعی طور پر شہادت حسینؑ کے وقوع کے باعث ہوتے گئے سچ یہ ہے کہ جسقدر اسلام میں اختلافات پیدا ہوتے گئے جن سے خاندان پیغمبر کو انواع طرح کے نقصانات اور مصائب لاحق ہوتے گئے۔ مسلمانوں کے خون روئے زمین پر بہائے گئے اور آجتک مذہبی پھوٹ وغیرہ کے باعث مسلمانوں کو نکبتیں لاحق ہیں انکے سبب بعید یا سبب قریب جو کچھ کہئے حضرت عبداللہ ابن عمر کے باپ یعنی حضرت خلیفہ دوم جناب عمر رضی اللہ عنہ دیکھے جاتے ہیں۔ یزید اس معاملہ کو خوب سمجھتا تھا اسلئے حضرت عبداللہ ابن عمر کو ایسا دندان شکن جواب تحریر کر سکا حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمر نہ ہوتے اور ہونے پر اگر عزیزان پیغمبر خدا کے ایسے سخت مخالف نہوتے تو اسوقت اسلام کی تاریخ کا رنگ ایک دوسرا دکھائی دیتا راقم سابق میں بہت کچھ اسبارے میں عرض کر چکا ہے۔ اب اسکے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

الخلافۃ ثلثون سنۃ پر نظر

ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۰ میں روایت سفینہ کی دیکھی جاتی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب فرمودہ حضرت رسول خلافت راشدہ صرف تیس ۳۰ برس کی ہے اسکے بعد بادشاہت ہے۔ اسی مضمون کی حدیث سنن ابو داؤد میں جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ میں سفینہ مہمان سے مروی ہے۔ شرح فقہ اکبر سے بھی خلافت کا عرصہ تیس ۳۰ برس کا ظاہر ہوتا

صاحب شرح مقاصد علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ خلافت کا حساب اس طرح پر ہے کہ ابو بکرؓ دو سال اور عمرؓ دس سال اور عثمان بارہ سال اور علیؓ چھ سال خلیفہ رہے اس حساب سے تو تیس سال کی خلافت کا حساب بہت آسانی کیساتھ طے پا جاتا ہے مگر کتب تاریخ و سیر و تصانیف متکلمین سے حساب میں دقتیں لاحق نظر آتی ہیں علامہ تفتازانی کا حساب راست ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اب حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ علامہ ممدوح حضرت ابو بکرؓ کے عرصۂ خلافت کو صرف دو سال بتلاتے ہیں مگر حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۷۰ میں عرصۂ خلافت دو سال تین مہینے اور آٹھ روز دیا ہوا ہے اسی طرح تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ میں وہی دو سال تین مہینے آٹھ روز کے عوض دس رات مندرج ہے۔ پھر سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۷۰۵ میں دو سال تین مہینے اور چار یا پانچ رات دیکھا جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ان تینوں ذرائع سے عرصۂ خلافت حضرت ابو بکرؓ کا دو سال تین مہینے اور کچھ روز ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ تفتازانی حضرت عمرؓ کی خلافت کو دس سال کی بتلاتے ہیں مگر سیرۃ المحمدیہ میں آپکا عرصۂ خلافت دس برس سات مہینے اور پانچ راتیں لکھا ہوا ہے۔ ابو الفدا اس عرصہ کو دس برس چھ مہینے اور آٹھ روز کا بتلاتے ہیں (دیکھو تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۷۳) حیوٰۃ الحیوان میں یہ عرصہ دس برس چھ مہینے اور پانچ رات کا دیکھا جاتا ہے۔ بعضوں نے پانچ رات کے عوض تیرہ روز بھی لکھا ہے (دیکھو اُسی کتاب کا صفحہ ۷۲) ان سب تحریرات سے عیاں ہے کہ حضرت عمرؓ کا عرصۂ خلافت دس برس سے زیادہ ہے خواہ سات مہینے پانچ رات ہوں خواہ چھ مہینے آٹھ روز ہوں وغیرہ وغیرہ حضرت عثمانؓ کے عرصۂ خلافت میں بہت اختلاف نہیں دیکھا جاتا ہے ابو الفدا بارہ برس ہی کے قائل ہیں علامہ دمیری کی بھی یہی تحقیق ہے مگر بعض نے گیارہ برس گیارہ مہینے اور چودہ دن لکھا ہے مگر علامہ تفتازانی سے زیادہ اختلاف محققین کو حضرت علیؓ کے عرصۂ خلافت میں نظر آتا ہے۔

علامہ ممدوح حضرت علیؓ کی خلافت کو چھ برس کی بتاتے ہیں مگر سیرۃ المحمدیہ صفحہ ۷۱۵ میں صرف چار سال اور چار مہینے کی درج ہے اور حیوٰۃ الحیوان میں چار سال نو مہینے لکھی ہوئی ہے کسی کتاب میں چھ برس درج نہیں ہے ان تمام حساب کتاب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان خلفائے اربعہ کی خلافتیں کامل تیس سال کو نہیں پہنچتی ہیں۔ تب مصنفین تیس سال کے عرصۂ خلافت کو پورا کرنے کی نظر سے امام حسنؑ کی مختصر خلافت کو بھی خلافت سنی سالہ میں داخل کرتے ہیں ایسا کرنے سے بھی تیس سال کا عرصہ پورا نہیں ہوتا ہے علاوہ اسکے علامہ تفتازانی جو حضرت علیؓ کی خلافت کو چھ سال کی بتلاتے ہیں تو اسمیں یہ دشواری لاحق ہوگی کہ اسمیں وہ زمانہ بھی داخل ہو جاتا ہے جسکو خلع خلافت کیوجہ سے زمانۂ خلافت سے باہر حساب کرنا چاہئے اور یہ اس سبب سے کہ خلافت کیلئے تسلط ارضی شرط ہے اور تسلط ارضی خلع خلافت کیوجہ سے حضرت علیؑ کو حاصل نہیں رہا یہ تسلط نصیب معاویہ ہو گیا۔ ایسی حالت میں علامہ تفتازانی کا قول کہ حضرت علیؓ کی خلافت چھ سال کی تھی صحیح نہیں ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے جب تیس برس کے اندر تسلط ارضی کی باعث معاویہ کا عہد خلافت شروع ہو گیا تو یہ حدیث کہ بعد تیس برس کے ملوک حکمراں ہونگے غلط ہو گیا۔ اسواسطے کہ ملوک کی حکمرانی کی ابتدا تیس برس کے اندر ہی شروع ہو گئی۔ بعض نے حضرت علیؓ کا عرصۂ خلافت آپکی شہادت کے زمانہ تک حساب کیا ہے۔ مگر اسپر بھی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپکی شہادت کے پہلے ہی آپ کا تسلط ارضی باقی نہیں رہا تھا۔ پس آپکے عدم تسلط

کا زمانہ آپکے عرصۂ خلافت کے اندر کیونکر محسوب کیا جا سکتا ہے مختصر یہ ہے کہ کسی پہلو سے خلافت راشدہ کا عرصہ تیس سال کا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ راقم کے نزدیک یہ تیس سال کی خلافت کی حدیث ہی بے بنیاد معلوم ہوتی ہے اگر یہ فرمودہ حضرت رسول کا ہوتا تو خلافت خلفائے اربعہ کا عرصہ ضرور پورے طور پر تیس سال تک پہنچتا۔ حضرت رسول خدا پر علم نبوت کے ذریعہ سے بحکم خدا غائب کے احوال ظاہر تھے اور قیامت تک کے حالات کی خبر آپکو تھی۔ نہایت جائے تعجب ہے کہ آپکو خلفائے اربعہ کے عرصہ خلافت سے خبر نہ تھی جو اسکے تعین کرنے میں غلطی آپ سے سرزد ہوئی ان سب امور کو پیش نظر رکھکر راقم کو اسکا یقین ہے کہ تیس سال والی حدیث خلافت وضعی ہے اور اسکا واضع ضرور ایک ایسا شخص ہے کہ جسنے اسکے وضع کرنیکے وقت خلفائے اربعہ کی خلافتوں کے عرصہ کی تحقیق نہیں کرلی تھی روا روی میں اُسنے ایک ایسی حدیث وضع کردی جو بظاہر صحت خلافت اربعہ کی مثبت معلوم ہوئی۔

اجتہاد مبنے برائے وقیاس

ائمۂ اربعہ سے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اجتہاد مسائل میں رائے وقیاس کے زیادہ پابند نظر آتے ہیں رائے وقیاس جو مبنے نہوں حکم خدا و رسول یعنی قرآن وحدیث پر البتہ بدیہی طور پر مذموم متصور ہیں۔ اجتہاد مسائل میں تمسک قرآن وحدیث کیساتھ ایک ضروری امر ہے۔ مجتہد کو اپنے رائے وقیاس کے بھروسے پر قرآن و حدیث سے علیحدگی نہیں اختیار کرنی چاہئے۔ اسطرح کی علیحدگی سے بدعت منتج ہوتی ہے جس سے دین کا خراب ہو جانا ایک امر یقینی ہے۔ مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۹ میں بروایت مسلم ایک حدیث جابر سے اس مضمون کی مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ خیر الحدیث قرآن ہے اور بہترین سیرت سیرت محمد ہے یعنی تمسک و عمل قرآن کیساتھ چاہئے اور خیر الہدی ہدایات محمد ہیں اور شر الامور بدعات ہیں اور سب بدعتیں گمراہی ہیں دوسری حدیث مشکوٰۃ میں بروایت حضرت عائشہ یہ ہے کہ فرمایا رسول خدا نے کہ جو شخص کوئی نئی بات نکالی جو میری حدیث میں نہ پائی جائے تو وہ شخص مردود ہے معاویہ صاحب نے تو چودہ ہزار حدیثیں حضرت ابوبکرؓ کے مناقب میں وضع کرائیں اور کتنی حدیثیں حضرت علیؑ کی مذمت میں تصنیف کرائیں تو حضرت عائشہ کی مروی حدیث بالا کے رو سے وہ خلیفۂ اہل سنت کیا کہے جائینگے۔ خیر اسی مضمون کی اور حدیثیں بھی مشکوٰۃ میں مروی ابن عباس وعفیف بن الحارث وابن حسرہ سے دیکھی جاتی ہیں جو تمسک وعمل بالقرآن کی ہدایت زوروں کیساتھ کرتی ہیں ایک حدیث اور بھی مشکوٰۃ میں مندرج ہے جو امر زیر بحث سے پورے طور پر چسپاں نظر آتی ہے اسی کتاب حدیث کے صفحہ ۲۰ میں بروایت ابو داؤد حدیث دیکھی جاتی ہے کہ جو شخص فتوے دے بغیر علم کے یعنی قرآن وحدیث کے علم کے بغیر تو ایسا مفتی گنہگار ہوگا اور جو اشارہ کرے کسی مسلم پر خلاف قرآن وحدیث کے تو لاریب اُسنے شریعت میں خیانت کی۔ کتاب دراسات اللبیب کے صفحہ ۲۳۴

میں مندرج ہے کہ ائمۂ اطہار حضرت علیؑ کے بعد علمائے عصر کے خلاف میں باوجود اسکے کہ اُن علما کو علم حاصل تھا فتوے دیتے تھے اور رائے اور قیاس کو فقہ میں حرام جانتے تھے ایکدن کا مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں حاضر آئے۔ حضرت امامؑ عالیمقام نے ابو حنیفہ صاحب سے فرمایا کہ مینے سنا ہے کہ تم فقہ میں قیاس کو دخل دیتے ہو۔ حالانکہ قیاس کو اسطرحپر دخل نہیں دینا چاہیے۔ اسلئے کہ اول جس نے قیاس کو دخل دیا وہ ابلیس تھا۔ قیاس کے مادّے میں امام ممدوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بدترین فتنہ اُمت محمدی میں قیاس و رائے ہے کہ جسنے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر ڈالا ہے۔ پھر شعبی سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ عنقریب ایک قوم ظاہر ہو گی کہ امور فقہ میں قیاس و رائے کو دخل دیگی جس سے کہ اسلام گویا منہدم ہو جائے گا۔

کوئی شک نہیں کہ امام اعظم صاحب امور فقہی میں قیاس و رائے کو بہت دخل دیتے تھے جیسا کہ آپکے اجتہادات سے ظاہر ہوتا ہے اسکی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپکو اپنے زمانہ میں احادیث صحیحہ پر وقوف اور اطلاع کی صورت نہو سکی۔ (دیکھو دراسات اللبیب صفحہ ۶۵) اس قول کا معین یہ قول ہے کہ ملا علی قاری نے سخاوی سے نقل کی ہے کہ روایت معتبرہ یہ ہے کہ امام اعظم کو کمسنی کے باعث کسی صحابہ سے صحبت و ملاقات و تحصیل کا اتفاق نہوا (دیکھو مقدمۂ ہدایہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی صفحہ ۱۰) خیر اسمیں شک نہیں کہ امام اعظم بہت اپنے قیاس و رائے پر بھروسا رکھتے تھے چنانچہ ملل و نحل کے صفحہ ۷۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اعظم اپنے قیاس جلی کو حدیث خبر واحد پر مقدم کرتے تھے۔ پس رد کرنا حدیث رسولؐ کو اور ترجیح دینا اپنی رائے کو گویا شریعت ناسخ کو منسوخ کر دینا ہے۔ اسی بنا پر متقدمین امام اعظم پر انکے مسئلہ طلاق کے متعلق کثرت سے طعن کرتے گئے ہیں (دیکھو دراسات اللبیب صفحہ ۷۵) اسیطرح آپ پر خطیب بغدادی اور امام احمد حنبل اور نیز ابن جوزی بہ تبعیت خطیب بغدادی طعن کرتے گئے ہیں (دیکھو مقدمۂ ہدایہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا صفحہ ۱۲) اسی مقدمہ کے صفحہ ۴ میں یہ تحریر بھی دیکھی جاتی ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے کہ متفرق ہو گی میری اُمت ستر سے کچھ زیادہ فرقہ ہو کر۔ مگر بدترین فرقہ اسمیں وہ ہے کہ جسنے قیاس کو اختیار کیا۔ جسنے ایسا کیا اُسنے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر ڈالا۔ دوسری حدیث نبوی یہ ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے علم دین کو نہیں چھین لیا آدمیوں سے مگر نا اہل علما نے۔ پس جب عالم دین باقی نہیں رہا تب لوگ پیروی کرنے لگے روسا ر جہالت کی اور یہ ارباب جہالت فتوے دینے لگے بغیر حدیث و قرآن کے اپنی رائے سے پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسرونکو بھی گمراہ کر ڈالا۔ ثعلانی کی جلد ا میں بروایت ابو سعید ان الخدری یہ حدیث دیکھی جاتی ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے جو شخص اجتہاد کرے بغیر حدیث کے صرف قیاس پر تو وہ مردود ہے اور جو اسپر عمل کرے وہ بھی مردود ہے۔ تمام امور بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث و قرآن کے ہوتے اجتہاد قیاس اور رائے کی بنا پر سخت ممنوع ہے پس جو مجتہد کہ اپنے قیاس و رائے کا پابند ہے اُسکی تقلید بھی ہر آئینہ ممنوع

متصور ہے۔ راقم کے اس قول کی تصدیق حجت اللہ البالغہ کے صفحہ ۵۹ سے پورے طور پر ہوتی ہے حضرت مصنف لکھتے ہیں کہ خدا نے کسی کی تقلید مباح نہیں کی الا تقلید قرآن و حدیث کی۔ اسکے سوا کسی دوسری شے پر عمل کرنا حرام ہے۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کا اجماع سلسلہ وار فرد واحد کی تقلید کی خلاف میں ہے۔ پس جسنے تقلید کی ابو حنیفہ یا شافعی کی وہ نہیں اعتماد کریگا کسی دوسرے کے قول پر اور ایسے مقلد کو قرآن و حدیث کیطرف التفات و توجہ وغیرہ وغیرہ باقی نہیں رہیگی۔

کتاب خدا یعنی قرآن اور احادیث یعنی اقوال حضرت رسول سے تو اسقدر مذمت اجتہاد بالقیاس و بالرائ کی ہویدا ہے۔ اب ایک ایسی حدیث دیکھی جاتی ہے جسکی اطلاع سے اوسان خطا ہو جاتے ہیں وہ حدیث حیرت خیز یہ ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ فخر کیا حضرت آدمؑ نے ہمارے وجود پر اور میں فخر کرتا ہوں ابو حنیفہ کے وجود پر۔ وہ چراغ امت کا ہے پھر فرمایا آنحضرتؐ نے کہ سارے انبیا فخر کرتے ہیں میرے وجود پر اور میں فخر کرتا ہوں ابو حنیفہ کے وجود پر جو شخص انکو دوست رکھیگا گویا اسنے مجھسے دوستی کی اور جسنے انسے بغض کیا گویا مجھسے بغض کیا۔ جھوٹ بولنے کیلئے بھی کچھ سلیقہ درکار ہے جھوٹ ایسا تو ہو کہ سچ کا کچھ نقشہ پیدا کر سکے۔ یہ کسطرح کا جھوٹ ہوگا اگر کوئی شخص کہے کہ چین میں چونٹی پہاڑ برابر کی ہوتی ہے۔ خیر مجھے اس وضعی حدیث کی تکذیب و تردید کی کوئی ضرورت نہیں ہے خود اہل سنت کے علما نے اسکو بے اصل قرار دیا ہے چنانچہ ابن جوزی ذہبی سیوطی و ابن حجر اور حتی کہ شیخ قاسم حنفی نے بھی ایسی ایسی روایتوں کو وضعی لکھا ہے دیکھو مقدمہ ہدایہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا صفحہ ۹ آئندہ بھی کچھ ذکر امام اعظم صاحب کا اس کتاب مختصر میں آئیگو ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

رویت باریتعالے

جاننا چاہیئے کہ رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں اختلاف ہے اہل سنت کہتے ہیں کہ خدا اپنے کو اپنے بندوں کی سامنے اسطرح ظاہر کر سکتا ہے کہ جیسے چاند چاندنی رات میں نمایاں ہوتا ہے یعنی بندگان خدا آلہ بصر سے خدا کو اسیطرح دیکھہ سکتے ہیں جیساکہ چاند کو چاندنی رات میں دیکھو شرح مواقف صفحہ ۵۰۳ شارح قوشجی کا بھی یہی مذہب ہے اور اسی مذہب کے پابند قاضی عضدالدین و سید شریف اور آمدی شافع مصری بھی تھے۔ فرقہ معتزلہ اور فرقہ امامیہ رویت بہ آلہ بصر کے قائل نہیں ہیں۔ یعنی خدا کو کوئی بندہ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں ان آنکھوں سے دیکھہ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قوت بصر حیوان کو جسمیں انسان بھی داخل ہے محسوسات فی الخارج کے درک کرنیکے لئے دی گئی ہے اسکا فعل صرف مادیات پر ہوتا ہے امور ذہنیہ یا روحانیہ پر نہیں ہوتا ہے پس حس بصر کا فعل کیونکر ایسے خدا پر ہو سکتا ہے جو حسب مضمون شرح عقائد نسفی صفحہ ۲ نہ جسم نہ جوہر نہ ذی صورت نہ قابل شمار نہ لائق ٹکڑے کئے جانیکے نہ قابل محل نہ مرکب نہ محدود نہ موصوف بہ آب و کیفیت نہ مقید بزمان نہ وہ کسی شے کا شبیہ اور نہ کوئی شے اسکی شبیہ ہے۔ صفت ہائے بالا تو شان مادیات کی ہے جو قوت بصر

کے احاطہ میں داخل ہے پس جب خدائے تعالیٰ مادیات کی شان سے تمامتر پاک ہے تو قوت بصر کے فعل سے بھی باہر ہے - ایسی شے کو قوت بصر نہ دنیا میں دیکھ سکتی ہے اور نہ آخرت میں۔ ترجمہ۔ ہو دیکھنے کی چیز تو نظارہ کام دے ٭ اس آنکھ سے ہے یار کو بیکار دیکھنا ٭ جب بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ایمان نہ لائینگے جبتک خدا کو آنکھوں سے بالجہر نہ دیکھیں گے اور حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کی التجا حضرت باری میں پیش کی تب حکم خداوندی ہوا حضرت موسےٰ کو کہ کوہ طور کیطرف روانہ ہو چنانچہ حضرت موسےٰ ستر آدمی بزرگان بنی اسرائیل سے لیکر اُس پہاڑ کیطرف تشریف لیچلے دامن کوہ طور میں ان مردمان بنی اسرائیل نے حضرت موسےٰ سے یہ کہا کہ آپ خدا سے سوال کیجئے کہ ہم لوگ خدا کی آواز سنیں۔ حضرت موسےٰ کی عرض سے ابر نے آکر سائلان صدا پر سایہ کر لیا۔ اُسوقت حضرت موسےٰ نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ تم لوگ سجدہ میں گرو۔ اُسوقت جب حضرت موسےٰ تکلم کرتے تھے تو نور الٰہی آپکے چہرۂ مقدس پر ساطع ہوتا تھا۔ اسی موقع پر خدا نے فرمایا بنی اسرائیل سے کہ مینے تمکو آزادی دی فرعون سے اور تمکین بخشی تمہارے واسطے زمین مصر میں تم میری پرستش کرو اور میرے سوا کسیکی عبادت نہ کرو۔ اس خدائی آواز پر بنی اسرائیل نے قناعت نہ کی۔ حضرت موسےٰ سے فرمائش کی کہ ہم لوگ خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس فرمائش کا نتیجہ ہوا کہ کوہ طور پر یک بیک برق نازل ہوئی اور سب کے سب جو وہاں موجود تھے مرگئے۔ خود حضرت موسےٰ صدمۂ برق سے گر پڑے اور دیر سے ہوش میں آئے بعدہٗ حضرت موسےٰ رونے لگے اور کہتے تھے کہ میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دونگا۔ وہ مجھے الزام دینگے کہ تو نے انکے بزرگوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اگر اس واقعہ کے قبل تو نے انہیں ہلاک کیا ہوتا تب میں الزام سے بری ہوتا ان بزرگان بنی اسرائیل کی ہلاکت کیوجہ سے بنی اسرائیل میری ہلاکت کے درپے ہو جائینگے۔ مجھسے یہ فعل سفاہت اور نادانی کا صادر ہوا جو تجھے اپنی آنکھوں سے تجھے دیکھنے کا میں طالب ہوا۔ الٰہی تو انکو زندہ کردے تاکہ وہ اپنی قوم کے آگے امتناع رؤیت کی شہادت دیں (دیکھو تفسیر معالم التنزیل بغوی صفحہ ۳۰) راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت موسےٰ کے تمام قصۂ رویت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ حضرت موسےٰ نے خدا کو دیکھا اور نہ اُنکے ہمراہیوں نے۔ سبھوں نے صرف برق کو دیکھا جو کہ از علامات و نشانی ہائے قدرت خدائے عزوجل تھی عصا و ید بیضا و طوفان و جراد و قمل و ضفادع و خون تاریکی کوہ کیطرح (دیکھو تفسیر کبیر رازی جلد ۴ صفحہ ۵۱۴) صاحب تفسیر بیضاوی (صفحہ ۵۵۹) لکھتے ہیں کہ رؤیت بالجہات و الاحیاز رائی کے مقابلہ میں امر محال ہے اسلئے کہ خدا منزہ ہے کیفیت سے۔ مگر قیامت میں مومنین کو رؤیت الٰہی نصیب ہوگی اس دنیا میں نہیں۔ لیکن راقم کہتا ہے کہ اس آنکھ کے ذریعہ سے قیامت میں بھی نصیب نہیں ہوگی۔ دنیا ہو یا قیامت بارتعالیٰ کی رؤیت کیلئے ایسی آنکھ درکار ہے جسکا فعل غیر مادیات پر ہو سکتا ہے اور وہ آنکھ دل کی آنکھ ہے۔ یہی رائے محی الدین ابن العربی کی ہے۔ (دیکھو سورۂ انعام کی تفسیر صفحہ ۲۱۶) ظاہر ہے کہ جو سب

منع رویت کا دنیا میں ہے وہی سبب قیامت میں بھی منع رویت کا متصور ہے۔ یعنی جب خدا قید جسمیت و زمانہ و حیّز و صورت وغیرہ سے پاک ہے تو خدا کے اعتبار سے دنیا اور قیامت دونوں حیثیت واحد رکھتی ہیں پس جب اُسکی رویت آلۂ بصر سے یہاں امکان نہیں رکھتی ہے تو قیامت میں بھی امکان نہیں رکھیگی۔ حضرت موسےٰ نے تو اس آنکھہ سے خدا کو نہیں دیکھا مگر برق کو جو خدا کی نشانی تھی ایسا دیکھا کہ آپکو ہوش باقی نہیں رہا۔ اب گفتگو یہ ہے کہ شب معراج میں حضرت رسُول خدا نے خدا کو دیکھا یا نہیں؟ راقم کی دانست میں اس آلۂ بصر سے جسکو آنکھہ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے خدا کو نہیں دیکھا۔ کس آنکھہ سے اور کیا دیکھا کوئی اسکو بتلا نہیں سکتا ہے بہرحال صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ کی حدیثوں سے بروایت شیبانی و عبداللہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ظاہری آنکھہ سے صرف جبرئیلؑ کو دیکھا خدا کو نہیں دیکھا۔ ابن عباس کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے آنحضرتؐ نے خدا کو دیکھا مگر دل کی آنکھہ سے دیکھا۔ راقم کہتا ہے کہ یہ روایت ابن عباس کی تمامتر قرین عقل ہے شعبی کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جناب رسُول خدا نے جبرئیلؑ کو دیکھا خدا کو نہیں دیکھا۔ یہی حدیث بخاری کی جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ میں بھی مذکور ہے پھر صفحہ ۹۰ میں مسروق کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا نے خدا کو نہیں دیکھا اور اس امر کے سننے سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی بخاری کے صفحہ ۹۹ میں ابوذر کی بھی یہ حدیث ہے کہ فرمایا حضرت نبی نے کہ مینے شب معراج میں صرف ایک نور دیکھا اور یہ نفرمایا کہ وہ نور خود خدا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ تمام احادیث سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسُول نے خدا کو شب معراج میں ان آنکھوں سے دیکھا۔ دیکھا تو جبرئیلؑ کو اُس صورت میں دیکھا جو اُنکی اصلی صورت ہے یا کسی نور کو دیکھا۔

تفاسیر کے رو سے بھی شب معراج میں آنحضرت کا خدا کو دیکھنا ثابت نہیں ہوتا ہے سورہ والنجم کی تفسیر میں (صفحہ ۳۳ پر) بیضاوی کہتے ہیں کہ نبیؐ نے دل کی آنکھہ سے خدا کو دیکھا نہ اس معمولی آنکھہ سے اور رویت سے شب معراج آثار قدرت و عجائب ملکوت مراد ہیں۔ محی الدین ابن العربی اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ میں فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ نے ہر آئینہ جبرئیلؑ کو اُنکی حقیقی صورت میں دیکھا پھر اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ چشم بصارت خدا کو نہیں دیکھہ سکتی ہے تفسیر معالم التنزیل بغوی کے صفحہ ۵۶ میں وہ روایت حضرت عائشہ اور نیز وہ روایت ابوذر کی منقول ہیں جو اوپر حوالۂ قلم ہو چکی ہیں جنسے حضرت رسُول کا خدا کو نہ دیکھنا ثابت ہوتا ہے تفسیر کبیر کی جلد ۸ صفحہ ۴۶ اور صفحہ ۲۰ میں مندرج ہے کہ رسُول خدا نے خدا کو دل کی آنکھہ سے دیکھا اور جبرئیلؑ کو ظاہری آنکھوں سے صاحب تفسیر نیشاپوری لکھتے ہیں کہ شب معراج حضرت رسُول نے گمان کیا کہ آپ نے اپنے خدا کو دوبار دل کی آنکھہ سے دیکھا (دیکھو جلد ۳ اس تفسیر کی صفحہ ۲۸۱) دل کی آنکھہ معمولی آنکھہ نہیں ہے۔ پس اُسکو رویت نہیں کہہ سکتے الحتصر رویت باریتعالیٰ چہ در دنیا و چہ در آخرت آلۂ بصر کے ذریعہ سے امکان نہیں رکھتی ہے یہی مذہب ہے فرقہ امامیہ اور فرقہ معتزلہ کا اور کوئی شک نہیں کہ یہ مذہب قرین عقل ہے اور اسلئے قابل

قبول ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ جب ظاہری آنکھ یعنی آلہ بصر سے انسان ہوا کو نہیں دیکھ سکتا ہے تو اس سے خدا کو کیا دیکھیگا ہوا ایک مادّی شے ہے مگر احاطہ بصر سے باہر ہے اُسکی حس قوت لمس پر موقوف ہے۔ مگر خدا تعالےٰ محسوسات سے نہیں ہے یعنی مادّیات سے نہیں ہے پس قوت لمس بھی اُسے حس نہیں کر سکتی۔

اہل سنت فرقہ امامیہ پر جواز لعن کے قایل ہیں

شرح مسئلہ لعن نودی صفحہ ۴۴۴ میں اسطرح درج ہے کہ علما کے نزدیک لعن کرنا کسی پر حرام ہے اور لعن کے معنی ہیں شرع میں دور رہنا رحمت ایزدی سے۔ پس جب یہ نہیں معلوم کہ کسکا خاتمہ کس طور پر ہوگا تو لعن سے احتراز درکار ہے۔ حتیٰ کہ لعن مسلم یا کافر بلکہ چارپایہ پر بھی نہیں کرنا چاہیے۔ مگر جب بنصّ شرعی معلوم ہو کہ فلاں شخص کفر پر مرا ہے یا مریگا جیسے کہ ابوجہل یا ابلیس تو ایسی لعن یا لعن بالوصف جو بغیر نام کے ہو جیسے لعن ظالمین و کافرین و فاسقین وغیرہ وغیرہ تو ایسی لعن جایز ہے۔ اسیطرح شراب کے لگاؤ سے دس شخص پر رسول خدا نے لعن کی ہے (دیکھو ترمذی جلد ا صفحہ ۱۶۷) کنوز الحقائق میں (صفحہ ۱۲۷) شیطان کو بھی گالی دینا یعنی لعنت کرنی ممنوع ہے (یہ روایت دیلمی کی ہے اور ظاہر اختلاف قرآن نظر آتی ہے) مگر فرا و بغوی و ابن عباس و ابن مسعود و قتادہ و حسن بصری و مجاہد و نظام الدین نیشاپوری و امام فخر الدین رازی و قاضی بیضاوی و علامہ زمخشری و قاضی عبدالجبار و ملا ابو السعود و شافعی صاحب گناہ کبیرہ اور کفار پر جواز لعن کے قائل ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ قابل لعن پر لعن کرنا ناجایز کیونکر ہو سکتا ہے اہل نجران سے مباہلہ لعن کا مقرر ہوا تھا کقولہ تعالیٰ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ اگر حسب الاصول اہل سنت کفار پر لعن ناجایز ہوتی تو رسول اللہ لعن پر کیوں مستعد ہوتے مگر جائے تعجب یہ ہے کہ اہل سنت جیسا کہ اوپر حوالہ قلم ہوا مسلم کافر چارپایہ حتےٰ کہ شیطان پر بھی لعن جایز نہیں رکھتے ہیں تو بیچارے شیعہ کیوں مستحق لعن قرار دیے گئے۔ صواعق محرقہ کے باب تکفیر شیعہ میں صاف صاف لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَخَذَلَهُمُ اللّٰهُ لکھا ہوا ہے پھر شارح بغوی اور ملا علی قاری اور قاضی عیاض و قسطلانی لکھتے ہیں کہ کَفَرَتِ الرَّوَافِضُ بِاَجْمَعِهِمْ وَقَالَتِ الرَّافِضَةُ الْمَلَاعِيْنَةُ کیوں حضرات اہل سنت یہ تبرا نہیں تو کیا ہے۔ انصاف سے فرمائیے کہ آپ کے مذہب میں تبرا اور لعنت داخل ہے یا نہیں ہے؟ اس تعصب کی کوئی حد ہے کہ لَا تُكَفِّرُوْا اَهْلَ الْقِبْلَةِ کی حدیث مشہور جو شرح فقہ اکبر میں مسطور ہے لعن یزید کے منع میں استدلال کیجاتی ہے اور شیعہ جو بدیہی طور پر اہل قبلہ سے ہیں اُنپر حکم کفر کا صادر کیا جاتا ہے اور اس بے تکلفی سے اُنپر لعنت کیجاتی ہے واقعی اہل تسنن کے تعصب کی کوئی حد نہیں ہے واقعی اس مذہب کی بنا مخالفت اہل بیت پر ہے اور واقعی یہ مذہب ایسا ہی تناسب ہے کہ تمام تر اے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی کا مصداق ہے حضرت پیران پیر جو اہل سنت کے عقیدہ کی مطابق جناب رسول خدا کے شریک معراج معلوم ہوتے ہیں گو کسی حیثیت سے شریک ہوئے ہوں

شیعوں کے حق میں بار بار اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں تبا لہم (یعنی خدا ہلاک کرے اُنکو) فرماتے گئے ہیں۔ اتنے بڑے بزرگ اور ایسی زبان آفریں صد آفریں۔

مذہب شیعہ میں اُسیطرح لعن کرنا جائز ہے جسطرح کہ مذہب اہل سنت میں۔ مگر اہل سنت نے اہل تشیع کو اس بارے میں بہت بدنام کردیا ہے ابھی میں دکھلا چکا ہوں کہ صاحب صواعق محرقہ اور حضرت پیر دستگیر کیا کیا نہیں شیعوں کے حق میں فرماتے ہیں شیعوں کو کافر تک قرار دیتے ہیں یہی ارشادات شارح نووی ملا علی قاری قاضی عیاض اور قسطلانی وغیرہ کے بھی شیعوں کے حق میں دیکھی جاتے ہیں۔ مگر شیعہ اہل سنت کو کافر جاننے کے عوض مسلم مانتے ہیں اور اُنپر لعن جائز نہیں رکھتے ہیں شیعوں کے زیادہ بدنام ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خلفائے ثلثہ پر نام بنام مذہبی تقریبوں میں لعنت کرنا رواج پاگیا ہے یہ ایک نو احداث امر معلوم ہوتا ہے کسواسطے کہ شیعوں کے کتب معتبرہ میں لعن نام بنام کسی اصحاب و ازواج کے مروی نہیں دیکھی جاتی ہے۔

قدمائے شیعہ صرف مفضولیت شیخین کے قائل تھے نہ اُنکی تکفیر کے۔ اسلئے سب شیخین نہیں کرتے تھے۔ ظاہرا لعن و سب ایک امر رواج دادہ سلاطین عباسیہ کا معلوم ہوتا ہے۔ راقم کی دانست میں نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت کے اہل تشیع قدمائے اہل تشیع کا شیوہ اختیار کریں۔ ترک سب و لعن سے مذہب امامیہ کو کسیطرح کے نقصان کے عوض فوائد مرتب ہونگے۔ راقم کو تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ کے حق ہونے پر بھی اسکی توسیع حسب مراد طور پر اسی رسم لعن و سب کی وجہ سے ظہور میں نہیں آسکی ہے۔ پیشوایان مذہب امامیہ کا فرض منصبی ہے کہ مذہب امامیہ کی فائدہ رسانی کی نظر سے اس اصلاح کیطرف اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔ اس زمانہ میں تبرائے معروف کی ضرورت بھی نہیں رہی ہے۔ مگر یہ رسم ایسی جڑ پکڑ گئی ہے کہ اب اسکے بغیر کوئی شخص مذہب امامیہ کا پابند نہیں مانا جاتا ہے۔ اگر چشم حق بین سے دیکھئے تو مذہب امامیہ جو فی الواقع ایک نہایت حق آگیں پاک صاف اور خیر ل مذہب ہے اس بے معنی رسم کی وجہ سے داغدار دکھائی پڑتا ہے۔ یہ رسم سب و لعن کی ایسی ضرر رساں ہے کہ اس مذہب کو ترقی نہیں کرنے دیتی ہے۔ بہت دشوار ہے کہ قید سب و لعن کے ساتھ کوئی شخص کسی دوسرے مذہب کا پابند اس مذہب حق کو رغبت و آسانی کے ساتھ اختیار کرسکے۔

عقلاً سب و لعن کی قید جزو مذہب نہیں سمجھی جاسکتی ہے گو اسوقت ہزاروں ایسے شیعہ ہیں کہ اس فعل کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اسکے بغیر کسیکا شیعہ ہونا اُن کے نزدیک خارج از امکان ہے۔ کسی شخص غیر امامیہ کے دماغ میں سب و لعن کو جزو مذہب قرار دیدینا توقع سے بہت بعید ہے مجھے ذاتی تجربہ اسکا ہوچکا ہے اور مجھے اسکا بہت بڑا صدمہ ہے کہ سینکڑوں ایسے اشخاص جو مذہب امامیہ

کو قبول کرنیکے لئے آمادہ ہیں قید سب ولعن کیوجہ سے اس مذہب پاک کو قبول کرنیسے بھڑکتے ہیں۔

آیا حضرت علیؑ حضرات شیخین سے نسب کے روسے بھی مفضول ہیں

۱۹ سوال سایل یہ ہے کہ آیا حضرات شیخین سے حضرت علی مرتضی نسب میں بھی مفضول ہیں یا نہیں؟

جواب اسکا یہ ہے کہ کتب اہل سنت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ مرتضے حضرات شیخین سے کسی امر میں مفضول نہیں ہیں جسقدر فضائل علی مرتضےؑ کے راقم اس تصنیف میں مختصراً عرض کرچکا ہے وہ حضرت علیؑ کے جمیع مومنین ومسلمین سے افضل مانے جانیکے لئے کافی ہیں اگر ہٹ دہرم نمانیں نمانیں حقیقت حال یہی ہے کہ حضرت علیؑ تمام امت رسول خدا سے افضل ہیں ؎ علیؑ زبعد محمد زہر چہ ہست بہ است * اگر تو مومن پاکی ازاں دریغ مدار * اب رہی اسکی تحقیق کہ اگر حضرت علیؑ حضرات شیخین سے نسب میں بھی افضل ہیں تو کیونکر ہیں؟ پس اہل انصاف سے استدعا کیجاتی ہے کہ تحریر ذیل پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی ہاشم ایک ایسا قبیلہ ظہور اسلام کے پہلے ہی سے تھا کہ جو نہ صرف شہر مکہ اور ملک عرب ہی میں اپنی سرداری اور نیک کرداری کیوجہ سے مشہور تھا بلکہ شام وغیرہ کیطرف بھی اس قبیلہ جلیلہ کی شہرت پھیلی ہوئی تھی اس قبیلہ کی شہرت ایام جاہلیت میں تھی اور آج بھی ہے۔ اسکی شہرت کی بڑی دلیل اسکی عظمت ہے۔ اسکے بخلاف قبیلہ تیم وعدی ایام جاہلیت میں مشہور تھے اور نہ عہد رسول خدا میں اور نہ آجتک کسیطرح کی شہرت رکھتے ہیں یہ قبیلے ایسے گمنام ہیں کہ انسے صرف اچھی طرح پڑھے لکھے آدمی واقف ہیں معمولی درجہ کے پڑھے لکھے آدمی کے کان تو تیم وعدی کے نام سے بھی آشنا نہیں ہیں۔ پس حضرت علی کی عالی نسبی کیساتھ حضرات شیخین کا موازنہ ہی فضول ہے۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جسطرح اور فضائل میں حضرات شیخین حضرت علیؑ کی برابری نہیں کرسکتے ہیں نسب میں بھی انکو اس برادر رسول خدا یعنی حضرت علیؑ کیساتھ ہمسری حاصل نہیں ہے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ آپ ایک شریف خاندان کے بزرگ ہیں اور آپکی خاندانی شرافت میں کسیکو جائے گفتگو نہیں ہو سکتی حضرت عمرؓ کی خاندانی حالت یہ ہے کہ میں اطمینان کیساتھ نہیں عرض کرسکتا ہوں کہ آپ میں ہاشم بن عبدمناف کا خون ہے یا نہیں ہے۔ کتاب مثالب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دادا نفیل ایک کنیز حبشیہ کے بطن سے جسکا نام ضہاک تھا پیدا ہوئے یہ ضہاک حضرت ہاشم بن عبدمناف کی لونڈی تھی جو نضلہ بن ہاشم اور بعدہ عبدالعزےؓ بن

ربلح کے تصرف میں یکے بعد دیگرے درآئی۔ یہاں تک کہ مضامین کتب مثالب میں پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ نفیل بن ہاشم یا عبدالعزےٰ کے فرزند نفیل تھے بہر حال اپنے وقت میں نفیل نے قبیلہ فہم کی کسی عورت سے رواج ملکی کے مطابق مواصلت پیدا کی جس سے خطاب حضرت عمر کے والد تولد ہوئے (دیکھو معارف ابن قتیبہ) یہ عورت بھی قبیلہ فہم کی لونڈی معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ ام الولد کے قاعدہ سے رواج جاہلیت کے مطابق آخر میں عمرو بن نفیل کے تصرف میں آئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ واضح ہو کہ کتاب مثالب تصنیف ابو المنذر ہشام ابن سائب الکلبی کی ہے یہ بزرگ اکابر و اعاظم علمائے اہل سنت سے ہیں اور اسی درجہ کے ہیں کہ ترمذی اور ابن ماجہ انکو اپنا شیخ مانتے ہیں اور بغوی جیسے محقق اور مفسر نے بھی اپنی تفصیل معالم التنزیل کو انکی روایتوں سے بھر دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ اس عالم مستند کو علم نسب کا امام سمجھتے ہیں۔ علامہ سبط بن جوزی اور ابن خلکان بھی انساب کے متعلق اُن سے بہت کچھ لیتے گئے ہیں۔ اسی سے سمجھنا چاہیئے کہ کتاب مثالب کے مصنف کا کیا پایہ ہے پس ابو المنذر ہشام کی تحقیق کس عظمت کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ اب کوئی حاجت نہیں ہے کہ راقم حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ کے نسبی معاملات پر اظہار رائے کرے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں حضرت عمرؓ کا ام کلثوم بنت فاطمہ کیساتھ ازدواج کا قصد کرنا خالی از کراہت متصور نہ تھا۔ مگر ہزار ہزار شکر کی جا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ازدواج کا قصہ دوسری اُمّ کلثوم سے تعلق رکھتا ہے۔ ام کلثوم بنت فاطمہؑ کیساتھ اسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔

عرض بخدمت اہل اسلام

شیخ الاسلام ابن حجر کے اسامی محدثین سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض محدثین نے زمانے ایسی فرمانرواؤں کے پائے جو خاندان پیغمبر کے دوستدار تھے ایسے زمانوں میں محدثین نے فضائل اہل بیت کے ذخیرے جمع کئے۔ مگر مخالفین وقت نے انہیں رفض کے ساتھ متہم کر دیا۔ پھر کچھ محدثین نے زمانے حکام جور کے پائے ایسے وقت میں حصول زر اور خوشامد حکام کی نظر سے محدثین نے حدیثیں وضع کیں اور اپنی تقریرات و تحریرات کے ذریعہ سے بندگان خدا کی گمراہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اسوقت متقدمین کی تصنیفات موجود ہیں جو مذہب حق کی تحقیق کے لئے کافی ہیں۔ ان تصنیفات کے معاینہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت راوی ایسے ہیں کہ فریقین کے نزدیک اُن کی روایتیں مقبول ہیں اور فریقین کے بہت سے علما ایسے ہیں کہ جو اُن روایتوں کو اپنی تصنیفات میں قابل وثوق سمجھکر داخل کرتے گئے ہیں۔ پھر بہت سی ایسی روایتیں ایک مضمون کی بھی ہیں کہ جنہیں فریقین نے اپنی اپنی تصنیف میں آزادانہ طریقہ پر بے ردوکد جگہ دی ہے۔ بہت سے ایسے راوی بھی

ہیں کہ فریقین کی کتابوں میں انکی روایتیں موجود ہیں۔کوئی شک نہیں کہ ایسے راوی کم ہیں کہ جو کسی فرقہ خاص کیساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ایسی حالت میں تحقیق و تفحص سے فریقین کے اختلاف کا رفع ہو جانا کوئی دشوار امر متصور نہیں ہے اگر بے تعصبی سے کام لیا جائے تو شیعہ اور سنی کا تفرقہ باقی نہیں رہ سکتا ہے اس تحقیق اور تفحص سے جناب رسول خدا کا اصلی دین اُمت محمدی پر روشن ہو جائیگا۔مگر ایسے مقصد کے حاصل کرنیکے لئے نفسانیت سے دور ہو کر لازم ہے کہ اہل اسلام عقل و انصاف کی پابندی کیساتھ فریقین کی دلیلوں پر نظر غور ڈالیں اور عند التحقیق جو امر حق ہو اسے اختیار کریں۔افسوس صد افسوس کہ تعصب مسلمانوں کو ایسا خراب کئے ہوئے ہے کہ روز بہ کی اُمید نہیں کیجا سکتی ہے۔

زید بن علی بن الحسین معروف بہ زید شہید

اہل سنت کہتے ہیں کہ" حضرت زید نے امامت کا دعوی کیا اور جہاد امام کی مخالفت میں کیا پس مذہب امامیہ کے اصول کے مطابق حضرت کیوں مورد طعن نہوں گے۔

ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ اُنکی مدح اس بنا پر کرتے ہیں کہ وہ سادات سے ہیں اور نیز امام زادے ہیں۔پس شیعہ خلفائے ثلاثہ کی عیب جوئی کیوں کرتے ہیں خلفائے ثلثہ بھی تو حضرت رسول خدا کی قرابت دار ہیں اور صحابی اور مہاجرین بھی ہیں" اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت زید شہید کا دعوی امامت کرنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔بروایت فریقین ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خوش عقیدہ تھے آپ نے جہاد کو اس غرض سے اختیار فرمایا تھا کہ جناب امام حسین علیہ السلام کے خون ناحق کا بدلا لیں نیز شر اعدا کو دفع کریں۔یہ اسیطرح کا کام تھا کہ جسکے عامل ابراہیم اور مختار ہو چکے تھے۔یہ فعل جہاد کا حرام نہ تھا اور نہ امام محمد باقر اور نہ امام جعفر صادق علیہما السلام نے ایسی جنگ آزمائی کو حرام قرار دیا تھا۔پس یہ فعل آپ کا آپکو مورد طعن نہیں بنا سکتا ہے۔خون حسین کے معاوضہ کی خواہش کس دوستدار اہل بیت کے دل میں نہیں ہو سکتی تھی چہ جائیکہ حضرت زید کہ اُنکے حقیقی دادا کا معاملہ درمیان میں حائل تھا کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید نے یہ جہاد اجازت و رضائے حضرت صادقین کیساتھ کیا تھا۔حضرت صادقین نے کسیطرح کی ناراضمندی ظاہر نہیں کی تھی۔اگر اس جہاد سے حضرت صادقین ناراضمند ہوتے تو حضرت زید کی ہزیمت اور شہادت پر اسقدر اظہار حسرت نفرماتے جیسا کہ کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے علاوہ اسکے حضرت صادقین نے برابر حضرت زید کے حق میں دعائے خیر فرمائی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت صادقین حضرت زید سے کسیطرح پر ناراض نہ تھے۔آخر میں عرض راقم یہ ہے کہ حضرت زید کا معاملہ حضرات

خلفائے ثلثہ کے معاملات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا ہے۔ پس حضرات اہل سنت کے اعتراض بالا کی تردید حضرات خلفائے ثلثہ کے لگاؤ سے غیر ضروری متصور ہے۔

حضرت خالد بن ولید

جنگ اُحد کے پہلے آپ نے کسی طرح کی شہرت پیدا نہیں کی تھی۔ مگر جب اس جنگ میں آپ نے کفار مکہ کے ساتھ لشکر اسلام کے خلاف میں قابل امتیاز کارروائی دکھلائی تب سے آپکو ہر کہ و مہ ملک عرب کا ایک جنگجو پہلوان جاننے لگا۔ جنگ اُحد میں آپ کی شرکت کی یہ صورت ہوئی کہ آپ حضرت ابو سفیان کے ساتھ حضرت رسول خدا سے لڑنیکے واسطے آئے اس لڑائی میں حضرت خالد کوہِ اُحد کی ایک گھاٹی پر کچھ کفار مکہ کو لیکر جا بیٹھے حضرت رسول خدا نے انہی گھاٹی کے روکنے کو پچاس تیر انداز عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں مقرر کردئے تھے اور انہیں یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ کسی حال میں اس گھاٹی سے علیحدہ نہوں۔ جسوقت میدانی جانب میں لشکر ابو سفیان نے لشکر اسلام سے سامنا کیا تو لشکر کفار کو بین شکست لاحق ہوئی کفار مکہ بھاگتے نظر آئے۔ لشکر اسلام نے بھاگتے کفار کو لوٹنا شروع کیا۔ گھاٹی والے تیر انداز بھی گھاٹی چھوڑ کر لوٹ کے شریک ہوگئے۔ جگہ خالی پاکر حضرت خالد اسی گھاٹی سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اور دم بھر میں انہیں پریشان کر ڈالا۔ آپ کے اس حملہ کے شہدا میں حضرت امیر حمزہؓ بھی تھے جنکی شہادت کا غم حضرت رسول خدا کے دل سے آخر دم تک نہ گیا۔ اس ہنگامہ کے چند سال بعد حضرت خالد مشرف بہ اسلام ہوئے مگر حضرت رسول خدا کے دل میں جگہ نہ پیدا کر سکے۔ جگہ نہ پیدا کرنیکی وجہ خاص صرف یہ اُحد کا معاملہ نہ تھا۔ آپ ایک بے اصول زندگی کے آدمی تھے ورنہ جو دلیری آپکو واہب العطایا نے بخشی تھی اُس کا یہی تقاضا تھا کہ آپ مشرف بہ اسلام ہونے پر حضرت رسول خدا اور جمیع اہل اسلام کے ایک بڑے محبوب ہو جاتے۔ آپ کے اطوار ناپسندیدہ کے باعث حضرت رسول خدا آپ سے بیحد بیزار ہو گئے تھے۔ اسکی سرگذشت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت رسول خدا ابھی مکہ ہی میں مقیم تھے کہ آپ نے وہیں سے خالد بن ولید کو ناحیہ یلیلم میں جہاں قبیلہ بنی خذیمہ اپنی بود و باش رکھتے تھے دعوت اسلام کی نظر سے بھیجا جاننا چاہئے کہ خالد قبیلہ بنی مخزوم کے آدمی تھے۔ ایام جاہلیت میں اس قبیلہ اور قبیلہ بنی خذیمہ کے درمیان خانہ جنگیاں ہوا کرتی تھیں۔ جب خالد وہاں پہنچے تو بنی خذیمہ پرے جما جما کر مقابل میں آکھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں نماز پڑھتے

ہیں اور مسجد بنواتے ہیں۔ اسپر خالد نے پوچھا کہ پھر یہ صف آرائیاں کیوں ہیں تم اگر مسلمان ہو اور
قصد جنگ نہیں رکھتے ہو تو ہتیار رکھدو۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر نہایت جائے افسوس
ہے کہ حضرت خالد نے اُن کے اقرار اسلام اور اُنکی فرمانبرداری پر بہی اُن کے ہاتہہ
شانوں سے بند ہوائے اور بعض کو قتل کر ڈالا اور بعض کو چاہا کہ رات کی تاریکی میں قتل
کر ڈالیں۔ حضرت عمرؓ اس موقع پر خالد کے ہمراہ موجود تہے۔ آپ حضرت خالد کی اس
وحشیانہ حرکت سے نہایت افروختہ ہوئے اور حد درجہ کی ناپسندیدگی ظاہر کی (دیکھو خمیس
جزو ثانی صفحہ ۱۰۹ بحوالہ صحیح بخاری و ابو الفدا صفحہ ۵۳ و سیرت ابن ہشام جزو ثالث صفحہ ۹۳ و
تاریخ طبری از صفحہ ۱۶۵۱ تا ۱۶۵۳) جب اس ظالمانہ اور سفاکانہ کارروائی کی خبر آنحضرتؐ کو
ہوئی تو آپ خوف خدا سے کانپنے لگے اور درگاہ ایزدی میں یوں مناجات کرنے لگے کہ بارالہا
میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ اسکے بعد ہی حضرت
رسول خدا نے فوراً علی مرتضےٰ کو مال و زر کے ساتہہ بنی خذیمہ کیطرف اسغرض سے روانہ کیا کہ آپ
وہاں پہنچکر حضرت خالد کو معزول کریں اور اُس قبیلۂ آزار دیدہ کی دلجوئی کریں۔ حضرت امیرؑ نے حکم رسول
خدا کی بجا آوری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکہا خاص کر ایسی صورت میں کہ کریمی اور رحیمی کی شان
آپ پر ختم تہی۔ جاننا چاہئے کہ کریمی اور رحیمی کے بغیر کوئی شخص شجاعت سے متصف نہیں ہو سکتا
ہے۔ حضرت خالد میں چونکہ کریمی اور رحیمی کا مادہ مفقود تہا اسلئے آپکی طرف شجاعت کی نسبت کسی
حال میں نہیں کیجا سکتی ہے حضرت خالد میں سباعیت یعنی درندگی تہی جسے عوام کالانعام
شجاعت قیاس کرتے ہیں۔

شجاعت کی مثال حضرت علیؑ ہیں کہ آپ میں ویسی بہادری تہی جو شیر خدا کے سوا کسی دوسرے میں امکان
نہیں رکھتی ہے۔ ایسی بہادری دین حق کے قائم رکھنے اور دین حق کو دشمنان خدا سے بچانے کے
واسطے درکار ہوتی ہے ایسی بہادری سے رحیمی اور کریمی کسی حال میں منفک نہیں ہو سکتی اور ایسی
بہادری حسبتہً للہ ہوا کرتی ہے نفس کے لئے نہیں ہوتی۔ حضرت علیؑ کے روے مبارک پر جو کافر
مغلوب نے تہوکدیا جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

او خیو انداخت بر روے علیؑ   افتخار ہر نبی و ہر ولی

تو آپ اُس کافر کے سینہ سے علیحدہ ہو گئے اور یہ اس سبب سے کہ اُسکے اس فعل مذموم کے بعد
نفس کی شرکت کا احتمال تہا۔ حضرات ناظرین شیر خدا کی اس حقانی کارروائی کو حضرت خالد کے اُن
افعال قبیحہ سے موازنہ کریں جو اُن صاحب سے قبیلۂ بنی خذیمہ کے مقابلہ میں سرزد ہوئے گئے
حضرت خالد کی یہ بیرحمی اور بیکرمی فطری حیثیت رکھنے کے علاوہ اس پہلو سے اور بہی زشت

دکھائی دیتی ہے کہ آپ ایسی کارروائیون کے عامل اس سبب سے ہوئے کہ آپ کے قبیلہ مخزوم کو قبیلۂ خذیمہ سے ایک عداوت قدیمہ چلی آتی تھی۔

ظاہر ہے کہ حضرت خالد قبیلۂ خذیمہ کے پاس رسولِ خدا کی جانب سے ایک مذہبی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ مگر آپ نے موقع پاکر اس قبیلہ سے پرانی عداوت کے تقاضہ سے ایسے کام کئے کہ نہایت سنگدل ہوئے بغیر کوئی شخص ایسے کامون کا مرتکب نہیں ہوسکتا ہے۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ حضرت خالد نے اسلام کے پردے مین نفسانیت کے نہایت ہولناک کام کئے۔ آپ کا جانا قبیلۂ خذیمہ کی طرف حبۃً للہ ہوا تھا مگر وہان جو افعال آپ سے سرزد ہوئے وہ تمامتر تقاضائے نفس کے مطابق دکھائی دیتے ہین۔ اب اہل انصاف حضرت علیؑ اور حضرت خالد کا فرق درک کرین اور سمجھین کہ شجاعت اور سباعیت یعنی درندگی مین کیا فرق ہے۔ مین عذرخواہ ہوتا ہون کہ مین حضرت علیؑ کا موازنہ حضرت خالد کے ساتھ ہرگز نہ کرتا مگر ایک سُنّی مولوی صاحب نے کسی کتاب پر اس مضمون کا حاشیہ لکھا ہے کہ امامیہ جو حضرت علیؑ کی شجاعت کے اشعار مدح خوان ہین تو ہم اہل سنت کی طرف بھی حضرت خالد حضرت علی کا جواب دینے کیلئے خدا کے فضل سے موجود ہین اور یہ حضرت خالد حضرت علیؑ سے شجاعت مین زیادہ ہی تھے نہ کم تھے۔ میری عرض یہ ہے کہ حضرت خالد مین شجاعت کا نام تک نہ تھا صرف سباعیت تھی جیسا کہ اوپر ابھی کہلایا گیا ہی۔ پس کسی حال مین حضرت خالد حضرت علیؑ مرتضٰے کے جواب قرار نہین دیئے جاسکتے ہین۔ حضرت علی اور حضرت خالد مین سفید اور سیاہ فرق حائل ہے۔ ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔

دوسرا امر متعلق بہ اسلام جو حضرت خالد سے علاقہ رکھتا ہے اور جس سے حضرت خالد کی افتادِ طبیعت عیان ہوتی ہے یہ ہے کہ قیام یمن کے زمانہ مین جب حضرت علی کو یہ خبر پہنچی کہ وہ قبائل جو اطراف یمن مین اسلام قبول کرچکے تھے مرتد ہوگئے ہین اور جنگ کی تیاریان کررہے ہین تو حضرت علیؑ اپنی فوج کو آراستہ کرکے اُن سے مقابل ہوئے۔ یہ مرتدین ہزیمت اُٹھاکر حضرت امیر کی خوش تدبیریون سے تابع فرمان اور از سر نو مسلمان ہوگئے۔ کوئی شک نہین کہ اس ہنگامہ مین حضرت کی خلقی شجاعت جسمین کریمی اور رحیمی داخل ہے اُن مرتدین کی اصلاح مین بہت کام آئی۔ مگر حضرت خالد اپنی خلقی بدترکیبون سے باز نہ آئے۔ آپ کو حضرت علی کے ساتھ ایک عداوت قدیمہ لاحق تھی اور ہمیشہ اس عداوت کے تازہ ہوجانے کے اسباب جمع ہوا کئے۔ حضرت خالد نے بریدۃ الحصیب سے مشورہ کرکے ایک خط حضرت رسولِ خدا کو حضرت علی کی شکایت مین لکھا اور اسی بریدہ کے ہاتھ سے اسے آنحضرت تک پہنچا دیا۔ اس خط کو پاکر حضرت رسولِ خدا بہت غضبناک ہوئے اور بریدہ سے فرمایا کہ افسوس ہے تجھپر کیا تو منافق ہوگیا ہے علیؑ مجھسے ہے۔ اور تجھسے اور تیری قوم سے افضل الناس ہے۔ علیؑ میرے بعد تمام امت مین افضل تر ہے۔ وہ جو حکم کرتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ تو خدا سے پناہ مانگ ورنہ جو علیؑ کا دشمن ہے

وہ میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ یہ سنکر بریدہ نہایت خوف زدہ ہوا اور کہنے لگا کاش علیؑ مرتضےٰ کی شکایت کے قبل مین پیوند زمین ہو جاتا" اس کے بعد اُسنے کبھی علیؑ مرتضےٰ کی مخالفت نہین کی مگر حضرت خالد کی عداوت اوس جناب کے ساتھ اپنے حال پر رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی عداوت کی بنیاد پر خالد بن ولید "حضرت" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہین۔ ورنہ اگر ایسے ایسے اشخاص رسولؐ اللہ کے صحابی کہے جاین۔ تو ویسے ویسے حضرات صحابی جو واقعی بڑے بڑے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے کس لقب سے یاد کئے جاسکتے ہین مگر بظاہر مخالفت علیؑ ایک ذریعہ عظمت اہل سنت کے نزدیک دکھائی دیتی ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو معاویہ طلحہ۔ زبیر وغیرہ وغیرہ کیون حضرت کہلاتے ہین۔ علاوہ لقب حضرت کے اہل سنت حضرت خالد کو سیف اللہ کے خطاب سے بھی یاد کرتے ہین۔

یہ خطاب آپ کو کس طرح حاصل ہوا اسکی اطلاع حضرات اہل سنت کو ہو گی دوسرے کو کیا معلوم مگر اس کی تحقیق تو سابق مین حوالہ قلم ہو چکی ہے کہ یہ خطاب خاص امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ہے اور واقعی یہ خطاب آپ کے سوا کسی اور شخص پر زیبا بھی نہین ہے اسلئے کہ آپ بلا گفتگو سیف خدا تھے۔ آپ کی ذوالفقار آپ کے سیف اللہ ہونے کی نشانی تھی۔ حضرت خالد کس قاعدہ کس قانون کس آیت کس حدیث کس پیشین گوئی کے رو سے سیف اللہ کے خطاب کا استحقاق رکھتے ہین احاطہ تحقیق سے باہر ہے سیف اللہ ہونے کے لئے شجاعت کی ضرورت ہے۔ نہ کہ سباعیت کی۔ اور ایک اور مثال آپ کی سباعیت کی ذیل مین پیش کیجاتی ہے جس سے آپ کی بیرحمی نفسانیت خود غرضی سفاکی وغیرہ وغیرہ بدرجۂ اتم نمایان ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ مین قبیلہ بنی یربوع نے زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کیا۔ سردار اس قبیلہ کا مالک بن نویرہ تھا۔ یہ شخص جو دولتمند معزز شہسوار اور شاعر بھی تھا حضور سرور عالم مین حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ اس قبیلہ کی طرف حضرت خلیفہ نے حضرت خالد کو تحصیل زکوٰۃ کی غرض سے بھیجا۔ مالک نے کہا کہ ہم نماز ادا کرتے ہین مگر ہم زکوٰۃ نہ دینگے اسپر حضرت خالد نے کہا نماز اور زکوٰۃ دونون ادا کرنا چاہئیے۔

صرف نماز کے ادا کرنے سے عبادت قبول نہین ہوتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جب مالک نے زکوٰۃ کی ادائی سے انکار کیا تو حضرت خالد نے اُس سے کہا کہ مین تیری گردن ماردونگا اسکے بعد طرفین سے رنج آمیز باتین درشتی کے ساتھ ہوتی گئین۔ عبداللہ بن عمر اور ابو قتادہ انصاری اسوقت وہان موجود تھے چونکہ ان دونون صاحبون کو حضرت خالد کی تعدی پسند نہ آئی۔ حضرت خالد کو آپ دونون صاحب کنایتہ فہمایش کرتے گئے۔ مگر حضرت خالد کو دونون صاحبون کی یہ فہمایش ناگوار گذری۔ بہرحال قصہ طے ہوجانے کی غرض سے مالک نے حضرت خالد سے کہا کہ مجھے حضرت خلیفہ کے حضور مین لیچلو وہ جیسا مناسب

جائین گے۔ میرے حق مین حکم دین گے۔ حضرت خالد نے کہا کہ مین تیری گردن مارونگا۔ چنانچہ ضرار بن
ابوذر کو مالک کی گردن مارنے کا حکم حضرت خالد نے دیا۔ اسپر مالک اپنی زوجہ کی طرف متوجہ ہوکر خالد سے بولا
کہ یہ عورت میرے قتل کا سبب ہوتی ہے۔ حضرت خالد نے یہ سنکر کہا کہ تیرا انحراف اسلام سے تیرے قتل کا باعث
ہوتا ہے مالک نے اسکا یہ جواب دیا کہ مین اسلام پر قائم ہون۔ اس ردوکد کے بعد حضرت خالد نے ضرار کو مالک
کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ اور مالک کی گردن ماری گئی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ
مالک کی زوجہ ایک مشہور پری پیکر عورت تھی۔ کوئی شک نہین کہ حضرت خالد کی نفسانیت اور خودغرضی مالک کے
قتل کا سبب ہوئی۔ حضرت خالد کو لازم تہا کہ مالک کو اُسکی خواہش کے مطابق حضرت ابوبکر کے پاس لیجاتے
بہرحال مالک کے مقتول ہونیکے بعد حضرت خالد فوراً اُسکی زوجہ پر قابض اور متصرف ہوبیٹھے اور اس واقعہ ملامت
انگیز کو شعرائے وقت نے ہجو کے پیرایہ مین منظوم کرڈالا جب اس عجیب واقعہ کی خبر حضرت ابوبکر اور حضرت
عمر کو ملی تو حضرت ابوبکر سے حضرت عمر نے کہا کہ خالد نے زنا کیا ہے آپ اُسے سنگسار کیجئے۔ حضرت ابوبکر
جواب مین بولے کہ مین ایسا نکرونگا اور اپنے قول کی تاویل کی تب حضرت عمر نے کہا کہ خالد نے ایک
مسلمان کو ناحق قتل کرڈالا ہے مقتول کے خون کا قصاص خالد سے لیجئے۔ اسپر بھی حضرت ابوبکر نے
تاویل کی۔ آخر مین حضرت عمر نے یہ کہا کہ خالد کو معزول کردیجئے اسپر حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ شمشیر کو
سلا رکھون یعنی خالد مرد میدان وقابل اعتماد وخیرخواہ وغیرہ وغیرہ ہے ایسے شخص کو اپنے پاس سے دور کر
ڈالون (دیکھو ابوالفدا) اس قصہ پر نظر غور ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین کی خدمت اور چیز ہے اور نفس کی خدمت
اور فریبی چیز ہے دیگر ہوتا اس چیز سے دیگر اہل انصاف ان واقعات سے حضرت خالد کے خلقی اور اسلامی اطوار کا
خود موازنہ کرلین راقم کو اس سے زیادہ عرض کی حاجت نہین ہے۔

اہل سنت اور خلفاے بنی عباس

واضح ہو کہ علامہ سیوطی وشاہ عبدالحق وقسطلانی ونووی نے خلفائے بنی عباس کو حدیث ائمہ اثنا عشر مین
داخل کیا ہے علاوہ اسکے احادیث اہل سنت سے خلافت عباسیہ کی مدح مصرح طور پر پائی جاتی ہے پس جب وہ
خلفا ایسے ہین تب اُنکے اقوال وافعال خلفائے راشدین کے اقوال وافعال کی طرح سنت وبدعت حسنہ
کیونکر نہین قرار پائین گے۔ مگر ان خلفا مین کچھ خلفا کھلے کھلے طور پر اہل تشیع نظر آتے ہین مثلاً سفاح
بانی دولت عباسیہ ناصر الدین باللہ قاہر باللہ قایم باللہ مطیع للہ طالع للہ جو شیعہ بلا تقیہ تھے۔ ایسی صورت
مین ضرور ہے کہ ان خلفا کے اقوال وافعال بھی سنت بدعت حسنہ قرار دیے جائین گے اور کیون نہین قرار دیے جائینگے
جبکہ یہ خلفا ایسے تھے کہ روساء علما اور قضاۃ اُنکے ہاتھون پر بیعت کرتے تھے اور اُنکے پیچھے نماز جمعہ وعیدین پڑھتے

تھے اور خطیب بقائے سلطنت و نزول رحمت خدا کی دعا اُنکے حق مین پڑھتا تھا اور بقول خطیب بغدادی علمائے وقت اُن خلفا کو دیانت دار و صاحب امانت و فقیہ و ثقہ مانتے تھے تب یہ شیعہ خلفا کے بھی اقوال و افعال کو سنت و بدعت حسنہ ماننا پڑیگا۔ ایسی صورت مین اہل سنت کو اپنے عقائد کے خلاف بہت سے ایسے کام کرنا پڑینگے جو اہل سنت پابندی مذہب سے نہین کر سکتے ہین۔ اور بہت سی ایسی باتون کو قبول کرنا پڑیگا جو وہ حضرات پابندی مذہب سے قبول نہین کر سکتے ہین یہان پر مین تاریخ الخلفا صفحہ ۱۱۳ سے عہد خلیفہ معز الدولہ کے کچھ بدعتی معاملات کو درج ہذا کرتا ہون کہ جن سے اہلسنت کو اجتناب سے چارہ نہین ہے اور وہ یہ ہے کہ شیعون نے مساجد بغداد کے درون پر معاویہ و غاصب فدک و مانع دفن امام حسنؑ اور خارج کنندۂ ابوذر کے نامون سے سب و لعن لکھدیئے۔ رات کو کسی شخص نے ایسے لکھے ہوئے کو مٹا دیا خلیفۂ وقت معز الدولہ کے امیر الامرا نے چاہا کہ پھر اُن کلمات کو لکھوا دین۔ وزیر خلیفہ نے صلاح دی کہ بجائے کلمات بالا کے یہ کلمات لکھدیئے جائین کہ لعنت ہے ظلم کنندۂ آل رسولؐ پر اور معاویہ پر اسکے علاوہ معز الدولہ نے یہ انتظام و اہتمام کیا کہ بروز عاشورا دوکانداران شہر خرید و فروخت کے باب کو بند کرین اور باورچی اور نان پز کچھ نہ پکائین۔ اسکے ساتھ خلیفہ نے بازارون مین قبے نصب کئے اور زنان بغداد کو حکم دیا کہ بال اپنے سرون کے پریشان کرین اور طمانچے گالون پر مارتی ہوئی بازارون مین نکلین اور حسینؑ علیہ السلام کا ماتم برپا کرین جاننا چاہیئے کہ حسینؑ شہید کی یہ پہلی عزاداری بغداد مین واقع ہوئی اور چند سال تک یہ سلسلہ عزاداری کا اس شہر مین قایم رہا۔ معز الدولہ نے ۱۸ ذی الحجہ کو اعمال عید غدیر بھی کیئے۔

اپنے عہد مین بڑے تزک اور تجمل کیساتھ معز باللہ عباسی نے خطیب کو حکم دیا کہ خطبون مین درود حضرت محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور اُنکے آبا پر پڑہین۔ اب اہل سنت دیکھین کہ ایسے امامون کی پیروی وہ کر سکتے ہین یا نہین۔ مگر ایسے امام جب اہل سنت کے ائمۂ اثنا عشر مین داخل ہین تو اپنے اصول کی پابندی کے مطابق ایسے امامون سے اہلسنت کو منہ نہین موڑنا چاہیئے اسمین کوئی شک نہین کہ شیعہ خلفا بھی اسیقدر خلفائے بنی عباس مین ہین جسقدر کہ غیر شیعہ خلفا ہین۔ پس یہ امر قابل لحاظ ہے کہ کبھی کوئی کلیہ حضرات اہل سنت کا تحقیق و تفتیش کے آگے قائم نہین رہتا ہے۔ اس دعوے کے برقرار رکھنے کیلئے لازم ہے کہ اہل سنت اپنے دعوے کی ترمیم کرین یعنی یہ کہین کہ خلفائے عباسیہ مین وہی خلفا داخل ائمۂ اثنا عشر ہین جو شیعہ نہین ہین مگر ایسا ترمیم کردہ دعوے اُن حضرات کا کہین دیکھا نہین جاتا ہے۔ عموماً خلفائے بنی عباس داخل ائمۂ اثنا عشر کیے جاتے ہین۔

ملا عبد الرحمن جامی کے شمار ائمہ پر اعتراض

ملا جامیؒ صاحب اپنی کتاب شواہد النبوت مین لکھتے ہین کہ علی کرم اللہ وجہہ امام اول ہین۔ حسنؑ امام دوم حسینؑ امام سوم زین العابدینؑ امام چہارم محمدؑ باقر امام پنجم جعفر صادقؑ امام ششم موسٰیؑ کاظم امام ہشتم موسٰی الرضا امام ہشتم محمد تقیؑ امام نہم علی نقیؑ امام دہم حسنؑ عسکری امام یازدہم اور محمد مہدیؑ امام دوازدہم۔

یہ بیان ملا صاحب کا اہل سنت کی معتبر کتابون سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ جائے غور ہے کہ مذہب اہل سنت کے روسے خلافت وامامت کے لئے اجماع وبیعت کی حاجت ہے۔ ان شرطون کے حاصل ہونے سے حضرت ابوبکر کو خلافت اور امامت حاصل ہو گئی۔ یعنی حضرت ابوبکر خلیفہ اول اور امام اول ہو گئے۔ اب کس قاعدہ سے حضرت علیؑ امام اول قرار دئے جاسکتے ہین۔ جب ہو گا تو یہی کہا جائیگا کہ علیؑ خلیفۂ چہارم اور امام چہارم ہین۔ پہر امام حسنؑ امام دوم کیونکر کہے جاسکتے ہین۔ حضرت علیؑ کے بعد اگر امام مانے بھی جائین تو امام حسنؑ پنجم امام مانے جاسکتے ہین۔ اس حساب سے (اگر بقیہ ائمۂ طاہرین امام مان لئے بھی جائین) تو سب کے نمبر شکست ہو جاتے ہین اور امام مہدی علیہ السلام بارہوین امام ہونے کے عوض پندرہوین امام ہو جاتے ہین۔ علاوہ اس کے امام حسینؑ سے لیکر امام مہدی علیہ السلام تک ائمۂ طاہرین سے کوئی امام۔ امام ثابت نہین ہوتا ہے۔ سب کی امامت غائب ہو جاتی ہے اسلئے کہ اصول مذہب اہل سنت کے روسے اجماع وبیعت کے بغیر خلافت اور امامت قائم نہین ہو سکتی ہے۔ پس ملا صاحب جامی کا امام حسینؑ علیہ السلام کو امام سوم قرار دینا اور بقیہ ائمۂ طاہرین پر ترتیب بالا سے نمبر کا لگانا ایک محض غلط امر ہو جاتا ہے البتہ اصول اہل سنت کی روسے خلافت اور امامت معاویہ اور جانشینان معاویہ کی طرف جاتی ہے جس سے کسی اہل سنت کو انکار کرنے کا موقع نہین ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کی خلافت اور امامت کے قائل اہل سنت اپنے اصول خلافت وامامت کے خلاف نظر آتے ہین۔ اہل سنت کے سارے خلفا اور ائمہ تو اجماع وبیعت یا استخلاف یا شورے یا قہر وغضب کی بنا پر خلیفہ اور امام ہوتے گئے ہین۔ مگر امام مہدی کی خلافت اور امامت مین اہل سنت انہین اصول کے متمسک ہوتے ہین جنہین امامیہ اپنے خلفا اور ائمہ کی خلافت اور امامت کیلئے ایک ضروری امر جانتے ہین۔ یعنی خلیفہ اور امام برحق ہونے کیلئے نص قرآن وحدیث کی حاجت ہے۔ تماشا ہے کہ اہل سنت امام مہدی علیہ السلام کی خلافت اور امامت کو مبنے بر نص جانتے ہین (دیکھو تاریخ ابن خلکان واسعاف الراغبین وفتوحات مکیہ ابن العربی کی) اور اجماع وشورے وبیعت پر منحصر نہین سمجھتے (دیکھو ترمذی اور ابو داؤد) حسب اصول اہل سنت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارہوین امام قرار پانے پر یہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اہل سنت کے ائمۂ اثنا عشر مین خلفائے بنی امیہ وبنی عباس بھی داخل ہین مگر یہ سب خلفا تمام ہو گئے اور انکے بارہ عدد بھی پورے ہو گئے۔ ایسی حالت مین امام مہدی علیہ السلام کو تیرہوین خلیفہ ہونے سے چارہ نہین رہتا ہے پس ملا جامی صاحب اور جمیع اہل سنت کا امام العصر علیہ السلام کو بارہوان خلیفہ قرار دینا ایک بے سروپا امر ہے حضرات اہل سنت آپ اپنے اصولون کی خوبیون پر نظر غور ڈالئیے۔ آپکا مذہب تمام تر اے اونٹ تیری کون کل سیدہی کا مصداق نظر آتا ہے۔ جاننا چاہئیے کہ جب تک مذہب امامیہ کے اصول خلافت وامامت کی

کی پابندی نہین کیجائیگی نہ علی مرتضٰی امام اول اور نہ امام مہدی امام دوازدہم اور نہ کوئی دیگر امام ائمہ اثنا عشر سے امام قرار دیے جا سکتے ہین۔

معاویہ بن یزید یعنی یزید صاحب کے بیٹے کی اسپیچ اور کارروائی

حیوٰة الحیوان کی جلد ا صفحہ ۷۵ مین مذکور ہے کہ خوش بخت معاویہ بن یزید یعنی بدبخت یزید بن معاویہ کے بیٹے اپنے نفس کو خلافت پدر سے بری کرکے تا دیر منبر پر بیٹھے رہے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد یہ کہا کہ ایہا الناس مجھے خلافت کی طرف رغبت نہین ہے اور تم لوگ دنیا کی حکومت کو عظیم ترین شے جانتے ہو اور مین اُسے مکروہ جانتا ہون اور تم لوگ مجھے بھی مکروہ جانتے ہو۔ اسلئے کہ مین تمہارے ساتھ مبتلا ہونگا۔ اور تم میرے ساتھ مبتلا ہوگے۔ میرے جد معاویہ نے اسی خلافت کے واسطے حضرت علیؑ سے نزاع کی۔ وہ یعنی حضرت علیؑ حقدار تھے اور افضل۔ جمیع صفات مین کوئی اصحاب رسولؐ خدا سے اُنکے مراتب کا نظیر نہ تھا۔ آخر الامر مکر و تزویر کے ذریعہ سے خلافت معاویہ کے ہاتھ مین آئی اور پھر یزید کو پہنچی۔ یزید خلافت کا سزاوار نہ تھا۔ افعال زشت و معاصی کبیرہ اُس سے سرزد ہوئے۔ قسم بخدا مین اپنی بیخودی سے مجبور ہون جو ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہون۔ حضرت علیؑ کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کی طرح چھپ گئی ہے" اہل شام نے اُس دوستدار علیؑ اور تارک دنیائے دنی کے کلام کو ناپسند کیا اور اُسے پکڑ کر زندہ زیر زمین دفن کر دیا جس سے اُنکی روح پاک اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

معاویہ بن یزید کا معاملہ انسان کے احاطہ خیال سے باہر ہے۔ یہ معاملہ خدا کی قدرت کاملہ کا تماشا دکھلاتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا قانون فطرت عدل پرور ہے اہل انصاف ملاحظہ فرمائین کہ امیر معاویہ نے کید و مکر قہر و غضب سے اسلامی سلطنت جسکا دوسرا نام خلافت ہے حاصل کی۔ حق یہ ہے کہ اسکے حاصل کرنے مین امیر صاحب نے کوئی امر اٹھا نہین رکھا۔ آپ حضرت علیؑ کی خلافت کے منکر ہوکر حضرت علیؑ کے مقابل ہے۔ ہزارون مسلمانون کی جانین تباہ کین۔ مسلمانون کے خون سے میدان جنگ کو لالہ زار کر ڈالا ہزار طرح کے فسادات حصول سلطنت کے لیئے برانگیختہ کر گئے۔ دوستداران علیؑ کو ایذائین پہنچاتے رہے علیؑ پر تبرا کا رواج جاری کیا پیروان علیؑ کے ہر قدم پر درپئے جور و جفا رہے۔ بنی ہاشم کو بے نام و نشان کر دینے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ امام حسن علیہ السلام سے سلطنت چھین لی۔ امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوا دیا۔ یزید کی بیعت کے لئے کوئی کوشش اٹھا نہین رکھی مختصر یہ ہے کہ اپنی سلطنت کے قوی اور دائمی کرنے کے لئے کوئی بات نہین چھوڑی۔ اسقدر حصول دنیا کی طرف مشغول رہے کہ کوئی آدمی

جتبک کہ اپنی حیات کو حیات ابدی نہین سمجھیگا اسقدر ثروت دنیا کے حاصل کرنے مین مشغول و مصروف نہین ہو سکتا ہے اپنی ذاتی ثروت کے حاصل اور قائم رہنے کی فکر تو آپ کو اس افراط کیساتھ لاحق ہی رہی۔ آپکو اسکی کوشش بھی دامنگیر رہی کہ سلطنت آپکے خاندان مین تا ظہورِ ظہورِ قایم رہے ان مقاصد کے حاصل ہونے مین آپ اسقدر سرگرم رہے کہ عقبیٰ کا خیال بھی آپکے دماغ سے جاتا رہا۔ ماحصل سبکا یہ ہوا کہ آپ آخر کار اس دنیائے ناپائدار سے جابہ ہیون کے بار سر پہ لیکر روانہ ہوگئے اور آپکے فرزند ارجمند یعنی یزید صاحب کو آپکے برابر بھی عرصہ سلطنت رانی کا نصیب نہوا۔ اُسپر یہ معاملہ عجیب وقوع مین آیا کہ آپکے پوتے نے آپکے تمام محصولہ پر لات ماری اور ایک دن بھی اپنے کو آپکی حاصل کردہ سلطنت سے بہرہ مند ہونے نہ دیا فاعتبروا یا اولی الابصار اے حضرات اہل انصاف خدائے تعالیٰ کے قانون فطرت کی عدل پروری پر نظر ڈالیئے۔ کیا تماشا ہے کہ آپکے پوتے نے اسی منبر پر جس پر آپ بیٹھکر حضرت علیؑ پر تبرا کیا کرتے تھے برملا یہ کہا کہ میرے جد معاویہ نے اسی خلافت کے لیئے علیؑ سے نزاع کی۔ علی حقدار تھے اور افضل جمیع غاتت مین کوئی اصحاب رسول سے انکے مراتب کا نظیر نہ تھا آخر الامر مکر و تزویر کے ذریعہ سے خلافت معاویہ کے ہاتھ آئی اور پھر یزید کو پہنچی یزید خلافت کا سزاوار نہ تھا۔ یزید سے افعالِ زشت اور معاصی کبیرہ سرزد ہوئے۔ سچ ہے کہ اللہ منتقم حقیقی ہے اس دنیا مین بھی متمردین سے انتقام لے لیتا ہے۔ اے حضرات عاقبت بین معاویہ صاحب کا پوتا او معاویہ صاحب کے خلاف مین ایسی تقریر کرے یہ شانِ کبریائی ہے۔ واقعی حق برزبان جاری است کا تماشا یہ تقریر دکھلاتی ہے۔ یہ مجرد خدا کا انصاف ہے جو دنیا مین بھی مصلحت خداوندی کے مطابق اس طرح کے معاملات ظہور مین آجاتے ہین۔ اے خدا میرے اور میرے آبائے کرام حضرت محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ کے۔ تو قادر مطلق ہے تیری قدرت سے باہر کوئی شے نہین ہے۔ تو عادل ہے۔ تجھ سے صفت عدل کی کسی حال مین منفک نہین ہوسکتی ہے۔ یہ محض تیرا عدل ہی عدل تھا کہ تو نے معاویہ بن یزید کے منہ سے کلام حق جاری کرائے۔ ورنہ بظاہر اسباب کسی کے وہم و گمان مین بھی یہ بات نہین آسکتی ہے کہ امیر معاویہ کا پوتا اور ایسا حق گو ہوگا۔ کہان معاویہ اور یزید اور کہان ایسے دنیا پرستون کے گھر مین معاویہ بن یزید ؎

گہ آرد خلیلے ز بتخانۂ   کنی آشنائی ز بیگانۂ

تقریر بالا کے بعد معاویہ بن یزید کا یہ کہنا کہ بقسم بخدا مین اپنی بیخودی سے مجبور ہون جو ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہون۔ علیؑ کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کی طرح چھپ گئی ہے اس امر پر دال ہے کہ کسی کی عداوت یا محبت علیؑ کیساتھ یا کسی کی عداوت اور محبت کسی کے ساتھ امر اختیاری نہین ہے۔

از خداوان خلاف دشمن و دوست   کہ دل ہر دو در تصرف اوست

کیا یہ تعجب کی بات نہین ہے کہ امیر معاویہ جو اپنی آنکھون سے حضرت رسولؐ کو حضرت علیؑ کے ساتھ بحد محبت فرماتے دیکھتے تھے علیؑ کی عداوت مین اسقدر راستوار نہ جانتے ہین اور معاویہ بن یزید جسنے نہ حضرت رسولؐ خدا کو دیکھا اور نہ

حضرت علیؑ کی کبھی صحبت اٹھائی وہ علیؑ کی محبت مین اسقدر سرشار نظر آتا ہے کہ بیخودی مین اپنے والد کو نفرت کے کلمون سے یاد کرکے کہتا ہے کہ علیؑ کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کی طرح چھپ گئی ہے۔ راقم کا کیا حال ہے وہ بھی تو شب و روز تحریراً یا تقریراً ذکر علیؑ سے خالی نہین رہتا ہے۔ یہ صرف عنایت ایزدی ہے جب سے فضل خدا اسکے شامل حال ہوا ہے تب سے اسکو ذکر علیؑ سے زیادہ کوئی شئے احب نہین معلوم ہوتی ہے۔ قبل مین وہ بھی مولویون کا گمراہ کردہ تھا مگر خدائے پاک نے اُسے عاقبت بربادی سے بچا لیا۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ علیؑ کی محبت یا عداوت امر اختیاری نہین ہے۔ معاویہ ابن ابوسفیان اور معاویہ ابن یزید کے معاملات اس امر کے مثبت معلوم ہو گئے ہین۔ یہ مجرد معاملہ تقدیری تھا کہ اویس قرنی نے حضرت علیؑ کی طرفداری مین جان تک نذر کردی۔ اس بزرگ نے جناب رسول خدا کی زیارت کا شرف بھی کبھی حاصل نہین کیا گو آپ آنحضرت کے عاشقان صادق سے تھے۔ مگر جب حضرت علیؑ سے امیر معاویہ نے مقابلہ کیا تو عالم پیری مین حضرت علیؑ کی طرف ہو کر میدان جنگ مین شربت شہادت نوش کرلیا۔

این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اقسام حدیث ملخص از احادیث ائمہ طاہرین علیہم السلام

حدیثین دو قسم کی ہوتی ہین متواتر اور غیر متواتر۔ متواتر سے علم و یقین حاصل ہوتا ہے اور اُسپر عمل واجب ہے اور اُسپر ترجیح کسی حدیث کو نہین ہوتی۔ اور اُسپر تعارض و تضاد واقع نہین ہوتا ہے۔ غیر متواتر کی دو قسمین ہین اول جو موجب علم و یقین ہے اور وہ حدیث مقرون بقرینہ ہو اُسپر عمل کرنا واجب ہے۔ قرائن چند اقسام کے ہوتے ہین اول دلائل عقلی کے مطابق ہون۔ دوم مطابق قرآن کے بلفظہ یا بمعناہ یا بعمومہ یا دلیل مخصصہ پر ایسی حالتون مین ایسی حدیثین درجہ احاد سے خارج ہو کر متواتر کے قائم مقام ہو جاتی ہین سوم یہ کہ مطابق سنت قطعی کے یقیناً یا صریحاً یا دلیلاً یا عموماً یا خصوصاً ہون چہارم یہ کہ مطابق اجماع مسلمین کے ہون اور شروط اقسام ثلثہ سے گرچہ خبر واحد ہون مگر اُنپر حکم متواتر کا صادق آتا ہے۔ قسم دوم غیر متواتر کی چند قسمون پر منقسم ہوتی ہین اول یہ کہ عاری ہو قرائن مذکورہ سے مگر کوئی دوسری انکی نقیض نہو پس ایسی حدیث متواتر کی مثل ہے اور جسوقت فتاوے اسکے خلاف مین پائے جائین تو اُس سے عمل ترک کرینگے اور اگر کوئی روایت متعارض اس جگہ پائی جائے تب صفات راوی پر نظر کرنا ہوگی کہ کون عادل و ثقہ زیادہ ہے لیکن اگر دونون حدیث کے راوی برابر ہون عدالت مین پس نظر ڈالنی چاہئیے اُس حدیث پر جسکے راوی عدد مین زیادہ ہون اور اگر راوی دونون حدیث نقیض کے صفت اور عدد مین برابر ہون اور دونون روایتین عاری ہون قرائن مذکورہ بالا سے پس دونون حدیث مین جسپر تاویل سلیم قائم ہو اُسپر عمل واجب ہے اور ترک کرنا دوسری روایت خبر واحد کا جسپر تاویل ممکن نہو واجب ہے اور اگر اُس تاویل کی تائید مین کوئی حدیث ضم کیجائے یا کوئی وجہ ترجیحی لفظاً یا دلیلاً پائی جائے تو عمل اُس صورت مین روایت مذکورہ پر واجب ہے اور اگر دونون

روایت متعارضہ پر جداگانہ تاویل کی گنجایش ہے تو آدمی مختار ہے کہ جس پر چاہے عمل کرے (دیکھو احادیث فرقۂ شیعہ مقدمۂ کتاب استبصار شیخ ابو جعفر طوسی کی۔ع۔

قیاس و رائے طریقۂ اہل تشیع نہیں ہے

اہل سنت اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ قیاس و رائے کے قائل نہیں ہیں مگر خود بھی اجتہاد کرتے ہیں درحالیکہ قیاس و رائے تتمۂ اجتہاد ہے اسکا جواب یہ ہے کہ شیخ بہاؤالدین آملی زبدۃ الاصول میں اور شیخ ابوالقاسم حلی معارج الاصول میں اور علامہ حلی کشف الحق میں بطلان قیاس کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ قیاس امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے شیعہ کا مذہب نہیں ہے شیعہ مسائل میں عند النفس وضع نہیں کرتے یا بمقابلہ نص شرعی کے رائے کو مرجح نہیں قرار دیتے۔ جیسا کہ امام اعظم کیا کرتے ہیں۔ اسکی تفصیلی بحث کے لئے دیکھو مقدمہ تفسیر صافی و مقدمہ تفسیر مجمع البیان واساس الاصول و وسائل الشیعہ و رسالہ اعتقادیہ ابن بابویہ۔ واضح ہو کہ بعض علمائے شیعہ نے جو جواز قیاس پر حجت کی ہے مطلب انکا قیاس سے ترجیح و تمیز و تضعیف وغیرہ مسائل صرف و نحو و لغت و معانی و بیان و قرآن و جرح راوی و تفکر در احادیث مختلفہ میں مراد ہے نہ کہ وضع مسائل من عند النفس وغیرہ۔

فضائل ابوذر غفاری و عمار بن یاسر و عبد اللہ بن مسعود و اویس قرنی و سلمان فارسی

مشکوۃ کی حدیث صفحہ ۲۴۳ میں بروایت عبد اللہ ابن عمر دکھایا جاتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت ابوذر کو نہایت سچا آدمی ارشاد فرمایا ہے دوسری حدیث خود حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ کا فرمودہ ہے کہ ابوذر نہایت سچا اور وفادار آدمی ہے اور وہ حضرت عیسے علیہ السلام سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ وہی صحابی جناب رسول خدا کے ہیں کہ جنکو حضرت عثمان نے نفی بلاد کیا اور جنکا قصہ ہم سابق میں حوالہ قلم کر چکے ہیں جو کچھ سختیاں اس صحابی رسول خدا پر نازل کی گئیں اسکا اصلی سبب یہی تھا کہ وہ بیچارے ایک بڑے جان نثار حضرت علیؑ کے تھے امیر معاویہ انکی ایذاؤن کے سبب ہوئے اور جب حکم حضرت عثمان کے مطابق ابوذر مدینہ میں آئے تو مروان نے حضرت خلیفہ سے کہکر انکو مدینہ سے بھی باہر جانے کا حکم دلوا دیا۔ شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۵۴۴ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اخراج ابوذر کی بنا پر حضرت علیؑ اور مروان میں رنج واقع ہوا۔ مگر قرابت داری کی پاسداری سے حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کے ملال کا کچھ خیال نکیا۔

حضرت عمار بن یاسر ایک دوسرے جان نثار حضرت علیؑ کے ہیں آپ ایک ممتاز صحابی حضرت رسول خدا کے تھے۔ آپکے بھی کچھ احوال ہم سابق میں لکھ چکے ہیں۔ حضرت عمار کو بھی حضرت ابوذر کی طرح حضرت عثمان کے

ہاتھوں سے ایذا اٹھانی مقسوم تھی۔ آپ اور حضرت سلمان فارسی ایسے متبرک اور بزرگ صحابی تھے کہ بروایت ترمذی حسب فرمودہ حضرت رسول خدا آپ دونوں کی اور حضرت علی کی جنت مشتاق ہے (دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰) آپکی شان مین ایک اور بھی حدیث ترمذی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو شیطان سے محفوظ رکھا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ) حضرت سلمان فارسی مرد عجمی تھے۔ آپنے بہت عمر پائی تھی۔ آپ ایک بڑے مخصل صحابی تھے۔ اسی لیے جناب رسول خدا نے آپکو صاحب الکتابین یعنی حافظ و مفسر انجیل و قرآن فرمایا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰ روایت ترمذی) آپ حسب فرمودۂ رسول خدا ایسے ہی ہین کہ جنت آپکی مشتاق ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ایسے بزرگواروں کے ہاتھ مین جنت کی کنجی رہا کرتی ہے۔ اور وہ کنجی حضرت علی کی محبت ہے

علی کا محب جنتی جنتی ‍ ‍ ‍ ‍ علی کا عدو دوزخی دوزخی

حضرت اویس قرنی کو بروایت مسلم رسول خدا نے خیر التابعین فرمایا ہے (دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰) آپ بڑے عاشقان رسول سے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو عاشق رسول خدا کا ہوگا اور وہ عاشق علی کا بھی ہوگا چنانچہ آپ پیرانہ سالی مین حضرت علی کے طرفدار ہوکر معاویہ سے لڑے اور میدان جنگ مین شہید ہوگئے

کتاب مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ سے بروایت ابوموسیٰ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود اہل بیت رسولخدا سے بہت مربوط تھے ایضاً بروایت ترمذی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ قرآن مجید اخذ کرو چار شخص سے اور وہ چار شخص یہ ہین۔ ابن ام عبد۔ معاذ بن جبل۔ ابی ابن کعب اور سالم مولے ابی حذیفہ۔ ایک اور حدیث اسی مضمون کی مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ مین مندرج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ سیکھو قرآن پڑھنا چار شخص یعنی ابن مسعود و سالم مولے ابی حذیفہ و ابی بن کعب و معاذ بن جبل سے یہ تو حضرت رسول کا فرمودہ ہے جس سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرآن دانی ثابت ہوتی ہے۔ مگر اسی قرآن کے لیئے حضرت ابن مسعود پر حضرت عثمان کے حکم سے بڑی مار پڑی۔ انکا قرآن انسے چھینکر جلا ڈالا گیا اور انکے بدن کی بھی مرمت خوب ہوئی۔ واقعی حضرت عثمان کا زمانہ عجب زمانہ تھا کہ رسول خدا کے کتنے ممتاز ممتاز صحابی حضرت خلیفہ کی بے عنوانیون سے طرح طرح کے مصائب مین گرفتار ہوتے گئے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ مین ‍ ‍ ‍ ‍ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ مین

فضائل حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

حضرت فاطمہ علیہا السلام کیلیئے اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ آپ جناب رسولخدا کی بیحد پیاری بیٹی ہین۔ آپ کی شان انسان کے وہم وخیال سے باہر ہے آپ آیت تطہیر اور آیت مباہلہ مین شامل ہین۔ آپ حضرت علی کی زوجہ اور حسنین علیہما السلام کی والدہ ماجدہ اور نوائمہ طاہرین کی دادی ہین۔ آپ چہاردہ معصومین سے ایک تن ہین اور داخل پنجتن پاک بھی ہین۔ آپ کے فضائل مین جو جو حدیثین مروی ہین کچھ ان مین سے درج ذیل کیجاتی ہین۔

ام المومنین حضرت عائشہ روایت فرماتی ہین کہ مین نے گفتگو رفتار اور سخاوت مین حضرت فاطمہ سے کسیکو مشابہ تر حضرت رسول اللہ کے ساتھ نہ دیکھا اور نیز قیام و قعود میں اور جب حضرت سیدہ باپ کے پاس آتی تہین تو حضرت رسولخدا آپ کی تعظیم کو اٹھ کہڑے ہوتے تھے اور اپنی جگہہ پر آپکو ٹہلاتے تھے اور آپ کو بوسہ دیتے تھے۔ اسیطرح جب حضرت رسولخدا آپکے یہان تشریف یجاتے تھے تو آپ باپ کی تعظیم کے لیے کہڑی ہوجاتی تہین۔ اور باپ کو اپنی جگہہ ٹہلاتی تھین اور بوسہ دیتی تہین (دیکھو ترمذی صفحہ ۲۳۹)

دوسری حدیث جو حضرت عائشہ سے مروی ہے یہ ہے کہ سب بیبیان رسول اللہ کی جمع تہین اور کوئی انمین سے ابھی گئی نہ تہین کہ حضرت فاطمہ آگئین۔ چال آپکی تمامتر حضرت رسولخدا کی چال سے مشابہ تہی۔ آپ کو آنحضرت نے دیکھکر فرمایا مرحبا اے بیٹی اور یہ فرمایا کہ داہنی طرف اپنے روبرو آپکو ٹہلایا (دیکھو مسلم صفحہ ۲۵۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ سے کسقدر مالوف تھے ترمذی و بخاری و مسلم سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت فاطمہ کو سردار زنان عالم فرمایا۔ اب یہ فرمانا حضرت پیر دستگیر کا کہ افضل النسا ام المومنین حضرت عائشہ ہین اور نیز حضرت فاطمہ کیونکر درست ہوگا۔ اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام نسوان عالم سے حضرت فاطمہ افضل ہین اور اس رو سے حضرت عائشہ اور حضرت خدیجۃ الکبرےٰ سے بہی افضل ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی نامربوط تحریر سے حضرت پیر دستگیر نے صرف سُنیت کی داد دی ہے۔ اس سے اور کچھ مراد نہیں ہے مگر حسرت ہے انپر جو آپ کی ایسی تحریر کو کالوحی جانکر اسکو اپنا جزو ایمان جانتے ہین امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہین کہ حضرت فاطمہ زنان اہل جنت کی سردار ہین اس حیثیت سے بہی آپ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ کی سردار ہوتی ہین۔ پس اس رو سے بہی حضرت پیر دستگیر کا فرمودہ غلط ثابت ہوتا ہے۔

سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۵۶ سے بروایت حافظ ابن عبد البر و لسند ابو ثعلب ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسولخدا جب کسی جنگ یا کسی سفر سے تشریف لاتے تھے تو پہلے مسجد مین داخل ہوکر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ اسکے بعد حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لیجاتے اسکے بعد ازواج کی طرف رُخ فرماتے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر حضرت رسول خدا کو اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ کیساتھ تعلق قلبی پیدا تھا مسور بن مخرمہ کی روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا نے کہ فاطمہ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جسنے آزردہ کیا اسکو گویا اُسنے مجھے آزردہ کیا (دیکھو بخاری جلد ۲)

شاید اس حدیث کی خبر حضرت شیخین کو نہ تہی ورنہ (حسب تحریر ابو الفدا) حضرت ابوبکر حضرت عمر کو احراق خانہ فاطمہ کے لئے روانہ نکرتے اور نہ حضرت عمر خانہ فاطمہ پر پہنچکر حضرت سیدہ کے مقابل مین سختی کی کارروائیان اختیار فرماتے۔ نہ اسیطرح اور بہی ایسی ایذائین آپ کو ہر دو صاحب پہنچاتے کہ جنکے باعث آپ دُنیا سے اُن ہر دو صاحب سے نہایت آزردگی خاطر کے ساتھ رحلت فرما گئین۔

اس سے زیادہ آزردگی خاطر کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ سے وصیت کی کہ حضرات شیخین میرے جنازہ پر نہ آئیں میری نماز جنازہ نہ پڑھیں اور میرے دفن کے شریک ہوں۔
اسی وصیت کی بنا پر حضرت علیؑ نے آپکی لاش مبارک کو رات کے وقت حضرات شیخین کو بغیر کسی قسم کی اطلاع دیے ہوئے دفن فرمایا۔

شمس العلما مولوی نظیر احمد صاحب حضرت سیدہؑ کے حق میں یوں جو جا میں لکھیں مگر حضرت فاطمہ کی آزردگی حضرات شیخین کے لئے دارین میں مفید متصور نہیں ہے۔

حضرت عائشہ کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت فاطمہؑ کو سردار زنان مومنین اور سردار زنان امت محمدی فرمایا ہے (دیکھو مسلم جلد ۲)

یہ حدیث بھی حضرت پیر دستگیر کے قول بالا کی مبطل دکھائی دیتی ہے۔
ظاہر ہے کہ حسب فرمودہ جناب رسولؐ خدا جب حضرت فاطمہؑ زنان مومنین یا زنان امت محمدی کی سردار قرار پائیں تو ایسی صورت میں حضرت ام المومنین عائشہ افضل النسا کیونکر قبول کی جا سکتی ہیں

سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۵۰۶ اور شرح فقہ اکبر ملا علی قاری کے صفحہ ۱۳۱ سے حضرت سیدہ کے فاطمہؑ نام رکھے جانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے آپ قیامت کے دن اپنی ذریت اور اپنے محبون کو دوزخ سے جدا کنندہ ہوں گی اور آپکا بیاہ حکم الٰہی کے مطابق ہوا۔
اس میں کیا شک ہے کہ آپ اپنی اولاد اور اپنے دوستداران کو جہنم میں داخل ہونے نہ دینگی اور اسمیں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ آپ حضرت علیؑ مرتضےٰ سے بحکم خدا بیاہی گئیں۔
معلوم ہے کہ حضرت عمر آپ کی تزویج کے خواستگار ہوئے تھے۔ مگر حضرت رسولؐ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی رضی اسی میں تھی کہ آپ حضرت علیؑ سے بیاہی جائیں۔
ایسی صورت میں حضرت عمر کی خواستگاری کو نامنظور کرنا حضرت رسولؐ خدا کے لیے ایک امر ضروری تھا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس نامنظوری کی بنا پر حضرت عمر کو حضرت سیدہؑ اور نیز آپ کے شوہر حضرت علیؑ کے ساتھ دوامی عداوت لاحق رہی۔

جامع الصغیر کی جلد اصفحہ ۷۰ میں بھی درج ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ سے بیاہ دوں۔

اسعاف الراغبین صفحہ ۱۶۹ میں مذکور ہے کہ حسب روایت شعبان حضرت رسولؐ خدا جب سفر کو تشریف لیجاتے تھے تو پہلے صاحبزادی سے رخصت ہوا کرتے تھے۔ اس سے کس قدر محبت کا تعلق ہویدا ہے علاوہ تعلق پدری کے آپ کو ذاتی محبت حضرت سیدہ کے ساتھ تھی یہ حدیث مروی ہے احمد و بیہقی سے دوسری روایت اسعاف الراغبین کے اوسی صفحہ کی یہ ہے کہ عدد جو بروایت چند شخصوں کے صحابہ سے میں راوی ہیں کہ جب قیامت قائم ہو گی تو عرش کے اندر سے منادی ندا کریگا کہ اہل محشر اپنے

سر دنکو نیچا کرو اور اپنی آنکھون کو بند کرو تاکہ گذر جائین خاتون جنت صراط سے۔

تیسری روایت اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۰ کی یہ ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خدا تعالی حضرت فاطمہ کی ناراضی سے ناراض اور خوشنودی سے خوشنود ہوتا ہے۔

طبرانی نے اس حدیث کو باسناد حسن حضرت علیؑ سے روایت کیا ہے اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب اسلام مین حضرت فاطمہؑ کی ناراضی اور رضامندی ایک بہت موقر درجہ رکھتی ہے اور حق بھی یہی ہے کہ خدا تعالی کی ناراضی اور رضامندی پر ہر مسلم کی عاقبت کا مدار ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شیخین کو اس حدیث سے اطلاع نہ تھی ورنہ حضرت فاطمہ کو ناراض کرنے سے ہر طرح احتیاط کرتے نہایت جائے افسوس ہے کہ حضرات شیخین نے حضرت ممدوحہ صلوات اللہ علیہا کو ناراض کر دیا۔ اور بہت ناراض کر دیا۔ مقدرات سے چارہ نہین ہے۔ حصول سعادت اختیاری بات نہین ہے۔ جسے خدا چاہے سعادت نصیب ہو۔ اسمین کسی کا حصہ نہین ہے۔

چوتھی حدیث اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۱ مین مروی احمد سے بسند جید حضرت علیؑ یہ ہے کہ حضرت امیرؑ نے جناب سیدہ سے کہا کہ آپ کے باپ کے پاس چند نفر لونڈی اور غلام آئے ہوئے ہین انہین سے ایک نفر اپنی خدمت کیلئے مانگو۔ حضرت سیدہ نے جاکر پدر عالیمقام سے اپنی ضرورت ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ چکیان پیستے پیستے میرے ہاتھون مین آبلے پڑ گئے ہین۔ آنحضرتؐ نے جواب مین ارشاد فرمایا کہ قسم بخدا مین نہ دونگا مگر بہترین شئے تمکو تعلیم کرتا ہون جسے جبرئیل نے بتلایا ہے اور یہ ہے کہ خواب کے وقت تم آیۃ الکرسی۔

سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ دفعہ پڑھا کرو

شیعہ اسکو تسبیح زہراؑ کہتے ہین اور ہر نماز کے آخر مین اسکو پڑھتے ہین۔

یہ حدیث بخاری کی جلد ۵ کے صفحہ ۱۶۳ مین بھی دیکھی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اس حدیث سے تعلیم فقر کی ظاہر ہوتی ہے۔ فقر آنحضرت کو نہایت محبوب تھا جیسا کہ الفقر فخری قول پاک اُس محب الفقراؑ و المساکین کا ہے صلوات اللہ علیہ وآلہ الطاہرین۔

نور العین فی مشہد الحسین ابو اسحاق اسفرائنی مین یہ حدیث مرقوم ہے کہ جناب سیدہ بروز قیامت ناقہ جنت پر سوار ہونگی اور تاج نور سر پر ہوگا اور میدان قیامت مین منادی آواز دیگا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھین بند کرو کہ حضرت خاتون قیامت گزر جائین۔ تب عرش الہی کے قریب آکر آپ مستغیث ہونگی کہ ظالمون نے مجھپر اور میری اولاد پر بہت ظلم کئے مین تو انسے انتقام لے۔ اسپر خدا تعالی فرمائیگا کہ اے حبیبہ تم شفاعت جسکی چاہو کرو قسم ہے مجھے اپنے عزو جلال کی ظالم تمہارا رستگار نہو گا۔ تب جناب سیدہ کہینگی کہ الہی تو میرے شیعون کے گناہون کو بخشدے

تب حکم خدا ہو گا کہ اے ملائکہ چھوڑ دو اختیار ہے فاطمہ کو جسے وہ چاہین جنت مین داخل کرین۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی بھی خبر حضرات شیخین کو نہ تھی ورنہ دیدہ و دانستہ آپ دونون بزرگوار حضرت

فاطمہ کی اس درجہ کی آزردگی کے باعث نہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے متعلق حدیثین آپ دونون صاحبون تک نہین پہنچی یقین یا یہ کہ آپ دونون صاحب ایسی حدیثون کو قابل توجہ نہین سمجھتے تھے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دونون صاحب ایسی حدیثون کو مجرد اخلاقی باتین سمجھکر نظر انداز کر دیتے تھے۔ مگر نہایت جائے افسوس ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے ایسے زور کے اقوال قابل توجہ نہ سمجھے جائین۔ اور مجرد اخلاقی جانکر نظر انداز کردیئے جائین۔

ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ خدا ما ینطق عن الهوٰی کے مصداق تھے اور آپکے اقوال وحی خداوندی کا حکم رکھتے تھے اور رکھتے ہین۔ صاحب ایمان آپکے اقوال سے مُنہ نہین موڑ سکتا ہے یون ہر شخص مختار ہے۔ جیسا چاہے کہے یا کرے کنوز الحقائق مین مندرج ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ صبر کر دنیا کی تلخی پر ظاہر ہے کہ یہ تعلیم فقر کی ہے۔ درحقیقت یہ عجب قول ہے مومن کے لئے یہ قول سرمایۂ نجات ہے۔ اس سے زیادہ فلسفیانہ قول کوئی دوسرا ہو نہین سکتا ہے۔

علامۂ سیوطی کی کتاب جامع الصغیر مین مندرج ہے کہ زنانِ اہل جنت کی سردارین چار ہین مریمؑ وفاطمہؑ خدیجہؑ اور آسیہؑ۔ مگر حضرت پیر دستگیر نے حضرت ام المومنین عائشہ کو افضل نساءِ عالم لکھکر ان سب بیبیون کی سردار قائم کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ سنیت کی داد ممکن نہ تھی۔

تفسیر نیشا پوری جلد ۲ اور سیرۃ المحمدیہ صفحہ ۲۲۴ سے بروایت حضرت جابر انصاری ظاہر ہوتا ہے کہ چند روز ناداری کے باعث حضرت رسولؐ خدا نے غذا نوش نہین کی ازواج مطہرات کے گھرون مین بھی پھرے مگر کچھ نملا آخر مین اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لائے اور کچھ کھانے کو مانگا۔ حضرت سیدہؑ نے عرض کی کہ کچھ نہین ہے پس آپ وہان سے اُٹھ چلے۔ آنحضرت کے تشریف لیجانے کے بعد ایک خوان آپہنچا۔ حضرت سیدہؑ نے حضرت حسنینؑ سے فرمایا کہ جاؤ اور نانا کو بلاؤ۔ حضرت رسولؐ خدا نواسون کے ساتھ حضرت سیدہؑ کے گھر واپس آئے آپ نے صاحبزادی سے فرمایا کہ اُس خوان کو لاؤ۔ دیکھا تو اُسے گوشت اور نان سے بھرا ہوا پایا۔ حضرت سیدہؑ اسے دعوتِ الٰہی سمجھکر نہایت مسرور ہوئین اور خدا کا شکر بجا لائین۔ خوان کو پدر بزرگوار کے آگے رکھدیا۔ حضرت رسولؐ خدا نے پوچھا کہ یہ کہان سے آیا۔ یہی سوال تھا کہ حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ سے نزول مائدہ کے وقت پوچھا تھا۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران مین موجود ہے۔ خیر صاحبزادی نے جواب دیا کہ اے باباجان یہ رزق خدا کا دیا ہوا ہے۔ یہی جواب حضرت مریمؑ کا تھا سوال حضرت زکریاؑ کے جواب مین۔ الحتصر حضرت رسولؐ وفاطمہؑ وعلیؑ وحسنینؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بعض ازواج پاک نے سیر ہو کر نوش فرمایا اور طعام خوان مین کمی نہوئی ظاہر ہے کہ یہ دعوت خدا تعالیٰ کی جانب سے تھی اُسمین کمی لاحق ہونے کی صورت کیا ہو سکتی تھی حضرات ناظرین اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات حضرت رسولؐ خدا پر فاقے گذر جاتے تھے فاقہ لوازمات فقر سے ہے پس جس جناب کا قول الفقر فخری ہے اسپر فاقے نہ گذرین تو کیا ہو۔

اقسام احادیث اہل سنت

واضح ہو کہ اقسام احادیث اہل سنت کی تحقیق اس کتاب مین کتاب لمعات وشرح قسطلانی وشرح نووی ورسالہ سید شریف سے حوالہ قلم کی جاتی ہے۔ ذیل مین ہر قسم حدیث کے نام درج کئے جاتے ہین۔

صحیح۔ یہ وہ حدیث ہے کہ نقل اُسکی مرد عاقل وضابط سے متصل ہو اور شاذ وعلت سے نہو۔

حسن۔ یہ وہ قسم ہے کہ اُسکے سلسلہ اسناد مین کوئی متہم وشاذ نہو۔

متواتر۔ یہ وہ ہے کہ جسکی روایت ایک قوم سے بغیر قید تعداد کے کی ہو جسکے باعث اُسکے حق ہونے مین محل شک کا باقی نہین رہ سکتا ہے۔

ضعیف۔ یہ وہ حدیث ہے کہ جس مین شرطین صحیح اور حسن کی مجتمع نہون۔

متصل۔ اس کی سندین متصل ہون عام ازینکہ سندین مرفوع ہون یا موقوف۔

مرفوع۔ یہ وہ ہے کہ جسکی نسبت حضرت رسولؐ کی طرف ہو۔

معنعن۔ وہ ہے کہ جسکی سند مین راوی نے فلان عن فلان کی طرز پر ذکر کیا ہو۔

معلق۔ یہ وہ قسم ہے جسکے اسناد محذوف ہون۔

مدرج۔ یہ وہ ہے جسمین کلام راوی کا درج پایا ہو۔

مشہور۔ یہ وہ روایت ہے کہ جو محدثین کے نزدیک شہرت یاب ہو۔

مصحف۔ وہ ہے کہ بتجنیس خطی کے باعث جسمین اختلاف لفظ پیدا ہو گیا ہو۔

مسلسل وہ ہے کہ جسمین روایتون کا سلسلہ رسولؐ اللہ تک پہنچا ہو۔

معتبر وہ ہے کہ تفرد کے ساتھ بھی اُس روایت کا اعتبار ہو۔

موقوف وہ ہے کہ جسمین راوی نے کسی مسئلہ کی شرح یا اپنی یا دوسرے کی رائے بیان کی ہو۔

مقطوع وہ ہے کہ سلسلہ تا تابعین منتہی ہو۔

مرسل وہ ہے کہ جسمین تابعین کسی قول رسولؐ اللہ کو بیان کرین۔

منقطع وہ ہے کہ جسمین راوی کے اسناد متروک ہون۔

معضل وہ ہے کہ جسمین راوی کی دو یا زیادہ سندین ساقط ہون۔

شاذ وہ ہے کہ کسی ثقہ نے اُسکی روایت کی ہو مگر وہ روایت اور آدمیون کی روایتون کے خلاف واقع ہو۔

معلل وہ ہے کہ جسمین سبب ضعیف بہ تفرد راوی یا تخالف بہ قرائن پایا جائے۔

مدلّس وہ ہے کہ جسمین عیب دار راوی مخفی ہو۔
مضطرب وہ ہے کہ جسمین روایت کا اختلاف واقع ہو
مقلوب وہ ہے کہ جسمین راویون کے اسناد مقلوب واقع ہون
موضوع وہ ہے کہ جسکو راویون نے بناکر جناب رسول خدا یا کسی اور سردارِ دین کی طرف منسوب کردیا ہو۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حدیث کا فن ایک نہایت دشوار فن ہوگیا ہے۔ کوئی شک نہین کہ اہل سنّت نے اس فن کو بڑی رونق دی ہے۔

اس فن کی ترقی فرقہ امامیہ کے حق مین ضرر رسان نہین ہوئی ہے۔

بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر یہ فن اہل سنت کی جانفشانی سے اس درجہ کو نہین پہنچ جاتا تو فرقہ امامیہ کو اپنے مذہب کے حق ثابت کرنے مین بڑی دقتین لاحق ہوتین۔

لاریب اہل سنت کی کتابین احادیث کی شیعون کے دعواؤن کے ثابت کرنے مین بڑی مدد دیتی ہین۔ یون تو دنیا مین بڑی بڑی کتابین مذہب امامیہ کے حق ثابت کرنے کو لکھی گئی ہین اور جن کو اہل سُنت کی کتب حدیث وغیرہ سے بہت کچھ زور ملتے گئے ہین۔ مگر راقم کی یہ مختصر تصنیف بھی سراسر اہل سنت کی کتب حدیث وغیرہ سے بے انتہا فائدے اٹھاتی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کتاب مین راقم نے مذہب امامیہ کی کتابون سے گویا نام کو بھی مدد نہین لی ہے جو کچھ اس مین حوالۂ قلم ہوا ہے وہ حضرات اہل سنّت کی جانفشانیون کا صدقہ ہے۔

بیشتر مخالفین حضرت علی راویان اہل سنت ہین

واضح ہو کہ ذیل مین نام ایسے ممتاز راویون کے درج کیے جاتے ہین جو علمائے سنت کے نزدیک نہایت معتبر ہین اور صحاح ستہ مین اُنسے حدیثین بکثرت مروی ہین۔ یہ حضرات راوی اصحاب رسول اللہ کے ہین۔ اور حضرت علیؑ کے بڑے دشمن بھی تھے۔ علاوہ ان کے بہت اہل بصرہ و اہل کوفہ اور اہل مدینہ تھے جو حضرت علیؑ سے بغض رکھتے تھے اور آپ پر لعن کرتے تھے بہرحال ایسے ممتاز راویون کے نام نامی یہ ہین۔

انس بن مالک۔ زید بن ارقم۔ اشعث بن قیس۔ ابومسعود۔ کعب الاحبار۔ سمرۃ بن جندب
ابوہریرہ۔ عبداللہ بن زبیر۔ ولید بن عقبہ۔ عبداللہ بن عبدالرحمن۔ قعقاع بن شور

نجاشی۔ کعب بن جمیل۔ حنظلہ الکاتب۔ جریر بن عبد اللہ النخلی۔ عمران بن الحصین۔ وائل بن حجر الحضرمی منذر بن عبد اللہ۔ علا ابن زیاد۔ عبد اللہ بن شفیق۔ مرۃ الہمدانی۔ عبد اللہ بن منیر۔ اسود بن یزید۔ مسروق بن الاجدع۔ ابو وائل۔ قیس بن حازم۔ عبد الرحمن بن عطیہ۔ مکحول اور زہری۔

افسوس ہے ان راویوں پر کہ انکے دلوں کو حضرت علیؑ کی محبت کی صلاحیت نہ تھی علیؑ کی محبت جان اسلام ہے۔ جسکو علیؑ کی محبت نہیں وہ سمجھ لے کہ بقول پاک رسولؐ دوزخ سے اُسے چھٹکارا نہیں ہے۔ اسلئے کہ منافق ہی کا دل آپکی محبت سے خالی ہوتا ہے اور منافق کی جگہ بالیقین دوزخ ہے۔

معاویہ اور مذمت علیؑ

شرح ابن ابی الحدید کے صفحہ ۳۶۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ نے کچھ صحابہ اور تابعین کو اس امر پر تشویق کیا کہ روایتیں حضرت علی کی مذمت کی وضع کریں۔

اُن وضاع سے۔ ابو ہریرہ۔ عمرو ابن العاص۔ مغیرہ۔ عروہ اور زہری نامی وضع کرنیوالے ایسی روایتوں کے ہیں۔

عروہ نے بروایت حضرت عائشہ یہ بیان کیا ہے کہ علی اور عباس بے دین مرینگے۔ اور یہ دونوں ناری ہیں۔ (معاذ اللہ)

اسی طرح بے سروپا حدیثیں دیگر حضرات نے بھی گھڑی ہیں لعنت اللہ علی الکاذبین۔ حسین کرابیسی بھی یکے از مخالفان حضرت علیؑ اور وضاع حدیث ہے علیہ ما علیہ۔ معاویہ کو جھوٹے راویوں کے بغیر چارہ نہ تھا۔ سب وتبرا کیساتھ اسطرح کی وضعی حدیثوں کی بڑی ضرورت تھی۔ اسی کتاب کی جلد ۳ صفحہ ۱۵ میں یہ بھی مندرج ہے کہ معاویہ نے اپنے عاملوں کو جو اس کی تحت حکومت میں تھے یہ لکھ بھیجا کہ کبھی بکر و شیعوں کیساتھ۔ اُنکی گواہی پر اعتماد نہ کرو۔ مگر شیعان عثمان پر نظر کرم رکھو اور جو شخص فضائل عثمان بیان کرے اسکی عزت و منزلت کرو اور اسکا نام بقید پدر و قبیلہ میرے پاس لکھ بھیجو اس ترکیب سے فضائل عثمان کی حدیثیں بکثرت دیار و امصار سے جمع ہو گئیں۔

اس حکم کے مطابق ہر عملہ معاویہ کا فضائل عثمان کی روایتیں بیان کرتا تھا۔ اور مورد انعام ہوا کرتا تھا۔ اور ایسی روایتوں کی بدولت اُس کے لئے تقرب عزت اور سفارش کا حاصل ہونا دشوار نہ ہوتا تھا۔ اسکے بعد معاویہ نے حکمنامہ جاری کیا کہ فضیلت شیخین کی حدیثیں فراہم کیجائیں۔ اور جو شخص حضرت علیؑ کی روایت کرے اُسپر نقص وارد کرو۔ مجھے راویان فضائل علی کی سزا دہی نہایت محبوب ہے۔ اور اُس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی حکمنامہ کا مضمون تھا کہ شیعان علیؑ پر شدت اور سختی کرو کہ وہ سب حضرت عثمان کے فضائل کی روایتیں بیان کریں۔ اسکے

بعد معاویہ کا یہ حکم ہوا کہ منبروں پر فضائل عثمان کے بیان کئے جائیں۔ یہانتک کہ معلموں نے لڑکوں اور لڑکیوں اور عورتوں کو قران کی طرح پر فضائل عثمان کے سکھلائے اور یہ طور سالہا سال تک جاری رہا۔

ابوشکور سلمی شرح عقاید نسفی کے حاشیہ نگار صاحب سے پوچھنا چاہئے کہ امام عادل وصالح اور متقی کی یہی شان ہے کہ جھوٹی حدیثیں وضع کرایا کرے۔ اور جناب رسول خدا پر بہتان بندھوایا کرے۔ حق یہ ہے کہ جس مذہب میں معاویہ صاحب خلیفہ اور امام مانے جاتے ہیں۔

اور جس مذہب میں ابوشکور سلمی جیسے علما پائے جاتے ہیں اُس مذہب کی خوبی محتاج بیان نہیں ہے اللہ رے اہتمامات فضائل شیخین اور فضائل عثمان کے تصنیف کئے جانیکے اور اُنکے شایع کئے جانیکے۔ نعوذباللہ ثم نعوذباللہ تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے فضائل کی حدیثیں سلامت کیونکر رہ گئیں جو اس عہد تک پہنچ سکیں۔ مگر شک نہیں کہ خدا دانا و بینا ہے اور حق کو زور دینے والا ہے۔ فضائل علیؑ اور فضائل آل محمدؐ و فضائل اہل بیتؑ کی حدیثیں مخالفین کی سخت کوشش کیساتھ بھی بکثرت موجود ہیں اور انکے نام نیک تا قیامت قایم رہیں گے اور اُنکے دشمنوں کی یاد لاحول کیساتھ تا دُور دہور جاری رہے گی۔

نماند ستمگار بد روزگار بماند برو لعنت کردگار

اِس زمانہ کے عاشق امیر معاویہ

ایک صاحب کہ اپنے کو نہایت فہیم اور ذکی سمجھتے تھے۔ اور راقم کے ہموطن بھی تھے۔ امیر معاویہ کی محبت میں سرشار دکھائی دیتے تھے۔ ہمیشہ امیر معاویہ کے فضائل بیان کیا کرتے تھے۔ اور کوئی دم معاویہ صاحب کے ذکر سے خالی نہیں رہتے تھے۔

اس کا یقین کامل ہے کہ رحلت کے بعد وہ صاحب ضرور وہاں پہنچ گئے ہونگے جہاں اُن صاحب کے پیارے آقا اور ہادی بہت سی صدیاں قبل اُن صاحب کے قرار لے چکے ہونگے۔

تماشہ ہے کہ وہ صاحب ایک ایسا فرزند ارجمند چھوڑ گئے ہیں۔ جو اُنکے آقا امیر معاویہ صاحب کے صاحبزادے جیسے ورانیں ہونے کی تمامتر صلاحیت رکھتا ہے۔

بخدائے لایزال اُن صاحب کا وہ جانشین اُن صاحب کے آقا کے جانشین کا پورا پرتو ہے۔

کوئی شک نہیں کہ مادہ کی توریث ہوتی ہے۔ باپ اگر معاویہ کے عاشقوں میں تھے تو بیٹا یزید کی محبت کا دم بھرنے والا نکلا۔ خیر متوفے صاحب یہ برابر فرمایا کرتے تھے کہ جب علی ابن ابی طالب نے حضرت معاویہ کو لفظ اخوان سے یاد کیا تو پھر شیعہ حضرت معاویہ کو قابل لعن کیوں سمجھتے ہیں۔ یعنی جسکو حضرت علیؑ بھائی کے رشتہ سے یاد فرمائیں اُسپر شیعہ کیوں لعنت کرتے ہیں۔

اکثر متوفی صاحب اس اعتراض کو کم خواندہ شیعوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ اور اپنی

لسانی کا زور جاہل شیعوں کو دکھلایا کرتے تھے۔ خود متوفی صاحب محصل آدمی نہ تھے۔ مگر اپنے مذہب کے ذی علم اشخاص کی صحبت میں بھیکر اسی طرح کے اعتراض سیکھ لیا کرتے تھے۔ واضح ہو کہ یہ اعتراض اور اسکا جواب دونوں کتاب بحار الانوار کی جلد ، صفحہ ۴۳۰ میں پائے جاتے ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ کوفی کے ایک شخص موقر نے امام زین العابدین علیہ السلام سے اعتراض کیا کہ آپکے دادا علی ابن ابی طالب نے امیر معاویہ وغیرہ لفظ "اخواننا" کیساتھ یاد کیا ہے۔ یعنی یہ فرمایا ہے کہ میرے بھائیوں نے مجھسے بغاوت کی۔

امام ہمام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کیا قول خدا کو تم نہیں پڑھتے جس میں درج ہے والیٰ عادٍ اخاھُم ھُوداً یعنی ہمنے بھیجا قوم عاد کی طرف انکے بھائی ہود کو۔ ہود بھی قومیت کے حساب سے قوم عاد کی مثل تھے۔ لیکن خدائے عز وجل نے ہود کو اور ہود کے ساتھیوں کو بچالیا۔ اور قوم عاد کو ہوائے تیز وتند کے ذریعہ سے ہلاک کر ڈالا۔

جاننا چاہیئے کہ اصحاب جمل وصفین اور اہل نہروان کے بارے میں حدیث نبوی رسولؐ خدا کی موجود ہے لفظ اخوان جو حضرت علیؑ نے استعمال فرمایا وہ امیر معاویہ کے اسلام ظاہری کے اعتبار سے اور نیز اسوجہ کہ جدی قرابت کی رو سے امیر معاویہ داخل اخوان تھے اس خطاب سے امیر معاویہ کی نہ کوئی وقعت ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی نیکی ہی جو انکے لئے ذریعہ نجات متصور ہو سکے

مشابہت معاملات خاندان پیمبر کی معاملات موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کیساتھ

جاننا چاہیئے کہ دین خدا از وقت آدم تا حضرت رسولؐ خدا ایک ہی رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امر حق انقلاب پذیر نہیں ہوتا ہے۔ وہی خدا جو حضرت آدمؑ کے وقت میں تھا وہی آج بھی ہے اور اس کی وحدانیت جو آدمؑ کے وقت میں تھی وہی آج بھی ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ البتہ احکام ضرورت اوقات سے بدل سکتے ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ کے وقت کا قانون جہاد یہ تھا کہ کفار مغلوب کے ہر فرد کو مار ڈالتے تھے گھروں کو جلا ڈالتے تھے۔ غلہ اور کھیتی کو ضائع کر ڈالتے تھے اور مویشی اور جانوروں کو نیست نابود کر ڈالتے تھے۔ حضرت رسول خدا کے وقت میں کفار پر فتح پانیکے بعد ایسی کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ امور جزیہ ہیں اور انکی پابندی تقاضائے محل موقع پر موقوف ہے۔

دین خدا تو برابر ایک ہی رہا مگر جب کسی امت نے راہ ضلالت اختیار کی اُن کی اصلاح کی نظر سے ایک نئے نبی کو خدا نے مبعوث کیا۔ مثلاً جب حضرت موسیٰ کی اُمت نے حضرت موسیٰ کے دین میں خرابیاں پیدا کیں تو خدا نے حضرت عیسیٰ کو اصلاح دین موسوی کے لئے مبعوث فرمایا پھر جب امت مسیحی میں فتور لاحق ہوئے تو حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اصلاح واہتمام ادیان کے لئے اس عالم میں تشریف لائے۔ پھر جب دنیا جور وظلم سے بھر جائیگی اور امت محمدی محتاج ہدایت ہو جائیگی تو حضرت

مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے۔

واضح ہو کہ معاملات حضرت پیغمبر خدا اور معاملات حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں مشابہت دیکھی جاتی ہے۔ جس طرح پر حضرت موسیٰ اولوالعزم نبی تھے۔ حضرت خاتم الانبیا بھی اولوالعزم نبی تھے جس طرح حضرت موسیٰ کے بھائی ہارونؑ حضرت موسیٰ کے مددگار تھے اسی طرح پیمبر خدا کے بھائی حضرت علی پیمبر خدا کے مددگار تھے۔ جیسے خاندان موسیٰ میں شبر و شبیر ہیں۔ خاندان جناب رسول خدا میں امام حسنؑ و امام حسینؑ تھے اور جس طرح حضرت عزیر کی غیوبیت اور رجعت کے قائل بنی اسرائیل تھے امت محمدی امام مہدی علیہ السلام کی غیوبیت اور رجعت کی قائل ہے یہ فرمودہ بھی حضرت رسول خدا کا حضرت علی کے حق میں ہے کہ مثل یہود کے ایک فرقہ میری امت کا علی کا دشمن ہوگا۔ اور ایک فرقہ مثل عیسیٰ کے علی کو خدا جانے گا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت علی کو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ بہت کچھ مشابہت ہے۔ منجملہ ان مشابہتوں کے ایک مشابہت یہ ہے کہ انبیا اور آئمہ میں حضرت علیؑ اور حضرت مسیح کے سوا کوئی دوسرا شخص خدا نہیں مانا گیا ہے۔ لاریب ایسا سراسر کفر ہے مگر واقعہ ایسا ہی ہے۔ آخر میں عرض راقم یہ ہے کہ جس طرح امامت ائمہ اثنا عشر کی قول خدا و رسول سے ثابت ہے اسی طرح آپ حضرات کی امامت توریت و زبور و انجیل سے بھی ثابت ہو۔ ان مشابہتوں کے مقابلہ میں جو رسول اللہ و عزیزان رسول خدا کو حضرت موسیٰ اور انکے عزیزوں کیساتھ پیدا ہو۔ حضرات اہل سنت تفضیل شیخین و معاویہ کی خطائے اجتہادی خلافت اجماعی وغیرہ وغیرہ کے جھگڑے بکھیڑے پھیلائے ہوئے ہیں یہ حضرات احادیث تفضیل کی غیر صحیح تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ حدیث غدیر کے معنی خلاف عقل بیان کرتے ہیں اور خلفائے بنی امیہ جو فضائل حضرات ثلثہ میں۔ حدیثیں وضع کرا گئے ہیں انہیں قرآن کے برابر جانتے ہیں واقعی امر یہ ہو کہ یہود جس طرح حضرت عیسیٰ کی بشارت کے منکر ہوئے اور عیسائی حضرت رسول خدا کے بشارت کے منکر ہوئے۔ ویسا ہی اہل سنت حضرت علی کی خلافت بلا فصل کے منکر ہوئے۔ ہزار رسول خدا نے قولی اور فعلی دونوں طور سے حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کو قایم کرنا چاہا مگر طالبان دنیا نے حضرت علیؑ کو خلیفہ اور امام حضرت رسول خدا کی رحلت پر ہونے نہ دیا۔ تماشا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے امام کو تو اہل سنت نے بالائے طاق رکھدیا اور اپنا امام اپنے جی سے قایم کرلیا اور اصول خلافت و امامت یہ قایم کرلیا کہ خلیفہ اور امام کا مقرر کرنا خدا پر واجب نہیں ہے امت پر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر اہل سنت کو موقع ملتا تو اپنا نبی بھی آپ مقرر کرلیتے۔ اور خدا کے نبی مقرر کردہ کو ٹھنڈے ٹھنڈے خدا کے پاس واپس چلے جانے کیلئے حکم دیتے۔ ظاہرا اہل سنت خلفائے ثلثہ کو نبی کہنے سے مجبور ہیں مگر ان کے پاس ایسی ایسی وضعی حدیثیں موجود ہیں کہ جس کے روسے ان حضرات کو نبی کر سمجھنا ان حدیثوں کے تقاضا کے خلاف متصور نہیں ہے۔ جو غلو حضرات اہل سنت کو حضرات خلفائے ثلثہ کے ساتھ ہے اگر اُس کی بنیاد پر انہیں کوئی امت خلفا کہے تو زنہار خلاف واقعہ یہ امر نہ ہوگا۔

پندرہ حدیثیں جن سے ائمہ اثنا عشر کی خلافت اور امامت بین طور پر ثابت ہوتی ہے

کتاب نصوص میں بروایت ابن عباس درج ہے کہ ایک یہودی جناب رسول خدا کے پاس آیا نام اسکا نعثل تھا۔ اُسنے رسول خدا سے یہ کہکر کہ میرے سینے میں تردد ہے اگر آپ اس کا جواب اطمینان بخش دینگے تو میں آپکے ہاتھ پر ایمان لاؤں گا۔" سوال کیا کہ "مجھے آپ اس سے مطلع فرمائیں کہ آپکا وصی کون ہے۔ ہمارے نبی حضرت موسیٰ نے تو یوشع بن نون کو اپنا وصی بنا لیا تھا،، آنحضرت نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے وصی اور میرے بعد میرے خلیفہ علی ابن ابی طالب ہیں اور انکے بعد انکے دو فرزند حسنؑ اور حسینؑ خلیفہ ہونگے اور صلب حسین سے نو ائمہ ابرار ہونگے۔ تب اُس نے پوچھا کہ آپ اُن کے نام تو بتلائیے۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ حسینؑ کے بعد علی ابن الحسینؑ اور ان کے بعد محمد باقرؑ اور انکے بعد جعفر صادقؑ اور انکے بعد موسیٰ کاظمؑ اور انکے بعد امام رضاؑ اور انکے بعد جوادؑ اور ان کے بعد ہادیؑ اور انکے بعد حسن عسکریؑ اور انکے بعد حجۃ اللہ المہدیؑ۔ یہ لوگ نقبائے بنی اسرائیل کے موافق عدد میں بارہ ہیں اور یہ سب امام ہیں۔ اسکے بعد سائل نے سوال کیا کہ انکا مسکن کہاں ہوگا۔ آپنے جواب دیا کہ ہمارے ساتھ جنت میں میرے درجے کے برابر۔ یہ سنکر وہ یہودی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو زبان پر لایا اور بولا کہ بیشک یہ حضرات اوصیائے برحق ہیں۔ ایسا ہی میں نے کتاب موسیٰ میں دیکھا ہے کہ نبی آخر الزماں پیدا ہونگے اور نام انکا احمد ہوگا۔ انکے بعد نبوت نہ ہوگی اور انکے صلب سے ائمہ ابرار پیدا ہونگے" یہ حدیث بروایت شعبی کشف الغمہ میں بھی درج ہے اور اخطب خوارزمی اور حموینی الجوینی وابن بجار وسلمہ بن الاکوع وعبداللہ بن احمد اپنی اپنی کتابوں میں لے جا کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ کتاب نصوص میں چودہ اور حدیثیں ایسی درج ہیں کہ جن سے ائمہ اثنا عشر کا خلیفہ اور امام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اُن میں سے کچھ حدیثیں ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

ابو سعید الخدری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا کو کہتے سُنا کہ ائمہ بعد میرے بارہ ہوں گے۔ نو اُنمیں سے صلب حسینؑ سے ہونگے اور نویں اُنکے صاحب العصر ہونگے یعنی امام دوازدہم حضرت امام مہدی علیہ السلام پس مقام خوشی ہے اُسکے لیے جو اُن سے محبت رکھے اور جائے حسرت ہے اُسکے لیے جو اُن سے بغض رکھے۔

ابن مسعود سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے دوازدہ امام کے جلوہ فرما ہونیکی بشارت دی ہے۔ دونوں حدیثوں کے مضمون واحد ہیں دونوں حدیثوں میں صلب امام حسینؑ سے نو اماموں کے پیدا ہونیکی خبر دی گئی ہے اور اُنمیں نویں امام امام مہدی علیہ السلام فرمائے گئے ہیں۔ حضرت عمر رضی عنہ بھی انہی مضامین کی حدیث کے راوی نظر آتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا کو فرماتے سنا کہ میرے بعد بارہ امام ہونگے اور انمیں سے نو صلب حسینؑ سے ہونگے اور انہی میں سے مہدی دین محمدی بھی ہوں گے۔ جو شخص ان اماموں کا متمسک ہوگا وہ خدا کا متمسک ہوگا اور جو انسے کنارا کریگا خدا سے کنارہ کریگا۔ راقم کہتا

ہے کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اجماع سقیفۂ بنی ساعدہ کیوقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث مطلق یاد نہیں رہی۔ ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ خلافت امامت سے علیحدہ ہے ایسا نہیں ہے کہ جلیبی الگ بکتی ہو اور اس کا شیرہ الگ بکتا ہو کیا سمجھکر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اپنی روایت کردہ حدیث پر ایمان ہوتا تو علی مرتضیٰ امام اول ہوتے حضرت ابوبکرؓ یا کسی کو خلیفہ قرار نہیں دیتے۔ اس طور پر حضرت عمرؓ کا عامل ہونا بین طور پر آپکے نقصان ایمان کی خبر دیتا ہے۔ بقیہ حدیثیں بھی اسی قالب کی ہیں اختصار کے خیال سے راقم قلم کو روک لیتا ہے۔ حضرت رسولؐ کی ان سب حدیثوں سے خلافت اور امامت ائمہ اثنا عشر کی ثابت ہوتی ہے اور یہ حدیثیں خلافت راشدہ وغیرہ کے بطلان کو کافی ہیں۔ مگر امر حق کے سمجھنے کیلئے توفیق کی بڑی ضرورت ہے۔ بے توفیق کچھ نہیں ہوتا۔

آیات دالہ خلافت حضرت علیؑ

واضح ہو کہ احادیث اور آیات قرآنی دونوں سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل ثابت ہوتی ہے۔ آیات قرآنی مثبت خلافت حضرت علیؑ بہت ہیں۔ راقم سب کو اس کتاب میں جگہ نہیں دے سکتا ہے یہ ایک مختصر تصنیف ہے اسمیں تمام آیات قرآنی کو جنکو حضرت علیؑ کی خلافت سے تعلق ہے گنجائش نہیں ملسکتی ہے اسلئے راقم صرف چند آیتوں کا ذکر ذیل میں کرتا ہے۔ سورہ شوریٰ سے آیت قُل لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی یعنی کہہ تو اے نبی کہ میں رسالت کا اجر نہیں مانگتا ہوں تم سے مگر صرف محبت اپنے رشتہ مندان قریب کا طالب ہوں۔ یہ رشتہ مندان قریب حسب اجماع مفسرین علیؑ فاطمہ حسنؑ اور حسینؑ ہیں (دیکھو تفسیر بیضاوی تفسیر معالم التنزیل تفسیر محی الدین ابن العربی تفسیر کشاف تفسیر نیشاپوری تفسیر کبیر رازی جلد ۷ صفحہ ۴۰۶ اور اسعاف الراغبین) ان رشتہ مندوں میں قرابت داران قریش و بنی ہاشم یا کوئی شخص اصحاب انصار و خلفاء مہاجرین سے داخل نہیں ہے۔ انمیں صرف علیؑ۔ فاطمہ اور حسنینؑ داخل ہیں۔ اس آیت سے بین طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ فضائل کثیرہ میں بعد حضرت رسولؐ خدا کے یہی چاروں تن ہیں۔ اور ان کے ہوتے ہوئے انسے زیادہ تر کوئی شخص قابل مودت نہیں سمجھا جا سکتا ہے ایسی صورت میں یہ عقل سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص لایق خلافت انتخاب نہ کیا جائے اور حضرت عمر ایک ایسے شخص کو خلیفہ بناڈالیں جس پر خود ان چارتن کی محبت خدا کیطرف سے فرض کیگئی ہو۔ ایسا شخص ضرور ہے کہ ان چارتن سے مفضول ہو پس ایسے شخص کو بھی افضل ذاتوں کی اوپر خلیفہ امام اور حاکم قرار دینا بڑی گمراہی کی خبر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بی بی فاطمہ عورت ہونیکی وجہ سے رسولؐ خدا کے بعد خلیفہ اور امام نہیں ہو سکتی تھیں حسنینؑ علیہما السلام آنحضرت کی رحلت کیوقت بہت کم عمر تھے۔ پس ضرور تھا کہ حضرت علیؑ سزاوار خلافت ہوتے مگر حضرت عمر کی شدید المزاجی اور ذاتی عناد نے حضرت علیؑ کو خلیفہ ہونے نہ دیا

لاریب اہل اسلام کی یہ پہلی غلطی تھی جیسا راقم سابق میں عرض کر چکا ہے اور یہ وہ غلطی تھی کہ جس سے اسلام کو بیحد نقصانات لاحق ہوتے گئے اور اس وقت بھی ہو رہے ہیں مشیت ایزدی کا جواب نہیں ہے۔ مگر بظاہر حضرت عمر سے اسلام کے حق میں یہ ایسا ضرر رساں فعل سرزد ہوا ہے کہ جس کی اصلاح تا قیامت احاطۂ امکان سے باہر ہے سورہ تحریم وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولا یعنی حامی رسولؐ کا خدا ہے اور جبرئیل اور صالح المومنین یعنی حضرت علیؑ ہیں۔ صاحب تفسیر مجمع البیان (صفحہ ۴۳۳) لکھتے ہیں کہ صالح المومنین سے مراد امیر المومنین ہیں اور یہی قول مجاہد کا ہے جیسا کہ کتاب شواہد التنزیل میں باسناد سدیر الصیرفی اور ابو جعفر کے دیکھا جاتا ہے۔ مجاہد لکھتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے دو بار حضرت علی کو امت سے پہچنوایا۔ ایک بار یہ فرمایا کہ جس کے مولا یعنی آقا ہم ہیں اسکے آقا علیؑ ہیں اور جب بار دوم یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد کیا کہ اے قوم یہ صالح المومنین ہے۔ اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ میں نے جناب رسولؐ خدا کو فرماتے سنا کہ صالح المومنین علی بن ابی طالب ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ نہایت جائے افسوس ہے کہ صالح المومنین تو خلیفہ نہ قرار دیا جائے اور خلیفہ قرار دئے جائیں تو حضرت ابو بکر جو اس قول خداوندی کی رو سے جمیع مسلمین کی طرح حضرت علی سے مفضول ہیں۔ شاباش کہیے حضرت عمر کو کہ قول خداوندی کے بیباکانہ طور پر مخالف ہو کر افضل کو مفضول بنا ڈالا۔ صرف افضل کو مفضول نہیں بنا ڈالا بلکہ اس افضل کیساتھ نہایت شدید المزاجی کیساتھ پیش بھی آئے جیسا کہ سابق میں ظاہر ہو چکا ہے یعنی جنگ کرنے کیلئے انکی قیام گاہ تک گئے بلکہ انکی زوجہ کے گھر میں آگ بھی لگا دی یا آگ لگا دینے کیلئے مستعد ہو گئے۔ (دیکھو تاریخ ابو الفدا) اور اس کی بی بی کے شکم پر ایسی ضرب لگائی کہ بار دار معصومہ کا حمل ساقط ہو گیا (دیکھو ملل و نحل شہرستانی صفحہ ۲۰)

واہ واہ امت نے کیا قدر دانی صالح المومنین کی کی۔ لاریب صالح المومنین کیساتھ ایسے برتاؤ جو عقل کی رو سے جائز ہو سکتے تھے نہ مذہب کی رو سے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر احکام خدا اور رسولؐ کو اپنی سمجھ کے آگے مطلق قابل وزن نہیں سمجھتے تھے اگر ایسا سمجھتے تو عموماً اپنے برتاؤ حضرت علیؑ کے مقابل میں اس درجہ مخالفانہ انداز کے نہ ہوا کرتے۔

تماشا ہے کہ اہل سنت حضرت عمر کی ایسی کارروائی کے نقصانات پر مطلق نظر نہیں کرتے ہیں میں بھی جب اہل سنت سے تھا تو حضرت عمر کی ہر کارروائی کو قابل ستائش سمجھتا تھا۔ الحمد للہ کہ خدائے پاک نے مجھے توفیق خیر عطا فرمائی جس سے حق و باطل کا فرق معلوم ہونے لگا۔ اور مولویوں کے دام تزویر سے رہا ہو کر میں ان سے دو دستداران حضرات اہل بیت علیہم السلام کا لپنے کو پاتا ہوں۔ اور جس قدر اب مجھے خاندان پیغمبرؐ کیساتھ محبت کا تعلق ہے اسی کم دشمنان خاندان پیغمبر کیساتھ میرے دلکو عداوت کی خلش لاحق نہیں ہے اے اللہ میرے مجھے استوار رکھ محبت اہل بیت اور عداوت دشمنان اہل بیت پر اور اے خدا میں تجھسے کسی چیز کا خواستگار نہیں ہوں الا یہ کہ تو اٹھا مجکو دنیا سے اہل بیت کی محبت پر۔

اگر دو تم رد کنی ور قبول   من و دست و داماں آل رسول

سورۂ مجادلہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَةً۔
تفسیر معالم التنزیل و تفسیر نیشاپوری و تفسیر کبیر رازی و تفسیر محی الدین ابن العربی و حدیث مشکوٰۃ باب مناقب علیؑ و ترمذی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت نجوے کو مفسرین و محدثین بطریق تواتر شان میں حضرت علیؑ کی لکھتے گئے ہیں۔ اس آیت میں ایسی فضیلت مخصوص حضرت علی کی ذات کیساتھ پائی جاتی ہے جو کسی شخص سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔
وہ یہ ہے کہ کان میں جناب امیر کے حضرت رسول خدا کا امور پوشیدہ کی باتیں کرنا اور بحکم خدا انہیں مخفی رکھنا اس سے ایسا قرب عظیم ظاہر ہوتا ہے جو کسی کو بھی انصار و اصحاب سے حاصل نہ ہوا۔
پوشیدہ نہیں ہے کہ جب حکم خدا ہوا کہ جو کوئی نبی سے کانوں میں بات کرے تو ایسا شخص صدقہ دے۔ مگر صدقہ کی شرط کسی سے پوری نہ ہو سکی۔
حضرت امیر علیہ السلام نے بے زری کے باعث بشکل صدقہ کی شرط ادا کی۔ جب آیت بالا نازل ہوئی۔
حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے میری فضیلت تمام مسلمانوں پر ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ جو کام مجھ سے ظہور میں آیا کسی سے ظہور میں نہ آیا۔
یعنی میں نے دس درم تصدق دیکر حضرت رسول خدا سے کانوں کان بات کرنے کا شرف حاصل کیا۔
اسکے بعد خدائے تعالیٰ نے دس روز کے بعد آیت بالا کو منسوخ فرمایا۔
حضرت عمر فرماتے ہیں کہ کاش خدا مجھے یہ فضیلت عطا فرماتا۔ واضح ہو کہ سرگوشی غرض وہ طائف میں واقع ہوئی۔ پس امور تبلیغ رسالت و ابلاغ احکام باری و شرائع سرمدی میں نبیؐ کا علیؑ کے سوا دوسرے سے بات نہ کرنا دلیل قاطع ہے کہ سوائے حضرت علی کے خدا نے کسی دوسرے کو منصب امامت کا منظور اور نہ بنانا منظور نہ تھا۔ نہایت تعجب ہے کہ حضرت علی کی اس فضیلت سے بھی باخبر ہو کر حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو خلیفہ نہ ہونے دیا۔ بلکہ اپنے بعد بھی آپکے خلیفہ ہونے میں بڑی بڑی پخیں لگا گئے واہ وا اعتراف فضیلت اسی کو کہتے ہیں۔
بات بنانیکے لئے تو دنیا پڑی ہوئی ہے۔ مگر حضرت عمر کے معاملات بنانیوالوں کی محنتوں سے بھی نہیں بنتے ہیں۔
واضح ہو کہ قرآن شریف میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ جن سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل ثابت ہوتی ہے۔ بعض اُن آیتوں سے یہ ہیں۔
سورۂ طٰہٰ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۔
سورۂ آل عمران۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ اِلٰی اٰخرہ
سورۂ آل عمران پارہ سوم۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا

وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنة اللہ علی الکاذبین۔

سورۂ النساء۔ ام یحسدون الناس علی ما آتاھم اللہ من فضلہ فقد آتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ وآتیناھم ملکا عظیما۔

سورہ مائدہ۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔

سورۂ الحاقہ۔ وتعیھا اذن واعیۃ۔

سورۂ نساء پارہ ۴- ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔

سورۂ بقرہ۔ قال انی جاعلک للناس اماما سورہ احزاب انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا سورہ مائدہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا سورہ مائدہ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین انکے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ جنسے اہل بیت کا افضل المومنین ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس روسے افضلیت امیر المومنین حضرت علیؑ کی تمام اہل اسلام پر ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایک بھاری دلیل حضرت علی کی خلافت بلافصل کی ہے۔

بلاشبہ افضل ہمیشہ افضل رہتا ہے کسی حال میں مفضول نہیں ہو سکتا ہے افضل پر مفضول کو کسی حال میں ترجیح حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ پس حضرت علیؑ کا بمقابلہ حضرت ابوبکر کے مفضول قرار دیا جانا تمامتر عقل و نقل سے بعید ہے حضرت عمر کو حضرت ابوبکر کے خلیفہ بنانیکے وقت حضرت علی کی افضلیت اور حضرت ابوبکر کی مفضولیت کا لحاظ رکھنا ایک ضروری امر تھا مگر اپنی اغراض ذاتی کے سامنے حضرت عمر کو کسیکی افضلیت یا مفضولیت یاد نہ رہی۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ کے طریقہ پہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا بیٹھے۔ بلکہ یہ کہو کہ حضرت ابوبکر کے پردہ میں خود خلیفہ بن بیٹھے۔

آیات دالہ بر خلافت خلفائے ثلثہ

راقم سابق میں اپنی تحقیق سورۃ الفتح کی آیت محمد رسول اللہ والذین معہ کی نسبت حوالہ قلم کرچکا ہے۔ اسی طرح سورۂ توبہ کی آیت الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اور سورہ نور کی آیت وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت پر اظہار رائے کرچکا ہے۔ اب تو (۹) آیتیں اور بھی قرآن شریف میں ایسی سمجھی جاتی ہیں جن سے اہل سنت خلفائے ثلثہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں۔

راقم ذیل میں ہر آیتہ پر اظہار رائے کرتا ہے۔ اہل انصاف سے توجہ فرمائی کا طالب ہے۔ سورہ مائدہ کی آیۃ۔ یاایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم

وَيُحِبُّونَهُ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ اس آیت سے اہل سنت استدلال کرتے ہیں کہ خدا نے وعدہ کیا کہ اے نبی تمہارے بعد جو لوگ مرتد ہو جائیں گے تو اُن کے دفع کے واسطے خدا ایک قوم پیدا کرے گا وہ قوم حضرت ابوبکر ہیں کہ جناب رسول خدا کے بعد مرتد عرب کو آپ نے قتل کر ڈالا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کو اس باب میں اختلافات کثیرہ ہیں تفسیر نیشاپوری جلد ۲ صفحہ ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن قتادہ ضحاک اور ابن جریح کہتے ہیں کہ قوم سے مراد ابوبکر اور انکے اصحاب ہیں۔ مجاہد کا بیان ہے کہ قوم سے مراد اہل یمن ہیں پھر کچھ اشخاص کہتے ہیں کہ قوم مراد قریش ہیں کسی کا اجماع اسپر نہیں ہوا کہ قوم سے مراد ابوبکر اور اُن کے اصحاب ہیں۔

احادیث دلالت اس امر پر کرتی ہے کہ یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی اور چونکہ غ۔ وہ تبوک میں اکثر صحابہ مرتد ہو گئے تھے اس ارتداد کے قصہ کو غ۔ وہ حضرت رسولؐ خدا سے تعلق ہے نہ کہ حضرت ابوبکر کے غ۔ وات بعد النبیؐ سے۔ مفسر نیشاپوری کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد امام مہدیؑ ہیں اور ثعلبی کہتے ہیں کہ مراد خدا حضرت علیؑ ہیں۔ حضرت علیؑ کا مراد خدا ہونا مبنی بر واقعہ نظر آتا ہے۔ اسلئے کہ انسداد کافرین و مرتدین کی کارروائیاں آپ ہی کے زور بازو سے عمل میں آیا کرتی ہیں لاریب آیت بالا میں جو وعدہ دیکھا جاتا ہے وہ تمامتر غ۔ وہ حضرت رسولؐ خدا سے تعلق رکھتا ہے۔

جیسا کہ امام رازی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے غ۔ وات حضرت ابوبکر و عمر مراد نہیں ہو سکتے اسلئے کہ غ۔ وات رسولؐ سے سخت تر تھے۔

راقم کہتا ہے کہ اگر سخت تر ہوتے تو حضرات خلفائے ثلٰثہ اُن غ۔ وات سے کیوں پناہ مانگا کرتے ان غ۔ وات میں حضرت علی ہی کی تلوار تماشے دکھاتی رہی۔

حضرات خلفائے ثلٰثہ نے تو نہ کسیکو خط لگایا اور نہ خط کھایا۔ ہمیشہ یا بر سر فرار رہے یا اعدائے دین سے مقابلہ کرنے میں دل چرایا کئے۔

پس ثعلبی کا یہ لکھنا کہ اس آیت سے مراد حضرت علیؑ ہیں کوئی امر خلاف واقعہ نہیں ہے۔ اہل انصاف تجویز کریں کہ آیت بالا کس طرح پر حضرات خلفائے ثلٰثہ کی صحت خلافت کی دلیل قایم ہو سکتی ہے۔

سورۂ الفتح۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا۔

اہل سنت اس آیت سے فضیلت خلفائے ثلٰثہ کی بیان کرتے ہیں۔ مگر اس آیت سے کوئی فضیلت خلفائے ثلٰثہ کی نہیں ثابت ہوتی ہے۔

اس سے استحقاق خلافت کا ثابت ہونا تو خیال سے باہر ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ بیعت شجرہ اُن لوگوں سے حضرت رسولؐ خدا نے لی تھی جنسے نفاق و فرار کا گمان تھا یا جنہوں نے اسلام جدید اختیار

کیا تھا یعنی نئے مشرف با سلام ہوئے تھے۔ علاوہ اسکے بعیت شجرہ کے وقت حضرات خلفائے ثلاثہ موجود نہ تھے۔ کیونکہ یہ ماجرا تبوک کا ہے۔ اگر بالفرض بعیت شجرہ کے وقت حضرات شیخین موجود تھے اور جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیکر حضرت عثمان کی بعیت لی تھی۔ تو یہ امر اور بھی بہت بڑی حسرتوں کا ہے کہ بعیت شجرہ حاصل کرکے بھی حضرات خلفائے ثلاثہ نے حنین کی لڑائی میں حسب عادت قدیم حضرت رسولؐ کو اعدائے دین میں چھوڑ کر میدان جنگ سے فرار کی راہ اختیار کی۔

حضرات خلفائے ثلاثہ کا فرار جنگ حنین میں ثابت در ثابت ہے۔ ایسے ہی بھاگنے لوگوں کو شرم دلانے کی غرض سے حضرت رسول خدا نے بروز حنین اہل شجرہ کے خطاب سے پکارا تھا۔ تب ایسے فرارین خدا کے نزول سکینہ کے بھی کیونکر مورد ہو سکتے ہیں۔

ہرگز ہرگز یہ آیت فرارین اُحد یا فرارین حنین سے تعلق نہیں رکھ سکتی ہے۔ البتہ نزول سکینہ کو حضرت علی کیساتھ بڑا تعلق حاصل ہے اور نیز ایسے اشخاص کیساتھ جو حضرت علیؑ کی راہ شجاعت پر قدم رکھنے والے تھے پس نزول سکینہ کی بنا پر بھی یہ آیت ہرگز ہرگز خلفائے ثلاثہ کیساتھ کوئی لگاؤ نہیں رکھ سکتی ہے۔

ایسی حالت میں دعویٰ اہل سنت کا نہایت سُست اور بے بنیاد ہے۔ المختصر اس آیت سے نہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی کوئی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نہ آپ حضرات کسی طرح پر خلافت رسول اللہ کے مستحق دکھائی دیتے ہیں۔

سورۂ توبہ۔ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

اس آیت سے اہل سنت خلفائے ثلاثہ کی فضیلت اور امامت ثابت کرتے ہیں۔

اس آیت میں سبقت در اسلام کی صفت مذکور ہے۔ مگر معالم التنزیل کے صفحہ ۱۹۴ اور سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۱۷۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المومنین علیؑ پہلے شخص ہیں جو ایمان لائے اور نماز پڑھی خود بھی شاہ ولایت فرماتے ہیں سَبَقْتُكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ طُرًّا غُلَامًا مَا بَلَغْتُ أَوَانَ حُلُمِي پس بلا شبہ حضرت علیؑ السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ میں داخل ہیں علاوہ آپکے باجماع مفسرین (دیکھو تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۱۹۴ و تفسیر کبیر رازی جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ و اسعاف الراغبین صفحہ ۱۲ و سیرۃ المحمدیہ صفحہ ۱۷۵ وغیرہ)

اس آیت کی تنزیل اصحاب عقبۂ اولےٰ کے حق میں ہے اور انمیں صرف سات کس تھے اور اسما انکے یہ ہیں۔ ابو اُمامہ۔ عوفؔ۔ قطبہ۔ رافع۔ عقبہ۔ جابرؔ۔ بنی نجار۔

اہل سنت بیچارے کمال شغف کی بنا پر اپنے حضرات خلفا کو کیونکر بھول سکتے تھے۔ بے داہنے بائیں دیکھے اُن حضرات کو السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ کی قطار میں داخل کر بیٹھے۔ ظاہر اس آیت

کو حضرات خلفائے ثلثہ سے کوئی تعلق نہیں دکھائی دیتا ہے۔

مگر ہٹ دہرمی کا کیا جواب ہے۔ ہر قدم پر اہل سنت حق لیلیٰ کے طلبگار ہو بیٹھے ہیں۔ کیا تماشا ہے کہ ہر اہل سنت حضرت علیؑ کے سابق الایمان ہونے سے خبر رکھتا ہے اسکو زبان پر لانا تو درکنار۔ ایک بے بنیاد امر یعنی خلفائے ثلثہ کی سبقت اسلام کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ المختصر اس آیت سے حضرات خلفائے ثلثہ کی کسیطرح کی تعریف ثابت نہیں ہوتی ہے ان حضرت کا استحقاق خلافت اور امامت تو خارج از بحث ہے۔

سورۂ انفال۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بیضاوی کہتے ہیں کہ یہ آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی۔ اور کہا گیا ہے کہ انتالیس شخص اسوقت ایمان لائے اور انکے بعد حضرت عمر مشرف بہ اسلام ہوئے (دیکھو تفسیر بیضاوی جلد ا صفحہ ۳۲۳) تفسیر نیشاپوری کی جلد ۲ صفحہ ۲۲۱ سے بروایت سعید بن جبیر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ۳۳ مرد اور ۶ عورتیں اسکے بعد حضرت عمر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پس ہم ایمان لانیوالوں کا چالیس کا عدد پورا ہو گیا۔ اسکے بعد ہی آیت بالا نازل ہوئی۔ تفسیر نیشاپوری کی رو سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول غزوہ بدر کے وقت میں ہوا۔ صاحب تفسیر کبیر بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی۔ (دیکھو جلد ۴ صفحہ ۵۶۳ اس تفسیر کی) راقم کہتا ہے کہ اگر غزوہ بدر کے وقت یہ آیت نازل ہوئی تو اس آیت کو حضرت عمر کے اسلام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر تو مکہ ہی میں مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن اگر آیت کا تعلق غزوہ بدر کے ساتھ درست ہے تو لاریب یہ آیت حضرت عمر کی شان میں ہرگز نازل نہیں ہوئی۔ اسیطرح لفظ مومنین سے جو آیت بالا میں داخل ہے۔ اہل سنت خلفائے ثلثہ مراد لیتے ہیں۔ حضرات خلفائے ثلثہ کی تخصیص کی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ مومنین تو سینکڑوں تھے۔ پھر خلفائے ثلثہ ہی کیوں مومنین کہے جائینگے حضرات اہل سنت کی حالت اس ڈوبتے ہوئے آدمی کی ہے جو تنکے کے سہارے کو غنیمت جانتا ہے۔

اہل انصاف دیکھیں کہ اس آیت کو خلافت اور امامت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسپر بھی اہل سنت اس آیت کو خلفائے ثلثہ کی خلافت حقہ کی ایک دلیل قرار دیتے ہیں۔ اب ذیل میں راقم اپنے خاص خیالات اس آیت شریفہ کے بارے میں حوالہ قلم کرتا ہے۔

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی اے نبی تجکو خدا کفایت کرتا ہے اور وہ شخص جس نے کہ تیری تبعیت کی"

راقم کہتا ہے کہ اس آیت کو حضرت عمر کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا ہے۔

عام اس سے کہ یہ آیت غزوہ بدر کے وقت میں اتری یا مکہ میں۔ اگر ہم صاحب تفسیر بیضاوی و صاحب تفسیر کبیر رازی کی تحقیق کو مانکر یہ قبول کر لیں کہ یہ آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی تو مَنِ اتَّبَعَ کا اشارہ حضرت عمر کی طرف صحیح نہیں مانا جا سکتا ہے۔

اسلئے کہ من اتبعک کے مصداق حضرت عمرؓ غزوہ بدر یا کسی غزوہ کے لگاؤ سے نہیں ہو سکتے ہیں۔ غزوہ بدر یا کسی اور غزوہ میں حضرت عمرؓ نے جناب رسولؐ خدا کی کیا تبعیت کی۔ اور غزوات میں تو حضرت عمر یا فرار کی کارروائی کے عامل ہوتے رہے۔ یا اعدائے دین سے مقابلہ کرنے میں جان چراتے رہے۔ اس بدر کی حالت یہ گزری کہ حضرت عمرؓ اعدائے دین یعنی کفار مکہ کے مقابل ہی نہوئے۔ اور یہ اس بنا پر کہ آپکے ماموں ابوجہل رسولؐ خدا سے لڑنے کیلئے تشریف لائے تھے ایسی صورت میں ہرگز عقل باور نہیں کرتی ہو کہ خدا تعالیٰ حضرت رسولؐ کو دلداری کے پہلو سے یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی میں تیرے واسطے کفایت کرتا ہوں اور مومنین سے حضرت عمر تمہارے واسطے کفایت کرتے ہیں۔

خدا کا قول لغو نہیں ہو سکتا ہے۔ من اتبعک من المومنین سے ہرگز حضرت عمر مراد نہیں ہو سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت رسولؐ خدا کی کیا تبعیت کی جو خدا تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حضرت عمر کی ذات کا بھروسہ دلاتا۔ پس ہرگز اس آیت کو حضرت عمر کیساتھ کسی طرح کا تعلق نہیں ہے۔ اب رہا یہ کہ یہ آیت مکی ہے اور حضرت عمر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی امر بعید از قیاس ہے۔

خدا تعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کی زندگی اور آپکی وفات کے بعد کیا کیا کریں گے۔ خدائے تعالیٰ کو معلوم تھا کہ حضرت عمر جنگ بدر میں غیر کارگزار رہیں گے۔ خندق میں عمرو بن عبدود کے مقابلہ سے انکار کریں گے۔ احد میں فرار اختیار کریں گے۔ خیبر میں دو روز تک شکست کھا کھا کر خیمہ رسول اللہ تک بھاگ آئیں گے۔ اور حنین کے دن بھی احد کا جلوہ دکھلائیں گے۔ صلح حدیبیہ کے بعد زور دن کیساتھ شک فی النبوۃ کا اظہار کریں گے۔ رسول اللہ کو قلم و قرطاس کے دینے سے منع کرینگے۔ حدیث ثقلین کے خلاف میں حسبنا کتاب اللہ فرمائیں گے۔ بعد وفات نبیؐ غسل و کفن نبیؐ سے اپنے کو محروم رکھیں گے حقوق علی سے چشم پوشی کرکے حضرت ابوبکر کے پردہ میں خود خلیفہ بنجائیں گے۔ خلیفہ بنکر مرضی رسول اللہ کے خلاف بنی امیہ کو درجہ ثروت تک پہنچا دینگے۔ معاویہ کو حاکم شام بنا دینگے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی شہادت کے اسباب کے فراہم کرنیوالے ہونگے۔ حضرت فاطمہؑ کے گھر کو جلانیکے واسطے مستعد ہو جائیں گے حضرت فاطمہؑ کے بطن شریف پر ضرب لگائینگے جس سے حمل اس معصومہ کا ساقط ہو جائیگا۔

حضرات ائمہؑ طاہرینؑ کے قتل و ایذا کے سبب ہونگے خون سادات کو پانی کی طرح زمین پر بہوائینگے۔ اسی طرح بہت سی غیرہ وغیرہ باتیں ہیں کہ اختصار کی نظر سے یہاں ذکر نہیں کیجاتی ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ مکی ہونے پر بھی یہ آیت حضرت عمر کی شان میں نہیں ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ ایسے حضرات کو حضرت رسولؐ کا تبعیت کرنیوالا ہرگز قرار نہیں دیسکتا تھا۔ پس راقم کی نظر میں یہ آیت اس شخص کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ جو حقیقت میں حضرت رسولؐ کی تبعیت کرنیوالا تھا اور عمر بھر حضرت رسولؐ کی تبعیت سے باہر نہوا۔ اور وہ شخص علی بن ابی طالب تھا۔ حضرت عمر تو کسی پہلو سے من اتبعک من المومنین کے مصداق ہو نہیں سکتے۔ یوں حضرت

اہل سنت حق لیلیٰ کی ترکیب سے جیسا چاہیں کہیں خلق کو حلق ہے کوئی کسی کا منہ بند کرنیوالا نہیں ہے۔ حال میں ایک سنی عالم صاحب نے مجھے فرمایا کہ حضرت خلفائے ثلثہ کے ایسے مدارج ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کی شان میں شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فرماتا ہے جس سے ان حضرات کی خلافت اور امامت ثابت ہوتی ہے یعنی دعویٰ اہل سنت یہ ہے کہ نبی کو خدا کی جانب سے حکم تھا کہ خلفائے ثلثہ کے مشورہ پر عمل کرو۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت رسولؐ تبلیغ رسالت میں تو مشورہ کسی سے فرما نہیں سکتے تھے اس لئے کہ مشورہ تبلیغ رسالت میں حرام ہے۔ اب رہے امور دنیا تو امور دنیا ایسے نہیں ہیں کہ اگر نبیؐ کسی سے مشورہ کریں تو ضروری ہے کہ جس سے مشورہ کریں وہ آپکے بعد آپکا خلیفہ اور امام ہو جائے۔ حضرت نبی کو اختیار تھا کہ امور دنیا میں یہود و نصاریٰ اور مسلمان سے مشورہ کرتے۔ پس وہ یہود و نصاریٰ اور مسلمان آپکے بعد آپکے خلیفہ و امام نہیں ہو جا سکتے تھے۔ حضرت رسولؐ خدا دینی بادشاہ ہونے کے علاوہ دنیوی بادشاہ مقنن مجسٹریٹ اور جنرل فوج بھی تھے۔ پس دنیوی حیثیت سے آپکو مشورہ کرنیکی ہدایت اگر خدا نے فرمائی تو کیا بیجا ہوا لیکن اہل سنت اسی کو اپنے خلفا کے لئے ایک امر غنیمت سمجھے۔ فوراً حق لیلیٰ کے قاعدہ سے اس مشورہ کے معاملہ کو امر خلافت کی طرف لے دوڑے "شَاوِرْهُمْ" میں جو ضمیر ہم کی ہے کیا ضرور ہے کہ وہ راجع کی جائے صرف اہل سنت کے خلفائے ثلثہ کی طرف استشارہ کے قابل بدرجہ اعلےٰ تو حضرت علی تھے اور علاوہ حضرت علی کے اور بھی شخص مہاجرین اور انصار سے تھے۔ بلکہ ذمی اور مستامن سے بھی مشورہ نیک کی امید ہو سکتی تھی یہ یوں حضرت رسولؐ نے ایسے لوگوں سے مشورہ نہ لیا ہو۔ المختصر جب تبلیغ رسالت میں مشورہ حرام تھا تو ایسی صورت میں اگر امور دنیا میں خلفائے ثلثہ سے یا اور شخص مسلم یا غیر مسلم سے حضرت رسولؐ نے مشورہ لیا تو مشورہ دینے والوں کے درجے ایسے رفیع نہیں ہو جا سکتے ہیں کہ بعد حضرت رسولؐ کے ایسے مشورے دینے والے آنحضرت کے خلیفہ اور امام قرار پا جاتے۔ اہل سنت کی حالت اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِالْحَشِيْشِ کی سی ہے مرتا کیا نہ کرتا۔ پیروان حضرات خلفائے ثلثہ نے کوئی دقیقہ ان حضرات کی خلافت اور امامت کو حق ثابت کرنیکا اٹھا نہیں رکھا ہے۔ مگر اہل انصاف کی نظر میں انکی ساری کوششیں اکارت دکھائی دیتی ہیں۔

واضح ہو کہ اصل فکر اہل سنت کی یہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ کسی صورت سے تبلیغ رسالت کے شریک قرار پا جائیں۔ شرکت فی النبوۃ اور رسولؐ اللہ کی اتالیقی تو درکنار مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم نے تو حضرت عمر کو شریک فی الالوہیت تک ثابت کرنا چاہا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے سابق کے حصہ میں کہا گیا ہے۔ راقم کی دانست میں حضرات خلفائے ثلثہ کا مشیر رسولؐ اللہ و اتالیق رسولؐ اللہ و شریک رسالت و شریک الوہیت ہونا تو معلوم آپ حضرات کیلئے اسیقدر بہت ہے کہ آپ حضرات کا شمار مسلمانوں میں کیا جائے۔

سورہ بقر پارہ ۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی جو اشخاص کہ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا ہے ایسے لوگوں

کو رحمت خدا کی امید ہو اور اللہ غفور و رحیم ہے اس آیت سے اہل سنت فضائل و مناقب خلفائے ثلثہ کے انکے ایمان لانے اور ہجرت کرنے اور جہاد کرنیکی بنا پر استدلال کرتے ہیں۔ راقم عرض کرتا ہو کہ اس آیت کا مضمون عام ہے اس آیت کو حضرات خلفائے ثلثہ کیساتھ کسی طرح کی خصوصیت نہیں دیکھی جاتی ہے۔ مفسرین بھی نہیں کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرات خلفائے ثلثہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پس یہ آیت کوئی خاص دلیل حضرات خلفائے ثلثہ کے فضائل و مناقب کی نہیں مانی جا سکتی ہے۔ بلکہ ایک جزو اس آیت کا یعنی وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ واقعہ کی رو سے حضرات ثلثہ کی جہادی کارروائیوں کے ساتھ کسی طرح چسپاں نہیں ہوسکتا ہے۔ لاریب یہ ٹکڑا آیت بالا کا ہرگز ایسے حضرات سے تعلق نہیں رکھ سکتا ہے۔ جو جہاد کے نام سے بھاگتے رہے جیسا کہ چند بار بدر و احد و خندق و خیبر و حنین کے لڑائی سے انکا ذکر حوالہ قلم ہوا کیا ہے البتہ اس آیت کے مصداق حضرت علیؑ اور حضرت علیؑ کی راہ پر چلنے والے ہو سکتے ہیں بلکہ واقعہ کی رو سے یہ مصداق اس آیت شریفہ کے ایسے ہی حضرات دکھائی دیتے ہیں۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر کا ایمان ایسا کامل نہ تھا کہ آپ اس آیت کے مصداق سمجھے جائیں جیسا کہ بروایت واقدی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے بروز احد حضرت ابوبکر کی طرف روئے سخن کرکے فرمایا مَا اَدْرِيْ مَا تُحْدِثُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ یعنی ہم نہیں جانتے ہیں کہ میرے بعد تم لوگ کیا کروگے اگر حضرت ابوبکر کا ایمان کامل ہوتا تو حضرت رسولؐ ایسے کلمہ کیساتھ حضرت ابوبکر کو خطاب نہ فرماتے اور خود حضرت ابوبکر پکار کر کے مسلمانوں کو یہ نہ کہتے کہ بتحقیق کہ محمدؐ مارے گئے اب تم لوگ مذہب جاہلیت کیطرف عود کر جاؤ۔

اسی طرح حضرت عمر بھی کامل ایمان نہیں رکھتے تھے صلح حدیبیہ کے بعد حضرت رسولؐ خدا کی نبوت میں حضرت خلیفہ ثانی کا زوروں کیساتھ اظہار شک کرنا ایمان کامل کی دلیل نہیں ہو سکتا ہے علاوہ اسکے بروایت مشکوٰۃ حضرت عمر کیطرف مخاطب ہو کر حضرت رسولؐ خدا کا یہ فرمانا کہ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِيْ یعنی اگر کہیں حضرت موسیٰ ظہور کر جائیں تو تم لوگ حضرت موسیٰ کی تبعیت اختیار کروگے اور مجھکو چھوڑ دوگے صاف اس بات پر دال ہے کہ حضرت عمر کا ایمان ناقص تھا کامل نہ تھا حقیقت حال یہ ہو کہ حضرت عمر کو شدید المزاجی اور سنگدلی کیوجہ سے مذہب موسیٰ کیطرف میلان کثیر تھا۔ آپ دل سے چاہتے تھے کہ اسلام کی کارروائیاں انہی سختیوں کیساتھ عمل میں لائی جائیں جنکا متقاضی مذہب موسوی تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے اس میلان خاطر کو ملحوظ رکھکر حضرت رسولؐ خدا نے یہ فرمایا کہ اگر کہیں حضرت موسیٰ ظہور کر جائیں تو تم لوگ حضرت موسیٰ کی تبعیت اختیار کروگے اور مجھکو چھوڑ دوگے لاریب اگر حضرت عمر کو یہودیت کیطرف میلان نہوتا تو آنحضرت اسطرح کے قول کیساتھ حضرت عمر کو خطاب فرماتے۔

سورہ توبہ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ اس آیت سے بھی اہل سنت حضرات خلفائے ثلثہ کے فضائل و استحقاق خلافت کی دلیل پکڑتے ہیں۔ مگر بیضاوی کی جلد (۱) صفحہ ۲۳۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت عام ہے خاص کسی کی شان میں نازل نہیں ہوئی۔ اور بغوی اور رازی اور نیشاپوری بھی اسکو خلفائے ثلثہ کی شان میں قرار نہیں دیتے ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ البتہ حضرت علیؑ اور آپکی راہ پر چلنے والے اس آیت کے مصداق ہو سکتے ہیں اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ ایسے حضرات

اس آیت کی مصداق ہیں حضرات خلفائے ثلثہ تو کسیصورت سے اس آیت سے مراد ہو ہی نہیں سکتے ہیں اسلئے کہ ان حضرات ثلثہ نے خدا کی راہ میں جہاد بانفسہم کبھی نہیں کیا۔ جب ہوا تو یہی ہوا کہ میدان جنگ سے فرار ہو گئے یا اعدائے دین سے مقابلہ کر نہیں جان چراتے رہے۔ اہل انصاف دیکھیں کہ حضرات اہل سنت اپنے خلفائے ثلثہ کی خلافت کو حق ثابت کرنیمیں کیا کیا ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر کچھ نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ جبتک کسی مذہب کی بنا حق پر قایم نہیں ہوتی ہے وہ مذہب کبھی اہل فہم کے نزدیک حق نہیں مانا جاسکتا۔ یوں اہل غرض اور اہل تعصب اسے حق سمجھا کریں۔

سورہ واللیل وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ یَرْضٰى اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی۔ اہل تشیع کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی۔ صاحب تفسیر نیشاپوری کہتے ہیں کہ شیعہ اس آیت کو حضرت علیؑ کیطرف منسوب اسلئے کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے انفاق در زکوٰۃ و صدقات کا ذکر قرآن شریف میں جابجا آیا ہے۔ پس دوسری آیتوں کی موافقت مضامین کے باعث اس آیت کے نزول کو بھی حضرت علیؑ کی شان میں تصور کرنا قرین قیاس ہے اس احتمالی حالتمیں کوئی شخص ذی فہم اس آیت کو حضرت ابوبکر کیساتھ بالتخصیص منسوب نہیں کرسکتا ہے اس آیت سے حضرت ابوبکر کی خلافت کیونکر حق ثابت ہوتی ہے اہل سنت کے سوا یہ کوئی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتا ہے۔

اہل انصاف دیکھیں کہ قرآن اور حدیث سے کیا کیا فضائل حضرت علیؑ کے ظاہر ہوتے ہیں کیا کیا آیتیں اور کیا کیا حدیثیں حضرت علی کی خلافت بلافصل کی مثبت ہیں مگر انمیں سے ایک بھی اہل سنت کو سوجھائی نہیں دیتی ہے اسکے برخلاف نامربوط آیات اور احادیث کو بیربط قرار دے دیکر حضرات خلفائے ثلثہ کے فضائل اور مناقب بیان کرتے ہیں جس سے اصلی غرض الیسے صاحبان غرض کی حضرات خلفا ثلثہ کی خلافت کو صحیح اور برحق ثابت کرنا ہے۔ واقعی تعصب کیا بلا ہے اس سے فی الحقیقت آدمی اندھا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ آدمی کو تعصب بیجا سے بچائے تعصب آدمی کو اوندھے منہ قعر جہنم میں گرا دیتا ہے

سورۂ صف اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ اہل سنت اس آیت سے خلفائے ثلثہ کے جہاد مراد لیکر حضرات خلفا کے عمدہ ترین فضائل قرار دیلیتے ہیں بیضاوی کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد میں نازل ہوئی اسکی شان نزول میں صاحب تفسیر معالم التنزیل بغوی و صاحب تفسیر کبیر و ابو السعود و صاحب تفسیر جلالین و ابن عباس و جمیع مفسرین کو اتفاق ہے کہ نزول اسکا غزوۂ احد میں واقع ہوا اے حضرات اہل سنت آخر حیا ضروریات ایمان سے ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس غزوہ میں حضرات خلفائے ثلثہ سے کیا جہادی کارروائی ظہور میں آئی۔ اگر جہاد کا دوسرا نام فرار ہے تو لاریب جہاد کی کارروائی بڑی کشادہ پیشانی کیساتھ آپکے خلفا سے ظہور میں آئی جس بزدلی کیساتھ اس غزوہ میں آپکے حضرات خلفا نے فرار اختیار کیا ہے وہ ایسا ہی ہے کہ ہر شریف آدمی کو ایسے فرار کے بعد ایک چلو پانی میں ڈوب مرنا چاہئے جیسا فرار روز احد حضرات خلفاء ثلثہ سے ظہور میں آیا ویسا فرار شریف آدمی سے روز احد کے پہلے نہ ظہور میں آیا اور نہ روز احد کے بعد کبھی ظہور میں آ سکتا ہے اسپر طرہ یہ ہے کہ جسکی امت اور جسکا کلمہ پڑھیں اور جسکی دوستی کا دعوی رکھیں

اور جسکی رحلت کے بعد اپنے کو اسکی خلافت کا مستحق سمجھے ایسے میدان جنگ میں انہی چھوڑ کر بے تحاشہ بھاگ نکلیں۔ کبھی ایسا زشت فعل کسی شریف اور دیندار سے ظہور میں نہیں آسکتا ہے حضرات خلفا کا فرار تاریخی واقعہ ہے خود حضرت عمر کہتے ہیں کہ بوقت فرار ہم کوہ احد کے چٹانوں پر بزگوہی کیطرح اچھلتے تھے۔ معاذ اللہ روز احد کا واقعہ حیادار کیلئے مرجانیکی بات ہے اسپر اہل سنت اس آیت کو اپنے خلفا کے حق میں دلیل فضائل جانتے ہیں۔ شرم چہ کُتی است کہ پیش مرداں بیاید شاباش کیوں نہیں فضیلت فرار ہی سے تو خلفائے ثلثہ کا حق خلافت ثابت ہوتا ہے اے اہل سنت یہ تو بتائے کہ آپکے حضرات خلفا بُنیَانٌ مَّرصُوصٌ کے مصداق کیونکر ہوسکتے ہیں کیا بُنیَانٌ مَّرصُوصٌ ایسے اشخاص کہلا سکتے ہیں کہ جو بہ سبیل عادت میدان جنگ سے جلد بھاگا کرتے ہیں۔ سُبحان اللہ تو فرارین کیونکر بُنیَانٌ مَّرصُوصٌ ہوسکتے ہیں۔ پہاڑ کے چٹانوں پر بزکوہی کیطرح اچھلتے ہوئے بھاگے بھی اور بُنیَانٌ مَّرصُوصٌ بھی کہلائے بُنیَانٌ مَّرصُوصٌ علی تھے جنہوں نے حضرت رسولؐ کو ہلاکت سے بچایا اور اعدائے دین کو مار کاٹ کرکے فی النار کر ڈالا۔ کفار مکہ کے تیر و تبر سے زخم بالائے زخم کھائے مگر میدان سے دم بھر کیلئے بھی منہ نہیں موڑا اور آخر اعدائے دین سے میدان جنگ کو پاک و صاف کر ڈالا خدارا اے اہل سنت کچھ تو ہوش میں آئیے۔ یہ کیسی محبت خلفائے ثلثہ کی آپکے دل میں حلول کر گئی ہے کہ حق کے درک پر آپ قادر نہیں رہے ہیں جب دیکھئے تو اتلاف حق پر آپکو آمادگی رہتی ہے ہمیشہ دعویٰ باطل پیش کیا کرتے ہیں اور ضعیف تاویلات سے اپنے غیر مستحکم دین کو قوی بنانیکی فکر میں عمر عزیز بسر کیا کرتے ہیں۔ خداتعالیٰ آپکو حق بینی کی قوت عطا فرمائے۔ تاکہ آپکو حق و ناحق کا فرق سوجھائی دے۔ خیر یہ تو غزوہ احد کی سرگذشت ہے آپکے حضرات خلفا سے کسی غزوہ رسول اکثر میں کوئی جہادی کارروائی ظہور میں نہ آئی۔ ہمیشہ آپکے حضرات خلفا قرار پر فرار کو مرجح ہی سمجھتے رہے۔ اور لڑائی بھڑائی سے جان چراتے رہے کبھی ان حضرات سے خس پر بھی ایسی کارروائی نمایاں ہوئی کہ جسکی بناپر اے اہل سنت آپ اپنے حضرات خلفا کیطرف کسی طرح کی فضیلت جہادی منسوب کرسکتے۔ المختصر اس آیت شریفہ سے حضرات خلفا ثلثہ کو کوئی تعلق نہیں پایا جاتا ہے یہ آیت حضرت علی کی شان میں بالتخصیص اور مجاہدین بنی ہاشم اور مجاہدین انصار کی شان میں بالعموم نازل ہوئی یہ مجاہدین ایسے تھے کہ حضرت علی کا ساتھ جنگ احد میں برابر دیئے گئے اور پورے طور پر ثابت قدم رہے۔ اور اس ثابت قدمی کی بدولت بُنیَانٌ مَّرصُوصٌ کے مصداق قرار پائے۔

حدیث نمبر ۱۔ اِقتَدُوا بِالَّذَینِ مِن بَعدِی اَبِی بَکرٍ وَّ عُمَرَ اس کے راوی احمد اور ابن ماجہ ہیں ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے اور ابن حبان اور حاکم اسکو صحیح قرار دیتے ہیں۔ ترجمہ یہ ہو کہ اقتدا کرو تم لوگ میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اس حدیث پر شیعوں کے طرف سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر اول۔ تحفۃ الاخیار کے صفحہ (۷) میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خطاب ہے مقلدین کیطرف اسلئے کہ صحابہ بہتیرے اقوال میں روبرو حضرات شیخین کے خلاف کرتے گئے اور حضرات شیخین نے اسپر کوئی تعرض نہیں کیا مگر تعرض کیا مجتہدین اربعہ نے اس بناپر یہ حدیث خلفائے ثلثہ کی خلافت کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔

اعتراض نمبر ۲۔ یہ حدیث حدیث نجوم کی نقیض دکھائی دیتی ہے حدیث نجوم میں لفظ اقتدا کا سبکے لئے عام واقع ہوا ہے

اعتراض نمبر ۳- یہ حدیث حدیث ترمذی اور حدیث مشکوٰۃ کی نقیض نظر آتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے
فَاقْتَدُوْا بِعْدِی عَمَّارٍ وَتَمَسَّکُوْا بِعَہْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ۔

اعتراض نمبر ۴- یہ حدیث حدیث الائمۃ اثناعشر وکلھم من قریش کی نقیض ہے۔

اعتراض نمبر ۵- جناب شیخین اکثر مسائل میں اجتہاد کی وجہ سے مختلف الاقوال نظر آتے ہیں پس اجماع اختلاف کیساتھ غیر ممکن ہے۔

اعتراض نمبر ۶- یہ حدیث حدیث القضاۃ ثلثۃ کی نقیض ہے۔ یعنی قاضی کی تین قسم ہیں اسمیں سے ایک ناجی ہے اور دو ناری- جس نے فتویٰ دیا- حق پر وہ ناجی ہے اور جس نے حق کو جانا اور جان بوجھکر حق کے خلاف حکم دیا- یا حالت لاعلمی میں قیاس کی بنا پر فتویٰ دیا- تو یہ دو قسم کے قاضی ناری ہیں- پس درباب اسامہ ورجم مجنونہ وحد شرب خمر وتقبیل حجر ومیراث جدہ وتثویت اذان ومتعہ وغیرہ کے حضرات اہل انصاف کیا رائے قایم کرتے ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرات اہل سنت حدیث اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر کو حسن صحیح یا جو کچھ قرار دیں- مگر یہ امر نہایت عقل کے خلاف ہے کہ حضرت رسول خدا نے ایسی بات کبھی زبان مبارک سے نکالی ہوگی حضرت علی کے رہتے ہوئے- اقتدا فی امر الدین کی ہدایت رسولؐ خدا کیطرف سے حضرات شیخین کیساتھ تو ایک پھوہڑ بات معلوم ہوتی ہے- حضرت ابوبکر حضرت علی کے آگے کسی طرح کی فضیلت نہیں رکھتے تھے حضرت خلیفہ اول کو علم قرآن حضرت علی کے مقابلہ میں کچھ نہ تھا- اگر ہوتا تو اپنے عہد خلافت میں خود جمع قرآن فرماتے قرآن کے جمع کرنیکے لئے زید ابن ثابت ابی ابن کعب وغیرہ کو مقرر نہ کرتے- حضرت علی کو چونکہ علم قرآن کامل طور سے حاصل تھا خود جمع قرآن فرمالئے حضرتؑ کو قرآن جمع کرنیکے لئے کوئی کونسل مقرر کرنیکی حاجت نہوئی- علم حدیث بھی حضرت ابوبکر کا ناقص تھا- اس نقصان علم کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ تجارتی اغراض سے بازار مدینہ میں بہت وقت صرف کرتے تھے یہ کوئی بری بات نہ تھی- مگر اقوال رسول اللہ کو وقت پر سن لینے کا موقع بازار کی آمد وشد کے باعث آپکو ضرور کم ملتا تھا- بالفرض اگر اس آمد وشد سے کوئی نقصان لاحق نہیں ہوا تو بھی حضرت علی کے برابر آپ ہرگز حدیث داں نہ تھے- اسمیں بھی شک نہیں کہ آپ حضرت علی کے برابر پڑھے لکھے آدمی نہ تھے- مرد مکمل حضرت علیؑ کے بعد تمام اصحاب رسول اللہ میں سلمان فارسی تھے- مختصر یہ ہے کہ علم وفضل میں حضرت ابوبکر حضرت علی کے برابر ہرگز ہرگز نہ تھے- حضرت علی کے خطبات جو نہج البلاغت وغیرہ میں دیکھے جاتے ہیں آپکے وفور علم پر دال ہیں- حضرت کا دیوان علم اخلاق کا کارنامہ ہے عربی زبان کے قواعد صرف ونحو کی تدوین آپ ہی کی ذات قدسی صفات سے شروع ہوئی- علم حساب میں آپکو کمال کا دخل تھا اسکے ساتھ صائب الرائے ایسے تھے کہ عہد رسول اللہ میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا- آپ بہترین قاضی اپنے وقت کہتے اس سے پورا پورا اعتراف حضرت عمر کو بھی تھا- حضرت ابوبکر کو قوت قضا آپ کے برابر ودیعت نہیں ہوئی تھی- آپ شجاع ایسے تھے کہ رسولؐ عربی کا دین آپ کی تلوار سے بچا ہوا ہے شجاعت میں تو حضرت ابوبکر آپکے سایہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے- ظاہر ہے کہ جن غزوات میں حضرت ابوبکر میدان سے بھاگ نکلے ہیں- یا جہاد وسی کارروائی آپسے کچھ

نہیں ہو سکی ہے ان ہی غزوات میں حضرت علی کی ثابت قدمی اور بہادری نے حیرت انگیز جلوے دکھلائے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت علی کے رہتے ہوئے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت رسولؐ یہ فرمائیں کہ میرے بعد تم لوگ ابوبکر اور عمر کی اقتدا اختیار کرنا ظاہر ہے کہ اس حکم میں حضرت علی بھی داخل متصور ہیں۔ مگر کیا یہ کبھی ہو سکتا تھا کہ حضرت رسولؐ کی عقل و فہم کا نبی ایک ایسی بے سر و پا ہدایت اپنی امت کو کر جائے۔ عقل سے بہت بعید ہے کہ حضرت علی کو بھی حضرت حضرت رسول نے حضرت ابوبکر کی اقتدا کی ہدایت کی ہو۔ راقم اپنے اہل خلاف سے سوال کرتا ہے کہ کس امر میں حضرت علی کو حضرت ابوبکر کی اقتدا کی حاجت ہو سکتی تھی۔ قرآن میں نہیں حدیث میں نہیں فضائل میں نہیں خطبوں میں نہیں جہاد میں نہیں سخاوت میں نہیں علم میں نہیں صبر میں نہیں شکر میں نہیں عبادت میں نہیں اجتہاد میں نہیں شجاعت میں نہیں کسر نفسی میں نہیں قضا میں نہیں زہد میں نہیں اسی طرح ہر بات میں نہیں۔ تو پھر حضرت ابوبکر کی اقتدا کی حاجت حضرت علی کو کس امر میں درکار ہو سکتی تھی اب حضرت عمر کی ساتھ اقتدا کی کیا صورت حضرت علی کو ہو سکتی تھی حضرت عمر تو حضرت ابوبکر سے بھی کم پایہ کے آدمی تھے اور حضرت عمر حضرت علی کے سامنے ان چیزوں کا علم رکھتے تھے عالم جاہل کی یا اپنے سے کم علم کی اقتدا کرے یہ کیونکر ہو سکتا ہے حضرت عمر کو علم قرآن کچھ بھی نہ تھا ایک بڑھیا بھی جانتی تھی کہ خلیفہ صاحب علم قرآن سے نا ماہر ہو رہے تھے۔ انکو قوت قضا بھی نہ تھی۔ احکام شرعی سے بہت کچھ بے خبر تھے بے محابا رجم حاملہ کا حکم صادر کر دیا۔ اگر حضرت علی نہ ہوتے تو خون ناحق حضرت خلیفہ کے ہاتھ سے ہو جاتا لولا علی لهلك عمر آپکا ایک مشہور قول ہے یعنی اگر اسوقت علی نہ ہوتے۔ تو عمر ہلاک ہو جاتے دوسرا حکم رجم مجنونہ کا ہے جسے معمولی سمجھ کا آدمی بھی صادر نہیں کر سکتا ہے حد شرب خمر میں آپکے حکم سے چالیس درے کی جگہ اسی لگائے گئے جن خلیفہ صاحب کی صلاحیت احکام دینی سے تعمیل کی ایسی ہو انکو رسول اللہ اپنی امت کا مقتدا اپنے بعد کیونکر قرار دے سکتے تھے ایسے صاحب حضرت علی کے کیا مقتدا ہو سکتے تھے جب عامہ امت کے مقتدا ہونے کی بھی صلاحیت انکو حاصل نہ تھی حضرت عمر تو فضائل میں حضرت ابوبکر سے بھی کم دکھائی دیتے ہیں آپکے ساتھ حضرت رسول اللہ حضرت علی کو اقتدا کرنے کی ہدایت کسی حال میں نہیں فرما سکتے تھے الحاصل حدیث زیر بحث قول نبوی نہیں معلوم ہوتی ہے یہ ضرور اہل غرض کی وضع کی ہوئی ہے یوں راویان سنی اسے حسن یا صحیح قرار دیا کریں مگر عقل بڑی کہ بنیں۔ یہ حدیث از روئے عقل و قرینہ صحت سے منزلوں دور معلوم ہوتی ہے کوئی سمجھ والا آدمی اسکو قول نبوی نہیں مان سکتا ہے شک نہیں کہ ایسی ایسی حدیثیں خلافت خلفائے ثلثہ کے حق ثابت کرنے کیلئے ہزاروں گھڑی گئی ہیں اسی لئے خلاف واقعہ اور بے سر پاؤں کہانی پائی جاتی ہیں

نمبر ۲۔ مشتمل بر قول ابن عمر بخاری کی جلد صفحہ ۹۹ باب مناقب حضرت ابوبکر میں حضرت عبداللہ ابن عمر کا یہ قول مندرج ہے کہ حضرت رسول خدا کے زمانہ میں درجہ بدرجہ تفضیل ابوبکر و عمر و عثمان کو حاصل تھی۔ اہل سنت اس قول سے تفضیل شیخین اور ترتیب خلافت ثابت کرتے ہیں اس دعوی کی تردید یوں ہوتی ہے اولاً کہ یہ قول حضرت عبداللہ ابن عمر کا ہے حدیث نبوی نہیں ہے۔ ایکا قول حجت کا حکم نہیں رکھتا ہے اگر ایکا قول حجت مانا جائے تب کھڑے کھڑے ہو تنا درست مانا جائیگا۔ پھر اہل سنت کو متعہ الحج کو صحیح ماننا پڑیگا اور یہی آپکی بیعت دست یزید پر بھی ایک امر حق مانی جائیگی یہ قول آپ کا صرف ذاتی حیثیت رکھتا ہے۔ کہیں سے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ دیگر صحابی یا خود حضرت

سوا نے اسکو درست مانا ہو۔ اگر یہ قول نصی حیثیت رکھتا تو ابوبکر باقلانی و علامہ سید شریف کیونکر مسئلہ تفضیل کو ظنی اور اجتہادی کہتے۔ ثانیاً۔ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ اگر قول بالا ابن عمر کا درست ہے تو قول نبی عَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ اور حدیث کَانَتْ لِیْ مَنْزِلَةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَمْ یَکُنْ لِاَحَدٍ مِنَ الْخَلَائِقِ نادرست ہیں۔ ثالثاً یہ کہ اگر حضرت عمرؓ کو حضرت علی پر تفضیل حاصل ہوتی تو حضرت عمرؓ کا علیؓ لَهَلَکَ عُمَرُ نہ فرماتے۔ رابعاً یہ کہ ارشاد خدا فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاهِدِیْنَ قول ابن عمر سے غلط ہوا جاتا ہے یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاد کرنیوالوں کو بیٹھے رہنے والوں پر تفضیل ہے۔ یعنی علی کو شرف جہاد کی بدولت خلفائے ثلاثہ پر جو قاعدین یعنی بیٹھے رہنے والوں کے حساب میں تھے تفضیل حاصل تھی (دیکھو بخاری جلد ۶ صفحہ ۶۹ باب مناقب ابوبکر صدیق) خامساً قول ابن عمر کا نقیض خود قول حضرت عمر کا ہے کہ جو فرماتے ہیں کہ علی کو تین خصال ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک بھی ہم میں نہیں ہے۔ علی کو فاطمہ سی بی بی ملیں۔ مسجد میں رہنے کی ویسی ہی اجازت ملی جیسی کہ حضرت رسول کو حاصل تھی اور روز خیبر علی کو رایت یعنی نشان فوج حضرت رسول کیطرف سے بحکم خدا سپرد کیا گیا۔ سادساً یہ ہے کہ حضرت عمر عَلِیٌّ اَقْضَانَا فرماتے ہیں جس سے قضا میں حضرت علیؓ کی تفضیل ثابت ہوتی ہے۔ سابعاً بروایت ابن عباس وابن عساکر سعید بن مسیب وامام احمد حضرت علی کی تفضیل ثابت ہوتی ہے ثامناً جمہور متکلمین و تابعین اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عثمان کو کوئی وجہ تفضیل کی حضرت علی پر نہیں ہے۔

راقم کہتا ہے کہ حضرات شیخین ہی کو گیا تفضیل حضرت علیؓ پر حاصل ہے جو بیچارے حضرت عثمان کو ہوگی سفیان ثوری اور ابو الطفیل صاف صاف طور پر حضرت علی کی تفضیل پر عثمان کے قائل ہیں پس اگر ابن عمر کا قول نص قطعی کا حکم رکھتا ہے تو اتنے متکلمین اور تابعین آپکے قول سے دیدہ و دانستہ کیوں انحراف کرتے۔ تاسعاً اگر ہم قول ابن عمر کو تسلیم بھی کرلیں تو اس سے چارہ نہ ہوگا کہ امر تفضیل میں یہ قول آپکا اجتہاد خاص اور منفردات سے مانا جائے یعنی اجماعی حیثیت اسکو حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ عاشراً مولوی ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں امامت بجانب ائمہ اطہار و خلافت یعنی بادشاہت بجانب خلفائے راشدین منسوب کرتے ہیں۔

ایسی صورت میں ابن عمر کا قول تفضیل تمامتر پھیکا پڑ جاتا ہے علاوہ اسکے جامی کی شواہد النبوۃ اور ابن العربی کی کتاب فتوحات مکیہ میں امامت کا بیان اسی ترکیب پر دیکھا جاتا ہے جو ظاہر بظاہر طور پر حدیث عبد اللہ ابن عمر کا مخالف معلوم ہوتا ہے۔ علامہ تفتازانی بھی شرح عقائد نسفی میں تفضیل من حیث ثواب میں توقف کرتے ہیں اور یعنی سیاست مدن میں ترتیب کہتے ہیں یعنی محقق ممدوح دو ٹوک نہیں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے شیخین کثرت ثواب کی رو سے افضل ہیں مگر سیاست مدن کے پہلو سے صاف صاف طرح پر دکھلاتے ہیں کہ تفضیل بقاعدہ ترتیب خلافت واقع ہوئی ہے المختصر تمام دلائل بالا پیش نظر رکھکر حضرت عبد اللہ ابن عمر کا قول پایۂ اعتبار رکھنے والا نہیں نظر آتا ہے۔ پس عند العقل قول بالا تفضیل حضرات خلفائے ثلاثہ کا مثبت کسی طور پر نہیں مانا جاسکتا۔

حدیث نمبر ۳۔ بخاری کی جلد ۲ صفحہ ۰۰ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت سے کسیکو اپنا خلیل بناتا تو ہر آئینہ ابوبکر کو بناتا اور وہ یعنی حضرت ابوبکر میرے بھائی اور ساتھی حوض کوثر پر کے تھے اور صیغۂ اخوت

سے بہائی چارا اسلام میں انکے ساتھ خوب ہے اس حدیث کے شارح کہتے ہیں کہ مشکل یہ ہے کہ دوسری حدیثیں ہے کہ خدا کے سوا بنی آدم میں سے کوئی میرا خلیل نہیں ہے۔ پس حدیث بالا خلت ابوبکر کی منفردات سے دکھائی دیتی ہے اور کتب اصول کی رو سے روایت نقیض کے مقابلہ میں خبر واحد قابل عمل کے نہیں ہوتی۔

ظاہر ہے کہ حدیث اول حضرت ابوبکر کے حق میں ایک سی چیز تھی مگر دوسری حدیث کے باعث کچھ بھی قابل توجہ نہیں رہی۔

حدیث نمبر ۴ بخاری کی جلد ۶ صفحہ ۱۷ میں دیکھا جاتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جس وقت تم لوگ مجھے نہ پاؤ اسوقت رجوع کرو ابوبکر کیطرف شارح حدیث کہتے ہیں کہ اسکے اسناد ضعیف ہیں ممکن ہے کہ یہ بھی موضوعات سے ہو۔

حدیث نمبر ۵ ۔ بخاری کی جلد ۸ صفحہ ۲ میں مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میری اعانت کی ابوبکرؓ نے جان و مال سے اسکے شارح کہتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد کا حکم رکھتی ہے اور برہان الدین شافعی نے کتاب سیرۃ الحلبیہ میں اس حدیث کی تضعیف کی ہے راقم کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ مال سے حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ کی اعانت کی ہو مگر تاریخ و سیر و حدیث کے ذریعہ سے نہیں ثابت ہوتا ہے کہ آپ جان سے بھی حضرت رسولؐ کی اعانت کر سکے جان سے اعانت کرنیوالا حضرت رسولؐ غزوات سے فرار اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ اعلائے دین کے مقابلہ میں جان چرا سکتا تھا ناظرین واقعات احد و خندق و خیبر و حنین پر نظر غور ڈالیں۔

نمبر ۶ ۔ ازالۃ الخفا کے صفحہ ۴۰۴ میں بروایت حضرت عائشہ مسطور ہے کہ ایک سنگ اٹھایا جناب رسول خدا نے بعدہ ابوبکر بعدہ عمر بعدہ عثمان نے تعمیر مسجد کیلئے پس میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آیا یہ لوگ آپ کا ساتھ دے رہے ہیں امر خیر میں اسپر آپنے فرمایا اے عائشہ یہ لوگ میرے بعد میرے خلفا ہونگے تعجب ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح تھی تو بروز سقیفہ انصار کے آگے کیوں نہیں پیش کیگئی اور اطمینان کی نظر سے حضرت علیؑ اور زبیر اور بنی ہاشم کو کیوں نہیں سنائی گئی یہ حدیث بھی وضعی معلوم ہوتی ہے اور یہ قصہ بھی خود بے سر و پا معلوم ہوتا ہے۔ کہاں مسجد کی تعمیر سنگ برداری اور کہاں رسول اللہ کی خلافت حضرات اہل سنت بھی کیا ہی زمین و آسمان کے قلابے ملانے میں دخل رکھتے ہیں۔

اے حضرات اہل سنت جب بروایت صحیح مسلم رسول اللہ نے کسیکو خلیفہ نہیں مقرر کیا اور جب حسب تحریر عقاید جلالی رسول اللہ نے امر خلافت میں کسی کیلئے حکم نصی نہیں چھوڑا تو یہ سنگ برداری کی حدیث کیا پایہ اعتبار رکھ سکتی ہے علاوہ ان دونوں کتابوں کے باقلانی کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ کوئی نصی حکم چھوڑ جاتے تو مسلمانوں میں خلافت کا جھگڑا ہی کس لئے پیدا ہوتا۔ مختصر یہ ہے کہ یہ حدیث سنگ برداری کی مطلق اطمینان بخش نہیں ہے اور اس سے نہ خلافت خلفائے ثلثہ کی اور نہ خلافت کی ترتیب ثابت ہوتی ہے حضرات اہل سنت واقعی الغریق یتشبث بالحشیش کے مصداق نظر آتے ہیں نہایت جائے عبرت ہے کہ اہل سنت آیات و احادیث دالہ خلافت حضرت امیر پر مطلق نظر نہیں کرتے ہیں اور کمزور در کمزور روایتوں سے تمسک ڈھونڈ کر حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کو حق ثابت کرنیمیں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھتے ہیں نمبر ۷ ۔ ازالۃ الخفا کے صفحہ ۴۰۳ میں یہ حدیث بھی بروایت سفینہ مولا ام سلمہ مندرج ہے کہ صبح کی نماز کے بعد حضرت رسول اصحاب کے آگے آئے اور یہ فرمایا کہ آیا تم لوگوں سے کسی نے خواب دیکھا ہے۔ ایک شخص نے

اُن میں سے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک میزان آسمان سے اُتر کر زمین پر قایم ہوئی اور پہلے اُسمیں حضرت رسولؐ اور حضرت ابو بکر وزن ہوئے تو حضرت رسولؐ حضرت ابو بکر سے بھاری نکلے اسکے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر وزن ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ بھاری نکلے اسکے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمان وزن ہوئے تو حضرت عمر بھاری نکلے۔ اسکے بعد وہ میزان پھر آسمان کو چلی گئی۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ اس خواب سے خلافت خلفائے ثلثہ کی بہ سبیل ترتیب ثابت ہوتی ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اس خواب میں حضرت عثمان اور حضرت علیؑ کے وزن ہونے کا مضمون ندارد معلوم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت حضرت عثمان ہی تک ختم ہو گئی تب اس حدیث میزان سے حضرت علی کی خلافت کو نادرست ہونا چاہیئے ظاہر ہے کہ جب حضرت عثمان حضرت علی کیساتھ وزن ہوتے تب تو حضرت علی کی خلافت خلافت رابعہ مانی جا سکتی یوں وزن ہوئے بغیر آپ خلیفہ کیونکر قرار دیے جا سکتے ہیں لاریب خواب بالا تو اسی کا مقتضی ہے کہ خلافت راشدہ کا زمانہ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانے تک حساب کیا جائے حالانکہ اہل سنت خلافت راشدہ کے زمانے کو حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت تک محسوب کرتے ہیں اب اہل انصاف اس حدیث خواب کے حسن و قبح کو خود موازنہ کر لیں۔ راقم کو اس سے زیادہ کہنے کی حاجت نہیں ہے یہ خواب کس حیثیت کا ہے اسکی تجویز راقم اہل انصاف پر چھوڑتا ہے ظاہرا یہ خواب تو ایسا بدترکیب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حدیث اَلْخِلَافَةُ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً بالکل باطل ہوئی جاتی ہے واقعی حضرات اہل سنت اثبات خلافت ثلثہ میں ایسی محویت رکھتے ہیں کہ چپ و راست کے نیک و بد کا انہیں خس برابر خیال نہیں رہتا ہے۔ سارا مذہب اہل سنت کا اے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی کا مصداق دکھائی دیتا ہے۔

حدیث نمبر ۸۔ مشکوٰۃ و مسلم میں بروایت ابی ملیکہ مروی ہے کہ سنا میں نے حضرت عائشہ سے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ کا ارادہ کسکو خلیفہ بنانے کا تھا۔ آپنے فرمایا کہ حضرت ابو بکر کو اور آپکے بعد حضرت عمر کو اور حضرت عمر کے بعد ابو عبیدہ بن جراح کو تعجب ہے مغیبات پر آگاہ رہنے کے ساتھ بھی حضرت رسولؐ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ابو عبیدہ حضرت عثمان کی خلافت کے پہلے ہی رحلت کر جائیں گے۔ اور اگر ابو عبیدہ کا مرنا معلوم تھا تو ابو عبیدہ کو حضرت رسولؐ نے زمرہ خلفا میں کیوں داخل کر دیا۔ حق یہ ہے کہ عجب بے سر و پا اہل سنت حدیثیں خلفائے ثلثہ کی خلافت کے حق ثابت کرنے میں پیش کرتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو حضرت عثمان کی خلافت بھی متروک الذکر ہونیکی وجہ سے ندارد ہو جاتی ہے البتہ اس حدیث سے صرف شیخین کی خلافت حق ثابت ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ خلافت راشدہ صرف خلافت شیخین تک محدود رہجاتی ہے اور یہ امر مذہب اہل سنت کے تمامتر خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۹ تاریخ الخلفا کے صفحہ ۳۵ میں بروایت ابو ہریرہ یہ حدیث درج ہے کہ جب حضرت رسولؐ شب معراج آسمان پر تشریف لیگئے تو اپنے ہر طبقہ پر محمد رسول اللہ اور ابو بکر صدیق لکھا ہوا پایا۔ خیریت ہے کہ علامہ سیوطی نے اس حدیث کے اسناد کو ضعیف لکھا ہے اب راقم کو اس سے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کی خلافت کو حق ثابت کرنے کے لئے اشخاص ناحق شناس نے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی ہے [illegible]

مضامین وضاعان حدیث نے وضع کر ڈالے ہیں۔

حدیث نمبر۱۰- اسی تاریخ الخلفا کے صفحہ ۱۱۶ میں بروایت ابن عمر یہ حدیث بھی دیکھی جاتی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ خدا نے زبان وقلب عمر پر حق جاری کیا ہو اور کل قرآن حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوا ہی اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اہل سنت حضرت عمر کے انکار موت نبیؐ وحکم رجم مجنونہ وحکم حد شرب خمر کی کوئی تاویل معقول پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ حدیث وضعی ہے اور اسکی وضع کیوقت واضع کی یاد سے یہ تینوں امور جاتے رہے تھے۔

حدیث نمبر۱۱- اسی تاریخ خلفا کے صفحہ ۱۱۶ میں بروایت عقبہ بن عامر یہ حدیث بھی مروی ہے کہ اگر کوئی نبی بعد میرے ہوتا تو عمر ہی ہوتے یہ حدیث بھی وضعی ہے اسلئے کہ نبوت کیلئے عصمت شرط ہی۔ حضرت عمر اسلام کے قبل کفار عرب سے تھے صغیرہ وکبیرہ سے نہ پاک پیدا ہوئے اور نہ صغیرہ کبیرہ سے پاک مرے۔ پس کبھی بھی حضرت کا نبی ہونا معلوم۔

حدیث نمبر۱۲ اسی تاریخ الخلفا کے صفحہ ۱۱۶ میں یہ حدیث بھی بروایت حضرت عائشہ مروی ہو کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے شیاطین جن وانس کو دیکھا کہ سب نے حضرت عمر سے فرار کیا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت آدمؑ سے بھی افضل تھے اسلئے کہ آدمؑ کو شیطان نے ڈگایا برخلاف اسکے ایک شیطان ہی نہیں بلکہ شیاطین نے آپسے پناہ مانگی یعنی آپکو دیکھکر فرار ہوگئے۔

حدیث نمبر۱۳- اسی تاریخ الخلفا کے صفحہ ۱۱۷ میں بروایت ابن عباس مروی پایا جاتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے آکر حضرت رسولؐ سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے خدا کا سلام کہو اور خبر دو کہ غصہ حضرت عمر کا عزت ہے اور خوشنودی آپکی حکم شرع ہے۔ واضح ہو کہ یہ حدیث نقیض واقع ہوئی ہے آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کی جسکے نازل ہونے پر حضرت رسولؐ نے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کہا کرے مگر صَلِّ عَلٰى عُمَرَ کی ہدایت نہیں فرمائی حدیث بالا سے تو حضرت عمر کا حضرت رسولؐ سے بھی زیادہ رفیع درجہ نظر آتا ہی بس لاریب یہ حدیث وضعی ہے علاوہ اس نقص کے حضرت عمر کی تلاوت تورات وپیش نمازی در مرض نبیؐ وارتفاع آواز کا مضمون حدیث بالا کا نقیض کہائی دیتا ہے ظاہر ہے کہ کہاں حضرت عمر کا غصہ اور کہاں حضرت عمر کی خوشنودی اور اسپر خدائے پاک کا سلام کہلا بھیجنا اور وہ بھی حضرت رسولؐ کے توسط سے اور کہاں حضرت رسولؐ کا ناپسند کرنا حضرت عمر کی تلاوت تورات کو اور بھی حضرت رسولؐ کا ناپسند کرنا حضرت عمر کی پیش نمازی کو جسکو حضرت عمر نے حضرت رسولؐ کے زمانہ علالت میں حضرت رسولؐ کی اجازت کے بغیر اختیار کیا تھا اور خدا تعالیٰ کا ناپسند فرمانا حضرت عمر کے بآواز بلند کلام کرنیکو حضرت رسولؐ کی صحبت میں بیشک اگر حضرت عمر کا غصہ اور حضرت عمر کی خوشنودی خدا تعالیٰ کو پسند آتی تو افعال بالا آپکے خدا ورسولؐ کو کیوں ناپسند آتے۔ حضرت عمر کے افعال بالا کی تصریح یہ ہے کہ حضرت عمر کو مذہب یہود کیطرف ایک میلان خاص تھا آپ تلاوت تورات کیا کرتے تھے۔ ایکبار نسخہ تورات کا لیکر آپ حضرت رسولؐ کے حضور میں حاضر ہوئے اور تورات پڑھنا شروع کر دی حضرت رسولؐ کو یہ فعل آپکا نہایت ناپسند آیا چہرہ حضرت رسولؐ کا سرخ ہو گیا اور حضرت رسولؐ نے نہایت خشونت کیساتھ فرمایا کہ اگر ابن نعت موسیٰ ظہور کریں تو بالیقین تم لوگ مجھے چھوڑ کر حضرت موسیٰ کیساتھ

ہوجاوگے لاریب یہ قول حضرت رسولؐ کی بڑی نارضامندی کے خبر دیتا ہے عقل نہیں باور کرتی ہے کہ حضرت عمر کے جس فعل سے حضرت رسولؐ کمال درجہ ناخوش ہوں وہ فعل خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہو۔

اسی طرح حضرت عمر کی پیش نمازی کی حقیقت یہ ہے کہ رسول خدا کے مرض موت میں حضرت عمر نے پیش نمازی اختیار کرلی چونکہ حضرت عمر نہایت کریہ الصوت اور بلند آواز تھے جسوقت آپکی نمازخوانی کا احساس حضرت رسول کو ہوا آنحضرت نے عمر کو پیش نمازی سے منع فرمایا اور حضرت عمر حضرت رسولؐ کی ناپسندی کیوجہ نماز ختم نہ کرسکے ارتفاع آواز کا مضمون ہے کہ حضرت رسولؐ کے سامنے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بہ آواز بلند کسی مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے آپ دونوں صاحبوں کی یہ ترکیب مکالمہ کی خدا تعالیٰ کو پسند نہ آئی اسپر آیت امتناعی اس مضمون کی نازل ہوئی کہ صحبت رسولؐ میں بولنے والے اتنے زور سے نہ بولیں کہ انکی آواز رسول اللہ کی آواز سے اونچی ہو جائے۔ المختصر تمام امور بالا پر نظر رکھکر ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث زیر بحث قول نبی ہے۔ اسکے مضمون ایسے پریشان انداز کے ہیں کہ اسکو وضعی کہنے میں کوئی اہل فہم توقف نہیں کرسکتا یوں ارباب تعصب اسے وضعی نہ کہیں تو نہ کہیں۔

نمبر ۱۴۔ طبرانی اور دیلمی بروایت ابن عباس لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے بعد حق ساتھ حضرت عمر کے ہے وہ جس راہ پر ہوں یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امارت اسامہ و عزل خالد و رجم مجنونہ و مسئلہ موت نبی و حد شرب خمر میں حق حضرت عمر کی جانب تمایا نہیں۔ اس حدیث کی روسے تو حق حضرت عمر کیجانب ہونا چاہیے۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وضاعین حدیث بالیقین ہوشمند اشخاص نہ تھے ظاہر ہو کہ اگر ایسے لوگ ہوشمند ہوتے تو وضاعین حدیث ہوتے جو وضعی حدیث ہو بے سروپا دکھائی دیتی ہو مگر اہل تعصب کی آنکھ میں اس کا عدم تناسب نہیں دکھائی دیتا

نمبر ۱۵۔ اسی تاریخ الخلفا کے صفحہ ۸۱ میں بروایت ابن مسعود مروی ہے کہ اگر ایک پلہ میزان پر علم تمامی خلق کا ہو اور ایک پلہ پر علم حضرت عمر کا تو آپکے علم کے نویں حصہ کے برابر علم تمام خلق کا پایا جائیگا۔ اگر یہ حدیث درست ہے تو حضرت رسولؐ نے اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کیوں فرمایا (دیکھو مشکوٰۃ المصابیح) پھر اگر واقعی حضرت عمر کے علم کا پلہ ایسا گراں ہوتا تو کسی حال میں حضرت عمر شارب خمر کو اسی درے لگانے کا حکم نہ دیتے اور نہ رجم مجنونہ کو جائز رکھتے یہ سب کام تو ان پڑھ کے نظر آتے ہیں یہ امر باطمینان تمام ثابت ہے کہ حضرت عمر علم قرآن بہت ہی کم رکھتے تھے ظاہر ہے کہ جب تلاوت توراۃ کیا کرتے تھے تو تلاوت قرآن کی آپکو فرصت بھی کم ملتی تھی یوں آپ اہل سنت کے نزدیک مجتہد کہلاتے ہیں مگر کمی علم کے باعث خود اجتہاد نہیں کرتے تھے اجتہاد کیلئے آپنے ایک کمیٹی قائم کری تھی جس کے ممبر آپنے زید ابن ثابت ابی بن کعب عبداللہ بن مسعود وغیرہ کو مقرر کرلیا تھا۔

برخلاف آپکے حضرت علی وفور علم کی بدولت خود اجتہاد مسائل کیا کرتے تھے اور کسی شخص سے اجتہاد میں مدد لینے کی حاجت نہیں رکھتے تھے اہل انصاف تجویز فرمائیں کہ حدیث بالا کی روسے حضرت عمر کا علم جب تمام خلق کے علم سے بیش در بیش قرار پایا تو آپ کا علم خود حضرت رسولؐ اور جمیع انبیا اور اولیا کے علم سے بھی بہت زیادہ ثابت ہوا۔ یہ کیا بے سروپا باتیں ہیں۔ جھوٹ بولنے کے واسطے بھی کچھ سلیقہ درکار ہے کوئی شک نہیں کہ بالعموم

حضرات خلفائے ثلاثہ کے وضاع حدیث متناسب کلام کے ملحوظ رکھنے کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتے تھے ورنہ ایسی بے سروپا حدیثیں وضع نہیں کیجاتیں یہ کیا ترکیب وضع ہے کہ حضرت عمر کی فضیلت میں حدیث بالا اس نہج پر کسی واضع نے وضع کی ہے کہ جس سے حضرت رسولؐ کے مدینۃ العلم اور حضرت علیؑ کے باب العلم ہونے کو مخالفین تمام تر گاؤ خورد ہو گئے لیکن بہت قابل رحم ایسے لوگ ہیں جو ایسی وضعی حدیثوں کو اپنے ایمان کی جان سمجھتے ہیں اور اسی غلط خیالیوں کے ساتھ اس عالم سے عالم جاودانی کی طرف سدھارتے ہیں ع چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد۔ عالم آخرت میں عافیت کا مدار صحت خیالات پر ہے غلط خیالی کے گرفتار کو عالم آخرت میں عافیت نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔

نمبر۱۶۔ اسی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۳۰ میں مندرج ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے موافقت کی تنزیل قرآن میں ساتھ ربّ خدا کے تین مقام میں۔ اوّل مصلی ابراہیمؑ کیجائے نماز میں۔ دوم برقع پوشی زنان میں۔ سوم طلاق نساء میں۔ مگر اُن آیات ثلاثہ میں میان مفسرین اختلافات دیکھے جاتے ہیں۔ مثلاً مقام ابراہیم میں مجاہد اور عطا اور ابن عباس مختلف الاقوال ہیں پس اگر حضرت عمر کے یہ موافقات قرآنی صحیح ہوتے تو صحابہ اور تابعین کے اقوال میں اختلافات کیوں پائے جاتے ظاہر ہے کہ صحابہ اور تابعین کو حضرت عمر کیساتھ کوئی عداوت نہ تھی۔

نمبر۱۷۔ مسلم کی جلد ۲ میں مذکور ہے کہ جب عبداللہ ابن ابی نے فوت کیا تو نماز جنازہ کے واسطے حضرت رسولؐ بلائے گئے جب آنحضرتؐ جانیکے واسطے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر حضرت رسولؐ کے مقابلہ میں آ کھڑے ہوئے اور بولے کہ اے نبی تم کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھا کرو۔ واضح ہو کہ بیان بالا سے بیّن طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر منظوری خدا حضرت رسولؐ کی اتالیقی کیا کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کو بھی آپکی ہدایت کے مطابق کاربند ہونا ہوتا تھا۔ اس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر شریک فی النبوت سے کوئی اونچا درجہ رکھتے تھے اسلئے کہ صرف حضرت رسولؐ کے افعال و اقوال کی اصلاح عمل میں نہیں لاتے تھے بلکہ خدا تعالیٰ کی بھی اعانت اپنی ہدایتوں سے فرمایا کرتے تھے امر زیر بحث میں تو ظاہر بظاہر حضرت عمر کی تفضیل حضرت رسولؐ پر ثابت ہوتی ہے۔ حضرت رسولؐ کو اتنا بھی نہیں معلوم تھا کہ عبداللہ ابن ابی کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھنی چاہیے حضرت عمرؓ نے راہ حق حضرت رسولؐ کو سوجھائی ورنہ آپ اپنی بے علمی کے تقاضہ سے اس متوفی کی نماز جنازہ پڑھا دیتے۔ بلاشبہ اس قصد نماز سے حضرت رسولؐ کی خطا واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ مزید طور پر آیت امتناعی کا نازل ہونا عتاب خداوندی سے خبر دیتا ہے۔ اے سُنی بھائیو حضرت عمر کی محبت میں کیوں ایسے غرق ہو رہے ہو کہ تمہیں عزت رب العزت اور عظمت شہنشاہ رسالت کا بھی پاس نہیں رہا ہے کہاں حضرت عمر اور کہاں سید المرسلین اور رب العالمین۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمر کو حضرت رسولؐ اور خدائے پاک کے معاملات میں کچھ بھی دخل ہوتا تو اپنے رجم مجنونہ و حد شرب خمر وغیرہ کیطرح کے احکام کو اپنی غلط فہمی کے مطابق دربار خدا و رسولؐ سے پاس کرا دیتے بلکہ اپنی خود رائی سے سارے احکام اسلام کو اپنی پسند کے مطابق کر ڈالتے۔

نمبر ۱۸۔ اسی تاریخ الخلفاء میں مسئلہ خمر کا بھی ذکر دیکھا جاتا ہے۔ سورہ بقر کی آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ کی نسبت اہل سنت کہتے ہیں کہ حرمت خمر کے باعث حضرت عمر ہوئے یعنی حضرت عمر نے شراب کے بارہ میں سوال کیا جس پر شراب حرام کردی گئی۔ ظاہرا ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے سوال پر شراب حرام کیگئی۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ سورہ کافرون کو نشہ کیحالت میں عبدالرحمن بن عوف نے غلط پڑھ دیا تھا اسلئے شراب حرام کردیگئی۔ اسی طرح اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ بھی حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوئی مگر کسی مشہور مفسر نے مثلاً بیضاوی۔ رازی۔ نیشاپوری وسیوطی وغیرہ نے ایسا نہیں لکھا ہے۔ اسیطرح اہل سنت کہتے ہیں کہ جب حضرت رسولؐ نے غزوۂ بدر کا قصد فرمایا تو حضرت عمرؓ سے آپ نے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے خروج غزوۂ بدر کا مشورہ دیا پس آیت کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ کا نزول ہوا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اہل سنت آیت مذکورہ کو موافقات حضرت عمر سے بتاتے ہیں حالانکہ ارادہ خروج غزوۂ بدر کا خود حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا یہ کیسا تعجب ہے کہ آیت مذکورہ حضرت رسولؐ کے موافقات کے عوض حضرت عمر کے موافقات سے قرار دیجاتی ہے حالانکہ حضرت رسولؐ مصدر وحی اور بقوت عقل حضرت عمر سے افضل تھے۔ یہاں پر ایک نفرت انگیز معاملہ کا درج کردینا خلاف محل نہوگا اور وہ یہ ہے کہ حضرات اہل سنت استشارۂ بالا کا ذکر تو حضرت عمر کے فضائل کے اعتبار سے کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے حضرت عمر سے خروج غزوۂ بدر کی نسبت مشورہ چاہا اور حضرت عمر نے خروج غزوۂ بدر کا مشورہ دیا اور حضرت عمر کے حسب مشورہ آیت خروج غزوہ بدر نازل ہوئی۔ مگر حضرت عمر کے غزوہ بدر کی کارروائی کی طرف رخ نہیں کرتے۔ اہل انصاف دیکھیں کہ حضرت عمر نے خروج غزوہ کی صلاح رسولؐ اللہ کو دی مگر جب بدر کا میدان پیش آگیا تب آپنے خس برابر بھی مجاہدان بدر کی جنگی کارروائی کی شرکت نکی آپ چپ چاپ بیٹھے رہگئے۔ عذر بیکاری یہ پیش کیا کہ ابوجہل ماموں مکہ سے لڑنیکو آئے تھے ماموں صاحب کے خلاف ہوکر اسلام کیطرف سے کیونکر لڑتے۔ حضرات اہل سنت کو یہ عذر معقول معلوم ہو تو ہو مگر حقیقت حال تو یہ ہے کہ حضرت عمر لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے۔ نبرد آزمائی کا دل مطلق نہیں پایا تھا جیسا کہ غزوۂ بدر کے بعد جنگ احد و جنگ خندق و جنگ خیبر و جنگ حنین وغیرہ سے ثابت ہوتا گیا۔ اہل انصاف تجویز فرمائیں کہ یہ کیسی بات ہے کہ رسولؐ اللہ کو خروج غزوۂ بدر کا مشورہ دیکر اپنی شان میں نزول آیت قرآنی کا شرف حاصل کریں۔ لیکن جب بدر کی لڑائی پیش ہوجائے تو آمد کفار مکہ یعنی ابوجہل ماموں کی خاطر سے تلوار کو نیام میں ڈالے رہیں

نمبر ۱۹۔ اسی تاریخ الخلفاء میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر نے انک ام المومنین کے باب میں یہ کہا کہ یہ بہتان عظیم ہے اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ حضرت عمر کے قول کے مطابق نازل ہوئی۔ مگر بعض کتاب تنزیل کے صفحہ (۳۲۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوایوب نے بھی انہیں الفاظ میں اظہار خیال کیا تھا۔ علاوہ اسکے عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ دیگر صحابہ نے بھی ابوایوب کے ساتھ ہمخیالی ظاہر کی تھی پس آیت بالا کو کوئی خصوصیت حضرت عمر کے قول کے ساتھ نہیں معلوم ہوتی ہے یوں حضرات اہل سنت جیسا چاہیں کہیں۔

نمبر ۲۰- معالم التنزیل کے صفحہ (۴۷) سے بروایت ابن عباس معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی اسلام میں جماع رمضان میں رات کیوقت بھی حرام تہا۔ مگر حضرت عمر نے اپنی عورت کیساتھ جماع کیا آپکے ایسا کرنیسے خدانے رمضان کے مہینے میں جماع شب کو حلال کر دیا۔ جاننا چاہیے۔ کہ آیت جماع فِی لَیَالِی الصِّیَامِ کی شان نزول اجماعی نہیں ہے پس خبر واحد متواتر کے مقابل میں قابل صحت نہیں ہو سکتی ہے ظاہرا اہل سنت کیطرف سے اسکی بڑی کوشش دکھائی دیتی ہے کہ جہانتک ممکن ہے نزول آیات قرانی حضرت عمر کے اقوال کے موافق دکھلایا جائے ع
کس شنو دیا نشنود من گفتگوئے میکنم۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ ہر قدم پر حضرات اہل سنت حق لیلی کے دعویدا نظر آتے ہیں

نمبر ۲۱- معالم التنزیل کے اسی صفحہ (۴۷) میں مسطور ہے کہ آیت مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ بزبان حضرت عمر نازل ہوئی ہے شان نزول اس آیت کی یہ ہو کہ حضرت عمر سے ایک یہودی ملاقی ہوا۔ اُسنے حضرت سے عمر کہا۔ کہ تمہارے آقا جبرئیل کا جو ذکر تے ہیں وہ جبرئیل ہم لوگوں کا دشمن ہے اسپر حضرت عمر نے یہ فرمایا کہ جو شخص دشمن خدا و ملائکہ وانبیا و جبرئیل و میکائیل کا ہے پس خدا کافروں کا دشمن ہے۔ اسپر انہیں حضرت عمر کے لفظوں میں آیت بالا نازل ہوئی واضح ہو کہ اہل سنت کا یہ کہنا کہ یہ آیت حضرت عمر کے قول کے موافق نازل ہوئی ہے اسوقت صحیح مانا جاتا کہ جب آیت بالا کی تنزیل میں اختلاف مفسرین نہ پایا جاتا۔ با خود ہا کا اختلاف مفسرین کا اس امر پر دال ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

نمبر ۲۲- مسلم جلد ا صفحہ ۴۴ میں دیکھا جاتا ہے کہ اثنائے راہ میں درمیان حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ کی ملاقات ہوئی ابوہریرہ منادی کر رہے تھے کہ جو شخص کلمۂ توحید پڑھے گا وہ داخل جنت ہوگا۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ناگاہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر ایسے زور سے ایک دو ہتڑ لگایا کہ میں بیہوش ہو کر دانتوں کے بل گر پڑا۔ اسکے بعد آپنے مجھسے فرمایا کہ چلا جا میں روتا ہوا آنحضرت صلعم کے پاس واپس آگیا۔ اسپر حضرت رسول نے حضرت عمر سے یہ ارشاد کیا کہ اے عمر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ میرے احکام میں اس طرح پر دخل و تصرف کرتے ہو۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں ڈرا اس بات سے کہ لوگوں کو اس حدیث پر تکیہ ہو جائیگا۔ سوائے اسکے کلمۂ منادی میں محمد رسول اللہ داخل تھا خالی کلمۂ توحید کو منادی نہ کرنے دے۔ فرمایا حضرت نبی نے کہ بہتر۔
ترک منادی کر دو۔ واضح ہو کہ فعل بالا حضرت عمر سے کچھ دور نہ تھا جب حضرت عمر نے ایک باردار عورت کے پیٹ پر اور وہ عورت کون کہ رسول اللہ کی عزیز وہ بیٹی خاتون قیامت افضل نسائے عالم مخدومۂ کونین زوجۂ علے مرتضی والدہ و جدہ حضرت حسنین جدۂ محترمہ بقیہ ائمہ طاہرین تہیں ضرب لگائی تہی جس سے اس معصومہ ذی کا حمل ساقط ہو گیا تو بیچارے ابوہریرہ کیا تہے جو انپر ایک دو ہتا کا حضرت عمر نے رسید کر دیا۔ یوں تو ظاہر ظاہر طور پر حضرت ابوہریرہ کوئی قصور سرزد نہیں ہوا تھا۔ وہ غریب حکم رسول کے مطابق منادی کر رہے تھے اسحالتیں بے قصور حضرت ابوہریرہ ناحق چوٹ کہائے کے مصداق ہوگئے۔ بہر حال اسجگہ فرقۂ امامیہ کیطرف سے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ منادی بالا وحی الہی کے موافق تہی اسلئے کہ یہ تبلیغ رسالت تہی۔ پس تبلیغ رسالت میں حضرت عمر کی اصلاح و ترمیم وحی چہ معنی دارد۔ ظاہر ہے

حدیث جوابوہریرہ کی مروی کہی جاتی ہے ساختہ ہے اور اگر ساختہ نہیں ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر اپنے کو شریک رسالت اور اتالیق حضرت رسول سمجھتے تھے ہر دو حال میں یہ حدیث حضرت عمرؓ کی کسی طرح کی فضیلت نہیں ظاہر کرتی ہے۔ اس سے صرف اسیقدر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر ایک مغلوب الغیظ درشت خو اور آزادہ بزرگ تھے۔ واضح ہو کہ ایک اور حدیث مسلم کی جلد ۱ صفحہ ۴۱ میں مضمون بالا کی حضرت عثمان سے مروی دیکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو فوت کرے اور کلمہ توحید جانتا ہو وہ داخل جنت ہوگا۔ نووی کہتے ہیں کہ اتفاق اہل سنت کا ہے کہ کل موحد داخل جنت ہونگے۔ حضرت ابوہریرہ کی حدیث بالا میں کہ تبلیغ رسالت پر مشتمل ہے حضرت عمر کو اصلاح دینے کا استحقاق نہ تھا علاوہ اسکے حضرت عمر کے منع منادیکو حضرت رسولؐ کا ایجاب کرلینا اس حدیث اجماعی کے خلاف ہے

نمبر ۲۲۔ بخاری کی جلد ۱ صفحہ ۱۰۱ میں ابوہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ فرمایا حضرت رسولؐ نے کہ تم لوگوں کو عنقریب حرص و طمع خلافت کی پیدا ہوگی اور اس فعل کے باعث تم لوگونکو بروز قیامت ندامت و خجالت لاحق ہوگی راقم کہتا ہے کہ امت کے معاملہ حرص و طمع خلافت اور اسکے عاقبت میں نادم و خجل ہونیکے لئے کسی نصی ثبوت کی حاجت نہیں ہے ایسے فعل ناحق کا نتیجہ ایسا ہی ہوگا۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ از مکافات عمل غافل مشو۔ مگر ازالۃ الخفا کی جلد صفحہ ۴۴ میں حضرت عائشہ کی جو سنگ برداری والی حدیث مندرج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر تب حضرت عمر تب حضرت عثمان خلیفہ ہونگے ظاہر ظاہر طور پر یہ حدیث حضرت عائشہ کی حدیث بالا کی نقیض دکھائی دیتی ہے۔ یعنی اگر حسب حدیث ابوہریرہ حضرت رسولؐ کے بعد امت حرص و طمع خلافت کی مرتکب ہوکر بروز قیامت ندامت و خجلت کی مستحق ہوگی تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر و عثمان کی خلافت کیونکر مانی جا سکتی ہے حضرت رسولؐ کے بعد تو حضرات شیخین ہی نے حکومت و امارت کی طرف رخ کیا۔ پس مورد عتاب حضرت ابوہریرہ کی حدیث مطابق حضرات شیخین اور انکے مددگار کے سوا اور کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ بہرحال محدثین کہتے ہیں کہ حدیث حضرت عائشہ کا راوی واہی ہے لہذا یہ حدیث متروک ہے اس ترک کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث اپنے حال پر قایم رہجاتی ہے اور اس حدیث کا اثر تمامتر حضرات شیخین اور انکے مددگاروں تک بین طور پر پہنچتا ہے۔

نمبر ۲۳۔ مشکوۃ مناقب عشرہ مبشرہ صفحہ ۵۰۵ میں حدیث عبدالرحمن بن عوف سے مروی دیکھی جاتی ہے کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکر عمر عثمان طلحہ زبیر عبدالرحمن بن عوف سعد بن ابی وقاص سعد بن زید ابوعبیدہ بن الجراح قطعی جنتی ہیں۔ ان نو اشخاص سے حضرت علیؓ خارج کر دیئے گئے نظر آتے ہیں یعنی آپ اشخاص مبشرہ جنت سے نہیں شمار کئے گئے ہیں۔ مگر اور حدیثوں میں دس صاحبوں کے نام درج ہیں اور انمیں حضرت علیؓ کا نام بھی ہے اس اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشرہ مبشرہ کا مضمون ایک تنقیح یافتہ مضمون نہیں ہے اور اس لئے ایک نزاعی مضمون ہے۔ واضح ہو کہ حدیث ہائے بالا سے اسیقدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ نو یا دس اشخاص قطعی جنتی ہیں مگر ضرور نہیں ہے کہ جو قطعی جنتی اشخاص ہیں وہ خلیفہ اور امام بھی ہوں پس یہ حدیثیں کسیطرح پر خلفائے ثلثہ کی خلافت حقہ کی دلیل نہیں ہو سکتی ہیں

نمبر ۲۴۔ حدیث مندرج سفر السعادت مَا صَبَّ اللّٰهُ شَيْئًا فِي صَدْرِي اِلَّا صَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ اَبِي بَكْرٍ یعنی ڈالی

ایسی شے نہیں ہے کہ جو اللہ نے میرے دل میں ڈالی کہ جسے پورے طور پر میں نے ابوبکرؓ کے صدر میں نہ ڈالی ہو اس حدیث کو صاحب سفر السعادت نے وضعی لکھا ہے عجب کیا ہے کہ جب چودہ ہزار حدیثیں صرف بعہد امیر معاویہ میں مدح میں حضرت ابوبکر کے حکم امیر معاویہ سے وضع کیگئی ہیں تو حدیث بالا بھی موضوعات سے ہو۔

المختصر تمام آیات واحادیث سے جنکو اہل سنت والجماعت خلافت خلفائے ثلثہ مانتے ہیں راقم کی نظر سے ایک بھی کوئی آیت یا حدیث ایسی نہیں گزری کہ جو عند التحقیق خلافت خلفائے ثلثہ کی مثبت ہو یہ سب صرف ڈھکوسلے طرفداران خلافت ثلثہ کے ہیں۔ ورنہ قرآن وحدیث کہیں سے بھی خلافت حضرات خلفائے ثلثہ کی حق نہیں ثابت ہوتی ہے حق یہ ہے کہ خلافتیں فعل امت ہیں انکو خس برابر بھی نصی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

امورِ منکرات خلافت حضرات شیخینؓ

نمبر ۴۹- امام ابو الفتح عبد الکریم شہرستان کی کتاب ملل ونحل کی جلد (۱) صفحہ (۰) سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نبیؐ نے اپنے ایام مرض الموت میں اپنی امت کو یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ لشکر اسامہ کی روانگی کا سامان کرو اور لعنت خدا کی ہے اسپر جو انحراف کرے جانیں ساتھ اسامہ بن زید کے جو اس لشکر کے میر لشکر از جانب رسولؐ مقرر کئے گئے تھے۔ ایک جماعت نے مسلمانوں کی یہ کہا کہ فرمان نبیؐ کی تعمیل ہم لوگوں پر واجب ہے ایک دوسری جماعت نے یہ کہا کہ مرض نبیؐ کا بر سر ترقی ہے ایسی حالت میں ہم لوگوں کا دل گوارا نہیں کرتا ہے حضرت رسولؐ کی مفارقت پر جاننا چاہئے کہ مذہب اسلام میں اختلاف کی ابتدا اسیوقت سے شروع ہوئی۔ بہر حال اسامہ لشکر اسلام لیکر مدینہ سے باہر نکلے۔ کتب سیر وتاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر مدینہ میں رہگئے لشکر اسامہ کیساتھ مدینہ کے باہر نہ گئے اور حضرت عمرؓ وابو عبیدہ وطلحہ اور زبیر مقام جرف سے لوٹ کر چلے آئے۔ حضرات بالا کی کارروائی ہائے بالا کی توجیہ اہل سنت اس طور پر کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ سے قیام مدینہ کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ اور وہ حضرات جو بطریق بالا مدینہ کو لوٹ کر آئے اسکی صورت یہ ہوئی کہ حضرت رسولؐ کے حکم کا نفاذ فوری نہیں تھا در حالیکہ مدینہ میں منافقین کیجانب سے مفسدوں کے احتمالات بہت تھے پس ایسا ہی ہوا کہ حصول طمانیت کے بعد اسامہ کو حضرت ابوبکر نے میر لشکر کر کے مامور بجہاد کیا شیعہ اسکی تردید یوں کرتے ہیں کہ روایت قسطلانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسامہ ایک شخص غلام تھے اور صحابہ شرفائے قریش سے تھے۔

اسلئے یہ حضرات اسامہ کی برتری لشکر کو مکروہ جانتے تھے ابو الفدا بھی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر امارت اسامہ سے کارہ تھے اسلئے لشکر اسامہ کے ساتھ جانا اور رہنا یہ حضرات نہیں پسند کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب حکم نبیؐ ایسا ہی تھا کہ اسامہ میر لشکر ہو کر اعدائے دین کیطرف جائیں تو امت کی پسند وغیر پسند کو کیا دخل ہو سکتا تھا ہر شخص کا فرض منصبی تھا کہ مامور کی حیثیت سے حکم نبوی کے بجا لانے میں مطلق لا ونعم نکرتا اور حق بھی یہی ہے کہ اگر ماموران جہاد دل سے حضرت رسول کے حکم بجا لانیوالے ہوتے تو اسامہ کیا اسامہ کے بھی نیچے درجہ کے شخص کی ماتحتی میں عذر نہ کرتے اب رہا حضرت ابوبکر کا مدینہ میں بحکم

اسکی حقیقت یہ ہے کہ آپ کا حضرت رسولؐ کی اجازت سے رہجانا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔
راقم کہتا ہے کہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رسولؐ چاہتے تھے کہ اُسامہ لشکر لیکر مدینہ سے باہر چلے جائیں اور انکے
ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر و دیگر طرفداران حضرات شیخین بھی مدینہ کو خالی کرجائیں یہ اس غرض سے کہ آپکے
انتقال کے بعد جبکے اثار آپکے مرض شدید سے عیاں تھے۔ حضرت علیؑ آسانی کیساتھ حضرت رسولؐ کے خلیفہ قایم ہوجائیں
حضرت رسولؐ خوب جانتے تھے کہ حضرات شیخین و طرفداران حضرات شیخین اور انصار بھی اپنی اپنی امارت کی فکر میں ہیں آپکی
رحلت کے بعد یہ حضرات حضرت علی کو خلیفہ ہونے نہ دینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مخالفان حضرت علی کے مدینہ میں ہونے
کے باعث حضرت علیؑ خلیفہ نہ قرار پاسکے۔ حضرات بالا حضرت رسولؐ کے مرکوزات خاطر سے بیخبر نہ تھے حضرت ابوبکر
تو مدینہ ہی میں رہ ہی گئے اور حضرت عمر اور اُن کے طرفداران کچھ دور جاکر مدینہ کو واپس چلے آئے پھر کیا تھا ادھر حضرت
رسولؐ نے رحلت فرمائی ادھر مخالفان علیؑ نے بلا خیال حضرت رسولؐ کے کفن و دفن کے سقیفہ بنی ساعدہ میں
مجتمع ہوکر امر خلافت کو چٹ منگنی پٹ بیاہ کے قاعدہ سے قایم کرلیا کوئی شک نہیں ہے کہ اگر حضرت علیؑ کے
مخالفین حضرت رسول کی رحلت کیوقت مدینہ سے باہر رہتے تو امر خلافت کسی اور نہج سے طے پاتا اور قرینہ غالب
یہی ہے کہ حق بحقدار رسید کے قاعدہ سے حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے خلیفہ بلا فصل اس عالم ظاہر میں بھی
قرار پاجاتے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ یہ سقیفہ کی کارروائی تمامتر داغدار نظر آتی ہے۔ اس کارروائی کی کامیابی مجرد
لشکر اسامہ کے عدم شرکت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ مخالفان علیؑ اپنے مقاصد میں کامیاب تو ہوئے
مگر حضرت رسولؐ کے تاکیدی قول کے منحرف بھی اپنے کو بنائے گئے۔ حضرت رسول کے تاکیدی قول پر نظر ڈالنے سے
بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اس لئے کہ آپنے اپنے حکم سے انحراف کرنیوالے پر لعنت کی سزا صادر فرمائی ہے۔
یوں حضرات سُنی اور شیعہ آپس میں بحث و مباحثہ کریں مگر حقیقت حال وہی ہے جو راقم نے بالا میں حوالہ قلم کیا ہے۔
مخفی نہیں ہے کہ یہ معاملہ سقیفہ کا بہت زشت صورت دکھاتا ہے اس معاملہ کے باعث حضرات شیخین و دیگر طرفداران
حضرات شیخین کو لاش حضرت رسولؐ کو بے کفن و دفن چھوڑ دینا پڑا۔ حق یہ ہے کہ یہ ایک نہایت ہی غیر فطری فعل
مخالفان علیؑ سے سرزد ہوا مسلمان مسلمان کے مردہ کو چھوڑ نہیں سکتا ہے چہ جائیکہ مخالفان علی کو اپنے نبی کی لاش
مبارک کو حصول امارت کی غرض سے چھوڑ دینا پڑا۔ یہ ایک نہایت حسرت انگیز معاملہ نظر آتا ہے مگر اسکی اصلاح کی
شکل حضرات اہل سنت نے یہ نکالی ہے کہ اپنے اصول امامت اسطرح قایم کئے ہیں کہ جسکے روسے نبیؐ کی لاش کو
اسطرح پر چھوڑ دینا عین دینداری ہے وہ اصول امامت یہ ہے کہ خدا پر واجب امام کی تقرری نہیں ہے۔ اُمت
کا کام ہے کہ اپنا امام مقرر کرے گو امام مقرر کرنیں لاش نبیؐ بے گور و کفن پڑی رہجائے۔ دیکھو شرح عقائد نسفی۔ یعنی مقدم
تقرر امام ہے اور اسکے بعد دفن و کفن نبیؐ کا مضمون ہم ظاہر ہے کہ یہ اصول معاملات خلافت کو ملحوظ رکھکر قایم کیا گیا ہے
ورنہ تمامتر عقل و فہم و حیا و دیانت داری وغیرہ وغیرہ کے نہایت ہی خلاف ہے۔ ایسے اصول کو رضائے خداوندی
نہیں کہہ سکتے وہی اصول رضائے خداوندی ہیں جو قوانین فطرت پر انکی بنا واقع ہوئی ہے۔ اس طرح کا غیر طبعی اصول

کسی حال میں قانون خداوندی نہیں مانا جاسکتا ہے۔

نمبر ۳- تاریخ الخلفا کے صفحہ ۳۴۶ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا۔ حضرت علی کیطرف اور بھی باہر ان لوگوں کے جو خانۂ فاطمہ میں مجتمع تھے تاکہ حضرت عمر وہاں جاکر ان لوگوں کو وہاں سے نکالیں اور یہ اس غرض سے کہ اجماع دوستداران علیؑ کا شکست ہوجاوے اور مراد اہل اجماع کی بر نہ آوے حضرت ابوبکر نے حکم دیا کہ اگر تمہارے حکم سے ابیات میں وہ لوگ نافرمانی کریں تو انہیں قتل کر ڈالنا۔ پس حضرت عمر اس حکم کو قبول کر کے آگ لیکر چلے کہ گھر جناب سیدہ کا جلادیویں۔ اس مابین میں درمیان حضرت عمر اور حضرت سیدہ کے ملاقات ہوئی۔ حضرت سیدہ نے حضرت عمر کو ٹوک کر پوچھا کہ اے پسر خطاب کدھر جاتے ہو۔ کیا میرا گھر جلانیکو آئے ہو۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہاں تمہارا گھر و تمہارے گھر میں جتنے ہیں سب کو جلا چھوڑینگے۔ ناگاہ نکلے حضرت علی اور آئے پاس حضرت ابوبکر کے اور بیعت کی۔

راقم کہتا ہے کہ بیعت کرنیکا مضمون تو صاحب تاریخ الخلفا کی داد سنیت ہے جیسا کہ اس کتاب کے سابق کے حصہ میں دکھلایا جاچکا ہے۔ مگر یہ ترکیبیں حضرت شیخین کی کسی قانون انسانیت سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان ظالمانہ درشت سخت اور بیرحمانہ کارروائیوں کی توجیہیں اپنی کتاب تحفہ میں دکھلائی ہیں۔ مگر عذر گناہ بدتر از گناہ کا عالم انکے سارے جوابات رکھتے ہیں۔ یہ قصہ ایک نہایت زشت اور دلخراش نقشہ اہل انصاف کی نظر میں پیش کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخین اپنی امارت کے استحفاظ میں تمامتر بھول گئے کہ فاطمہ انکے رسولؐ کی بیٹی ہے اور وہ بیٹی بھی کیسی کہ مفارقت پدر میں نہایت غمزدہ اور دل شکستہ۔ واہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو کیا خوب انداز پر حضرت سیدہ کے گھر رسم تعزیت یعنی پرسے کی رسم ادا کرنیکے لئے بھیجا۔ یہ سچ ہے دنیا میں تعزیت اور پرسے کی رسم آگ اور تلوار ہی سے ادا ہوتی ہے۔ لاریب بخاری کی یہ حدیث کہ فرمایا حضرت رسولؐ نے کہ تم لوگوں کو عنقریب حرص و طمع خلافت کی پیدا ہوگی اور اس فعل کے باعث تم لوگوں کو بروز قیامت ندامت و خجالت لاحق ہوگی نہایت صحیح و درست ہے۔ حضرت رسولؐ کے رحلت کرتے ہی جناب شیخین اور طرفداران شیخین سے حرص و طمع خلافت کے ایسے ایسے افعال صادر ہونے لگے۔ کہ خدا تعالےٰ ہر مسلمان کو ان افعال زشت سے دور رکھے۔ حضرت فاطمہ کے گھر پر چڑھائی اور قصد احراق خانۂ فاطمہؑ اور قتل پناہ گزینان خانۂ فاطمہؑ ضرب بر شکم وغیرہ وغیرہ یہ سب ایسے افعال قبیحہ ہیں کہ امارت کے کمال حرص و طمع سے ظہور میں آئے ہیں خدا تعالیٰ ہر مسلمان کو اسطرح کی حرص و طمع سے بچائے ایسے افعال کا نتیجہ بروز قیامت ندامت و خجالت کے لاحق ہونیکے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ یہ فرمودہ مخبر صادق ہے کبھی غلط ہونیکا نہیں۔

نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ ۔

نمبر ۴- تاریخ الخلفا کے صفحہ ۷۰ میں حسن بصری سے روایت دیکھی جاتی ہے کہ بیعت کے بعد حضرت ابوبکر نے خطبہ پڑھا جسمیں آگے چل کر فرمایا کہ میں بشر ہوں اور تم لوگوں سے افضل اور بہتر نہیں ہوں اور جب مجھے چوک اور غلطی ہو تب میری مدد کرو اور جب مجھے لغزش دیکھو تو مجھے سنبھال لو اور جانو کہ میرے اوپر شیطان کا تسلط ہے وہ مجھے بہکاتا ہے جب دیکھو کہ میں بہکا ہوا ہوں تو میرے قول سے پرہیز کرو۔

راقم کہتا ہے کہ یہ عجیب خطبہ ہے۔ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں کہ میں بشر ہوں اور تملوگونسے بہتر اور افضل نہیں ہوں اس میں شک نہیں کہ آپ بشر تھے اور بشریت سے خالی نہ تھے مگر جب اسکا یقین آپکو تھا کہ آپ جمیع امت رسول اللہؐ سے بہتر اور افضل نہ تھے تو آپکو زنہار سزاوار نہ تہا کہ آپ زمام خلافت کو اپنے ہاتھہ میں لیتے اس بے اعتمادی کیساتھہ خلافت کی باگ کو ہاتھہ میں لینا بمراحل دور از دیانت تہا اگر یہ کہئے کہ حضرت ابوبکر نے ایسا صرف براہ انکسار کیا تو ہرگز ایسا نہ تہا کہ حضرت ابوبکر سے امت رسول میں کوئی شخص بہتر اور افضل نہ تہا۔ حضرت علیؑ تو موجود ہی تھے جو حضرت ابوبکر اور نیز حضرت عمر سے فضائل میں نصوص کثیرہ کی بنا پر بدرجہا بہتر اور افضل تھے اس بات کو خود حضرت ابوبکر خوب جانتے تھے اور سمجھتے تھے کیا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نہیں جانتے تھے کہ اسلام حضرت علی کی تلوار کا قایم کردہ ہے یعنی اگر علیؑ نہوتے تو کسی سے بہی اسلام قایم نہو سکتا تہا کیا حضرات شیخین یہ نہیں سمجھتے تھے کہ آپ دونوں حضرات سے اسلام کے قایم ہونیکی شکل پیدا نہو سکی۔ کیا آپ دونوں صاحبونکے دلمیں اس کا اعتراف نہیں تہا کہ آپ دونوں حضرات سے دشوار وقتونمیں جیسے کہ جنگ بدر و خندق و احد و خیبر و حنین میں خس برابر بہی کوئی معقول کارروائی عمل میں نہ آسکی ہمیشہ ان غزوات میں آپ دونوں صاحب یار و بقرار رہے یا لڑائی سے جی چراتے رہے کیا حضرات شیخین کو معلوم نہ تہا کہ ایک خندق کے دنکی کارروائی حضرت علی کی حسب فرمودہ رسولؐ تمام عالم کے نیکوکار دنکی نیک کارروائیوں سے افضل تھی۔ کیا حضرت ابوبکر نہیں جانتے تھے کہ چونکہ اسلام قایم کردہ تیغ علی کا ہے تو آپ دونوں صاحبونکو علیؑ کی محنتوں سے فائدہ اٹھانیکا کیا حق تہا۔ محنت دگر کردہ و حشرت دگرے برد۔ بس ایسی صورتمیں کہ حضرت ابوبکر اپنے کو جمیع امت رسول اللہ سے بہتر اور افضل نہیں جانتے تھے اور خاصکر حضرت علی سے اپنے کو بہتر اور افضل سمجھنے کی کوئی وجہ نہ رکھتے تھے تو پہر مسند خلافت پر کیوں ڈٹے رہے۔ حضرت ابوبکر کا یہ قول کہ "جانو کہ میرے اوپر شیطان کا تسلط رہتا ہے" ایسا قول ہے کہ راقم اسکی توضیح نہیں کرسکتا ہے یہ ایک ایسا معاملہ معلوم ہوتا ہے کہ جو درمیان شیطان اور حضرت ابوبکر کے حائل تہا۔ ظاہر ہے کہ کوئی دوسرا اسکی حقیقت سے کیونکر واقف ہوسکتا ہے۔ عالم ظاہر میں یہ کہا جاتا ہے کہ آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے ممکن ہے کہ قول بالا میں حضرت ابوبکر نے کسی انسانی شیطان کو مراد رکہا ہو جو آپکے افعال و حرکات میں دخل رکھتا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ المختصر راقم کی تجویز میں حضرت خلیفہ کا یہ خطبہ گو انکسار کا پہلو لئے ہوئے ہو مگر ذم کے پہلو سے خالی نہیں ہے

نمبر ۴۔ جناب شیخین کے تمام امور منکرات سے اشد امر منکر راقم کے نزدیک یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب شیخین نے قبیلہ بنی امیہ کو سر نو سے شاداب کر دیا۔ صرف شاداب نہیں کر دیا بلکہ انہیں ایسا شاداب کر دیا کہ ویسی شادابی اس قبیلہ کو کبہی نصیب ہی نہیں ہوئی تھی راقم اسکی حقیقت قبل میں حوالۂ قلم کر چکا ہے مگر یہاں بہی اسکا اعادہ مختصر طور پر بے محل تصور نہیں ہے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی امیہ رسول خدا اور دین خدا کے بڑے دشمن تھے۔ جب تک حضرت رسولؐ مکہ میں رہے اس قبیلہ کے دست جفا سے آزار اٹہاتے رہے مدینہ کے ہجرت کے بعد بہی بنی امیہ کی عداوت حضرت رسول کیساتھہ بطور سابق قایم رہی۔ چند بار قوم قریش جن میں بنی امیہ ہی اصل تھے حضرت رسولؐ پر قیام

مدینہ کے زمانہ میں حملہ آور ہوتی رہی۔ مگر تیغ علی انہیں برابر شکست دیتی گئی۔ یہانتک کہ جنگ حنین میں بنی امیہ نہایت ٹوٹ گئے تاریخ دیکھیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دس سال کی محنت میں حضرت رسولؐ قبیلہ بنی امیہ کو سر کر سکے جیساکہ راقم نے سابق میں حوالہ قلم کیا ہے۔ مخفی نہیں ہے کہ حضرت رسولؐ کو نفرت تامہ بنی امیہ کے ساتھ تھی۔ یہانتک کہ آپنے اس قبیلہ پر لعنت کی ہے اور شجرہ ملعونہ سے مراد وہی بنی امیہ ہیں مگر حضرت رسولؐ کی پیاری محنت دس سال کی حضرات شیخین نے برباد کر ڈالی۔ کس محنت اور جانفشانی سے حضرت رسولؐ نے بنی امیہ کو تباہ اور کمزور کر ڈالا تھا اور وہ کمبخت قبیلہ تباہ اور کمزور کر ڈالے جانیکا تمامتر مستحق بھی تھا۔ مگر حضرت رسولؐ کے رحلت کرتے ہی وہ قبیلہ ذی ثروت ہونا شروع ہوا قبیلہ بنی امیہ کے سر نو سے ذی ثروت ہونیکی سرگذشت یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر پر خلافت قایم ہو گئی تو ابوسفیان جو قبیلہ بنی امیہ کے سردار تھے حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ اے علیؑ ہاتھ نکالو میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اسکے ساتھ یہ بھی ابوسفیان نے کہا کہ خلافت ابوبکر پر قایم ہو گئی اور آپ خاموش رہگئے اگر آپ کہئے تو مجھ اے مدینہ کو سواران مکہ سے پُر کر دوں اور شیخین کی خلافت کو دم بھر میں گاؤ خورد کر دوں۔ چونکہ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ حضرت رسول اللہؐ قبیلہ بنی امیہ سے نفرت تامہ رکھتے تھے یہانتک کہ آنحضرت نے اس قبیلہ پر لعنت کی تھی آپنے ابوسفیان کی عرض کیطرف مطلق توجہ نہیں کی ظاہر ہے کہ حضرت علی حضرت رسولؐ کی پالیسی (Policy) کے خلاف عمل کرنیوالے آدمی نہ تھے اور چونکہ آپ حضرت رسولؐ کی پیروی کو اپنا ایمان جانتے تھے ابوسفیان کا کسی طرح پر ساتھ نہیں دے سکتے تھے جب ابوسفیان نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے ذریعہ سے نیل مرام کی صورت پیدا نہیں ہے تو حضرات شیخین کیطرف تشریف فرما ہوئے اور انسے یہ کہا کہ تمنے تو خلافت حاصل کرلی اور میرے حق و حصہ کا لحاظ نہ کیا میں ابھی تمہاری خلافت کو غت ربود کر دیتا ہوں۔ حضرات شیخین کو تو اپنی خلافت کی خیر منظور تھی۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ حضرت رسولؐ قبیلہ بنی امیہ سے بحد نا خوش تھے ابوسفیان صاحب کے رضا مند کرنیکے لئے دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کے قاعدہ سے ملک شام اُن صاحب کو تفویض کر دیا۔ پھر کیا تھا بنی امیہ کا زمانہ حضرت رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی حضرات شیخین کی بدولت نہ صرف پھرا بلکہ رفتہ رفتہ ہزار مرتبہ انکی سابق کی ثروت سے زیادہ انہیں ثروت نصیب ہوتی گئی۔ یہانتک کہ تمام سلطنت عرب کے بنی امیہ بادشاہ ہو گئے امر واقعی یہ ہے کہ حضرات شیخین نے حضرت رسولؐ کی پالیسی کے خلاف عامل ہو کر بنی امیہ جیسے ٹوٹے ہوئے قبیلہ کو منتہائے اقبال و دولت کو پہنچا دیا۔ ظاہر ہے کہ بنی امیہ کو ممالک اسلام میں ایک وجب زمین کے پانیکا استحقاق حاصل نہ تھا۔ اسلئے کہ یہ بنی امیہ سخت ترین دشمن رسول اللہ و دین رسول اللہ اور قبیلہ رسول اللہ کے تھے۔ الحق بنی امیہ کسیطرح سلطنت اسلامی سے بہرہ مند ہونیکا استحقاق نہیں رکھتے تھے مگر حضرات شیخین اپنی امارت کو خرابی سے بچانیکے لئے ایسے قبیلہ مخالف کیساتھ ایسے بڑے سلوک کے مرتکب ہو گئے جو در حقیقت بر فتوائے عقل ایک گناہ سخت کا حکم رکھتا ہے۔ حضرات شیخین کی اس فیاضی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلہ بنی امیہ دولت و ثروت حاصل کر کے اُن تمام افعال قبیحہ کا مرتکب ہوتا رہا۔ جو اسکے مختصات سے تھے۔ یہ قبیلہ نہایت شنیع الحرکات

تہا صاحب ملک ہوکر وہ ایسے ایسے کام کرتا رہا جو ممنوعات اسلام سے ہیں کوئی شک نہیں کہ فرمانروایان بنی امیہ کے ارتکاب معاصی کبیرہ کے سبب بعید یا سبب قریب حضرات شیخین کے سوا کوئی دوسرا نہیں دکھائی دیتا۔

اگر حضرات شیخین قوم بنی امیہ کے سرپرست نہ بنجاتے تو بنی امیہ اسی حالت تباہ و خراب میں پڑے رہجاتے کہ جس حال میں حضرت رسول انہیں چھوڑ گئے تھے یہ تو حضرات شیخین کی دستگیری کا نتیجہ ہے جو بنی امیہ نے قوی تریں شاہاں وقت ہوکر تمام ممالک اسلام کو اپنے افعال قبیحہ سے پر کر دیا۔ یہ حضرات شیخین ہی کی امداد بنی امیہ کا نتیجہ ہے کہ حضرت علی جیسے خلیفہ رہنے نپائے۔ امام حسنؑ زہر کھلائے گئے امام حسینؑ اور عزیزان امام حسین قتل کئے گئے۔ سالہا سال تک امام کشیاں ہوا کیں سادات کے خون پانی کی طرح بہائے گئے دین خدا ہزار پہلو سے خراب کیا گیا ہزار ہا بدعتیں ظہور میں آتی گئیں وغیرہ وغیرہ۔ لاریب ان سب امور قبیحہ کے سبب بعید یا سبب قریب جو کچھ کہئے حضرات شیخین ہوتے گئے اور کوئی شک نہیں کہ حضرات شیخین کو بروز قیامت بنی امیہ کو مرضی رسول اللہ کے خلاف سر نو سے شاداب اور سرسبز کر دینے کی جوابدہی خدائے پاک کے سامنے کرنا ہوگی۔

نمبر ۵۔ قسطلانی کی جلد ۶ صفحہ ۱۵۲ میں مسطور ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا اسپر حضرت عمر غضبناک ہوکر بولے کہ تم کہتے ہو کہ تم نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا حالانکہ کفر میں تم ایسے فعل کیا کرتے تھے جب مذہب عرب کا خاص کر اہل مکہ کا بت پرستوں کا مذہب تھا تو حضرت ابوبکر بھی ایام جاہلیت میں ضرور بت پرستی کرتے ہونگے حضرت عمر کا حضرت ابوبکر کو بطریق بالا ٹوکدینا بے وجہ نہیں تھا۔ مگر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے تب کیون اسطرح بت پرستی سے انکار کیا۔ یہ انکار تو حضرت عمر کی تکذیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے ضرورت تھا مگر آخر اس انکار کی کوئی وجہ ہوگی۔ راقم پر ابھی تک اس انکار کیوجہ نہیں روشن ہوئی ہے۔ قیاس ایسا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے خیال میں اپنے ایام جاہلیت کی بت پرستی معیوب معلوم ہوتی تھی خاصکر منصب خلافت پر پہنچکر اور خاصکر جب آپ جانتے تھے کہ حضرت علی نے ابتدائے عمر سے کبھی بت کی پرستش نہیں کی البتہ یہ امر ہر صاحب فہم کے دل میں کھٹکتا ہے کہ ایسا شخص جو ایام جاہلیت میں بت پرستی کرتا رہا ہو وہ حضرت رسول خدا کا جو ازل سے معصوم تھے کیونکر خلیفہ قرار پا سکتا ہے اور وہ شخص جو ابتدائے عمر سے نجاست بت پرستی سے پاک رہا ہو کیونکر مفضول و محکوم بنایا گیا۔ کوئی شک نہیں کہ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

نمبر ۶۔ مشکوٰۃ کی کتاب المیراث اور موطا کے صفحہ ۳۰۷ میں مذکور ہے کہ ایک عورت کسی میت کی دادی تھی حضرت ابوبکر سے اسنے سوال کیا دادی کا حق میت کے ترکہ میں کتنا ہے آپنے جواب میں فرمایا کہ تیرا حق نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ابھی تو چلی جا۔ ہم واقف کار اشخاص سے حقیقت حال دریافت کرکے آئندہ کہیں گے۔ خلیفہ وقت اور دادی کے حق سے ناواقف ہو کمال جائے تاسف ہے کیا خوب اسی اطلاع مذہبی پر علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ بقول رسول حضرت ابوبکر اعلم الصحابہ تھے۔ اگر اعلم الصحابہ کو حق دادی کا معلوم نہ تھا تو حضرت عمر اور دیگر صحابہ کا علم معلوم۔

نمبر ۷۔ کتاب المغازی للواقدی فی غزوۃ احد کے صفحہ ۱۰۲ میں بروایت طلحہ بن عبداللہ و ابن عباس و جابر بن

عبداللہ مسطور ہے کہ نماز جنازہ پڑہی جناب رسول خدا نے اوپر شہدائے اُحد کے اور فرمایا حضرت نے کہ میں ان لوگوں پر گواہ ہوں اسپر حضرت ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا وہ لوگ میرے بھائی نہیں ہیں ایمان لائے وہ لوگ جیسا کہ میں ایمان لایا اور جہاد کیا اُن لوگوں نے جیسا کہ میں نے جہاد کیا۔ حضرت رسول نے فرمایا کہ ہاں لیکن مُزدِ محنت اور دنیا کے کسی حظ سے وہ لوگ بہرہ یاب نہوئے۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میرے بعد تم لوگ کیا کیا امر احداث کروگے یہ سنکر ابوبکر روئے اور بولے کہ واحسرتا ایسے افعال مجھسے صادر ہونگے۔ حضرات ناظرین نبی کا فرمانا لغو نہیں ہوسکتا ہے حضرت ابوبکر سے کچھ شک نہیں کہ ایسے ایسے امور حضرت رسولؐ کے بعد امور منکرات ظہور میں آتے گئے جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہیں اور جیسا کہ بالا میں حوالۂ قلم ہوتے گئے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ واقدی جو امام المغازی بہی کہلاتے ہیں ایسے صاحب علم و تحقیق گزرے ہیں کہ ابن خلکان و خطیب بغدادی و ابو الفداء و علامۂ سیوطی و شارح قوشجی و علامۂ دمیری و ابن حجر و جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اُنکے عدالت و توثیق پر شہادت دیتے ہیں۔

اب ذیل میں امور منکرات حضرت عمرؓ کے حوالۂ قلم ہوتے ہیں

نمبر ۸۔ مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۷۱ میں بروایت انس بن مالک یہ حدیث پائی جاتی ہے کہ حضرت رسولؐ ۴۰ دُرّے شراب خوار کو مارتے تھے اور یہی دستور حضرت ابوبکر کا بہی تہا مگر حضرت عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف کے مشورہ سے شرابخوار کو ۸۰ دُرّے لگائے مشورہ دینے والے بہی کیا خوبصورت تھے شرابخواری کی حد کو دُگنا کردینا عبدالرحمٰن بن عوف ہی کا کام تہا۔ اور اسپر عامل ہونا خاص حصہ حضرت عمر کا واقعی کسقدر قول حق حضرت رسولؐ نے فرمایا تہا میں نہیں جانتا کہ میرے بعد کیا کیا امر تم لوگ احداث کروگے امر نو کے احداث کی ایک عمدہ مثال یہ افزونی سزائے شراب خوری کی بہی ہے۔

نمبر ۹۔ حیوٰۃ الحیوان کی جلد ۱ صفحہ ۴۳۱ میں حضرت عمر کے اولیات مندرج ہیں۔ یہ اولیات آپکے نو احداث امور ہیں۔ راقم کی دانست میں حضرت عمر کے سب اولیات مقدوح صورت نہیں رکھتے ہیں مثلاً گرد آوری۔ کہ انتظام ملک شہر کے لئے ایک معقول شے ہے لیکن نہیں سے زیادہ ایسی ہی ہیں کہ اعتراض سے خالی نہیں نظر آتے ہیں اُن قابل اعتراض اولیات سے تین امور پر میں اپنی ذاتی رائے کا اظہار ذیل میں کرتا ہوں۔

اول امتناع متعہ۔ یہ حکم آپ کا خلاف مضمون قرآن و حدیث کے ہے اور ہرگز قابل تبعیت نہیں ہے۔ اس کتاب میں راقم نے متعہ کی بحث شرح و بسط کیساتھ کی ہے۔ اب اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے **دوم تراویح رمضان** اسکو اپنے اپنی نسبت مقرر فرمایا ہے یہ راقم کو نہیں معلوم ہے کہ حضرت عمر کے وقت میں نماز تراویح کا کیا طور تہا۔ مگر جو اسوقت اس عبادت کا طور دیکھا جاتا ہے نہایت ناپسندیدہ ہے۔ مروج طریقہ نماز تراویح کا یہ ہے کہ نمازی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور امام نماز تراویح شروع کرتا ہے۔ اسکی سرعت قرأت موٹر ریل گاڑی جہاز دخانی بائیسکل موٹر بائیسکل جہاز ہوائی وغیرہ وغیرہ سے کہیں بڑہی رہتی ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پڑھا جاتا ہے کہ کوئی سنسکرت کی پوتہی۔ دشواری سے یعلمون تعلمون کی صدا احساس کانوں کو ہوتا ہے لسان

کے رمضان میں راقم قرآن پاک کے سننے کیلئے ایک مسجد میں گیا تھا باوجود اسکے کہ راقم کو اجزائے قرآن شریف کیساتھ کم وبیش طور پر مناسبت ہے مگر راقم اول میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ امام نماز تراویح کس حصہ قرآن کو سنا رہے ہیں۔ آخر کار بدقت دریافت میں آیا کہ فلاں حصہ قرآن کا پڑھا جا رہا ہے یہ کیا عبادت ہے اور ایسی عبادت سے کیا فائدہ مرتب ہو سکتا ہے راقم کے خیال سے باہر ہے۔ لیکن ہر تراویح خواں بسبیل عادت اسے عبادت سمجھتا ہے۔

حق یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو یہ عبادت بھی ایجاد کی تو اپنے مذاق کی۔ سوم یہ کہ بچہ کمسن کو آپنے بیدردی اور بیرحمی سے قتل کر ڈالا یہ آپکی افتاد مزاج سے خبر دیتا ہے حق یہ ہے کہ آپکی شقاوت قلبی کا خیال بھی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے۔

نمبر ۱۰۔ حضرت عمر نے صلح حدیبیہ کے دن نبوت آنحضرت میں اپنا شک زور دل کیساتھ اظہار کیا۔ آپنے فرمایا کہ جتنا آج مجھے نبوت آنحضرت میں شک واقع ہوا اتنا کبھی نہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکو نبوت آنحضرت میں شک رہا کرتا تھا مگر بروز صلح حدیبیہ بہت زیادہ شک لاحق ہو گیا۔ (دیکھو ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۲۰)

نمبر ۱۱۔ حضرت عمر نے حضرت فاطمہ کے بطن مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ جس کی وجہ سے لڑکا مردہ ساقط ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اس صدمہ سے آپکی صحت خراب ہو گئی جسکے باعث چھ مہینہ کے اندر آپ رحلت فرما گئیں (دیکھو ملل شہرستانی صفحہ ۲۰) عبارت عربی اُسکی یہ ہے اِنَّ عُمَرَ ضَرَبَ بَطْنَ فَاطِمَةَ یَوْمَ الْبَیْعَۃِ حَتّٰی سَقَطَ الْمُحْسِنُ مِنْ بَطْنِهَا۔ یہ واقعہ ابن عبد اللہ کی کتاب العقد اور ذہبی کی میزان الاعتدال میں بھی دیکھا جاتا ہے عبارت عربی کی یہ ہے۔ اِنَّ عُمَرَ رَکَضَ بَطْنَ فَاطِمَةَ حَتّٰی سَقَطَ الْمُحْسِنُ مِنْ بَطْنِهَا اسکے علاوہ کتاب معارج النبوۃ میں بھی جناب سیدہ معظمہ کا سبب وفات یہی حادثہ پایا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اسقاط کے باعث ہزاروں عورتیں مرتی گئی ہیں بعض تو فوراً ضایع ہوئی ہیں اور بعض دیر کرکے۔ حضرت سیدہ کا یہ حال ہوا کہ ضرب بالا سے جو حمل ساقط ہوا تو آپکی صحت خراب ہو گئی جس سے آپ بیمار رہنے لگیں اور آخر کار چند مہینہ کے بعد رحلت کر گئیں۔ حضرت عمر کے جب اس فعل پر راقم غور کرتا ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ حضرت عمر کس قسم کے بزرگ تھے۔ اول یہ کہ عورت پر ہاتھ چھونا کسی شریف سے عمل میں نہیں آ سکتا ہے دوم یہ کہ ضرب لگانا اسکے بطن پر۔ سوم یہ کہ ایکبار دار عورت کے بطن پر ضرب لگانا۔ چہارم یہ کہ اس زور سے ضرب لگانا کہ اسکا حمل ضایع ہو جائے۔ لاریب شائستہ ترکیب کا آدمی ایسے فعل قبیح کا مرتکب نہیں ہو سکتا ہے کسی ملت اور مذہب میں ایسی بیرحمی کا فعل جائز نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔

مردمان ناتعلیم یافتہ اور وحشی اقوام میں بھی وہی شخص ایسے فعل کا عامل ہو سکتا ہے جو اس طرح کے لوگوں میں درجہ اسفل کا ہوگا یعنی آخر وحشی اقوام میں بھی تدریج دیکھی جاتی ہے۔ پس ایسے فعل کا ارتکاب کرنیوالا ضرور ہے کہ نہایت ارذل اور قبیح طبقہ کا بشر ہو۔ نمبر پنجم یہ ہے کہ ایک شریف عورت کو مارنا۔ نمبر ششم یہ کہ قبیلہ بنی ہاشم کی ایک محترم خاتون کو مارنا۔ ہفتم یہ کہ رسول اللہ کی بیٹی اور وہ بھی نہایت محبوب بیٹی کو مارنا۔ ہشتم یہ کہ حضرت علی کی بی بی کو مارنا۔ علی کون کہ برادر رسول اللہ و داماد رسول اللہ و نفس رسول اللہ و خون رسول اللہ و لحم رسول اللہ تھے۔ نہم یہ کہ حضرات حسنین کی والدہ ماجدہ کو مارنا۔ دہم یہ کہ نو ائمہ طاہرین کی جدہ کو مارنا۔ یازدہم یہ

سیدہ کو مارنا وہ بھی ایسی سیدہ کہ آیت تطہیر اور آیت مباہلہ میں داخل ہونیکے باعث دربار خداوندی کو سیدہ کا خطاب پاک پائے ہو۔ سیدزادی ہو اور سید کی بی بی ہو۔ دو سیدوں کی ماں ہو اور نو سیدوں کی دادی ہو۔ اے سیدو شتی بھائیو۔ کچھ تم میں قومی حیا باقی ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ میں اس سے زیادہ عرض نہیں کر سکتا۔ واضح ہو کہ مجرد یہ ایک فعل حضرت عمر کا ایسا ہے کہ صرف جسکے خیال سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجھ راقم کو ایسے حضرت خلیفہ کی مودت قلبی کی کیا صورت ہو سکتی ہے آخر حضرت سیدہ اس عاصی پر معاصی کی جدۂ ماجدہ تھیں کیونکر اس ناچیز کی روح گوارا کر سکتی ہے کہ فقیر اپنی جدہ کے لیے آزار رسان حضرات کا والہ و شیدا ہو۔

نمبر ١١- ترمذی کی جلد ١ (١١) سے بروایت حضرت عبداللہ بن عمر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ جب سے میں مشرف بہ اسلام ہوا تب سے کھڑے کھڑے ہنتے پیشاب نہیں کیا۔ راقم کہتا ہے کہ حضرت عمر کھڑے ہی کھڑے پیشاب کرتے جیسا کہ بہت سی تعلیمیافتہ قومیں دنیا کی ایسا کیا کرتی ہیں مگر حضرت سیدہ کو بطریق بالا جسمانی آزار پہنچاتے اور بھی بہت سے بندگان خدا کی صدمہ رسانی سے باز آتے۔

نمبر ١٢- مشکوٰۃ کی کتاب العلم کے صفحہ ۴۴ سے بروایت جابر ہویدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر ایک نسخہ تورات کا لیکر حضرت رسول خدا کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ یہ نسخہ تورات کا ہے حضرت رسول یہ سنکر خاموش رہے مگر حضرت عمر نے اسے پڑھنا شروع کیا۔ حضرت رسول خدا کا چہرہ متغیر ہونے لگا اور متغیر ہوتا چلا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ کاش تو مرجاتا کہ تیری ماں تجھے روتی بیٹھتی۔ حضرت عمر حضرت رسول کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھکر بولے کہ میں پناہ مانگتا ہوں غضب الٰہی سے اور غضب رسولؐ سے راضی ہوا میں خدا سے اور اسلام سے اور دین محمدؐ سے اور نبوت محمدؐ سے اسپر حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ قسم بخدا اگر اسوقت موسیٰ ہوتے تو میری اطاعت کرتے مگر تم مجھے چھوڑکر گمراہی اختیار کرتے اس حدیث سے یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مسلمان کو تورات و انجیل کا پڑھنا منع ہے ظاہر ہے کہ تورات و انجیل کے علم کے بغیر انسان لطف و قرآن شریف پورے طور پر اٹھا نہیں سکتا ہے۔ لیکن قصہ بالا میں حضرت عمر کی تورات خوانی ایک محض بے محل بات تھی علاوہ اسکے حضرت رسولؐ جانتے تھے کہ حضرت عمر کو دین یہود کیطرف ایک طبعی میلان تھا۔ اسواسطے آنحضرت ان صاحب کے فعل بالا سے برہم ہوگئے اور برہم ہوکر فرمایا کہ اگر اسوقت موسیٰ ہوتے تو میری اطاعت کرتے مگر تم مجھے چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے

نمبر ١٣- مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۷۰ میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے یہ حدیث مروی ہے کہ جب فوت ہوا عبداللہ ابن ابی سلول تو اسکا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول حضرت رسولؐ خدا کے پاس آیا اور اپنے پدر متوفی کے کفن کے لئے قمیض مبارک مانگا۔ آنحضرت نے اسے اپنا قمیص دیدیا اسکے بعد اُسنے نماز جنازہ کیواسطے استدعا کی اسپر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے مگر حضرت عمر نے چادر مبارک کو حضرت رسولؐ کی پکڑ کر کہا۔ کہ آپکو خدا نے اسکی نماز پڑھنے سے منع کیا ہے حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ مجھے خدا تعالےٰ نے مختار کیا ہے اور فرمایا کہ ستر مرتبہ بازیادہ ہم اور تم استغفار پڑھیں۔ حضرت عمر نے عرض کی۔ متوفی منافق تھا۔ مگر نماز پڑھی رسول اللہ نے اسکی۔ تب خدا نے نازل

کیا کہ اے نبیؐ منافق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھا کرو اور نہ اسکی قبر پر کھڑے ہو حق یہ ہے کہ حضرت رسولؐ رحمتہ للعالمین تھے۔ کیوں دعوت صلوٰۃ قبول نہ فرماتے خوشا بخت اس منافق کی کہ جسکے جنازہ پر حضرت رسولؐ نے نماز پڑھی پھر وہ منافق کیوں رہا۔ خدا تعالیٰ کا حبیب ہو گیا۔ بلکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ متوفی منافق ہی نہیں تھا۔ ورنہ اسے ایسی صلوٰۃ جنازہ نصیب نہ ہوتی بہر حال یہ ایسی حدیث ہے کہ جس سے حضرت رسولؐ کی خطا اور حضرت عمر کا بر سر صواب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کہو سنی بھائیو حضرت عمر کا کیا کہنا ہے رسولؐ کا اتالیق ہو تو ایسا تو ہو۔

نمبر ۱۴۔ مشکوٰۃ کی کتاب المناسک باب الطواف فصل ۳ میں یہ حدیث مروی ہے کہ فرمایا حضرت رسولؐ نے کہ حجر اسود جنت سے دنیا پر اترا ہے اور قیامت میں اس پتھر کو دو آنکھیں ملیں گی اور وہ شاہد مسلمان ہو گا مگر موطا کے صفحہ ۲۴۳ باب تقبیل الرکن میں ہشام ابن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ حجر اسود کے بوسہ سے کچھ نفع نہیں ہے اب ناظرین تصفیہ کر لیں کہ کس کا قول قابل پسند ہے حضرت رسول کا یا حضرت عمر کا۔ ظاہر حضرت عمر کا قول حضرت رسولؐ کے قول کی تردید کرتا ہے اہل سنت تو ضرور قول کو حضرت عمر کے اختیار کرینگے۔ اس لئے کہ یہ قول اتالیق رسول کا ہے اور اس بنا پر در حقیقت حیثیت مرجحہ رکھتا ہے۔

نمبر ۱۵۔ موطا صفحہ ۲۲ ایضاً صفحہ ۲۰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے نماز صبح میں سورہ بقر کو پڑھا اور حضرت عمر نماز صبح میں سورہ یوسف اور سورہ حج کو پڑھتے گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کی سب نہایت طولانی سورتیں ہیں۔ ضرور ہے کہ ایسی طولانی سورتوں کے ختم ہونے تک آفتاب تک طلوع ہو گیا ہو گا۔ تب یہ کیسی نماز کہی جائے گی اسی لئے شرع نے پسند کیا ہے۔ کہ نماز واجبہ صبح میں سورہ ہائے مختصر پڑھا کرو۔

نمبر ۱۶۔ تاریخ ابو الفدا صفحہ ۱۶۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی وفات کیوقت حضرت عمر فرماتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ حضرت نبیؐ نے رحلت کی تو میں اسکی گردن مار دونگا۔ حضرت نبیؐ حضرت عیسیٰ کیطرح آسمان پر چلے گئے ہیں حضرت ابو بکر نے کہا کہ مسلمان کو سمجھنا چاہئے کہ حضرت رسولؐ نے رحلت کی البتہ خدا زندہ ہے یہ قصہ بھی حضرت عمر کی شدید المزاجی اور بے عنوانی طبیعت سے خبر دیتا ہے اس سے اور زیادہ کہنے کی حاجت نہیں ہے

نمبر ۱۷۔ موطا کے صفحہ ۲۴ میں مسطور ہے کہ موذن مسجد حضرت عمر کے پاس آیا اور حضرت عمر کو سوتا پاکر بولا کہ اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی نماز سونے سے بہتر ہے اے امیر المومنین پس حضرت عمر نے حکم دیا کہ موذن اس جملہ کو اذان صبح میں داخل کرے یہ عجب اجتہاد ہے اگر دوسرے روز موذن کوئی دوسرا جملہ ارشاد کرتا تو وہ بھی داخل اذان کر دیا جاتا۔ نہایت جائے تعجب ہے کہ حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ کو حضرت خلیفہ نے اذان سے متروک کر دیا اور موذن کے اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کو اذان میں داخل کر دیا۔

نمبر ۱۸۔ ترمذی کی جلد ۲ صفحہ ۱۶۷ سے ہویدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کسی مسئلہ میں رسول اللہ کے حضور میں جھگڑنے لگے اور انکی آوازیں بہت بلند ہو گئیں ایسے ضرور حضرت رسولؐ کو تکلیف ہوئی ہوگی تب تو یہ آیت نازل ہوئی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ یعنی اے ایمان والو

مت بلند کرو اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز پر۔ ظاہر ہے کہ اس طرح سے شور و غل کیساتھ حضرت نبیؐ کے حضور میں گفتگو کرنا بڑی ناتعلیم یافتگی سے خبر دیتا ہے۔

بلاشبہ یہ امر خلاف ادب تھا۔ ادب بڑی چیز ہے۔ از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب۔ پس رب العزت نے آیات بالا حضرت رسولؐ کی آسایش اور عظمت کی نظر سے نازل فرمائی۔

نمبر ۱۹۔ شرح عقاید نسفی کے صفحہ ۱۵۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے بعد کے لئے امر خلافت کو چھ شخصوں پر چھوڑا وہ چھ شخص یہ ہیں۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ عبد الرحمن بن عوفؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ سعد ابن ابی وقاص۔ پھر یہ ہدایت کی کہ جس شخص کو عبد الرحمن بن عوف خلیفہ تجویز کریں وہی شخص خلیفہ ہو۔ شرح فقہ اکبر کے صفحہ ۸۰ سے عیاں ہوتا ہے کہ عبد الرحمن نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ اگر تم خلیفہ ہوگے تو کتاب خدا اور سنت رسول اللہؐ اور سیرت شیخین کے مطابق عمل کروگے یا نہیں! حضرت علی نے جواب دیا کہ کتاب خدا اور سنت رسول اللہؐ کے مطابق کرونگا۔ اور اسکے بعد اپنی رائے کے مطابق کاربند رہوں گا۔ سیرت شیخین کے مطابق ہرگز عمل نکرونگا۔

تاریخ خمیس کی جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ کے رو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب عبد الرحمن بن عوف نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ تم اگر خلیفہ ہوگے تو کتاب خدا اور سنت رسولؐ اور سیرت شیخین کے مطابق حکم کروگے یا نہیں؟ اسپر حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی کروں گا۔ پس عبد الرحمن بن عوف نے حضرت عثمان کو خلیفہ قایم کر دیا۔

واضح ہو کہ ظاہر میں حضرت عمر امر خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑ گئے۔ مگر اندرونی طور پر ایسا انتظام کر گئے کہ حضرت علیؓ کسی حال سے خلیفہ قرار نہ پاسکیں۔ حضرت عمر کا پولٹیکل دماغ بلاشبہ نادر قسم کا تھا۔ کہاں ایسے زخمی ہو رہے تھے کہ زیست کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی کہاں ایسی بدحالی میں یہ فکر کہ علیؓ آپکے بعد خلیفہ نہو سکیں یہ معمولی دماغ کا کام نہیں ہے کہ ایسی خراب و خستہ حالت میں اپنی جانشینی کیلئے ایک مشوریکی کونسل قایم کرے اور انہیں ممبروں کا انتخاب اس طور پر عمل میں لائے کہ اپنے مخالف قدیم یعنی حضرت علی کو کامیابی کا کوئی موقع حاصل نہے یہ بھی بڑی پولٹیکل چال خلیفہ ثانی صاحب کی تھی کہ حضرت علی کو بھی کونسل شورے میں داخل رکھا مگر اس شرکت کونسل پر بھی آپکے موقع کامیابی کو تمامتر معدوم کر دیا حسب روایت صاحب مختصر الجامع اور بھی ابو الفدا کے عبد الرحمن بن عوف کو زیادہ اختیار استقرار خلافت کے بارہ میں اس غرض سے دیا کہ وہ بہنوئی حضرت عثمان کے تھے اور سعد ابن ابی وقاص کو اسلئے شریک مشورہ گردانا کہ حضرت عثمان کے چچا زاد بھائی تھے اس سامان سے ناممکن تھا کہ حضرت عثمانؓ کے سوا کوئی دوسرا خلیفہ ہو سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عبد الرحمن بن عوف کی ترکیبونکی بدولت حضرت علیؓ ناکامیاب رہے اور حضرت عثمان خلیفہ قرار پائے حضرت عمر نے ایک اور ہدایت بھی اس کونسل شورے کیساتھ لگادی تھی اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی ممبر تجویز عبد الرحمن کو نمانے تو فوراً اُسے قتل کر ڈالو۔ قتل و ضرب اور دیگر بیرحمی کے خیال تو آپکی سرشت میں داخل ہی تھے۔ مگر اسجگہ قتل کی شرط اسلئے لگادی تھی کہ اگر کاش حضرت علیؓ عبد الرحمن کے فیصلہ کو نمانینگے تو مارڈالے جاینگے۔ سبحان اللہ کیا حضرت عمر کی خوش تدبیری کی صلاحیت تھی کہ آپکے وقت آخر میں بھی آپسے علیحدہ نہیں ہوئی چالاکی غور ہے کہ کہاں خود مر رہے تھے مگر اپنے دشمن کی

فکر سے دم آخر بھی غافل نرہ سکے اہل انصاف دیکھیں کہ شک نہیں کہ حضرت عمر کو اپنے ارادوں میں حضرت عثمان کی تقرری سے ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی مگر یہ کام حضرت عمر نے پبلک یعنی عامۂ خلایق کے حق میں اچھا نہیں کیا۔ حق یہ ہو کہ حضرت عثمان ہر طرح ایک ناقابل آدمی تھے جیسا کہ آپکے بارہ برس کے عرصۂ خلافت سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے اگر حضرت علی یا کوئی دوسرے شخص پر جو بنی امیہ سے نہوتا خلافت قایم ہو جاتی تو امور خلافت حضرت عثمان کے اعتبار سے ہزار درجہ بہتر طور پر انجام پاتے رہتے۔ افسوس بالائے افسوس ہے کہ حضرت عمر کی نفسانیت یا عدم دیانت کیلئے حضرت عمر پر اسطرح غالب آئی کہ ایک واقعی و برحق آدمی آپکے بعد سلطنت عرب کا خلیفہ یا حاکم مقرر نہیں ہو سکا۔ راقم کہتا ہے کہ اگر درحقیقت حضرت عمر کو اسلام کی محبت ہوتی یا در حقیقت آپ معدلت پرور اور دوستدار بنی آدم ہوتے تو آپ ہرگز حضرت عثمان کو خلافت کی ہوا لگنے نہ دیتے انہیں خلیفہ بنانا تو درکنار واضح ہو کہ راقم قبل میں حضرت عثمان کے امور منکرات حوالۂ قلم کر چکا ہے اب اس کتاب میں انکے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام و ایمان حضرات خلفائے ثلٰثہ

نمبر ۵۰۔ حضرات اہل سنت جب حضرات خلفائے ثلٰثہ کو برحق جانشینان حضرت رسولؐ جانتے ہیں۔ تو ضرور ہے۔ کہ انہیں صرف اہل اسلام اور اہل ایمان نہ مانیں۔ بلکہ امام اور امیر بھی تمام اہل اسلام اور اہل ایمان کا مانیں۔ حقیقت حال بھی ایسی ہی ہے کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت رسولؐ کے بعد یہی حضرات خلفائے ثلٰثہ تمام اہل اسلام اور اہل ایمان سے دنیا کے اسلام اور ایمان کے اعتبار سے افضل ہیں مگر واضح ہو کہ یہاں پر اس عقیدۂ اہل سنت سے بحث نہیں ہے۔ یہاں زیر بحث یہ امر ہے کہ اہل تشیع ان حضرات خلفائے کو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں۔ عموماً عقیدہ عوام اہل سنت کا اس بارے میں یہ ہے۔ کہ اہل تشیع ان حضرات ثلٰثہ کو کافر اور غیر مسلم جانتے ہیں مگر شیعوں کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ ان حضرات خلفا کو کافر نہیں جانتے۔ مسلمان جانتے ہیں۔ قاضی نور اللہ شوستری کی کتاب مجالس المومنین کے صفحہ ۴۹ سے صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ افضل المحققین خواجہ نصیر الدین محمد طوسی طاب اللہ مرقدہ کتاب تجرید میں فرماتے ہیں مُحَارِبُوْ عَلِیٍّ کَفَرَۃٌ وَ مُخَالِفُوْہُ فَسَقَۃٌ۔ یعنی علی سے لڑائی لڑنیوالے کافر ہیں اور علی سے مخالفت کرنے والے فاسق ہیں۔ حضرات خلفا ثلٰثہ حضرت علی سے کوئی لڑائی نہیں لڑے۔ پس کافر نہیں قرار دئیے جا سکتے ہیں اور جب کافر نہوئے تو مسلم ہوئے علامہ قوشجی کی شرح تجرید کے صفحہ ۳۹ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل تشیع حضرات خلفا ثلٰثہ کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں پس اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک حضرات ثلٰثہ اہل اسلام سے ہیں۔

مسئلۂ وصیت

نمبر ۵۱۔ قرآن اور حدیث دونوں سے امر وصیت مسلمان کیلئے ایک قابل لحاظ امر دکھائی دیتا ہے خدا تعالیٰ سورۂ نساء میں فرماتا ہے۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۔ مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۴ کتاب الوصایا بروایت ابن عمر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ

نے فرمایا کہ سخت تر مسلم پر اس سے زیادہ کوئی امر نہیں ہے کہ صرف اسکے مرنیکو دو راتیں رہگئی ہوں اور اسکی تحریری وصیت تیار نہو۔ اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۳۸ میں ابن شہاب سے مروی ہے۔ امام نودی کہتے ہیں کہ مذہب جمہور یہ ہے کہ وصیت سنت ہے نہ واجب اور داؤد وغیرہ نے کہا ہے کہ واجب ہے جب میت کے ذمہ کوئی دین یا کسی کا حق یا کسی کی امانت ہو۔ امام شافعی کے نزدیک ضرور ہے کہ بنظر احتیاط وصیت نامہ احتضار کے وقت لکھا جائے۔ اشعۃ اللمعات کی جلد ۳ صفحہ ۹۲ سے بروایت جابر مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جو شخص وصیت کرکے مرا تو مرا وہ راستہ سنت و تقوےٰ و شہادت پر اور وہ مغفور مرا۔ میزان الشعرانی صفحہ ۱۱۸ کتاب الوصایا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی کے ذمہ دین ہو تب وصیت صاحب دین پر واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔ تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ سے واضح ہوتا ہے کہ تشریف بری غار کے وقت حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لوگوں کی امانتیں جو میرے پاس ہیں تم ادا کر دینا اور میرے بستر پر آرام کرنا۔ جامع الصغیر سیوطی میں درج ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں جو شے کہ واجب الادا ہے اُسے میرے اور علیؑ کے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ علیؑ میرے دین کو ادا کریں گے پھر اسی کتاب میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ حضرت رسولؐ فرماتے ہیں کہ ہر نبی کیواسطے وصی اور وارث ہیں اور میرے وصی و وارث علیؑ ہیں۔ تعجب ہے کہ آیت وصیت کے رہتے ہوئے اور خود وصیت کے بارے میں اسقدر تاکید کو راہ دیکر حضرت رسولؐ نے خود کوئی وصیت نہیں چھوڑی اسمیں شک نہیں کہ آنحضرت کوئی تحریری وصیت چھوڑنا چاہتے تھے مگر حضرت عمرؓ نے حسبنا کتاب اللہ کہکر وصیت کو حوالۂ قلم ہونے نہ دیا یوں حضرات اہل سنت باتیں بنایا کریں مگر حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنانے کو ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت عمرؓ نے امر خلافت کے طے ہونیکے بعد کہا کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کو خلیفہ بنانیکو تھے مگر ہم نے حضرت رسولؐ کو اس کام سے روکا۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت رسولؐ کو امر دین میں وصیت مقصود تھی اور وہ وصیت وصیتِ امامت تھی۔ اسلئے کہ اگر حضرت علیؑ بعد حضرت رسولؐ کے امام و خلیفہ مقرر ہو جاتے تو اسلام اور اہل اسلام تمام اُن خرابیوں اور مفسدوں سے مامون رہتے جنکے تخم حضرت عمرؓ اپنے قول حسبنا کتاب اللہ سے اسلامی دنیا میں بو گئے۔ لاریب وصیتِ امامت ایک عظیم شے تھی اور ایسی عظیم شے تھی کہ جسکے ظہور میں نہ آنے سے اسلام کو ہزاروں بلائیں پیش آگئیں یہانتک کہ اسلام اسلام خدا نرہا اہل اغراض کا اسلام ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مباحث خیر و شر جبر و قدر

نمبر (۵۲) مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۲ میں بروایت مسلم مندرج ہے کہ لکھدیا خدا نے فرزند آدمؑ کے نصیب میں زنا کی حصہ

وزنائے گوش وزنائے لسان وزنائے دست وزنائے پا وزنائے قلب انسان ان زناؤں کا مرتکب ہوتا ہے اور اسکا نفس انکی خواہش کرتا ہے اور کبھی آدمی اپنی غرض پر سچ بولتا ہے اور کبھی لذت چشم و گوش و شکم و فرج کیواسطے جھوٹ بولتا ہے اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان جس وضع کی بنا کرتا ہو نوشتہ خداوندی کے مطابق کرتا ہے ایسی صورت میں انسان پر کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی انسان کا کیا قصور جب مکتوب ایسا ہی ہے۔ پھر فعل انسان سے خدا کی ناراضی چہ معنی دارد۔ اسکا تو یہ مطلب ہوا کہ فعل خدا کا ہے مگر بندہ خطاوار۔ برنجی گرز من تقدیر نوکن + وخط پیشانیم تحریر نوکن۔

دوسری حدیث سے بھی مشکوٰۃ کی صفحہ (۱۳) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب خدا پیدا کرتا ہے بندہ کو واسطے جنت کے تو اس سے عمل اہل جنت کا کراتا ہے اور جب خلق کرتا ہے بندے کو واسطے جہنم کے تو اس سے عمل اہل نار کا کراتا ہے اور تب اسے داخل نار کرتا ہے۔ تب اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ بندہ کو اپنے فعل کا جوابدہ نہیں ہونا چاہئے امام غزالی کی احیاء العلوم کے صفحہ ۶۶۔ اور ۶۷ سے مفہوم ہوتا ہے کہ افعال بندوں کے بارادت آلہی ہے نہیں اور تمام امور دنیا کے اسکی قدرت ارادت اور مشیت کے مطابق ظہور کرتے ہیں اور خیر و شر نفع و ضرر و اسلام و کفر و نقصان نفع و گمراہی و ہدایت و طاعت و معصیت و شرک و ایمان بحکم خدا ہیں اور کوئی اسکے حکم کا ٹالنے والا نہیں ہے جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے بندہ کچھ نہیں کرتا۔ پھر یہ کیسا عدل ہے کہ خدا کے کئے کی سزا بندہ کو بھگتنا پڑتی ہے۔

گوت لیوبن جو تے بوئے۔ میری دانست میں مسئلہ خیر و شر و قدر کا فہم انسانی سے باہر ہے میں اس مسئلہ میں بحث کو طول دینا پسند نہیں کرتا ہوں۔ بیشتر اس مسئلہ کی بحث چند بار تو نجیں پڑھی ہے مگر اپنی تحقیق کے ذریعہ سے کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرسکا ہوں۔ پس اے میرے خدا چونکہ یہ مسئلہ میرے فہم سے باہر ہے اس مسئلہ میں جو تیرا اور تیرے رسول کا اور تیرے ائمہ معصومین کا حکم ہے اسکو میں حق مانتا ہوں اور اسکی تبعیت اپنے اوپر فرض جانتا ہوں اور اسکے اختیار کرنے میں دلیل و استدلال کا طالب نہیں ہوتا ہوں۔

رَبَّنَا اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

زہد و تقوٰے حضرت علی علیہ السلام

نمبر (۱۵۳) محمد بن قیس جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ غذا حضرت امیر علیہ السلام ایسی کھاتے تھے کہ جیسی غلاموں کی غذا ہوتی ہے۔ آپ دو قمیص خرید کرتے تھے اور اپنے غلام کو کہتے تھے کہ ان میں سے جسکو تو چاہے پہن لے۔ غلام کے پسند کر لینے کے بعد دوسرا قمیص آپ جسم اطہر پر ملبوس فرماتے تھے راہ خدا میں لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلاتے اور خود نان جو اور روغن زیتون اور سرکہ سے غذا کر لیتے۔ آپ نے کبھی آسودگی اختیار نہ کی۔ ہمیشہ راہ خدا میں جفاکشی گوارا کرتے رہے ہزار بندے جنکو اپنی قوت بازو سے حاصل اور پرورش کیا تھا راہ خدا میں آزاد کئے۔ کسی بندۂ خدا کا عمل آپ کے عمل کے برابر نہوا۔ رات اور

دن میں آپ ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ علامہ قوشجی اپنی کتاب شرح تجرید کے صفحہ ۴۰۸ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ رسول خدا کو چھوڑ کر زاہد ترین آدمی تھے۔ روایات متواترات سے ہے کہ باوجود حاصل ہونے کشادہ حالی کے لذات دنیا کے آپ تارک تھے۔ یہ آپ کا فرمودہ ہے کہ اے دنیا تو مجھے اشتیاق دلاتی ہے اور دھوکا دیتی ہے اے دنیا مجھے تیری کوئی حاجت نہیں ہے مینے تجھے تین بار طلاق دی عیش تیرا بہت کم ہے اور خطرہ تیرا کثیر اور ملک تیرا بے قدر ہے۔ قسم بخدا میری نظروں میں دنیا جسم خوک کے ایسے عرق کے برابر ہے جو کسی کوڑھی کے ہاتھ میں ہو۔ آپ نہایت موٹا کپڑا پہنتے تھے اور سخت اور بے مزہ غذا استعمال کرتے تھے۔ ابن رافع کہتے ہیں کہ ایک روز میں حضور میں حضرت علیؑ کے حاضر ہوا دیکھا کہ آپکے سامنے ایک تھیلی مُہر بند رکھی ہوئی ہے جسمیں روٹی کے خشک ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یا امیر المومنین اسکے مُہر بند کرنے کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خیال ہے کہ میرے بچے پارہ ہائے نان میں مکھن یا روغن زیت نہ ملا دیں۔ یہ پوشاک اور غذا علیؑ کے واسطے مخصوص ہوئی ہے اسمیں دوسرے کی شرکت نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ نعلین اور قمیص کو خرمہ کی چھال سے مرمت کرتے تھے۔ گوشت بہت کم کھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ایہا الناس اپنے شکم کو حیوانوں کے مقابر نہ بناؤ۔ عابد ایسے تھے کہ پیشانی مبارک میں کثرت سجود سے ایسا گھٹا پڑ گیا تھا کہ جسطرح اونٹ کے گھٹنوں میں گھٹا پڑجاتا ہے آپ نوافل بہت پڑھتے تھے۔ لوگ جسم اطہر سے تیر آپ کی نماز کیوقت نکال لیتے تھے اور آپ شدت استغراق سے اصلاً محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہی حال استغراق کا حالت مناجات میں بھی ہوتا تھا۔ آپ حلیم ایسے تھے کہ باخبر رہنے پر بھی ابن ملجم کو اپنی عطا و بخشش سے محروم نہیں رکھتے تھے۔ شدت عداوت کیساتھ بھی جنگ جمل کے دن مروان سے انتقام نہ لیا اور اُسے زندہ چھوڑ دیا۔ اسیطرح سعد بن العاص سے جو آپ کا ایک دشمن سخت تھا انتقام لینا گوارا نہ کیا۔ محاربہ صفین میں اصحاب معاویہ نے زور و غلبہ پاکر حضرت علیؑ کے لشکر پر دریائے فرات کے پانی کو بند کر دیا۔ بہر حال جب شدت عطش نے غلبہ کیا لشکریان حضرت امیرؑ نے حملہ کیا اور موضع آب پر قابض ہوگئے۔ لشکریان حضرت نے معاوضہ کے طور پر پانی بند کرنا چاہا مگر حضرتؑ نے ایسی کارروائی کو جائز نہ رکھا۔ کرم پیشۂ شاہ مردان علی است۔

صلوات اللہ علیہ الیٰ یوم القیام۔ ازالۃ الخفا کے صفحہ ۲۶۶ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے ضرار سے کہا کہ میرے سامنے علیؑ کا کوئی وصف بیان کر ضرار نے کہا قسم بخدا علیؑ نہایت شجاع اور حاکم عدل اور عالم کامل اور مجمع حکمت و دانائی تھے دنیا سے وحشت کرتے تھے اور تنہائی شب کو نہایت دوست رکھتے تھے اور براہ عبرت کارخانۂ الٰہی پر نظر ڈالتے تھے۔ لباس اور پوشاک مسکینوں کی سی پہنتے تھے اسپر بھی آپ عظیم الہیبت تھے اہل دین کی تعظیم کرتے تھے مساکین کو پیار کرتے تھے امر باطل کو عزیز نہیں رکھتے تھے۔ کمزور اور مجبور کو نا امید نہیں کرتے تھے۔ شب ہائے تار میں دردناک آواز کیساتھ روتے تھے۔ تارک لذات دنیا تھے۔ فرماتے

ہیں کہ زادِ سفر قلیل اور منزل دنیا دور و دراز ہے پس معاویہ یہ سنکر رونے لگے اور بولے کہ خدا رحم کرے ابو الحسن پر لا ریب وہ ایسے ہی بزرگ و مقدس تھے۔ راقم کو امیر معاویہ پر بڑا افسوس آتا ہے کہ ان باتوں کو جان کر بھی معاذ اللہ وہ حارب علیؑ ہوئے۔ ہائے دنیا تو نے کیا کیا بندگان خدا کو خراب و برباد کیا ہے۔ اور جبتک سلامت رہیگی ایسا ہی کیا کریگی۔ امیر معاویہ جیسا زیرک آدمی حضرت علیؑ سے لڑے اور اسطرح اپنی عاقبت برباد کرے۔ تو اگر لقمان و افلاطون بعلم۔ من بہیک پندار نادانت کنم۔ ابو ہذیل کہتے ہیں کہ مینے حضرت علیؑ کو دیکھا موٹا اور گندہ قمیص بدن پر پہنے ہوئے۔ اسکی آستین کو جب کھینچتے تو ناخن تک آستین پہنچتی مگر جب چھوڑ دیتے تو نصف بازو تک رہتی۔ مال غنیمت کی تقسیم میں بیت المال میں کچھ باقی نہیں رکھتے تھے۔ الا اس حالت میں کہ جب مال کو تقسیم کرتے اور دن تمام ہو جاتا۔ گھر میں کچھ مال باقی نہیں رکھتے تھے۔ آپ حکومت دیتے تھے دیانت داروں کو اور جب کسی عامل سے خیانت ظاہر ہوتی تو آپ اسکو قرآنی آیتوں سے نصیحت لکھتے اور بدرگاہ ایزد عذر خواہی کرتے کہ الٰہی مینے فلاں عامل کو ظلم کرنیکے لئے حکم نہیں دیا تھا۔ ابو عمر مجمع التمیمین سے روایت کرتے ہیں کہ مینے دیکھا کہ جب مال غنیمت یا زکوٰۃ یا خمس حضرت علیؑ تقسیم کرتے تھے تو موضع تقسیم کی زمین پر جاروب کشی کراتے تھے۔ تاکہ روز قیامت کوئی دانہ مجھپر گواہی کو نہ کھڑا ہو مطلب اسکا یہ ہے کہ تقسیم مال بالا میں دانہ دانہ کا لحاظ فرماتے تھے۔ بیت المال میں ایکبار آپ تشریف لیگئے اور اسمیں سے صرف خرما کھایا۔ اس واقعہ کے راوی ابو عمر ہیں۔ اسیطرح ابو عمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ایام خلافت میں منبر پر یہ فرمایا کہ کوئی میری اس تلوار کو خرید کریگا۔ اگر میرے پاس میرے پاجامہ کے برابر کی قیمت کا مال نقد ہوتا تو میں اس تلوار کو نہ بیچتا۔ اسپر ایک شخص اٹھکر بولا کہ میں اسقدر آپکو قرض دونگا۔ بروایت احمد معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے جب حضرت فاطمہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ بیاہا تو ایک چادر مقنعہ اور ایک فرش اور ایک تکیہ خرمہ کی چھال کا اور ایک چکی اور مشک اور موزہ جہیز میں دیے۔ چاہئے کہ بیاہ میں فضول خرچی کے مرتکب ہونیوالے حضرت رسولؐ کی کاروائی بالا سے عبرت پکڑیں۔ اللہ اکبر واقعی دنیا کے مال و جاہ سے حضرت رسولؐ اور خاندان رسولؐ کو خس برابر بھی علاقہ نہ تھا۔ حضرت علیؑ اجرت پر کنوئیں سے پانی نکالتے تھے اور حضرت سیدہؑ روز چکی پیستی تھیں۔ حضرت علیؑ کی نفس کشی کی ایک اور کیفیت احمد بروایت مجاہد یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیرؑ نے فرمایا کہ ایکدن مجھے اشتہا نے مدینہ میں غلبہ کیا جس میں گھر سے باہر نکلا کہ مزدوری کرکے کچھ قوت کی صورت پیدا کروں۔ ناگاہ ایک عورت کو دیکھا کہ مٹی کے کچھ ڈھیلے جمع کر رہی ہے اور انکو تر کرنیکے لئے پانی کی تلاش میں ہے۔ مینے سولہ خرمے اپنی اجرت طے کرکے اسکے لئے کنوئیں سے پانی کھینچدیا مگر میرے ہاتھوں میں پانی کھینچنے سے آبلے پڑ گئے بہرحال ان خرموں کو ایک کف دست پر رکھکر حضرت رسولؐ خدا کے حضور میں پیش کیا اور حقیقت حال بیان کی۔ حضرت رسولؐ نے میرے ساتھ انمیں سے کچھ نوش فرمایا۔ راقم کہتا ہے کہ جو جنگلے رہتے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے۔ اسطرح کی محنت مزدوری بھی وہی

کے سوا کسی ناپاک دنیادار کو نصیب نہیں ہو سکتی ہے شعر تا بدانم آنکہ بر من عاشقی۔ بر جبال خویش جرأت کنم۔
آخر میں محمد بن کعب القرظی کی حدیث ذکر کیجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت امیرؑ کہتے ہیں کہ میں رسول خدا کا صاحب علم تھا اور بھوک کی شدت سے کلیجہ دھسا جاتا تھا ایسی حالتمیں میں نے اپنا پیٹ پکڑ لیا اور راہ خدا میں لڑنے لگا حق یہ ہے کہ اگر چالیس ہزار دن مجھے ایسی سعادت کے نصیب ہوتے تو میں ایسا ہی ثابت قدم رہتا اب اہل انصاف حضرت علیؑ کا موازنہ فرارین اُحد و خیبر و حنین کیساتھ کریں اور شجاع اور غیر شجاع کے فرق کو امتیاز کریں۔
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ ہمارے مولا حضرت علیؑ بوجہ سیف اللہ شیر یزداں شاہ مرداں نہ تھے جب ایسے تھے تب ایسے تھے۔ لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار۔

فضائل اہل تشیع

نمبر (۳۴۵) جاننا چاہئے کہ شیعہ وہ فرقہ ہے کہ جس نے اطاعت اور پیروی کی حضرت علی علیہ السلام کی اور قائل ہے وہ فرقہ علیؑ اور اولاد علیؑ کی امامت کا۔ حضرت علیؑ کو وہ فرقہ امام نص کے رو سے مانتا ہے عام اس سے کہ وہ نص نصّ جلی ہو یا نصّ خفی۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ امامت حضرت علیؑ یا انکی اولاد کے باہر نہیں جاسکتی ہے الا ظلم اعدا اور تقیہ سے۔ اوّلاً کل شیعہ اپنے ائمہ کے طریقہ پر تھے۔ مگر جب ایک دراز زمانہ گذر گیا تو چند فرقے ہو گئے۔

دیکھو شرح مواقف صفحہ (۶۲۴) اور صفحہ (۶۲۹) راقم کہتا ہے کہ اولاد علیؑ ایک عرصہ تک اپنے خاندان کی ائمہ معصومین کے طریقہ پر رہی پھر انمیں پھوٹ پیدا ہوئی اور انمیں فرقے پیدا ہوتے گئے یہانتک کہ سنی سلاطین و بطول کے اثر سے شیعوں میں سے بہت سی اولاد علیؑ کی سُنی ہو گئی جیسا کہ اسوقت بھی کثرت سے صوبہ بہار میں سنی سادات دیکھے جاتے ہیں اور یہ سادات کثرت لاعلمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ انکے دادا علیؑ تھے اور علیؑ کا جانشینان برحق کا وہی مذہب تھا جسکے وہ پابند بے سمجھے بوجھے ہو رہے ہیں۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے مجددین سے ہجرت کی صدی دوم کے مجدد امام علیؑ ابن موسی الرضا ہیں سلام اللہ علیہ و علی آبائہ الطاہرین شیعہ کے لغوی معنی اتباع و انصار اور فرقہ کو بھی شیعہ کہتے ہیں اور یہ لفظ دلالت کرتا ہے واحد و اثنین و جمع و مذکر و مونث سب پر اصطلاحاً اب شیعہ سے مراد شیعیان علیؑ اور دوستداران خاندان علی ہیں (دیکھو قاموس جلد ۲۔ صفحہ ۵۲۴)۔

بروایت ابن عباس دیکھا جاتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میری اُمت سے ستّر ہزار آدمی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہونگے۔ اسپر حضرت علیؑ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ایسے وہ کون لوگ ہیں آنحضرت نے فرمایا وہ شیعہ تمھارے ہیں اور تم اُنکے امام ہو (معجم طبرانی و اسعاف الراغبین) طبرانی کی اخراج کردہ حدیث بروایت حضرت علیؑ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ بتحقیق تم اور تمہارے شیعہ قریب ہے کہ خدا کے آگے آویں نہایت راضی اور خوش (اسعاف الراغبین صفحہ ۱۵۶) انشاء اللہ تعالیٰ

راقم بھی اپنے آقا علیؑ کیساتھ درگاہ ایزدی میں اسیطرح خوش خوش پہنچیگا۔ لاریب ایساہی ہوگا۔ حضرت رسولؐ کا فرمودہ لغو نہیں ہوسکتا۔ امام مناوی نے کتاب کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق میں روایت یوں درج کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ وارد ہونگے حوض کوثر پر۔ راقم کہتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن بہت دور نہیں ہے۔ اُسی کتاب کنوز الحقائق میں یہ بھی حدیث درج ہے کہ فرمایا رسول خداؐ نے کہ علیؑ اور اُن کے شیعہ رستگار و صاحب نجات ہیں بروز قیامت۔ راقم کہتا ہے کہ اسکے خلاف ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ قول پیمبر راست ہوا ہی اور ہوگا۔ واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ حضرت محمدؐ کے شیعوں سے ہر آئینہ حضرت ابراہیمؑ ہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ دینِ محمدؐ پر ہیں بقولہ تعالیٰ وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ (دیکھو شفاء قاضی عیاض جلد ۱) اور اسیطرح سورۂ قصص میں شیعہ حضرت موسیٰ کا ذکر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے بقولہ تعالیٰ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ قاضی بیضاوی اسکی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ ایک اُن دونوں سے وہ ہے جس نے حضرت موسیٰؑ کے دین کی پیروی کی اور بنی اسرائیل تھے اور دوسرا وہ ہے جس نے حضرت موسیٰؑ سے مخالفت کی اور وہ قبطی تھے۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ حکایت مندرجہ قرآن کا اشارہ حضرت رسولؐ کیطرف ہے۔ اور محشی بیضاوی کہتے ہیں کہ وہ حکایت حضرت رسولؐ ہی کیلئے داخل قرآن ہوئی۔ اب راقم عرض کرتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ بقول خدا شیعۂ محمدؐ کہلائے اور تابعین حضرت موسیٰؑ یعنی بنی اسرائیل بھی شیعہ موسیٰؑ کہے گئے تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ شیعہ کا مطبوع خداوندی ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ جس سے تنفر پیدا ہو۔ حضرات اہل سنت کو جو اس لفظ سے نفرت ہے تو انکی یہ نفرت رغبت خداوندی کے مخالف ہے۔ خیر اب راقم دکھلاتا ہے کہ جب حسب قول خداوندی بنی اسرائیل شیعہ حضرت موسیٰؑ ہیں اور آیت منزلت کے روسے حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کیمانند ہیں تو سوال یہ ہوتا ہے کہ شیعۂ موسیٰؑ کیطرح شیعۂ محمدؐ و علیؑ اہل اسلام میں حضرات اہل سنت ہیں یا اہل شیعہ؟ اسکا انصاف اہل سنت خود کرلیں۔ راقم کو اس سے زیادہ عرض کرنیکی حاجت نہیں ہے۔ آخر میں عرض راقم یہ ہے کہ جب اہل تشیع کی خوبیاں ذرائع بالا سے ثابت ہیں اور بقول حضرت رسولؐ شیعۂ علیؑ ایک ایسا فرقہ ہے کہ حضرت علیؑ کیساتھ وارد حوض کوثر ہوگا اور حضرت علیؑ کیساتھ بروز قیامت رستگار اور صاحب نجات ہوگا تو ایسی حالت میں حضرات اہل سنت کو زیبا نہیں ہے کہ فرقۂ امامیہ کی تکفیر کے قائل ہوں اور انپر جواز لعن کا حکم جاری کریں۔ جائے انصاف ہے کہ مذہب اہل سنت کے روسے یزید پر لعن جائز نہیں ہے اسلئے کہ وہ اہل قبلہ سے تھا اور شیعہ جو اہل قبلہ ہیں اُنپر لعنت کرنے میں اہل سنت مطلق دریغ نہیں کرتے ہیں جیسا کہ صاحب صواعق محرقہ و شارح بغوی و ملا علی قاری و قاضی عیاض و قسطلانی وغیرہ کی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے (دیکھو فرقۂ امامیہ پر جواز لعن کی بحث جو اس کتاب کے سابق حصہ میں حوالۂ قلم ہوچکی ہے) یزید پر لعنت کرنیکی زیادہ وجہ اہل سنت کو اسکو اہل قبلہ ہونیکے علاوہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل سنت یزید کیساتھ عقائد میں جہت

کچھ موافقت رکھتے ہیں۔ یزید بھی حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کو حق جانتا تھا اور حضرات ممدوحین کے فضائل کثیرہ کا اسیطرح قائل تھا جسطرح اہل سنت قائل نظر آتے ہیں۔ علاوہ خلفائے ثلثہ کے یزید اپنے پدر بزرگوار امیر معاویہ کو ویسا ہی خلیفہ برحق اور صاحب فضائل جانتا تھا جیسا کہ اہل سنت امیر معاویہ کو خلیفہ برحق اور صاحب فضائل جانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہل قبلہ ہونیکے ساتھ جب یزید اہل سنت کے ضروری عقائد کا اسقدر شریک دکھائی دیتا ہے تو اہل سنت جواز لعن کا حکم اسپر کیونکر دے سکتے ہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ یزید اہل سنت کا خلیفہ اور امام بھی ہے۔ شروط خلافت سب اسکے حسب حال ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اہل سنت اپنے خلیفہ پر لعنت نہیں کر سکتے۔ خیر اگر یزید اہل سنت کے نزدیک مستحق لعن نہیں ہے تو نہو مگر اہل سنت کو لازم ہے کہ اہل تشیع پر بیجہ بوجہ کر لعنت کریں اسواسطے کہ اہل تشیع اہل قبلہ ہونیکے علاوہ جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے ایک ایسا فرقہ ہے جسکی بقول نبیؐ قیامت کے دن رستگاری اور نجات امر یقینی ہے۔

تقیہ

نمبر (۵۵) تقیہ کی لغوی معنی ہیں اپنے کو کسی ضرر انگیز امر سے بچانا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں وہ فعل جسکو امامیہ اپنی حفاظت جانی ومالی وغیرہ کی بناپر حلال جانتے ہیں اور انکے مخالفین یعنی حضرات اہل سنت حرام۔ گو اپنی تمام کارروائیوں میں حضرات اہل سنت اشخاص امامیہ سے کم اسکے مرتکب نہیں ہوتے۔ انکی روزانہ کی ایسی کارروائیاں اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ تقیہ ایک فطری امر ہے اور اس سے کسی شخص یا قوم کو ہرگز کسی زمانہ میں گریز ممکن نہ تھا نہ ہے اور نہ ہوگا اسکے فطری امر ہونیکے باعث صرف دنیا کے سلاطین و مدبران زمانہ ہی اسکے پابند نہیں رہے بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اسکی پابندی سے خالی نہیں دیکھے جاتے ہیں توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر میں تشریف لیگئے تو بادشاہ کی ضرر رسانی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کیلئے آپکو اپنی بی بی کو بہن کہنا پڑا۔ اور اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام نے گو اپنے بھائیوں کو مصر میں پہچانا مگر اس امر کو بھائیوں سے پوشیدہ رکھکر ان کارروائیوں کے پابند ہوئے جن سے ہر شخص قرآن خواں پوری واقفیت رکھتا ہے۔ اسیطرح حضرت مسیح یہودا کی بدطینتی سے واقف تھے مگر اپنی رفاقت میں اسے اپنا خازن بنائے ہوئے تھے۔ حضرت رسالتمآب کا مکہ سے ہجرت فرمانا اور غار میں جا چھپنا اور قبل ترک وطن کرنیکے علیؑ کو اپنے بستر پر سو رہنے کی ہدایت کر جانا اگر یہ سب کام تقیہ نہیں کہلائینگے تو کیا کہلائینگے۔ میں اسیطرح کی سینکڑوں مثالیں حضرات انبیاء علیہم السلام کی پیش کر سکتا ہوں جس سے تقیہ کا فطری اور مذہبی پابندی کیساتھ اخلاقی سوشل اور تمدنی بناء پر قرین حق ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ خود قول خداوندی لَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ تقیہ کا ہادی ہے اور کیوں ہادی نہو جب افتاد فطرت اسکی ہر زمان و ہر مکان میں اسکی متقاضی پائی جاتی ہے۔ اسی تقاضائے فطرت کی بناپر حضرت رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بروایت مقداد یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی مومن اپنے ایمان کو کفار سے پوشیدہ کرے پس اسکا یہ فعل بہترین ایمان تصو

ہے اور یہ وہ فعل اخفا کا ہے کہ جسے تم ہی مکہ میں کیا کرتے تھے یہ حدیث بخاری میں موجود ہے۔ اور تقیہ کے امر حق ہونیکا کامل طور پر مثبت ہے۔ اہل سنت تقیہ کی جگہ لفظ توریہ استعمال فرماتے ہیں اور توریہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تقیہ اور توریہ کوئی دو شئے نہیں ہیں شئے واحد ہیں اگر فرق ہے تو اسیقدر کہ توریہ کلام کی ساتھ مخصوص ہے اور تقیہ میں قول و فعل دونوں داخل ہیں مگر تقیہ چونکہ ایک امامیہ لفظ ہے یعنی ایسا لفظ ہے جو مطبوع اختصاص امامیہ ہے۔ اسلئے حضرات اہل سنت اس سے اکراہ رکھتے ہیں۔

عموماً اہل سنت تقیہ کو دروغگوئی کا مترادف جانتے ہیں حالانکہ تقیہ کو فعلاً اور قولاً دروغگوئی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تقیہ اور دروغگوئی کے اغراض ایک دوسرے سے تمامتر علیحدگی رکھتے ہیں اگر دونوں کے اغراض واحد ہوتے تو نعوذ باللہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام دروغگو ٹھہرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بی بی کو بہن کہدینا استحفاظ آبرو کے خیال سے تھا۔ ایسا فرمانا آپ کا ایک فعل تقیہ کا تھا دروغگوئی کا نہ تھا۔

محل ہائے مناسب میں صرف ائمۂ خاندان پیغمبری تقیہ کے کاربند نہیں ہوئے بلکہ پیشوایان اہل سنت بھی تقیہ سے کام نکالتے تھے۔ میں اسجگہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعلی تقیہ کی ایک مثال پیش کرتا ہوں گو یہ ایک اچھی مثال ضرورت تقیہ کی نہیں معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ ضرورت تقیہ کی اس سے واضح طور پر نمایاں نہیں ہے۔ واضح ہو کہ ابن جوزی اپنی کتاب الاذکیا میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص حضرت امام اعظم کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں ایک حسین اور مرفہ الحال عورت پر عاشق ہو گیا ہوں مگر میں خود تنگدست ہوں اُس عورت کے اقربا مجھسے اسکا نکاح ہونے نہیں دینگے۔ آپ کوئی تدبیر ایسی نکالئے کہ میرا نکاح اُس عورت کیساتھ ہو جائے۔ امام ممدوح نے اُس شخص سے یہ فرمایا کہ تو میرے ہاتھ اپنی فلاں شئے بارہ ہزار درہم کو فروخت کرنا چاہتا ہے اُس شخص نے کہا کہ نہیں تب آپ نے کہا کہ تو جا اور اُس عورت کے اقرباء سے کہو کہ میری حالت سے امام ابو حنیفہ خوب واقف ہیں تم لوگ امام صاحب سے دریافت حال کر لو۔ چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا۔ تب وہ لوگ امام ممدوح کے پاس دریافت تحقیقات کیلئے آئے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ شخص یعنی امیدوار نکاح میرے پاس ایک شئے بیچنے کو لایا تھا اور میں بارہ ہزار درہم بسبیل قیمت اُسے دیتا تھا مگر وہ شخص اس قیمت پر اُس شئے کے بیچنے پر راضی نہوا۔ آپ کے اس ارشاد سے اُس عورت کے اقربا کی تسلی ہو گئی اور امیدوار نکاح کا عقد اُس عورت کیساتھ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ امام اعظم صاحب کی یہ ساری کارروائی آپکے قولی تقیہ سی خبر دیتی ہے۔ گو آپ کے اس تقیہ کی کارروائی مستحسن انداز نہ رکھنے کے باعث آپکے درجہ و شان سے بہت کچھ گری ہوئی نظر آتی ہے۔ میں اسکو مستحسن انداز کا تقیہ اسلئے نہیں کہتا کہ ایسے تقیہ کا کاربند ہونا حضرت امام صاحب کیلئے نازیبا ہونیکے علاوہ بجائے خود کسی ضرورت کا پہلو نہیں دکھلاتا۔ اور یہ ایسا تقیہ تھا جو حضرت امام صاحب کیلئے آیندہ ضرر رساں ثابت ہوا۔ اور آجتک اہل اطلاع آپکے اس تقیہ کو کسیطرح عظمت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ جو نتیجہ آپکو اس تقیہ سے ہوا وہ تاسف سے خالی نہیں ہے۔ بقیہ

روداد اُس عورت کی یہ ہے کہ جب اُسکو یہ معلوم ہوا کہ اسکا ناکح ایک مفلس قلاش ہے اور نکاح کا معاملہ حضرت امام کی خوش تدبیری سے ظہور میں آیا ہے تو اُسکے معاوضہ کی نظر سے آراستہ وپیراستہ ہوکر حضور میں امام صاحب کے گئی اور یہ عرض کی کہ حضرت میرا باپ میرا نکاح کسی کیساتھ نہیں ہونے دیتا اور جتنے خواستگار نکاح ہوتے ہیں اُنسے کہدیتا ہے کہ میری بیٹی اندھی لنگڑی۔ لولی اور لوتھ ہے تم لوگ اُس سے نکاح کے طالب نہو۔ چونکہ وہ عورت اس سے واقف تھی کہ امام صاحب نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا اُسنے اُنسے یہ بھی کہدیا کہ وہ محلہ کے کسی کنجڑے کی بیٹی ہے پھر اُسنے استدعا حضرت سے نکاح کی کی اور یہ کہکر اپنے جمال و تناسب اعضا کی کیفیت کو امام صاحب پر ظاہر کرنیکے لئے اپنے منہ اور سر کو کھولدیا باہیں دکھلائیں اور ساقوں سے کپڑا اُٹھادیا۔ حُسن دلفریب ہوتا ہے۔ امام صاحب کا نکاح پر راضی ہوجانا خلاف فطرت نہ تھا۔ اُس عورت کے چلے جانیکے بعد امام صاحب نے اُس کنجڑے کو بلا بھیجا اور اپنا ارادہ اُس سے ظاہر کیا۔ کنجڑے نے عرض کی کہ اے حضرت میری بیٹی اندھی لنگڑی لولی اور لوتھ ہے وہ ہرگز آپ کے قابل نہیں ہے۔ مگر امام صاحب نے فرمایا کہ تجھکو اس سے کیا وہ کیسی ہی ہے اُس سے ہم نکاح کرینگے۔ اسکے بعد امام صاحب کا نکاح اُسی روز اُس کنجڑے کی بیٹی کیساتھ انجام پاگیا۔ شام کو وہ کنجڑا اپنی بیٹی کو ایک بڑے ٹوکرے میں رکھکر ایک غلام کی مدد سے حضور میں امام صاحب کے لے آیا حضرت نے جو عروس کو ایسا دیکھا تو تین طلاق دیکر اپنی گلو خلاصی فرمائی۔ ایک مہینہ کے بعد وہ عورت جو باعث اس نکاح کی ہوئی تھی حضور میں امام صاحب کے حاضر ہوئی۔ آپنے اُس سے فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا۔ جواب میں اُس عورت نے کہا کہ عوض را گلہ نباشد۔ آپ نے میرا نکاح ایک مفلس کیساتھ کرادیا۔ میںنے آپکا نکاح ایک اندھی لنگڑی لولی لوتھ کیساتھ کرادیا ظاہر ہے کہ اس عورت نے بھی تقیہ کی چال اختیار کی مگر اس انداز کا تقیہ مقدوح ہونیکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ان طریقوں کا تقیہ مذہب امامیہ میں تمامتر حرام کا حکم رکھتا ہے۔ شرط تقیہ کی یہ ہے کہ جان یا مال عظیم یا آبرو محل خوف میں واقع ہو۔ بے ضرورت شدید تقیہ جائز نہیں ہو سکتا۔ اسوقت میں کہ نہ سلطنت بنی امیہ کی ہے اور نہ بنی عباس کی اور بہ اسباب ظاہر نہ جان کا خوف ہے نہ مال و آبرو کا پس ایسے وقت میں حضرات امامیہ کو عام طور پر کوئی حاجت تقیہ کی باقی نہیں رہی ہے سلطنت انگریزی ہر فرقہ بنی آدم کو ادائے ارکان دین میں پوری آزادی دیچکی ہے جبتک یہ نظم و نسق بحکم خداوند لایزال قایم رہیگا تقیہ کی حاجت فرقہ امامیہ کو تمدنی حیثیت سے نہیں پڑیگی پوشیدہ نہیں ہے کہ یہی حیثیت ہی جو اشخاص فرقہ امامیہ کے پابند تقیہ ہونیکی باعث ہوئی تھی۔

فرقہ امامیہ کے پابند تقیہ ہونے کے اسباب

ہرچند تقیہ ایک ایسا فطری امر ہے کہ جس سے شیعہ و سنی دونوں کو بلکہ تمام بنی آدم کو اس سے مفر کی صورت نہیں ہو سکتی۔ تاہم اسکے اختصاص کے اسباب فرقہ امامیہ کیساتھ یہ ہیں کہ اس فرقہ کو مختلف زمانوں میں اسکی سخت ضرورتیں لاحق رہی ہیں اور اُنہی ضرورتوں کی بنا پر تقیہ فرقہ امامیہ کے مذہب کا

ایک جزو ہو گیا ہے اگر تقیہ کے تمسک امامیہ عہد بنی امیہ اور بنی عباس میں نہوئے ہوتے تو آج انکا وجود صفحۂ ہستی پر باقی نہ رہتا۔ برخلاف اسکے اہل سنت کا یہ معاملہ رہا ہے کہ حکومتوں کے حاصل رہنے کے باعث انہیں غیر معمولی طور پر تقیہ کے برتنے کی حاجت کبھی لاحق ہی نہیں ہوئی جس سے تقیہ انہیں مذہبی طور پر رواج نہیں پا سکا۔ ائمہ خاندان پیغمبر اور ان کے پیروان کیساتھ جو انکے مخالفین کا برتاؤ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانوں میں قائم رہا ہے اسکا پورا فوٹو اشعار ذیل میں پایا جاتا ہے جناب سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی اُن عہدوں کے واقعات کو نہایت سچائی کیساتھ اسطرح نظم فرماتے ہیں۔ **منظوم**

مقتدا اُس پر ستم ہوتے رہے | ظلم سب پر بیش و کم ہوتے رہے
چین سے رہنے نہ پائے الحذر | گوشہ گیری میں ہوئیں عمریں بسر
اسپہ بھی ہوتے رہے اکثر اسیر | زہر دلواتی رہی قوم شریر
جوش کیسا ماتم شبیرؑ میں | رو نہ سکتے تھے غم شبیرؑ میں
ہم وہی ہیں جھیلتے تھے سختیاں | تھی جب اولاد اُمیہ حکمراں
ہم وہی ہیں تھے بلا میں مبتلا | جب زمانہ تھا بنی عباس کا
شیعگی تھی داخل جرم کبیر | اس خطا پر روز ہوتے تھے اسیر
چین سے رہنے نہ پاتے تھے کہیں | ڈھونڈھتے پھرتے تھے ہم کو اہل کیں
کاٹے جاتے تھے ہمارے بند بند | ذبح یوں ہوتے تھے جیسے گوسفند
سیکڑوں ہی گھر جلا ڈالے گئے | کھود کر قبریں نکلوائے گئے
ہوتے تھے تشہیر بازاروں میں جسم | جاتے تھے بندھ بندھ کے درباروں میں ہم
گردنیں داغی گئیں اور ہاتھ بھی | کونسی توہین تھی جو اٹھ رہی
لوٹا جاتا تھا ہمارا مال و زر | پھرتے تھے بیدست و پا ہم دربدر
مسکنوں میں رہنے پائے کب غریب | موت غربت کی ہوئی اکثر نصیب
جب ہوئے داخل کسی تدبیر سے | مر کے نکلے خانۂ زنجیر سے
دفن کرنا تنگ ہمارا تھا گناہ | مر کے بے دفن و کفن رہتے تھے آہ
رونے والے ہم کو رو سکتے نہ تھے | اپنا منہ اشکوں سے دھو سکتے نہ تھے
روتے اچھا تا جو اپنے حال پر | تازیانے پڑتے تھے اطفال پر
مشہدوں پر بھی نہ پاتے تھے اماں | بہتی تھیں ہر جا لہو کی ندیاں
گردنیں لاکھوں ہماری کٹ گئیں | ڈھیر سے لاشوں کے گلیاں پٹ گئیں
پتھروں میں ہم دبائے جاتے تھے | سولیوں پر ہم چڑھائے جاتے تھے

قتل ہوتے تھے کبھی ہوتے تھے قید
خون کے پیاسے تھے عمرو و بکر و زید
جب کوئی قصر ستم آرا بنا
خون سے سادات کے گارا بنا
دلشکن الفاظ سنوائے گئے
زندہ دیواروں میں چنوائے گئے
کاٹ کر لائی گئیں نہریں کبھی
ہل چلے قبروں پہ اُف ری بے بسی

اللہ اکبر کیا ہولناک معاملے آل محمدؐ اور پیروان محمدؐ کو پیش آئے ہیں اگر ایسے زمانوں میں بیچارے امامیہ تقیہ سے کام نہ لیتے تو کیا کرتے تماشا ہے کہ مخالفان امامیہ تقیہ کو سرمایۂ نفاق قرار دیتے ہیں اور اسکی ضرورتوں پر نظر نہیں کرتے حالانکہ مسئلہ تقیہ ایک ایسا فطری مسئلہ ہے کہ اخلاقی سوشل اور تمدنی معاملات میں کسی بنی آدم کو اس سے مفر نہیں ہے دیکھئے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کو کر بے ضرورت بھی آپنے اپنی کتاب تحفہ کی ابتدا تقیہ کیساتھ فرمائی ہے یعنی اپنا نام غلام حلیم اور اپنے والد کا نام قطب الدین احمد رکھا ہے ظاہر اکوئی معقول ضرورت اس تقیہ کی نہ تھی جناب شاہ صاحب کو کسیطرح پر خوف جان خوف مال یا خوف آبرو کا احتمال نہ تھا۔ اسپر بھی تقیہ کا اختیار فرمانا آپکو پسند آیا۔ پس اگر ایسے مامون زمانے میں جو آپ کا تھا حضرت شاہ صاحب تقیہ کی کارروائی کو اختیار فرمانا مناسب سمجھے تو بنی امیہ اور بنی عباس کے عہدوں میں آل محمدؐ اور پیروان آل محمدؐ جو تقیہ کے کاربند ہوئے تو کیا برا کیا۔ بلکہ اگر ایسے وقتوں میں اسکے کاربند نہوتے تو دین اور عقل دونوں کا خون کرتے۔ واضح ہو کہ فرقہ امامیہ کو تقیہ کیساتھ متمسک ہونیکی ضرورت بے وجہ نہیں ہوئی ہے جیسا کہ اوپر حوالۂ قلم ہوا ہے۔ مگر اسکو انصاف کشی سے کوئی علاقہ نہیں ہے اور نہ اتلاف حق سے کوئی تعلق۔ اگر تقیہ کو اہل سنت کی اس مسئلہ سے موازنہ کریں جس سے دو غیر بنی ہاشم کے اجماع سے اجماع قایم ہوجاتا ہے اور بنی ہاشم کی ہزاروں افراد کے اجماع سے اجماع نہیں قرار پا سکتا تو دونوں کا فرق مخفی نہیں رہ سکتا ہے۔ لاریب یہ مسئلہ حق کشی کی غرض سے قایم کیا گیا ہے گو تقیہ کیطرح ضرورت وقت ہی اسکے ایجاد کی بھی باعث ہوئی ہے۔

وقعت تقیہ

تقیہ کی وقعت اسی سے ثابت ہوتی ہے کہ بہت سے مواقع میں یہ ایک بڑا آلہ حفاظت خود اختیاری کا ہے علاوہ اسکے تمام امور دنیا کے انجام کا مدار اسی پر ہے آج دنیا سے تقیہ اٹھ جائے تو فوری بڑی بڑی سلطنتوں میں زوال آجائے تمام جمعیتیں درہم و برہم ہوجائیں ہر طرح کے کارخانے گاؤ خورد ہوجائیں شہر شہر خانہ جنگیاں ہونے لگیں ہر گلی کوچہ میں خون کی ندیاں بہتی دکھائی دیں رشتہ داریاں ٹوٹ جائیں اور آخر کار تھوڑے ہی عرصہ میں بنی آدم کا وجود صفحۂ ہستی سے معدوم ہوجائے جاننا چاہئے کہ تقیہ بڑے مصالح پر مبنی ہے۔ امور دنیا و دین میں اسکو پورا دخل ہے اسکو دروغگوئی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے اور نہ اسکی بنا خود غرضی پر واقع ہوئی ہے عدم خود غرضی کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ تو فلاں کو قتل کر

ورنہ میں تجھے قتل کر ڈالونگا تو اپنا قتل کیا جانا گوارا کرے مگر فلاں کو قتل نہ کرے۔ شرعاً یہ محل تقیہ کا نہیں ہے اگر ایسا کریگا تو قتل عمد کا مرتکب ہو کر دوزخ کا سزاوار ہو جائیگا۔ بجائے خود یہ ایک مسئلہ تقیہ کا پورے طور پر رفعت تقیہ کا مثبت نظر آتا ہے اب ذیل میں تقیہ کی حقیقت کتب اہل سنت سے دکھلاتا ہوں۔ تب ظاہر ہو جائے گا کہ اہل سنت کے مذہب میں تقیہ اتنا ہی امر جائز ہے جتنا کہ اہل تشیع کے مذہب میں ہے۔

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ سورہ آل عمران میں فرماتا ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً یعنی جائز نہیں ہے کہ مومنین کافرین سے دوستی کریں مگر بحالت تقیہ۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ یعقوب قاری نے تَقِيَّةً کو تقیہ پڑھا ہے اور بحالت خوف کفار سے دوستی جائز ہے (دیکھو بیضاوی صفحہ ۱۳۴) سورہ مومن میں یہ آیت ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ یعنی کہا ایک شخص مومن نے آل فرعون سے جو پوشیدہ رکھتے تھے اپنے ایمان کو یہ شخص حزقیل تھے جو فرعون کے چچازاد بھائی تھے اور اپنے ایمان کو فرعون اور اسکی قوم سے ایک سو برس تک چھپائے رہے (دیکھو تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابن عباس) سیرۃ محمدیہ کے صفحہ ۲۹۴ میں قصہ ابو جندل کے متعلق مذکور ہے کہ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَبَاحَ التَّقِيَّةَ لِلْمُسْلِمِ إِذَا خَافَ الْهَلَاكَ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے مباح کیا ہے تقیہ کو مسلمان کیواسطے جب اُسے خوف ہلاکت ہو۔ اسکے آگے کی عبارت کا یہ مفہوم ہے کہ رسول اللہ نے یہ بھی اجازت دی ہے کہ تقیہ میں اندر دل سے ایمان رکھے اور زبان سے کفر بولے جیسا کہ قصہ ابو جندل صحابی کا ہے۔ اسیطرح اس کتاب کے صفحہ ۴۴ میں دیکھا جاتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اے ابوذر جب تمہیں لوگ مدینہ سے نکالدینگے تو تم کیا کروگے ابوذر نے عرض کی کہ مکہ کو چلا جاؤنگا تب آنحضرت نے پوچھا کہ اگر لوگ مکہ سے بھی تمہیں نکالدینگے تو کیا کروگے اسپر ابوذر نے عرض کی کہ تب تلوار سے لڑونگا۔ یہ سنکر آنحضرت نے فرمایا البتہ کرنا بہتر یہ ہے کہ تم سب باتیں سن لینا اور انکی تابعداری کرنا اگرچہ وہ ظالم حبشی غلام بھی ہوں۔ سیرۃ النبویہ سید احمد دحلان کی جلد ۱ صفحہ ۲۹۰ میں مندرج ہے کہ کفار قریش مکہ نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہوں حالانکہ اسمیں شک نہیں کہ حضرت امیرؑ جانتے تھے کہ جناب رسول خدا غار ثور میں پناہ گزیں تھے۔ یہ تقیہ نہ تھا تو کیا تھا۔ اہل سنت اسکو کذب کہیں تو کہیں بیچارے شیعہ تو کذب کی نسبت حضرت علیؑ کی طرف نہیں کر سکتے ہیں۔

اسیطرح کا معاملہ تاریخ خمیس کی جلد ۱ صفحہ ۳۵۳ میں مسطور پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کفار نے پوچھا حضرت رسول خدا کی نسبت کہ اے ابوبکر یہ شخص جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ شخص راستہ بتانیوالا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اسجگہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی تقیہ کی کاروائی اختیار کی۔

سیرۃ الحلبیہ کی جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ میں حلبی کہتے ہیں کہ جس جگہ پر کفار کا غلبہ اور اسلام کا ضعف ہو تو ہمارے کفار

پر لعنت نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ حکم اسوقت تک باقی ہے۔ سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۱۵۱۔ اور بخاری کی جلد اول صفحہ ۳۵۱ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول مکہ میں پندرہ برس رہے اُسمیں سے صرف چار یا پانچ برس مخفی اور خوف زدہ طور پر دعوتِ اسلام فرمائی۔ حال یہ تھا کہ کفار قرآن نبی اور خدا پر لعن کرتے تھے اسلئے خدائے پاک نے یہ آیت بھیجی کہ آہستہ نماز پڑھو تاکہ مشرکین تمہیں نماز پڑھتے نہ سُن سکیں مگر اصحاب سے اخفا کرنا ضرور نہیں ہے لیکن اسقدر آواز بلند سے نہ پڑھو کہ تم سے کفار قرآن مجید کو چھین لیں اسعاف الراغبین کے صفحہ ۵۱ میں مذکور ہے کہ حضرت رسولؐ خدا جب نماز کا ارادہ فرماتے تو گوشہ خلوت میں ادائے نماز فرماتے ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ کسی مشرک نے سعد بن ابی وقاص کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اسپر وہ مشرک سعد کو سخت و سُست کہنے لگا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سعد میں اور اُس مشرک میں لڑائی ہوگئی اور سعد نے اُس مشرک کو مارا ظاہر ہے کہ حسب ہدایت جناب رسولؐ خدا اگر احتیاط کیجاتی تو ایسے فساد کی نوبت نہ پہنچتی۔ ترمذی کی جلد ۲ صفحہ ۱۶ میں درج ہے کہ بروز قیامت لوگ پہلے حضرت ابراہیم کے پاس بامید شفاعت آوینگے مگر حضرت ابراہیمؑ فرماینگے جاؤ مجھسے کیا ہو سکتا ہے۔ میں تین بار جھوٹ بول چکا ہوں ظاہر ہے کہ آپ تقیہ کی پابندی سے ایسے اقوال کے کاربند ہوئے تھے۔ اسی لئے جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ ایسے جھوٹ ابراہیم کو بحکم شرع جائز تھے۔

بخاری کی جلد ۱ صفحہ ۵۳ میں بروایت ابن عباسؓ یہ حدیث درج ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے مقداد سے فرمایا کہ مومن کا اپنے ایمان کو قوم کفار سے مخفی کرنا بہترین ایمان ہے جیسا کہ تم مکہ میں اخفائے ایمان کیا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قوم کفار سے ضرر پہنچنے کا خوف ہو تب اخفائے ایمان کرنا چاہیئے۔ لاریب یہ ایک مناسب موقع تقیہ کے اختیار کرنے کا ہے۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۴ میں حذیفہ سے روایت ہے کہ میں جناب رسالتمآب کے پاس تھا کہ آپنے فرمایا کہ پوشیدہ کرو اپنے اسلام کو۔ مینے عرض کی یا حضرتؐ آپ کیوں خوف رکھتے ہیں میرا قبیلہ چھ سات سو آدمیوں پر مشتمل ہے۔ اسپر آپنے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ شاید تم کبھی اپنے اعدائے دین سے تن تنہا ملاقی ہو جاؤ جب ایسا وقت کسیکو لاحق ہو جائے تو لازم ہے کہ نماز آہستہ آواز سے پڑھے۔ قسطلانی لکھتے ہیں کہ اصحاب جناب رسولؐ خدا اکثر ایسے تھے کہ اسلام کو ظاہر نہ کرتے تھے اور نماز چپکے چپکے پڑھتے تھے تاکہ فتنہ و فساد کی صورت نہ پیدا ہو۔ بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ میں لکھتے ہیں کہ سورہ شعرا کی آیت کے مطابق حضرت موسٰی علیہ السلام تیس برس تک تقیہ کے پابند رہے قسطلانی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۷۹ میں کہتے ہیں کہ ظالم اور دشمن دین کے مقابلہ میں اپنی جان کو ضرر سے بچانے کیلئے حرف ناراست کو زبان پر لانا صورت جائز رکھتا ہے۔ بیضاوی کی جلد ۱ صفحہ ۹۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ تقیہ کی اجازت دیتی ہے۔ تفسیر معالم التنزیل بھی تفسیر بیضاوی کی اس بارے میں ہمخیال ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ تقیہ ابتدائے اسلام میں ضعف اسلام کیوجہ سے

ایک ضروری امر سمجھا جاتا تھا اب اسکی ضرورت باقی نہیں ہے۔ الا عند الحاجت تفسیر جلالین وتفسیر ابن عباس وتفسیر نیشاپوری وتفسیر کبیر رازی ان سب تفاسیر میں تقیہ کا جواز عند الضرورت دیکھا جاتا ہے المختصر تقیہ اہل تشیع ہی کی خاص چیز نہیں ہے اہل سنت بھی مساوی درجہ میں اسکے شریک ہیں۔ یہ اہل سنت کی غایت درجہ کی حق کشی ہے کہ تقیہ کو اہل تشیع کے بدنام کرنے کا ایک عوام فریب ذریعہ پیدا کر لیا ہے۔

تبرا

نمبر (۱۵) لغوی معنی تبرا کی بری ہونا ہیں۔ یعنی کسی فریق سے کنارہ کش ہونا عرف میں تبرا سب وشتم ولعن کا مترادف ہوگیا ہے حالانکہ تبرا کو ان امور سے درحقیقت کوئی واسطہ نہیں ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان نے اپنے عہد گرامی میں جناب علیؑ ابن ابی طالب پر سب وشتم ولعن کی کارروائی کو جزو مذہب قرار دیدیا تھا اور اس کارروائی کا نام تبرا ہوگیا تھا اسلئے سب دشتم ولعن کی کارروائی عرفاً تبرا کہی جاتی ہے واضح ہو کہ لغوی معنی سے تبرا کی فرقہ امامیہ کو چارہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر تبرا کا مضمون شیعوں میں سے دور ہوجائے تو اُن کا مذہب ہی غائب ہو جائیگا جسکی وجہ سے اُن کو حضرات اہل سنت کیساتھ ہمخیال ہونا ایک امر مجبوری ہو جائیگا۔ ظاہر ہے کہ تبرا کا الزام فرقہ امامیہ ہی کو نہیں دیا جاسکتا۔ اسلئے کہ اگر اس فرقہ کو حضرات اہل سنت کے مقتداؤں کیساتھ تولا نہیں ہے تو اس فرقہ پر عند العقل تولا کی فرمایش نہیں کیجاسکتی تبرا اور تولا ایسے امور میں کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق انمیں سے کسی ایک کو اختیار کرسکتا ہے۔ لاریب کچھ سمجھکر شیعوں نے اہل سنت کے مقتداؤں سے تبرا کا پہلو اختیار کیا ہے اسیطرح کچھ سمجھکر اہل سنت اپنے مقتداؤں کے ساتھ تولا کے متمسک ہوئے ہیں۔ یہانتک تو شیعوں پر کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ لیکن حرف گیری نیز اُسوقت ہوتی ہے جب یہ فرقہ حضرت معاویہ کے طریقہ پر کاربند ہوتا ہے یعنی جسطرح کہ آپ سردار ومقتدایان امامیہ کیساتھ پیش آتے تھے اسیطرح امامیہ مقتدایان اہل سنت کیساتھ پیش آتے ہیں۔ اس حرف گیری کا راقم تمامتر شریک ہے اسلئے کہ راقم کو ہر سنت امیر معاویہ سے تمامتر احتراز ہے یہ طریقہ سب وشتم ولعن کا امیر معاویہ صاحب کیلئے زیبا تھا۔ اسواسطے کہ وہ صاحب تمام غیر مطبوع کارروائیوں کی صلاحیت رکھتے تھے ہم اور جمیع پیروان جناب مرتضیٰ علیؑ کو ایسے مقدوح امر کے اختیار کرنیکی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ سب وشتم و لعن کوئی اچھی بات نہیں ہے جو ہم اختیار کریں۔ اس طریقہ کے اختیار کرنے سے مذہب امامیہ کی اشاعت میں بڑا فتور پڑا ہے۔ لازم ہے کہ ہوا خواہان مذہب جناب علی مرتضیٰ اس مسئلہ پر غور کو راہ دیں ہمارے پیشوائے مذہب غفران مآب تاج العلما جناب سید علی محمد صاحب قبلہ اس طریقہ سب وشتم کو مقدوح جانتے تھے اور مروج طریقہ لعن وطعن کو بھی نامحمود سمجھتے تھے۔ میری دانست میں جو مروج طریقہ تبرا کا اب ہے وہ مذہب امامیہ کو داغی بنائے ہوئے ہے۔ بہی خواہان مذہب امامیہ اسکی اصلاح میں جسقدر کوشاں ہوں بہتر ہے۔ جاننا چاہئے کہ حضرت معاویہ نے حضرت علیؑ پر سب وشتم ولعن کی کارروائی کسی

خاص غرض سے قائم کی تھی وہ غرض فرقہ امامیہ کو نہ لاحق تھی اور نہ ہے پس ایسی کارروائی کی پابندی سے اس فرقہ کو کنارہ کش ہی رہنا چاہئے۔ امیر معاویہ کو جناب علی مرتضیٰ پر سب و شتم و لعن جاری کرنیکی وجہ یہ ہوتی تھی کہ امیر صاحب جو حضرت امام حسن علیہ السلام سے خلع خلافت کرا کے خلیفہ بن بیٹھے تھے اس بات کو جانتے تھے کہ آپکو کسیطرح پر بمقابلہ حسنین علیہما السلام کے حق خلافت حاصل نہیں ہے پس اگر آپکی ہدایت کے مطابق سلسلہ سب و شتم و لعن کا علی مرتضیٰ پر جاری رہیگا تو اُنکے دونوں صاحبزادوں کو بھی مسلمانان وقت بری آنکھ سے دیکھا کرینگے۔ جسکے باعث آپکی خلافت کو استحکام حاصل رہیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس سب و شتم و لعن کی بدولت امیر معاویہ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خلفائے بنی امیہ کے عہد کے مسلمان آل محمدؐ کو بہت کچھ بھول گئے۔ حقوق آل محمدؐ کا خیال سب کے دلوں سے جاتا رہا سب لوگ یہی سمجھتے تھے کہ خلافت رسول اللہ کے مستحق یہی بنی امیہ ہیں اور اقربائے رسول اللہ سے ان سے قریب تر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ عہد امیر معاویہ میں کوئی خوبی آل محمدؐ کی بیان ہونے نہیں پاتی تھی اور ذکر علیؑ کا سب و شتم و لعن کے سوا اور کسی طرح پر نہیں ہوتا تھا۔ ہر جمعہ کیدن خطبہ کیساتھ علی مرتضیٰ پر مذہبی پابندی کے طور پر سب و شتم و لعن کی کارروائی عمل میں لائی جاتی تھی جیسا کہ سابق میں عرض کیا جا چکا ہے۔

اسقدر ذکر آل محمدؐ سے دنیا خالی ہو گئی تھی کہ پچاس برس امیر معاویہ کے عرنیکے بعد اسوقت کے بہت سی مسلمان حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو بالکل بھول بیٹھے تھے۔ چنانچہ ایک صحبت میں ایک شخص نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ علیؑ کون شخص تھا جسپر ہر نماز جمعہ کے بعد سب و شتم و لعن ہوا کرتا ہے اُسکے ساتھی نے جواب میں کہا کہ یہ ایک سخت کافر تھا جو اسلام کا بڑا دشمن تھا اسی لئے اسکے نام پر سب و شتم اور لعن کی کارروائی ہوا کرتی ہے۔ اسیطرح ایک شخص نے ایک شخص سے پوچھا کہ فاطمہؑ کون تہیں۔ اسکے جواب میں مسؤل نے کہا کہ یہ ازواج رسول اللہ تہیں۔ جائے غور ہے کہ رسول اللہ کی رحلت کو بہت عرصہ نہوا تھا اور مسلمانان عہد بنی امیہ علیؑ اور فاطمہؑ سے اسقدر بیخبر ہو گئے تھے اسکا سبب یہی تہا کہ خاندان پیغمبرؐ کے فراموش کردئے جانے کا پورا سامان امیر معاویہ صاحب کی جانب سے عمل میں لایا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب خاندان پیغمبرؐ کا ذکر جرم قرار دیا گیا اور اُس خاندان کے سردار پر سب و شتم و لعن کی کارروائی نے رواج پایا تو خاندان پیغمبرؐ کے یاد رکھے جانیکی صورت کیا باقی رہتی نتیجہ طبعی اسکا یہ ہوا کہ مسلمانان وقت بنی امیہ ہی کو عزیزان رسول اللہ جاننے لگے اور جو واقعی عزیزان رسول اللہ تھے وہ خریطۂ النسیان میں جا پڑے۔ ظاہر ہے کہ ایسی پولیٹکل ضرورت فرقہ امامیہ کو اسوقت لاحق نہیں ہے پس بلا ضرورت کیوں سب و شتم و لعن کی کارروائی مروج ہو رہی ہے۔ جس سے مذہب امامیہ کو فائدہ کی عوض نقصان پہنچ رہا ہے اہل دانش اس امر پر غور کو راہ دیں اور مصلحت

وقت پر نظر رکھکر اصلاح مناسب کے کوشاں ہوں۔ اب خلاصہ راقم کی تمامتر تحریر بالا کا یہ ہے کہ مذہب امامیہ کو تبرا سے چارہ نہیں ہے بلا تبرا یہ مذہب قائم نہیں رہ سکتا ہے مگر سب و شتم و لعن سے اس مذہب کو تمامتر تبرا کرنا چاہیے لاریب تولا کو سب و شتم و لعن کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ تولا کو صرف تبرا کی حاجت ہے۔ شعر بد شمناں منشیں حافظا تبرا کن ۔ نجات خویش طلب کن بجان ہشت و چہار

تبرا سے مراد شائع سب و لعن صحابہ نہیں ہے تبرا سے مراد کنارہ کشی از دشمنان خاندان پیغمبر جو مذہب امامیہ کا تقاضا ہے۔ راقم کی عرض یہ ہے کہ اس تبرا کی بحث کو حضرات ناظرین نمبر ۱۰ کی بحث "اہل سنت فرقۂ امامیہ پر جواز لعن کے قائل ہیں" کیساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بحث سابق میں حوالۂ قلم ہو چکی ہے۔

نمبر ۵۷۔ عزاداری سے مراد عزاداری جناب امام حسین علیہ السلام کی ہے اور نیز آپ کے عزیزان و انصار کی جو دشت کربلا میں شہید تیغ جفا ہوئے۔ عزاداری یا قولی ہے یا فعلی۔ فعلی کی مثال لباس عزا یا سیاہ پہننا۔ ضریح یا تعزیہ بنانا۔ عزاخانہ کی تعمیر کرنا۔ علم رکھنا مجلسیں قایم کرنا کھانا عزاداروں کو کھلانا۔ غربا میں طعام کا تقسیم کرنا ماکولات و مشروبات سے امیر و غریب سب کی خدمت کرنا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر ملک میں عزاداری کے مختلف انداز ہوتے ہیں مثلاً ایران میں علم رکھے جاتے نہیں ہندوستان میں تعزیے بنائے جاتے ہیں۔ چین میں تعزیہ کا رواج ہے نہ علم کا وہاں عشرہ کے زمانہ میں اہل عزا جنگل کیطرف چلے جاتے ہیں اور آگ روشن کر کے انگاروں پر لوٹتے ہیں۔ یہاں مجھے اس سے بحث نہیں ہے کہ قولی عزاداری یا فعلی عزاداری کو کس نہج پر واقع ہونا چاہیے ہر ملکے و ہر رسمے ایک معروف قول ہے مجھے یہاں نفس عزاداری سے بحث ہے نفس عزاداری ایک ایسا امر ہے کہ دوستداران آل محمدؐ کو اس سے چارہ نہیں ہے اور دشمنان آل محمدؐ کو اس سے گریز بھی ایک مجبوری امر ہے۔ جناب امام حسینؑ کی سالانہ عزاداری اُن حضرت کی شہادت کی سالانہ یادگار کا حکم رکھتی ہے دوستداران آل محمدؐ سالانہ عزاداری کے ذریعہ سے واقعۂ شہادت جناب امام علیہ السلام کو زندہ رکھتے چلے آئے ہیں اور جبتک ایسی عزاداری کا سلسلہ قائم رہیگا آپ کی مظلومیت کا مضمون دنیا سے فراموش نہو سکیگا۔ ہر غیر متعصب کے نزدیک شہادت جناب امام حسینؑ علیہ السلام کی برسی جسے انگریزی میں انیورسری کہتے ہیں قرین فطرت نظر آتی ہے۔ عظیم الشان واقعات عام اس سے کہ دینی رنگ رکھتے ہوں یا دنیوی انیورسری کے ذریعہ سے زندہ رکھے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں ہر ملک اور ہر قوم میں اکثر واقعات عظیمہ اور اشخاص گرامی کی برسیاں کم و بیش طور پر انجام پاتی رہتی ہیں ہندوستان میں تقسیم بنگال کی برسی اہل بنگال کیا کرتے تھے انگلستان میں پرمروز لیگ Primrose League کی برسی جو یادگار لارڈ بیکنس فیلڈ ہے عمل میں لائی جاتی ہے۔ میں سیکڑوں مثالیں دینی برسیوں کی بھی پیش کر سکتا ہوں۔ منجملہ ان کے گڈ فرائی ڈے اور فاتحہ دوازدہم ربیع الاول ہیں یہ سب کی سب ایسی

پر ایسا ں ہیں کہ اہل مذہب اُن سے روگردان نہیں ہو سکتے۔ امام غزالی صاحب نے جو ذکر مصائب حسنینؑ کو منع کیا ہے وہ اس بنا پر کہ ایسے ذکر سے حضرات شیخین و حضرت معاویہ و دیگر صحابہ کیطرف سے دل میں خلش پیدا ہوتا ہے۔ اسی رائے کے پابند حضرات غیر مقلدین بھی نظر آتے ہیں پوشیدہ نہیں ہے کہ جس اصول کی پابندی پر حضرات غیر امامیہ ذکر مصائب حسنینؑ سے احتیاط رکھتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ بھی اس اصول کی بنا پر واقعہ خم غدیر سے ممانعت فرما گئے ہیں جیسا کہ صفحات بالا میں درج ہو چکا ہے۔ خیر۔ ذکر مصائب حسنینؑ کسی مذہب غیر امامیہ میں روا ہو یا نہو۔ دوستداران خاندان محمدیہ ذکر مصائب حسنینؑ سے باز آ سکتے ہیں اور نہ آپکی عزاداری میں کوتاہی کو راہ دے سکتے ہیں۔ دوست کی یاد ایک فطری امر ہی دوستداری کا تقاضا فراموشی نہیں ہے۔ اب ذیل میں راقم کتب اہل سنت سے اثبات عزاداری و نوحہ و مراثی میں ایک مختصر بحث حوالۂ قلم کر کے حضرات ناظرین کی توجہ فرمائی کا خواستگار ہے۔

کتاب اشعتہ اللمعات کی جلد ۴ صفحہ ۷۱۱ میں مذکور ہے کہ جب جناب رسولؐ خدا نے رحلت فرمائی تو ملائکہ نے آپکی تعزیت فرمائی اور خدا تعالیٰ اظہار غم سے باز نہ رہا یعنی خود خدا تعالیٰ نے بھی تعزیت کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعزیت ایک فطری امر ہے اور مرضی الٰہی کے خلاف نہیں ہے۔ ہر شخص واقف ہے کہ حضرت آدمؑ علیہ السلام نے بھی ہابیل اپنے فرزند کے مارے جانے کا مرثیہ ارشاد فرمایا ہی اور کیوں ایسا نہ کرتے جب اظہار غم کی بنا اصول فطرت پر واقع ہوئی ہے۔ پس اگر دوستداران جناب امام حسینؑ و دیگر شہدائے خاندان پیغمبر آنحضرت کی عزاداری کو ایک امر ضروری سمجھتے ہیں تو بہت درست اور بجا ہے۔ نوحہ اور مراثی شان عزاداری سے ہے۔ بلکہ داخل عزاداری ہے انکو ممنوعات سے شمار کرنا تمامتر خلاف عقل ہے۔

مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۴۴ و سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ میں بروایت ابوہریرہ مسطور ہے کہ جب کوئی شخص خاندان پیغمبر سے رحلت کرتا تھا تو عورتیں جمع ہو کر روتی تھیں۔ ایکبار حضرت عمرؓ نے ان عورتوں کو رونے کی منع کیا اور انھیں نکال بھی دیا۔ اسپر جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے عمرؓ انہیں چھوڑ دو۔ غم سے آنکھیں اشک ریز ہوتی ہیں اور دل کو تکلیف ہوتی ہے اور حادثہ بھی تازہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بکا ایک جائز امر ہے اور کیوں جائز نہو جب یہ تمامتر قرین فطرت ہے حضرت عمرؓ کی اسطرح کی سخت کارروائی آپکے مزاج کی افتادسے خبر دیتی ہے اپنی شدید المزاجی کے باعث آپنے عورتونکو رونے سے منع کیا تھا اور انکو نکلوا دیا تھا اگر یہ کارروائی آپکی فطرت کے مطابق ہوتی تو کیوں جناب رسولؐ خدا آپکے خلاف اظہار رائے فرماتے پس جاننا چاہئے کہ کسی کی مصیبت زدگی پر بکا بقول پیغمبر حکم جواز رکھتا ہے اور ہرگز فعل معصیت نہیں ہے۔

مولانا واقدی کی کتاب المغازی فتوح الشام کے صفحہ ۱۰۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ احد میں جن جن کے عزیز مارے گئے تھے انکو انکی عورتیں روتی تھیں اُن عورتوں نے صف ماتم بچھائی تھی انکی

خبر جناب رسول خدا کو ہوئی تو آپ یہ سنکر آبدیدہ ہوئے اور اُن عورتوں کو بکا سے منع نفرمایا۔ اس بیان سے تو ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ شہدائے کربلا کی مجلس کرتے ہیں تو کوئی ناجائز کام نہیں کرتے۔

تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۰۶ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سیدہ کبریٰؑ نے باپ کی قبر مطہر پر بیٹھکر نوحہ پڑہا اور ندبہ کیا یعنی آپکے صفات حسنہ کو بیان کرکے روئی ہیں پھر قبر کی مٹی کو سونگھ کر یہ شعر پڑہا ہے صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا ۞ صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا یعنی مجھپر وہ مصیبت آپڑی ہے کہ اگر وہ مصیبت دنوں پر نازل ہوتی تو دن رات کیطرح سیاہ ہوجاتے حضرت عائشہؓ بھی یوں ندبہ کرتی تھیں کہ ہائے وہ مرگیا جسنے پیٹ بھر کر جَو کی روٹی نکھائی اور جسنے تخت کے ہوتے بوریا قبول کیا اور جہنم کے خوف سے راتوں کو نیند سے نسویا۔ اب اہل انصاف دیکھیں کہ ایسی صورت میں مصائب جناب امام حسینؑ اور مصائب اہل بیت پر نوحہ خوانی شکل جواز رکھتی ہے یا نہیں ؟

مشکوٰۃ باب مناقب اہلبیت کے صفحہ ۵۷۲ سے بروایت سلمیٰ ظاہر ہوتا ہے کہ اُم سلمہ کہتی ہیں کہ مینے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ سر مبارک و ریش شریف گرد آلود ہے۔ پوچھا مینے کہ یا رسول اللہ ایسی حالت آپکی کیوں ہے۔ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ ابھی میں قتل گاہ حسینؑ میں حاضر تھا۔ مشکوٰۃ کی ایک اور حدیث ایسی ہی ہے جو ام الفضل سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک روز مینے رسول خداؐ کے حضور میں حاضر ہوکر آپکے نواسے حسینؑ کو آپکی گود میں دیدیا۔ ناگاہ مینے دیکھا کہ رسول اللہ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں مینے پوچھا کہ اس گریہ کا کیا سبب ہے آنحضرت نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا یہ فرزند امت کے ہاتھ سے شہید ہوگا اور جبرئیلؑ نے اسکی تربت کی سرخ خاک مجھے لا کر دی ہے۔ اسیطرح کی اور بھی ایک حدیث مشکوٰۃ میں ہے جسکے راوی ابن عباسؓ ہیں۔ خوف طوالت سے میں اُسے یہاں درج نہیں کرتا۔

سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۴۰۶ میں مذکور ہے کہ جب حسینؑ قتل ہوئے تو آسمان سے خون برسا اور ظروف خون سے بھرے پائے گئے آسمان ایسا تیرہ و تار ہوگیا کہ دن کو ستارے نظر آئے اور جس پتھر کو اٹھاتے تھے اسکے نیچے سے خون تازہ نکلتا تھا۔ یہ بھی اس کتاب میں درج ہے کہ خراسان و شام کے در و دیوار پر آسمان سے خون برسا۔ ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان اور دیگر اشیاء سب کے سب عزادار امام حسینؑ ہوئے حیف ہے اُن مسلمانوں پر جو عزاداری امام حسینؑ سے انکار رکھتے ہیں۔ تماشا ہے حضرت پیر دستگیر کی تحریر آپ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں کہ یوم عاشورا فرح اور سرور کا دن ہے بروز عاشورا غم نکرنا چاہئے اسلئے کہ یہ فعل روافض کا ہے اُس روز خوشی اور شادمانی کرنا چاہئے۔ ایسا کرنے سے اہل سنت کو ثواب ملیگا۔ حضرات اہل سنت خود انصاف کرلیں کہ یوم عاشورہ کو غم کرنا چاہئے یا خوشی منانا مناسب ہے۔

مگر ان کے پیشوا حضرت غوث الاعظم جب خوشی اور شادمانی کی ہدایت فرماتے ہیں تو ان کے لئے ایسا ہی کرنا مناسب ہے۔

نوحہ اور مراثی کے جواز میں اسیقدر لکھنا کافی ہے کہ اہل سنت کی کتاب مدارج النبوت میں مراثی دیکھے جاتے ہیں اور سر الشہادتین میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی امام حسینؑ کا مرثیہ داخل کتاب کیا ہے۔ اہل تشیع کیلئے تو نوحہ خوانی اور مرثیہ خوانی امر جواز کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اسلئے کہ جب قافلہ قیدیان اہلبیت نبوی کا شام سے واپس آکر مدینۂ طیبہ میں داخل ہوا جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے بشیر شاعر سے فرمایا کہ شہیدان کربلا کا مرثیہ کہہ اور اہل مدینہ کو میرے ورود کی خبر دے بشیر کہتا ہے کہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کوچہ ہائے بنی ہاشم میں روتا پھرتا تھا اور بلند آواز سے اپنے مرثیہ کے اشعار پڑھتا تھا یہانتک کہ میں مسجد جناب رسولِ خدا تک جا پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ زنان بنی ہاشم جو پردہ نشین تھیں بے اختیار نعرے مارتی اور ہائے وائے کرتی اپنے گھروں سے نکلیں اُسوقت مرد اور عورت سب روتے تھے اور انہیں سے قافلہ حسینؑ کا ایک بڑا حصہ نوحہ پڑھکر گریہ کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ دوستداران و پیروان حضرت امام حسین علیہ السلام اس عہد کے بھی کیونکر نہ روئیں۔ آئندہ بھی ایسے لوگ رویا کرینگے جیسا کہ سابق میں ایسے لوگ رویا کرتے تھے۔ البتہ اہل سنت حضرت پیر دستگیرؒ کی تبعیت میں جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے غم کے شریک نہیں ہو سکتے۔ بیچارے مجبور ہیں کیا کریں۔

متعہ

نمبر (۵۸) متعہ ایک طرح کا نکاح ہے۔ دونوں میں فرق اسیقدر ہے کہ ایک موقت ہوتا ہے اور دوسرا دائمی۔ قرآن میں اسکی حالت درج ہے۔ متعہ نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے صرف جائز ہے۔ مگر قرآن اسکو حلال مانتا ہے۔ اور چونکہ کوئی آیت متعہ کی ناسخ نہیں پائی جاتی لہذا امامیہ متعہ کو حلال جانتے ہیں اور اسپران کا عمل درآمد ہے۔ غیر امامیہ متعہ کو حرام قرار دیتے ہیں اس بنیاد پر کہ انکے مقتدائے گرامی حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے متعہ کو حرام کر دیا ہے جیسا کہ آپکا فرمودہ ہے کہ اَنَا اُحَرِّمُهُمَا قول نبیؐ یا قول خلیفہ کیونکر ناسخ قول خداوندی کا ہو سکتا ہے راقم کی سمجھ سے باہر ہے۔ حضرت غیر امامیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی حدیث نبویؐ نے متعہ کو منسوخ قرار دیا ہے۔ پس حضرت خلیفہ کا قول اسی حدیث نبوی کی بنا پر متعہ کی حرمت کا باعث ہوا ہے راقم عرض کرتا ہے کہ متعہ کی حرمت کی کوئی حدیث نبویؐ ہو یا نہو قول خدا کو منسوخ کرنیوالا نہ قول نبویؐ ہو سکتا ہے اور نہ قول عمریؓ۔ شیعوں کے عقیدہ کے رو سے صرف خدا تعالےٰ اپنے قول کا ناسخ ہو سکتا ہے نبیؐ و جانشینان نبیؐ کو قول خدا کی تنسیخ کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے لیکن اہل سنت کو صاف طور سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عمرؓ تنسیخ احکام خداوندی کا اختیار رکھتے تھے۔ مگر جب اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق آپ کے رائے سے اکثر تنزیل آیات ہوا کرتی تھی تو آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد حضرت خلیفہ نے اگر کسی حکم خداوندی کی تنسیخ فرما دی تو کیا بُرا کیا۔

اس عقیدہ کی پابندی سے البتہ آیت متعہ کی تنسیخ کے مسئلہ کی صورت آسان ہو جاتی ہے ورنہ ظاہر

حرمت متعہ کا حکم عمری حکم نصّی کے بالکل خلاف نظر آتا ہے۔ یہ دلیل راقم کے لئے مطلق تشفی بخش نہیں ہے اسلئے کہ یہ امر کہ حضرت عمرؓ کی رائے سے تنزیل آیات ہوا کرتی تھی ایک لا یعنی قول کا حکم رکھتا ہے۔ اہل عقل کے نزدیک نہ حضرت عمرؓ کی رائے سے کسی آیت کا نزول ہوتا تھا اور نہ قول عمری کسی قول نصّی کا ناسخ ہو سکتا ہے۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی عظمت و جلالت کے اظہار کی نظر سے اہل سنت کہتے ہیں کہ تنزیل آیات حضرت خلیفہ کی رائے کے مطابق ہوا کرتی تھی۔ یہ ایک ایسا امر ہے جس سے حضرت عمرؓ کی شرکت فی النبوۃ مستنبط ہوتی ہے بلکہ حضرت رسول کی ماتحتی بھی۔ یعنی جب حضرت خلیفہ کسی امر کو ناپسند فرماتے تھے تب آپکی پسند کے مطابق حکم قرآن نازل ہوا کرتا تھا اور اسمیں حضرت نبیؐ کی پسند اور غیر پسند کو کوئی دخل نہیں ہوتا تھا اسپر اور ترقی کیجائے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ صاحب تو محمدؐ صاحب خود خداوند تعالیٰ کو تنزیل قرآنی میں حضرت عمرؓ کی پسند و ناپسند کو ملحوظ رکھنا ضرور ہوتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ تنزیل آیات آپکی رائے کے مطابق ہوتی تھی۔ محمدؐ صاحب تو تنزیل و تبلیغ آیات کے صرف ایک وسیلہ تھے جو احکام خداوندی آتے تھے انہیں بندگان خدا تک پہنچا دیتے تھے اور اپنی پسند و ناپسند کو اسمیں دخل نہ دے سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہی کام رسول کا ہے۔ مگر تنزیل آیات جب حضرت عمرؓ کی مطابقت رائے کیساتھ ہوتی تھی تو خداوند تعالیٰ کو تنزیل آیات سے پہلے حضرت عمرؓ سے دریافت رائے کر لینا ہوتی ہوگی جس سے شرکت فی النبوۃ تو درکنار حضرت ممدوح کی شرکت فی الالوہیت آشکارا ہوتی ہے۔ یہ عقیدہ تو جناب بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب کے اُس عقیدہ سے بھی بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس سے حضرت عمرؓ کا صرف اتالیق رسول اللہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جناب بحر العلوم صاحب فرماتے ہیں کہ کبھی رسول اللہ کو اُس عالم سے سروکار رہتا تھا جہاں ملائکہ مقربین کا بھی گذر نہیں ہو سکتا تھا اور کبھی ایسے عالم کیطرف اُتر آتے تھے جو دنیوی پایہ رکھتا تھا۔ چنانچہ جسوقت آخر وقت میں پیغمبر خدا نے یہ فرمایا تھا "ائتونی بقرطاس و قلم اکتب لکم شیئاً لا تضلوا بعدی" اسوقت آپ عالم اسفل کیطرف اُتر آئے تھے۔ آپکی اسوقت کی نامطبوع حالت سے واقف ہو کر حضرت عمرؓ نے آپ کے خیال پست کی اصلاح فرما دی جسپر آپنے مکرر اعوذ باللہ فرمایا۔ راقم کہتا ہے کہ جب تنزیل قرآنی میں حضرت عمرؓ کو دخل حاصل تھا تو بیشک محمدؐ صاحب کی ذاتی اصلاحیں حضرت خلیفہ پر کیونکر دشوار ہو سکتی تھیں۔ مگر راقم جناب مولوی صاحب کے عقیدہ کی شرکت نہیں کر سکتا اسلئے کہ فرمودہ حضرت رسول خدا سے ہرگز ایسا ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ وقت فرمانے ائتونی بقرطاس الخ کے آپ کے خیالات عالم اسفل کیطرف تنزیل کر گئے تھے اگر ایسا ہوتا تو آپ لا تضلوا بعدی کا جملہ ارشاد نہ فرماتے۔ یہ ایسا جملہ ہے جس سے آپ کے قول پاک کا اہم ہونا نمایاں ہوتا ہے یعنی آپ کوئی ایسی تحریر حوالہ قلم کرنیکو تھے جو آپ کی اُمت کو گمراہی سے بچانیوالی یقیناً تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی تحریر عالم

اسفل سے تعلق نہیں رکھہ سکتی ضرور اُسوقت آپ کا خیال کسی اعلیٰ امر کیطرف رُخ کئے ہوئے تھا مگر حضرت عمرؓ اسکے انداز کو سمجھ نہ سکے اور اپنے تقاضائے فہم سے جناب رسُول اللہ کے خیالِ پاک کی اصلاح کیطرف مائل ہو گئے آخر میں حضرت رسُول خدا کا مکرر طور پر اَعُوذُ بِاللہِ فرمانا بھی اپنی پست خیالی کے اعتراف کی بنا پر نہ تھا بلکہ صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کی نافرمانی سے آپکو جو سخت تکلیف ہوئی اُسپر آپ مکرر طور پر اَعُوذُ بِاللہِ فرماتے گئے بیشک تقاضائے فطرت سے یہ مقام اَعُوذُ بِاللہِ پڑھنے کا تھا ہی کہ یا تو ہمیشہ آپکے حکم کی تعمیل اصحاب اور جمیع مسلمانان آپکے گذشتہ حصہ ہائے عمر میں کیا کیا کرتے تھے یا اب یہ حال ہے کہ مرض موت میں جو آپ مبتلا ہیں اور قلم و قرطاس لانیکا حکم حاضرین مجلس کو دیتے ہیں تو حضرت کے حکم کی تعمیل نہیں کیجاتی ہے اسپر طرہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ صرف تعمیل ارشاد نبوی کی مخالفت ہی نہیں کرتے بلکہ آپ کیطرف ہذیان گوئی کی نسبت بھی کرتے ہیں جیسا کہ آپکے قول قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ اِلٰی آخِرِہٖ سے عیاں ہوتا ہے۔ ایسی بے بسی کی حالت میں آنحضرت اگر اَعُوذُ بِاللہِ مکرر طور پر زبان مبارک پر جاری نفرماتے تو کیا کرتے جناب مولوی عبد العلی صاحب نے بلا شبہ اپنی توجیہات بالا میں مولویت کی بڑی داد دی ہے لیکن افسوس ہے کہ بحر العلوم صاحب کی توجیہات کو معاملہ فطرت سے کوئی علاقہ نہیں معلوم ہوتا۔ اب اہل انصاف خود اس امر کی تجویز کرلیں کہ تنزیل آیات قرآنی میں حضرت عمرؓ کو کوئی دخل تھا یا نہ تھا یا یہ کہ حضرت عمرؓ کی اتالیقی قرین عقل معلوم ہوتی ہے یا نہیں۔ حق یہ ہے کہ حضرات اہل سنت اپنے حضرات خلفائے ثلٰثہ کی محبت میں ایسی از خود رفتگی رکھتے ہیں کہ خدا و رسول کیسی عزت اور عظمت کا انہیں کوئی خیال باقی نہیں رہتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل سنت کیلئے جو کچھ ہیں حضرات خلفائے ثلٰثہ ہیں خدا و رسول صرف واجبی واجبی حیثیت رکھتے ہیں۔ بحر العلوم اور آپ کیطرح کے دیگر علمائے اہل سنت کو دیکھکر حیرت سے انگشت بدنداں ہونا پڑتا ہے دنیا میں عجیب و غریب چیزیں بہت ہیں مگر بخدا مذہب اہل سنت اعجب العجائب ہے۔ المختصر جاننا چاہئے کہ مسئلہ متعہ نصّی یعنی قرآنی بنا رکھتا ہے اور اسکی حرمت حدیث نبوی یا قول عمری سے نہیں مانی جاسکتی عند التحقیق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ متعہ حکم خداوندی کے رو سے ایک حلال امر ہے۔ اور جناب رسُول خدا اور حضرت ابوبکرؓ کے وقت آخر تک حلال رہا۔ اسکو حرام صرف حضرت عمرؓ نے قرار دیا اور آپ کے حکم تحریمی کے وقت سے متعہ کو اہل سنت حرام ماننے لگے۔ کوئی شک نہیں کہ عہد رسُول اللہ میں اور نیز عہد حضرت ابوبکرؓ میں متعہ ایک امر حلال سمجھا جاتا تھا جیسا کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ متعہ کیا ہمنے عہد رسول اللہ اور عہد ابوبکرؓ میں اور اسیطرح ترمذی کی جلد ١ صفحہ ١٠١ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرد شامی نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے سوال کیا کہ آیا حج متعہ کا ساتھ عمرہ کے حلال ہے لیکن تمہارے باپ نے اُسے حرام کیا ہے حضرت

عبداللہ نے جواب دیا کہ میرے باپ نے اُسے حرام کیا ہے مگر جناب رسول خدا نے اُسے حلال کیا ہے کیا میں سنت نبوی کو ترک کردوں اور اپنے باپ کے قول کی پیروی کروں اب دیکھنا ہے کہ متعہ خود کیسا امر ہے جاننا چاہیے کہ جسطرح نکاح مذہب اسلام میں ایک سِول کانٹریکٹ Civil Contract یعنی معاہدۂ دیوانی ہے اسیطرح متعہ بھی ویسا ہی معاہدہ ہے مُوقت اور غیر مُوقت کے علاوہ متعہ اور نکاح میں فرق اس بات کا بھی ہے کہ متعہ میں طلاق نہیں ہے جیسا کہ نکاح میں طلاق ہے یعنی متعہ وقت معین کے اندر زائل نہیں کیا جاسکتا ہے برخلاف نکاح کے کہ کسی وقت میں طلاق کے ذریعہ سے زائل کردیا جاسکتا ہے۔ چونکہ بفتوائے عقل متعہ ایک غیر معیوب معاہدہ ہے اسکی خوبی سے دنیا کے شائستہ اشخاص انکار نہیں کرسکتے چنانچہ مسٹر۔ ایک ولایتی صاحب جو ہندوستان میں ایک وقت اعلیٰ درجہ کے حاکم عدالت تھے اس معاہدہ کے کاربند ہوئے تھے۔ یہ صاحب راقم کے دوستوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے اپنی قوم کی ایک شریف عورت سے تیس ۳۰ برس کے لئے متعہ کیا تھا اور انکی میم صاحبہ سوسائٹی میں دیگر بیاہی بیبیوں کیطرح شرکت کرتی تھیں۔ چونکہ صاحب موصوف مذہب عیسائی کے پابند نہ تھے اور حسن و قبح عقلی کا اعتراف رکھتے تھے اسطرح کی مواصلت کو معیوب نہیں جانتے تھے پوشیدہ نہیں ہے کہ اب متعہ کی عمدگی اہل امریکہ پر ہویدا ہونے لگی ہے اور عجب نہیں کہ رفتہ رفتہ شائستہ اقوام دنیا میں اسکا رواج ہوجائے۔ جاننا چاہیے کہ متعہ اور نکاح دونوں بنے براصول واحد ہیں اور دونوں کی غرض بھی واحد ہے۔ دونوں زنا سے بچنے کا وسیلہ ہیں اسلام نے مسلمانوں کو زنا سے بچانے میں بہت کوشش کی ہے۔ عدد ازواج کا چار تک جائز رکھا ہے اور محرمات کے ایک ضروری اور معقول حد قایم کردئے ہیں نکاح کے ساتھ متعہ کو حلال کردینے سے خداوند تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کو وہ آسانی مواصلت حلال میں بخشی ہے جو منکرین متعہ کو نصیب نہیں ہوسکتی مواصلت حلال میں عدم آسانی حرمت متعہ کا نتیجہ ہے اور اس عدم آسانی کا نتیجہ زنا ہے بلکہ زنا سے بھی بدتر نتیجہ حرمت متعہ پیدا کرسکتی ہے جیسا کہ اُسکا عہد حضرت عمرؓ میں ظہور ہوا اُسوقت سے کوئی ایسی شئے متعہ کا بدل نہیں قرار دیگئی ہے جس سے زنا سے بھی کسی شنیع تر فعل کا انسداد قائم ہوسکے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جب حکم حرمت متعہ کا بلاد اسلام میں شایع کیا گیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں شام کے حاکموں نے حضرت خلیفہ کو اطلاع دی کہ منع متعہ کے باعث لشکر اسلام میں سخت افعال غیر فطری پھیل گئے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ حرمت متعہ کے حکم سے ایسی بلاؤں کا پیدا ہو جانا خلاف توقع نہ تھا جائے غور ہے کہ اہل عرب جیسی گرم مزاج قوم اور یہ حرمتِ متعہ کا حکم۔ معاذاللہ۔ ایسے حکم سے جو نہ ہوتا تعجب ہی تعجب تھا۔ امیرالمومنین علیؑ نے خوب فرمایا ہے کہ ابن الخطاب نے متعہ کو حرام ٹھیرایا لیکن اگر متعہ کی ممانعت نہ کیجاتی تو شاید ہی ایسا کوئی کمبخت ہوتا جو زنا کرتا۔ (دیکھو تفسیر طبری)

واضح ہو کہ اسلام نے چار نکاح تک ازدواج جائز رکھا ہے یہ حکم نکاح نہ فرض ہے نہ واجب چاہے مرد ایک نکاح کرے یا چار تک یا بحالت مجبوری ایک نکاح بھی نہ کرے۔ سب حالتوں میں وہ اپنے فعل کا مختار ہے۔ جو حضرات ایک نکاح ایک نکاح کا شور مچاتے رہتے ہیں اُن کو جاننا چاہیئے کہ اگر خدا تعالیٰ نے صرف ایک نکاح کا حکم صادر فرما دیا ہوتا تو اسلام کا مذہب اگر کسی ضعیف الباہ ملک میں قائم ہوتا تو ہوتا عرب میں تو نہیں قائم ہو سکتا تھا۔ جس قوم کے مردوں کی یہ حالت ہو کر روزہ داری کی حالت میں بھوک پیاس سے انہیں کوئی بحث نہ ہو اور عورت سے روزہ افطار کرنیکو بہترین افطار جانیں ایسی قوم میں ایک عورت پر قناعت کرنیکی فرمائش دیوانگی کا حکم رکھتی تھی۔ ایسی قوم اسطرح کی محدود مواصلت کے ساتھ زنا سے بچ ہی نہیں سکتی تھی۔ پس چار مناکحت کی اجازت مصالح اخلاقی سے خالی نہیں تھی۔ جن قوموں نے مناکحت واحدہ کو اختیار کر لیا ہے اور اُسپر فخر و ناز کیا کرتے ہیں انہیں بہت فخر و ناز کرنیکی صورت حاصل نہیں ہے پیرس اور لندن میں مناکحت واحدہ کے باعث جو جو بے اعتدالیاں ہوا کرتی ہیں وسعت خیال سے باہر ہیں۔ ایک بی بی ایک بی بی کو زاہن ہو تو بھی ایک بی بی بانجھ ہو تو بھی ایک بی بی۔ جہاں اسطرح کی ایک بی بی کی قید ہے وہاں جو فحش نہو خلاف توقع نہیں ہے۔

تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ایک بی بی کی قید ہے وہاں ایک بی بی سے صرف فحش کی پردہ داری مراد ہے۔ اسلام نے بڑی عقلمندی سے ایک بی بی کی قید کو دور کر دیا۔ زنا سے بچنے کے لئے چار بیبیوں تک کی اجازت دیدی اور نکاح سے بھی آسان طریقہ مواصلت حلال کا متعہ کے ذریعہ سے بتا دیا۔ اگر متعہ کا طریقہ اختیار کیا جائے تو لشکر ہائے سرکاری میں بازاریوں کے تعلق کی کوئی حاجت باقی نہ رہے۔ اسوقت فوجی انتظام سپاہیوں کے رفع ضرورت کا یہ ہے کہ ہر لشکر سرکاری کے ساتھ نیچے درجہ کی رنڈیاں رکھی جاتی ہیں اور جہاں جہاں وہ لشکر جاتا ہے وہ رنڈیاں بھی اگالدان کیطرح ساتھ ساتھ تبدیل مقامات کرتی پھرتی ہیں۔ سرکار کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ لشکری فعل حلال کرتے ہیں یا فعل حرام۔ سرکار کو اسیقدر دیکھنا ہے کہ فوجی انتظام میں کوئی فتور نہ پڑے۔ ظاہر ہے کہ اگر اسطرح پر رنڈیوں کی فراہمی عمل میں نہ لائی جائے تو وہی طوفان بد تمیزی سرکاری لشکر میں بھی پیدا ہو جو لشکر شام میں فوراً ممانعت متعہ کے بعد شروع ہو گیا تھا فقیر کی دانست میں تعدد ازدواج اور متعہ کی اجازت انسداد زنا کی بہترین شکلیں ہیں اسی لئے قرآن پاک نے ان دونوں طریقہ مواصلت کو حلال قرار دیا ہے البتہ ایسا شخص جو زنا کو ایک معیوب امر نہیں جانتا وہ ایسی نصی اجازتوں کا قدر داں نہیں ہو سکتا لاریب تعدد ازدواج کا اور متعہ کا وہی قدر شناس ہو سکتا ہے جو انکی ضرورتوں سے واقف ہے اور جو زنا کو ایک ہولناک امر جانتا ہے ہیں اس تحریر کو غیر اسلام کے مقابلہ میں نہیں لکھ رہا ہوں ورنہ میری تحریر کا جدا گانہ انداز ہوتا میں مسئلہ متعہ پر مسلمان ہو کر اسے نزاع کر رہا ہوں اور مسلمان ہو کر

میں متعہ کی حرمت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ متعہ کے حرام کئے جانیکے بعد جو دشواریاں مسلمانوں کو محسوس ہونے لگیں اُسکے ازالہ کیلئے امام ابو حنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اجتہاد فرمایا ہے کہ خرچی چکا کر بلا نکاح اگر کوئی مسلمان کسی عورت کے ساتھ قربت کرے تو یہ خرچی اُس عورت کیواسطے حلال ہوگی اور ایسے شخص پر زنا کی حد بھی جاری نہ کیجائیگی۔ ظاہر ہے کہ اگر متعہ حرام نہ کر دیا جاتا تو امام اعظم صاحب کو ایسے اجتہاد کی ضرورت نہ پڑتی۔ بہر حال حضرات احناف اس اجتہاد کو جو کچھ اچھا سمجھیں مگر راقم کی دانست میں متعہ ایسے اجتہاد سے ہزاروں درجہ اشرف معلوم ہوتا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ ایسا حکم جو کچھ زنان بازاری اور اُنسے تعلق کرنیوالوں کیلئے مناسب حال ہو مگر حقیقت حال یہ ہے کہ اسکا ابتذال بیحد نفرت انگیز ہے۔ یہ حکم مسلمانوں کی ذاتی اور قومی شرافت کو زائل کرنیوالا نظر آتا ہے اہل انصاف کی نظر میں ایسا اجتہاد ہرگز مذہبی وقعت نہیں رکھ سکتا۔ اور کوئی صاحب عقل و تہذیب اسکی پابندی نہیں کر سکتا۔ ذیل میں راقم کتب اہل سنت سے مسئلہ متعہ کی نسبت اپنی تحقیق حوالہ قلم کرکے ناظرین ہذا سے توجہ فرمائی کا طالب ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ خدا تعالی قرآن شریف میں فرماتا ہے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً یعنی جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا اُنکے دین مہر کا ادا کرنا فرض ہے۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ یہ آیت باب متعہ میں نازل ہوئی اور تین دن تک یہ حکم فتح مکہ کے وقت تک جاری رہا بعدہ منسوخ ہوگیا مگر اس حکم کی ناسخ کوئی آیت نہیں دیکھی جاتی ہے چنانچہ نووی جلد (۱) صفحہ (۲۵۳) سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمران بن الحصین کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے متعہ کو تاحیات خود حرام نہیں کیا اور نہ قرآن شریف میں کوئی آیت متعہ کی ناسخ نازل ہوئی پھر اُسی صفحہ میں عمران بن الحصین کہتے ہیں کہ قرآن میں آیت متعہ نازل ہوئی یعنی متعہ حج کی آیت اُتری اور رسول خدا نے مجھے متعہ کا حکم دیا۔ پھر نہ اس آیت متعہ کی ناسخ نازل ہوئی اور نہ رسول اللہ نے متعہ کو حرام کیا۔

لیکن حضرت عمرؓ نے خود رائی سے جیسا چاہا ویسا کیا۔ جائے غور ہے کہ بیضاوی متعہ کے منسوخ ہونیکے مضمون کو حوالہ قلم کرتے ہیں مگر متعہ کی ناسخ آیت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ بیشک اگر کوئی آیت ناسخ ہوتی تو ضرور اُسکا حوالہ دیتے۔ حق یہ ہے کہ ایسی کوئی ناسخ آیت ہی نہیں۔ جیسا کہ امام نووی کی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے۔ آیت متعہ کے غیر منسوخ ہونیکی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ تفسیر اتقان نوع ۴۷ صفحہ ۲۱۰ باب فی الناسخ والمنسوخ میں آیت متعہ داخل منسوخات نہیں دیکھی جاتی۔ اسیطرح ملا جیون جونپوری نے اپنی تفسیر میں آیت متعہ کو آیات احکام میں داخل کیا ہے۔ آیت متعہ کے غیر منسوخ رہنے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ حسب مضمون تاریخ ابن خلکان صفحہ (۳۵۸) متعہ عہد رسول اللہ اور عہد خلیفہ اول میں جاری رہا۔ اگر کوئی آیت حکم متعہ کی ناسخ نازل ہوئی ہوتی تو اُس سے بیخبر رہنا حضرت رسول خدا اور خلیفہ اول کا ممکن نہ تھا۔ بہت جائے تعجب ہے

کہ اُس سے حضرت عمرؓ واقف تھے اور حضرت رسول اور خلیفہ اول واقف نہ تھے۔ المختصر یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچتی ہے کہ آیت متعہ کی ناسخ کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ کچھ علمائے اہل سنت جو سورہ المومنون اور سورہ معارج کی بعض آیتوں سے آیت متعہ کو منسوخ ثابت کرنا چاہتے ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ اُن سورتوں کی وہ آیتیں مکی ہیں اور آیت متعہ جو سورہ نساء کی آیت ہے وہ مدنی ہے۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آیت ہائے ناسخ آیت منسوخ سے پہلے نازل ہوئیں یعنی قبل وجود متعہ کے حکم منع متعہ کا خلاف عقل ونقل ہے۔

حضرت عمرؓ نے برسر منبر فرمایا کہ متعہ النساء اور متعہ حج دونوں عہد رسول اللہ میں حلال تھے مگر اب میں انہیں حرام کرتا ہوں (دیکھو تفسیر کبیر رازی جلد ۳ صفحہ ۲۸۵) تاریخ الخلفاء کے باب اولیات عمرؓ صفحہ ۳٦ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ حضرت خلیفہ نے متعہ کو حرام کیا۔ ابوالفدا بھی اپنی تاریخ میں ایسا ہی لکھتے ہیں اور موطا کے صفحہ ۱۹٦ میں بھی یہی مضمون درج ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حکم متعہ کے منسوخ کرنے کا حق حاصل تھا یا نہیں۔ حضرت رسول خدا اور خلیفہ اول کو تو یہ حق حاصل نہ تھا کس واسطے کہ اگر ہوتا تو ضرور حضرت رسول خدا اور حضرت خلیفہ ایک ایسے امر اہم میں امتناعی حکم صادر فرماتے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کر دکھایا۔ تب ایسا اختیار حضرت عمرؓ نے کہاں سے حاصل کیا ضرور ہے کہ ایسی کارروائی آپ نے مجتہد کی حیثیت سے اختیار کی ہو چنانچہ علامہ قوشجی شرح تجرید کے صفحہ ۳۸۵ میں یہ لکھکر کہ حضرت عمرؓ منبر پر گئے اور متعہ النساء اور متعہ الحج کو حرام کیا نیز حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل کو متروک کر دیا فرماتے ہیں کہ مجتہد کو جائز ہے باختلاف مسائل فتوے دینا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ مجتہد سہی مگر آپکو یا حضرت ابوبکر یا حضرت رسول خدا کو احکام قرآن کے منسوخ کرنے کا اختیار حاصل تھا یا نہیں۔ حضرت رسول خدا کو تو بالیقین یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ قرآنی احکام سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی منسوخ فرما سکتے قرآنی احکام کو منسوخ کرنے کا اختیار صرف خدا تعالیٰ کو حاصل تھا جیسا کہ قرآن میں ناسخ ومنسوخ احکام دیکھے جاتے ہیں۔ یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ کوئی حدیث نبوی کسی آیت قرآنی کی ناسخ مانی جائے جیسا کہ فرمودہ جناب رسول خدا ہے کہ جو ہماری حدیث قرآن کے موافق ہو اُسکو قبول کرو اور جو حدیث قرآن شریف کے مخالف ہو اُسکو رد کرو۔ (دیکھو تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۵۴۰) جب یہ حال حدیث نبوی کا ہے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال کیا ہیں جو کسی قرآنی حکم کے ناسخ قبول کئے جائیں۔ لاریب یہ اجتہاد حضرت عمرؓ کا حکم خداوندی کے خلاف ہونیکے باعث ہرگز کسی مسلمان کے لئے قابل اتباع نہیں ہے اب دیکھنا چاہئے کہ اصحاب رسول اللہ سے کون کون حضرات اس اجتہاد عمری سے موافقت رکھتے تھے اور کن کن کو اس سے اختلاف تھا۔ خدا کے حکم متعہ کے ساتھ موافقت کرنیوالے یعنی حضرت عمرؓ کے مخالف یہ حضرات۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن مسعود۔ جابر بن عبداللہ

انصاری۔ سلمہ ابن الاکوع۔ ابو سعید الخدری۔ سعید بن جبیر۔ مجاہد۔ عبد اللہ ابن عمر۔ عمران ابن الحصین۔ عکرمہ غلام ابن عباس۔ اور ابو موسے الاشعری تھے۔

واضح ہو کہ خاندان پیغمبر کے ائمہ طاہرین بھی اجتہاد عمری سے کنارہ کش رہکر حکم متعہ کے پابند رہے (دیکھو شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۵۰) خدا کے حکم متعہ سے مخالفت کرنیوالے اور اجتہاد عمری کا ساتھ دینے والے ممتاز اشخاص ہیں۔ حضرت عثمانؓ اور ابن زبیر دکھائی دیتے ہیں۔ جو خود متعہ سے پیدا ہوئے تھے اب راقم ذیل میں اور بھی چند ضروری امور حکم متعہ کے متعلق جو مستند کتابوں میں پائے جاتے ہیں حوالہ قلم کرتا ہے۔

نووی کے صفحہ (۳۹۳) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباس فتوے دیتے تھے متعہ کی حلت میں اور ابن زبیر متعہ کو حرام قرار دیتے تھے۔ ابو نضرہ راوی نے اس اختلاف کو جابرؓ انصاری کے آگے پیش کیا۔ جابرؓ نے کہا کہ ہمنے رسول خدا کی ہمراہی میں متعہ کیا۔ مگر حضرت عمرؓ بگڑ کھڑے ہوئے اور بولے کہ خدا نے متعہ کو قرآن میں نازل کیا۔ خیر۔ تم لوگ حج وعمرہ کو تمام کرو اسکے بعد نکاح متعہ کو ترک کرو۔ پھر جو شخص متعہ کریگا ہم اُسے سنگسار کرینگے۔ راقم کہتا ہے کہ اے جناب عمرؓ آپ کون ہیں جو پیروان حکم خدا کو سنگسار کرنیکے واسطے موجود ہو گئے۔ آپ خدا نہیں کہ آیات قرآنی کو منسوخ کرسکیں۔ رسول بھی ہوتے تو ایسا نہیں کر سکتے۔ حکم خدا و رسول میں پیرو خدا و رسول کی دست اندازی کیسی۔ واقعی حضرت عمرؓ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ حضرت نے ایک خاص طرح کا مزاج پایا تھا جہاں دیکھو وہاں آپ خود سری پر تلے دکھائی دیتے ہیں۔ صلح حدیبیہ آپکو پسند نہیں۔ صلح حدیبیہ کی بنا پر آپکو آنحضرتؐ کی رسالت میں اسقدر شک واقع ہوا کہ آپ اپنے شک کو چھپا نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ صلح ظہور میں نہ آتی اور کفار مکہ سے لڑائی کی نوبت پہنچ جاتی تو ان حضرت سے آنحضرت کو کیا مدد پہنچتی۔ کبھی آپ سے آنحضرت کو غزوات وسرایا میں مدد پہنچی تھی جو اب کوئی مدد پہنچتی۔ خیر۔ اس سرسری طور پر خدا کے حکم متعہ کو حرام کر دینا حضرت عمرؓ کے مزاج خاص سے خبر دیتا ہے اگر یہ بھی ہوتا کہ آپکو علم قرآن وحدیث میں بڑا دخل تھا جسکی بنا پر آپ حکم متعہ کو منسوخ کرسکتے تو خیر ایک بات تھی۔ حضرت کا علم قرآن اور حدیث کا بالیقین ناقص تھا اور لاریب ذاتی طور پر حضرت کو اجتہاد کی استعداد بھی نہ تھی۔ آپکا اجتہادی کمیٹی قایم کرنا جسکے ممبر زید ابن ثابت وغیرہ تھے بڑی دلیل اسکی ہے۔ حضرت علیؑ کیطرح آپ ذاتی طور پر اجتہاد میں تل بھر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ آپ فقہی مسائل میں بھی غلطیاں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سابق میں دکھلایا جاچکا ہے اور بعض فقہی مسئلہ کو تو آپ آخر وقت تک سمجھ بھی نہ سکے ایسی ناکافی استعداد کے ساتھ حضرت کا آیت متعہ پر حکم تحریمی صادر کرنا حیرت سے خالی نہیں ہے۔ خیر حضرات ناظرین اب ارباب علم کی تحقیقات پر نظر غور ڈالیں۔

واضح ہو کہ امام نووی کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری حلت متعہ کا فتوٰے دیتے تھے اور اپنے فتوے کی صحت پر حدیث نبویؐ سے دلائل پیش کرتے تھے تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۹ (م) سے بھی ظاہر ہوتا ہے

کہ ممتوعہ ازواج منکوحہ کا حکم رکھتی ہیں۔ پس اس تفسیر کی رو سے حلت متعہ ثابت ہے۔ ہدایہ جلد ا کتاب النکاح صفحہ ۲۹۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعہ حضرات احناف کے نزدیک باطل ہے مگر امام مالک اسکو جائز جانتے ہیں اور امام زفر معصوم کہتے ہیں کہ متعہ صحیح ہے اسلئے کہ نکاح شرط فاسد کے باعث باطل نہیں ہوتا ہے تفسیر کشاف سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس حلت متعہ کے ہمیشہ قائل رہے اور اسکی حرمت کی طرف رجوع نہیں کیا۔ نووی کی جلد ا صفحہ ۴۵۱ میں مرقوم ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ ہمنے متعہ کیا عہد رسول خدا اور عہد ابوبکر میں۔ ترمذی کی جلد ا صفحہ ۱۰۷ میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک مرد شامی نے عبد اللہ ابن عمر سے متعہ حج کی نسبت سوال کیا ابن عمر نے جواب دیا۔ کہ متعہ حلال ہے سائل نے اسپر یہ اعتراض کیا کہ آپ کے باپ نے اُسے حرام کیا ہے۔ ابن عمر نے جواب دیا کہ اگرچہ میرے باپ نے اُسے حرام کیا ہے مگر جناب رسول خدا نے اُسے حلال کیا ہے۔ کیا میں ترک کروں نبیؐ کی سنت کو اور تبعیت کروں اپنے باپ کے قول کی۔ نووی کی جلد ا صفحہ ۴۰۹ میں مندرج ہے کہ عمران ابن الحصین کہتے ہیں کہ آیت متعہ قرآن میں نازل ہوئی اور ہمکو رسول اللہ نے متعہ کا حکم دیا اور آیت متعہ کی ناسخ کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور نہ رسول اللہ نے متعہ کو حرام کیا لیکن حضرت عمرؓ نے خود رائی سے اسکو حرام کر دیا قسطلانی جلد ۸ صفحہ ۵۳ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس نے متعہ کو حلال بیان کیا ہے اور عکرمہ اُن کے غلام نے کہا ہے کہ ضرورت شدیدہ میں متعہ جائز ہے اُسی کتاب میں مندرج ہے کہ سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ ہم لشکر میں تھے کہ جناب رسول خدا تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اجازت ہے کہ متعہ کرو۔ پس سبھوں نے متعہ کیا۔ نووی جلد ا صفحہ ۴۵۸ میں مسطور ہے کہ قاضی باقلانی کہتے ہیں کہ متعہ کے صیغہ میں اگر قید میعاد زبانی نہ کرے صرف میعاد کو دلمیں بطور نیت کے رکھے تو ایسا متعہ حلال ہے اُسی کتاب میں یہ بھی مندرج ہے کہ ابو موسے اشعری حلت متعہ کا فتوے دیتے تھے۔ ایک روز ایک شخص نے کہا کہ صبر کرو کیا تم نہیں جانتے ہو کہ حضرت عمرؓ نے مناسک حج میں متعہ کو حرام کیا ہے ابو موسے نے عند الملاقات حضرت عمرؓ سے دریافت حقیقت کی اسپر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بیشک نبیؐ نے اور اصحاب نبیؐ نے متعہ کیا ہے لیکن ہمنے مکروہ جانا اس امر کو کہ ایام حج میں لوگ مزے اڑائیں اور غسل کا پانی اُنکے سر سے ٹپکے۔ اے سبحان اللہ۔ حرمت متعہ کی وجہ خوب بیان فرمائی۔ خدا تعالیٰ تو بندہ کی آسانی کا لحاظ فرمائے مگر حضرت عمرؓ کو یہ آسانی مکروہ معلوم ہو۔ یہاں تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کی اتالیقی سے ترقی کر کے خود خدائے پاک کی جگہ غصب فرمائی۔ اس شدید المزاجی کی کوئی حد بھی ہے۔ کاش اس شدید المزاجی کا سولہواں حصہ ہی آپکو فطرت نے شجاعت بخشی ہوتی۔ ایسا ہوتا تو اسلام طرح طرح کی نکبتوں سے محفوظ رہجاتا۔ اسلام کی ساری بدحالیاں حضرت عمرؓ کی شدید المزاجی سے نتیجہ ہوگئی ہیں۔ خاندان پیغمبر کی تباہی خاندان پیغمبر کے

مصائب اسلام میں مذہبی تفرقے وغیرہ وغیرہ یہ سب آفتیں حضرت عمرؓ کی بدولت ظہور میں آئی گئی ہیں۔ حضرات متعصبین اسکو نمانیں تو نمانیں مگر اسلام کے مفاسد کے سبب قریب یا سبب بعید حضرت عمرؓ ہی نظر آتے ہیں۔ خاندان پیغمبرؐ کے خون کی دھاریں تو آپ کیوجہ سے رواں ہوتی ہی گئی ہیں۔ آپکی بدولت دین محمدیؐ بھی دین محمدیؐ نہیں رہا اسوقت میں جو دین اسلام ہے یقیناً دین عمری یا دین زید ابن ثابت ہے ہرگز دین محمدی نہیں ہے۔ دین محمدی دین اہلبیت پر محدود رہ گیا ہے۔ اور اب دین محمدی کو دین عمری سے اسوقت علیحدہ کرنا آسان کام نہیں ہے آخر میں نووی کی اُسی جلد کے صفحہ (١٠۴) سے ایک حدیث بروایت سعید بن المسیب درج کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موضع عسفان میں علیؑ اور عثمانؓ جمع ہوئے۔ علیؑ متعہ کو حلال اور عثمان متعہ کو حرام کہتے تھے۔ علیؑ نے عثمانؓ سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو آیا جس امر کو جناب رسولؐ خدا نے حلال کیا ہے تم اُسے حرام کروگے۔ اسی مضمون کی حدیث اسی کتاب میں عبد اللہ بن شقیق سے بھی مروی ہے۔ حضرت عثمانؓ کا متعہ کو حرام ٹھیرانا حضرت عمرؓ کے فعل کی بنا پر تھا خود حضرت عثمانؓ کو کیا صلاحیت حاصل تھی کہ کسی آیت قرآنی کا فیصلہ کر سکتے۔ ممکن ہے کہ مروان نے متعہ کی حرمت آپ سے کہدی ہو یا کسی اور شخص نے ایسا خیال آپ کے دماغ میں پیدا کر دیا ہو مگر حضرت علی علیہ السلام کا متعہ کو حلال جاننا البتہ ایک قابل لحاظ امر ہے اسلئے کہ آپکے برابر تمام اُمت رسول اللہؐ میں کوئی شخص صاحب علم اور صائب الرائے نہ تھا۔ المختصر اہل سنت کی تمام تفاسیر و احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت متعہ صرف ایجاد حضرت عمرؓ ہے اور یہ حکم آپکا تمامتر حکم خدا اور رسولؐ کے صریحاً خلاف ہے اہل فہم جو تعصبات سے بری ہیں متعہ کو حرام نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ حضرت رسولؐ و ولیؑ و ائمہ طاہرینؑ سب کے سب کو امر متعہ میں تمامتر حکم خداوندی کے ساتھ اتفاق ہے عقل بھی کہتی ہے کہ جس امر پر حضرت رسولؐ و ائمہ طاہرینؑ کا اتفاق ہے وہ امر بالیقین حق ہے اور وہی دین خدا ہے۔ اسکے برخلاف جو قول ہے وہ محض لغو اور باطل ہے۔

اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی

نمبر ۵۹۔ قیس بن حازم اور ابن عباس اور عامر شعبی اور حبیب بن عمیر کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قافلہ حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کا مکہ سے بصرہ کیطرف حضرت علیؑ کے مقابلہ کے لئے چلا اور آب حواب پر پہنچا تو اُسوقت کتے بھونکنے لگے۔ تب حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ اس مقام سے لوٹ چلو لوگوں نے پوچھا کہ کیوں ایسا کرنا چاہیئے۔ اسپر آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ ایک زوجہ میری باغی ہوگی اور وہ اے حمیرا تو ہوگی۔ یہ سنکر حضرت زبیر نے کہا کہ صبر کرو۔ آب حواب یہاں سے کوسوں دور ہے۔ تب ام المومنین نے پوچھا کہ تمہارے بیان پر کوئی گواہ ہے۔ اسپر حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے پچاس اہل عرب کو طمع دیکر حلف

دلوادیا کہ وہ دریا آب حواب نہیں ہے۔ اسکے بعد وہ قافلہ حضرت عائشہ کا بصرہ کیطرف روانہ ہوا۔ جاننا چاہیے کہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے کہ ظہور میں آئی۔ مخفی نہیں ہے کہ یہ قافلہ حضرت علی سے لڑنے کیواسطے جاتا تھا۔ نتیجہ اس لشکرکشی کا یہ ہوا کہ حضرت عائشہ کو شکست فاش ہوئی اور طلحہ اور زبیر لڑائی میں مارے گئے اُسؓ جنگ کا نام جنگ جمل اسلئے ہے کہ حضرت ام المنینؓ اس لڑائی میں اونٹ پر سوار ہو کر شریک جنگ ہوئی تھیں اور آپکی سواری کا کوئی اونٹ ہی مارا گیا تھا۔ اب ذیل میں راقم اپنے خیالات کیطرف حضرات ناظرین کی توجہ کا طالب ہے۔

نمبر(۱) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کو اپنے علم نبوت سے معلوم تھا کہ آپکی کوئی زوجہ آپ کے جانشین برحق یعنی حضرت علیؑ سے بغاوت کرکے حضرت علیؑ سے لڑیگی پھر یہ بھی آپ کو معلوم تھا کہ وہ زوجہ آپکی حمیرا یعنی حضرت عائشہ ہونگی پھر اسکا بھی علم آپکو تھا کہ جب حضرت عائشہ دریائے حواب پر پہنچیں گی تو وہاں کے کتے انپر بھونکیں گے یہ تمام باتیں جو آپ کے علم میں تھیں ظہور میں آگئیں۔ نبیؐ اور وصی کو مغیبات کی اطلاع ہوا ہی کرتی ہے۔

حضرت رسولؐ کی پیشین گوئیاں کیونکر غلط ہو سکتی تھیں سب کچھ اسیطرح ظہور میں آیا جیسا کہ آپ فرما چکے تھے

نمبر(۲) حضرت عائشہ حضرت رسولؐ سے اپنی بغاوت کا مضمون سن چکی تھیں اور حضرت رسولؐ خدا نے یہ نشانی بھی بتلادی تھی کہ آب حواب پر تم پر کتے بھونکیں گے اس اطلاع پر بھی آپ حضرت علیؑ کی حرب سے باز نہ آئیں۔ اہل سنت جو حضرت عائشہ کے اس خروج یعنی بغاوت کو خطائے اجتہادی بتاتے ہیں اس میں خطائے اجتہادی کی تو کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔

آپ دیدہ و دانستہ حضرت رسولؐ کے متنبہ کردینے پر بھی ایک ایسے فعل کی مرتکب ہوئیں جو بقول حضرت رسولؐ صرف حرب علیؑ نہ تھا حرب رسولؐ و حرب خدا بھی تھا۔ خیر۔ حضرت عائشہ کے معاملہ کا فیصلہ خدائے پاک کے ہاتھ ہے۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ہے کہ کیا ہوگا اور کیا نہوگا۔ مگر مجھے حضرات اہل سنت سے پوچھنا ہے کہ حضرت پیر دستگیر نے جو حضرت عائشہ کو افضل نسائے عالم تحریر فرمایا ہے تو کیا افضل نسائے عالم ہونیکے لئے حاربۂ خدا ہونا بھی کوئی ایسی ضروری صفت ہے کہ جسکے بغیر کوئی بی بی افضل نسائے عالم نہیں ہو سکتی

نمبر(۳) حضرت زبیر کا حضرت عائشہ کو یہ کہدینا کہ آب حواب بہت دور ہے ایک صریح دروغگوئی تھی راقم سوال کرتا ہے کہ عشرۂ مبشرہ ہونیکے لئے کیا دروغگوئی کی صفت بھی درکار ہے خدا تعالے نے تو دروغگوئی کو ایسا جرم کبیرہ قرار دیتا ہے کہ دروغگو کو مستحق لعنت فرماتا ہے کقولہ تعالے فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ اس عیب سخت کے ساتھ ہی حضرت زبیر اہل سنت کے نزدیک بڑے ذی رتبہ بزرگ قرار دیے جاتے ہیں۔ واقعی اہل سنت کا مذہب فہم انسانی سے تمامتر باہر ہے۔ کاذب جو لعنت کردہ

خدا ہے اُسے اہل سنت نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ قطعی جنتی مانتے ہیں۔

نمبر(۴) جب گواہی کی ضرورت پڑی تب حضرت زبیر اور حضرت طلحہ دونوں صاحبوں نے پچاس جُواری عربوں کو رشوت دیکر یہ جھوٹی گواہی اُنسے دلوائی کہ وہ جگہ آب حواب نہیں ہے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ سے ہیں اور غضب ہے کہ گواہوں کو تعلیم دیکر اُنسے جھوٹی گواہی دلواتے ہیں ماشاءاللہ حضرات اہل سنت کے عشرۂ مبشرہ میں کیسے کیسے پاک اور مقدس بزرگ داخل ہیں۔ ایسے ایسے حضرات قطعی جنتی نہوں تو پھر کون قطعی جنتی ہو سکتا ہے واقعی مذہب اہل سنت ایک راست باز حق پژوہ شخص کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔

نمبر(۵) یہ سب افعال حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کے اہل سنت کے نزدیک خطائے اجتہادی کا حکم رکھتے ہیں غضب ہے کہ ان دونوں صاحبوں کی لڑائی بھی حضرت علی کے ساتھ خطائے اجتہادی مانی جاتی ہے۔ آخر ہر چیز کی حد ہے صاف صاف طور پر حرص و طمع دنیا کی بنا پر یہ دونوں صاحب حضرت علیؑ سے لڑے اور حضرت عائشہ کو بھی حضرت علیؑ سے لڑوایا اسپر بھی یہ فساد انگیزی دونوں حضرات کی خطائے اجتہادی کہی جاتی ہے۔ واقعی مخالفان حضرت علیؑ نے وشمنان علیؑ کو الزام بغاوت وغیرہ سے بچا لینے کیواسطے خطائے اجتہادی کا خوب ہتکنڈا پیدا کر لیا ہے۔ جس مذہب کے ایسے ایسے بے سروپا اصول ہیں اُس مذہب کو کوئی صاحب فہم کیونکر قبول کر سکتا ہے۔

نمبر(۶) اس قصہ سے آب حواب کے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ فرمودہ حضرت رسولؐ خدا کو یاد کر کے لوٹ جانا چاہتی تھیں مگر زبیر نے خود کلام دروغ کہکر اور بشمول حضرت طلحہ پچاس آدمی سے جھوٹ بلوا کر آپکو لوٹ جانے سے روکا۔ راقم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت زبیر اور حضرت طلحہ اور خاصکر حضرت زبیر نہ ہوتے تو حضرت عائشہ حضرت علیؑ سے لڑنیکے لیے مستعد نہوتیں۔ واقعی حضرت زبیر عجیب بزرگ تھے کہاں اجماع سقیفۂ بنی ساعدہ کے بعد آپ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر راضی نہیں ہوتے تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ کے ہاتھ پر خود بیعت کریں اور کل اہل اسلام سے بیعت کرائیں اور کہاں حضرت عثمانؓ کے خون کے دعوی دار ہو کر حضرت علیؑ سے لڑنیکے لئے داخل میدان جنگ ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ آپ ایک بے اصول زندگانی کے آدمی تھے۔ دنیا طلبی کے سوا آپ میں کوئی دوسری بات نہ تھی۔ آپکو حضرت علیؑ سے کوئی غرض تھی اور نہ حضرت ابوبکرؓ سے۔ آپکو اپنے حلوے مانڈے کی فکر رہا کرتی تھی اور اسی فکر میں آپکی اور آپ کے ساتھی حضرت طلحہ کی جانیں بھی گئیں۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ انہی دونوں حضرات نے حضرت علی کے ہاتھ پر آپکے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی بیعت بھی کی اور شکست بیعت کر کے حضرت عائشہ سے بھی جا ملے۔ حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنیکی صورت یہ ہوئی کہ آپ دونوں صاحب یہ سمجھے تھے کہ رشتہ داری کیوجہ سے حضرت علیؑ کی بیعت کر کے بہت

کچھ دنیوی فائدے اٹھائیں گے مگر بیعت کرنے کے بعد ہی چراغ گل کرنے سے اُنپر روشن ہو گیا کہ حضرت علی سے ناجائز طور پر منتفع ہونیکی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ پس آپ دونوں صاحب حضرت علیؑ سے برگشتہ ہو کر امیر معاویہ اور حضرت عائشہ سے جا ملے چراغ کا مفصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ چراغ جلائے ہوئے بیت المال کا حساب دیکھ رہے تھے چراغ میں تیل بھی بیت المال کا تھا آپ دونوں صاحب یعنی حضرت زبیر اور حضرت طلحہ جو ملاقات کو کسی دنیاوی غرض سے آ گئے تو آپ بیت المال کے چراغ کو خاموش کر کے ان دونوں صاحبوں سے بات کرنے لگے۔

حضرت علیؑ کے اس فعل سے آپ دونوں صاحب سمجھ گئے کہ جب حضرت علیؑ کو مال بیت المال کا اتنا خیال ہے تو آپ سے یافت کی صورت کیا ہو سکیگی۔ پھر اُن طالبان دنیا کو اس سے کوئی چارہ نہ رہا کہ شکست بیعت کر کے حصول دنیا کی غرض سے آپکے مخالفوں کا ساتھ دیں۔ المختصر تمام امور بالا پر نظر ڈالکر راقم کہتا ہے کہ لاریب وہ خدا کا مذہب نہیں ہو سکتا ہے کہ جسمیں ایسے ایسے بے اصول زندگانی کے اشخاص قطعی جنتی مانے جاتے ہوں۔ خدا نے انسان کو نیک و بد کی تمیز کیلئے عقل دی ہے اگر عقل سے انسان کام نہ لے تو ایسا شخص کیونکر انسان کہا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ اور شجاعت

یہ عام عقیدہ حضرات اہل سنت کا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بڑے شجاع بزرگ تھے۔ چنانچہ جناب قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی اپنی تصنیف شریف میں جو مشتمل ہے حضرت رسول خدا کی سوانح عمری پر حضرت عمرؓ کو صفت دلیری اور شجاعت کے ساتھ یاد فرماتے ہیں۔ راقم کو نہایت تعجب گذرتا ہے کہ جب صفت دلیری اور شجاعت کی حضرت ممدوح میں موجود ہی نہیں تھی۔ تو کیونکر قاضی صاحب اس صفت کو اطمینان کے ساتھ حضرت ممدوح کیطرف منسوب فرماتے ہیں میں اس کتاب میں کافی طور پر دکھلا چکا ہوں کہ حضرت عمرؓ اس صفت کے ساتھ ہرگز متصف نہ تھے لاریب مضامین درج شدہ کی اعادہ کی حاجت نہ تھی مگر جناب قاضی صاحب کی تصنیف جلیل کے معائنہ کے بعد ضروری معلوم ہوا کہ از سر نو حضرت خلیفہ کی صفت دلیری اور شجاعت کا موازنہ حوالۂ قلم کروں۔ حضرات ناظرین سے تحریر ذیل توجہ فرمائی کی طالب ہے۔

میں سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ ایام جاہلیت میں حضرت عمرؓ سے ایک کام دلیری کا ظہور میں آنیکو تھا مگر ملتوی رہ گیا۔ اسکی سرگذشت جیسی کہ بیان ہو چکی ہے یہ ہے کہ جب حضرت خلیفہ کو معلوم ہوا کہ محمد ابن عبد اللہ یعنی جناب رسول خدا ایک نیا دین شایع کرنا چاہتے ہیں تو آپکو نہایت غصہ آیا اور چھ برس تک آپ اس غم و غصہ میں مبتلا رہے۔ یہانتک کہ ایک روز آپ تلوار لیکر جناب رسول خدا کے قتل کیواسطے گھر

نکلے۔ راہ میں جو کسی نے یہ کہا کہ محمدؐ کے قتل کیلئے تو چلے ہو مگر بنی زہرہ قتل محمدؐ کا بدلا تم سے لینگے۔ یہ سنتے ہی آپ قتل محمدؐ کے خیال سے درگذرے اور واپس گھر کو چلے آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حالت غیظ میں آپکو قتل حضرت رسول خدا کی جراٗت پیدا ہو گئی تھی۔ جب غیظ کی کیفیت جاتی رہی وہ جراٗت بھی جاتی رہی۔

ایام جاہلیت میں صرف یہی ایک فعل جراٗت کا آپ سے سرزد ہونے کو تھا جو مآل اندیشی کے بعد خیال ہی جاتا رہا۔ مشرف باسلام ہونیکے بعد آپ کا فعل جس سے لاریب اعلیٰ درجہ کی جراٗت ظاہر ہوتی ہے یہ تھا کہ ادائے حج کے بعد آپ نے کفار مکہ کے سامنے کھلے کھلے طور پر مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ بظاہر یہ فعل نیک آپکا بڑی جراٗت کی خبر دیتا ہے مگر حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کے ماموں ابوجہل صاحب نے آپ کو حکم امن دیدیا تھا جسکی بدولت کوئی مخالف آپ کا آپ کو خس برابر ضرر نہیں پہنچا سکتا تھا ایسی صورت میں آپ کا کھلے کھلے طور پر ہجرت کرنا درحقیقت کسی قسم کی جراٗت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اسیطرح قابل لحاظ آپ کا وہ معاملہ ہے جو آپ کے مکہ جانے سے تعلق رکھتا ہے اسکی سرگذشت یہ ہے کہ جب چند سال کے بعد حضرت رسول خدا نے آپ کو کچھ پیام لیکر کفار مکہ کے پاس بھیجنا چاہا تو آپ نے مکہ جانے سے انکار کیا اور انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ اب مکہ میں ابوجہل صاحب زندہ نہیں ہیں۔ اہل مکہ مجھے قتل کر ڈالیں گے مختصر یہ ہے کہ آپ کا نہ مکہ سے مدینہ کیطرف کھلے طور پر چل نکلنا کوئی جراٗت کا فعل تھا اور نہ مکہ کو جانے سے انکار کرنا کسیطرح کی جراٗت سے خبر دیتا ہے۔ اب رہے آپکے غزواتی معاملات انکی حقیقت یہ ہے کہ جنگ بدر میں آپ شریک جنگ اس بناپر نہیں ہوئے کہ آپکے ماموں ابوجہل صاحب رسول اللہ سے لڑنیکو آئے تھے۔ ایسی صورت میں آپ ماموں صاحب سے کیونکر نبرد آزما ہو سکتے تھے۔ جنگ احد میں آپ رسول اللہ کو میدان جنگ میں زخم خوردہ چھوڑ کر اپنی جان لیکر بھاگ نکلے۔ خود آپ ہی کا قول ہے کہ میں بزکوہی کیطرح پہاڑ کے چٹانوں پر اچکتا ہوا بھاگا جاتا تھا۔ جنگ خندق میں آپ نے عمرو ابن عبدود سے مقابل ہونے میں انکار فرمایا۔ جنگ خیبر میں مرحب و حارث سے دو دن تک بھاگ گئے۔ جنگ حنین میں حسب دستور قدیم فرار ہی کے پابند رہے۔ قرآن و حدیث و سیر و تاریخ کہیں سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آپ اور حضرت ابوبکرؓ نے کسیکو خط لگایا۔ یا کسیکا ہتیار کھایا ہو۔

جب ایسا موقعہ ہوا تو بھاگ ہی نکلے۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو جناب قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی حضرت عمرؓ کیطرف کس بنیاد پر دلیری اور شجاعت کی صفت منسوب فرماتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خس برابر بھی جری اور دلیر نہ تھے۔ لیکن ہٹ دھرمی کا کوئی جواب نہیں۔ راقم کہتا ہے کہ اگر حضرت عمر میں کسیطرح بھی دلیری ہوتی تو آپ عورتوں کو نہ مارا کرتے۔

سب سے زیادہ اسطرح کا مکروہ فعل آپ سے یہ سرزد ہوا کہ آپ نے اپنی آقازادی جناب بی بی فاطمہؑ کے پہلوے مبارک پر ایسی ضرب شدید لگائی کہ آپکا حمل ساقط ہو گیا۔ اس ضرب رسانی کے بعد وہ

مسموم علیل رہنے لگیں یہاں تک کہ اس عالم فانی سے رخصت ہو گئیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا فعل زشت و قبیح مرد دلیر سے ظہور میں نہیں آسکتا۔

عورت کا مارنا بزدلی کا کام ہے۔ چہ جائیکہ جناب خاتون جنت کے ساتھ اس بیرحمی سے پیش آنا مسلمان تو کیا کسی کافر سے بھی ایسا فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ حضرت عمرؓ میں دلیری کی صفت مطلق نہ تھی البتہ آپ نہایت شدید المزاج تھے اہل سنت آپ کی شدید المزاجی کو شجاعت قرار دیتے ہیں۔ شجاع شدید المزاج نہیں ہوا کرتا شجاع کی شان سے ہے کہ رحیم و کریم ہو۔ حضرت عمرؓ رحم و کرم سے کوئی علاقہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ ہر شخص سے کافر ہو یا مسلمان درشتی کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔

آپکے اصلی مزاج کی ایک مثال یہ ہے کہ جب اسیران بدر مدینہ میں لائے گئے تو آپنے جناب رسول خدا کو یہ رائے دی کہ ساری قیدی قتل کرڈالے جائیں اور وہ بھی اس نہج سے کہ ہر مجاہد اپنے اپنے رشتہ دار کو اپنے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ جناب رسول خدا نے حضرت عمرؓ کی اس رائے سے منہ پھیر لیا۔ اور جو مناسب نظر آیا اسپر عمل فرمایا اگر جناب رسول خدا حضرت عمر کی ایسی قبیح اور زشت رائے پر عمل فرماتے تو ہر عصر کے مورخ اسلام کیطرف اسارے کشی کی بنیاد پر طرح طرح کے الزام عائد کیا کرتے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے بالا اللہ اکبر آپکی کس حد کی شدید المزاجی سے خبر دیتی ہے۔ جائے لحاظ ہے کہ جنگ بدر میں حضرت عمرؓ تمامتر بیکار رہے مگر جب اسارائے بدر مدینہ میں لائے گئے تو آپ انکی بیچارگی کی حالت میں اُنکے سامنے تلوار گھماتے تھے لاریب ایسا فعل کسی شجاع سے ظہور میں نہیں آسکتا۔ یوں تو حضرت عمرؓ ایک بالشت کی چوڑی تلوار ہمیشہ شہر کے اندر گھمایا کرتے تھے مگر جائے حسرت۔ ہے کہ وہ تلوار بدر و خندق و احد و خیبر و حنین میں میان کر میان سے باہر نہ آئی۔ اب اہل انصاف خود فیصلہ کرلیں کہ دلیری اور شجاعت کو جناب قاضی سلیمان صاحب کا حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرنا درست ہے یا نادرست۔

راقم الحروف کے والد مرحوم جناب شمس العلما سید وحید الدین خان بہادر مرحوم و مغفور ایک خوش حال اور خوش نام حاکم باوقار تھے اور جید عالم ہونیکے علاوہ نہایت درجہ علم دوستی کا مذاق بھی رکھتے تھے ہر مذہب کے اہل علم کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ خود بھی ادیان دنیا سے حسب مراد باخبری رکھتے تھے۔ اس باخبری کی وجہ یہ تھی کہ عربی فارسی اردو لاطینی انگریزی سنسکرت بھاشا اور عبرانی میں اچھا دخل رکھتے تھے اور ان زبانوں میں جو مذہبی کتابیں ہیں اُن کو اکثر ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ جسطرح مذہب اسلام سے واقفیت رکھتے تھے۔ مذہب یونان سابق و مذہب روما و مذہب ہنود و مذہب بودھ و مذہب مجوس و مذہب یہود و مذہب نصاریٰ وغیرہ وغیرہ سے بھی کامل طور پر باخبر تھے۔ توریت و انجیل کے

تو گویا حافظ تھے۔ قرآن شریف کے جیسے حافظ ہوا کرتے ہیں ویسے حافظ تو نہ تھے۔ مگر سارا قرآن مجید اُنکے ذہن عالی میں محفوظ تھا ابتدا میں مذہب تفضیلیہ کے پابند تھے۔ اور آخر میں راقم غفران مآب کو کچھ کچھ ارکان مذہب امامیہ کے بھی ادا کرتے دیکھا کرتا تھا۔ مرنے پر حنفی مذہب کے مطابق جناب مرحوم کی تجہیز و تکفین و تدفین عمل میں لائی گئی اور یہ اس سبب سے کہ میرے سوا حضرت مرحوم و مغفور کی سب اولاد اُسوقت مذہب حنفی کی پابند تھی۔ جناب والد صاحب جنت آرامگاہ کے والد ماجد جناب سید امداد علی خان بہادر بھی تفضیلیہ مذہب رکھتے تھے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جناب دادا صاحب مرحوم امامیہ تھے۔ مگر اپنے پسر اکبر نواب منشی سید نجم الدین صاحب کے خیال سے اپنے کو امامیہ نہیں کہتے تھے۔ سید نجم الدین صاحب بھی تفضیلیہ مذہب رکھتے تھے۔ مگر متصوف ہونیکے باعث مذہب امامیہ کا پابند ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ جناب سید امداد علی خاں بہادر مرحوم سے اوپر یعنی راقم کے پردادا سے لیکر علیؑ مرتضیٰ تک مذہب سادات یعنی مذہب امامیہ کے پابند تھے اور ایک شخص بھی راقم کے ان بزرگواروں میں سے اہل سنت سے نہ تھا۔

چونکہ والد مرحوم نہایت علم دوست اور علم پرور تھے راقم کی تعلیم و تربیت میں حضرت غفران مآب نے کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی۔ حضرت نے مجھے عربی پڑہانیکے لئے ایک عالم معقولات اور ایک عالم ادب کو رکھا۔ ایک اعلیٰ درجہ کے خطاط بھی راقم کے دارالتعلیم کے متعلق کئے گئے۔ ایک صاحب فن شہسواری کی تعلیم کے لئے نوکر رکھے گئے اور سرکاری لشکر کا ایک شخص بندوق اور رائفل کی مشق پیدا کرا دینے کے لئے متعین کیا گیا۔ علاوہ اسکولی تعلیم کے اچھے مشاہرہ کا ایک نہایت ذی علم انگریزی داں بھی تعلیم انگریزی کی مدد کیواسطے ایک عرصۂ دراز تک مقرر رہا۔ یہاں مجھے صرف اُن حضرات علما کا ذکر کرنا منظور ہے جو راقم کی تعلیم عربی کیلئے رکھے گئے تھے۔ یہ حضرات جب جب ترک خدمت کرتے گئے انکی جگہ پر اُنکے مماثل اور حضرات مقرر ہوتے گئے۔ جاننا چاہیے کہ یہ سب حضرات یا غیر مقلد یا حنفی المذہب تھے۔ آخر میں جو صاحب میری تعلیم عربی سے متعلق ہوئے وہ جناب سید محمدؐ گل صاحب جلال آبادی تھے آپکا مذہب اپنے ملکی مذہب کی پابندی سے حنفی تھا۔ راقم اُسوقت سترہ برس کا ہو چکا تھا۔ عقائد دینی سے بھی معروف طور پر سے اطلاع ہو چکی تھی عقائد مذہبی جو اُسوقت تعلیم بالا کے ذریعہ سے راقم کے ذہن میں قایم ہو چکے تھے وہ یہ تھے کہ خدا ایک محمدؐ صاحب رسول۔ آپ کے بعد من جمیع الوجوہ سب سے بڑھکر حضرت ابو بکرؓ تب حضرت عمرؓ تب حضرت عثمانؓ تب حضرت علیؑ اور سب سے مفضول علیؑ تب حضرت معاویہ تب حضرت یزید تب حضرت یزید کے بعد مسلسل طور پر جتنے اور خلفائے بنی امیہ امام حسنؑ اور بقیہ ائمۂ اثنا عشر حضرت امام مہدیؑ کے سوا لائے گئے۔ افضل النساء عالم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ کے بعد حضرت بی بی فاطمہؑ اس تعلیم یابی کے ساتھ انٹرنس کا امتحان پاس کر چکے

بعد راقم بھاگلپور سے پٹنہ آگر پٹنہ کالج میں داخل ہوا۔ اور جناب مولانا سید محمد گل صاحب نور اللہ
مرقدہٗ کا ساتھ چھوٹ گیا۔ بانکی پور میں رہکر پھر دینیات کا سبق مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور
سے پڑھنے لگا۔ جناب غفران مآب بھی حنفی المذہب تھے مگر یزید کی خلافت حقہ کے قائل نہ تھے
آپ اُن حضرات اہل سنت سے تھے جو امیر معاویہ کے بعد یزید کو خلیفۂ برحق قرار نہیں دیتے بہرحال
جناب مولوی صاحب ممدوح کے اس عقیدہ کا کوئی اثر مجھپر نہوا۔ میں جسطرح یزید کو حسب تعلیم مولوی
سید محمد گل صاحب خلیفۂ برحق جانتا تھا۔ خلیفۂ برحق جانتا رہا۔ جب راقم اپنی عمر کے انیسویں سال کو
پہنچا تو اُسے ایک عجیب مذہبی ہنگامہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس مکان میں راقم رہتا تھا اُسکے
دوسرے قطعہ میں راقم کے بڑے چچا صاحب یعنی جناب نواب منشی سید نجم الدین صاحب قبلہ
نور اللہ مرقدہٗ قیام رکھتے تھے راقم جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہے جناب غفران مآب صوفی مذہب
تھے۔ آپکے دولتخانہ پر اکثر حضرات صوفی مذہب جمع ہوا کرتے تھے اور صوفیانہ مذاق کے مذاکرے
روز رہا کرتے تھے ایک عرصہ تک اُن حضرات کی صحبت باخود ہا پرلطف انداز سے ہوا کی مگر اتفاق
وقت سے ایک روز ذکر خیر حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کا درمیان آگیا۔ چونکہ جناب عم ممدوح
حضرت خال المومنین سے کوئی ارادت نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے ایسی تقریر فرمائی کہ جس سے
کوئی منقبت حضرت خال صاحب کی نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ امر ایک صوفی صاحب کو جو ہم لوگوں
کے ہمسایہ قریب تھے نہایت گراں گذرا۔ آپ نے نہایت جھنجلا کر فرمایا کہ حضرت معاویہ کے فضائل سے
انکار ہی ہوا تو سنیت بھی رخصت ہو گئی۔ پس ایسے منکر فضائل اور شیعہ میں فرق کیا رہا۔ اور حضرات
صوفی مذہب بھی جو وہاں موجود تھے اس قول کی تائید کرنے لگے مگر راقم کے عم ممدوح اپنے خیال
کے پابند رہے۔ اس اختلاف کی بدولت وہ صوفیانہ صحبت درہم و برہم ہو گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں
ہوا کہ وہ صحبت صوفیانہ معرض زوال میں آگئی۔ طرفین سے امیر معاویہ کے فضائل وغیر فضائل
میں تحریریں شروع ہو گئیں۔ آخر اس ہنگامہ کی اطلاع جناب شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہٗ سجادہ نشین
پھلواری شریف کو ہوئی۔ حضرت صاحب سجادہ نے منشی سید نجم الدین صاحب کے زوروں
کے ساتھ اختلاف کیا۔ پہلے حضرت نے اپنے مخالف کو بہت کچھ سمجھایا مگر اسکا اثر حضرت کے مخالف
پر کچھ نہوا۔ نواب منشی سید نجم الدین صاحب جیسے مخالف حضرت امیر معاویہ کے تھے ویسے ہی رہے
تب حضرت صاحب سجادہ نے ایک بڑی پُرزور کتاب تصنیف فرمائی جو اسوقت تک موجود ہے
یہ کتاب جسکا نام اُسوۂ حسنہ ہے پورے طور پر سنیت کی داد دیتی ہے اور تمامتر عقائد اہل سنت
کے مطابق ہے ظاہر ہے کہ سنی ہو کر کوئی شخص فضائل حضرت معاویہ سے انکار نہیں کر سکتا بلکہ حق
یہ ہے کہ بمقتضائے عقل صحیح و بہ تقاضائے شروط خلافت آپکے صاحبزادہ یعنی یزید کی خلافت حقہ

سے بھی منحرف نہیں ہو سکتا۔ خیر۔ راقم کو اسجگہ اس ہنگامہ کے نیک و بد سے کوئی مطلب نہیں ہے یہاں مجھے صرف اسقدر عرض کر دینا ہے کہ اس ہنگامہ کیطرف توجہ کرنے سے مجھے بہت سی نئی نئی ایسی باتیں معلوم ہونے لگیں جو میرے عقائد سابقہ پر خلاف امید اثر ڈالنے والی ہوئیں۔ اس ہنگامہ سے مجھے اس امر کا تو پورا یقین ہو گیا کہ اہل سنت کو حسب تحریر حضرت پیر دستگیر حضرت معاویہ سے گریز ناممکن ہے بلکہ حسب تحریر امام غزالی حضرت کے صاحبزادہ یزید کے ساتھ بھی تمسک کرنا ایک امر ناگزیر ہے اسلئے کہ صاحبزادے صاحب بھی اپنے پدر بزرگوار کیطرح ایک باضابطہ خلیفہ ہیں مگر جب حضرت معاویہ اور حضرت یزید کے معاملات سے اس ہنگامہ کی بدولت بتدریج اطلاع ہوتی چلی تو یہ دونوں حضرات یکساں طور پر قابل حذر معلوم ہونے لگے بلکہ حضرت معاویہ تو حضرت یزید سے بھی زیادہ مخدوش دکھائی دینے لگے۔ کوئی شک نہیں کہ اس ہنگامہ نے میری سنیت کی چول ڈھیلی کر دی مجھے کالج کے مشاغل سے جو فرصت ملتی تھی اس ہنگامہ کے متعلق کی کتابوں کو کچھ نہ کچھ دیکھ لیتا تھا اور ہر امر کا موازنہ کیا کرتا تھا۔ کہاں یہ تھا کہ جناب مولانا سید محمد گل صاحب تاریخ و سیر وغیرہ کی کوئی کتاب راقم کو پڑھنے نہیں دیتے تھے اور تعلیم عقائد میں جو کوئی سوال راقم کرتا تھا تو جواب درکنار ایسے سوال ہی کو گمراہی قرار دیتے تھے اور کہاں یہ ہو گیا کہ آزادی کے ساتھ موافق اور ناموافق ہر طرح کی کتابیں راقم کے زیر مطالعہ رہنے لگیں۔ اس طرح کا اثر راقم ہی پر نہیں ہوا بلکہ جناب مولوی عبدالکریم صاحب بھی جو مذہب اہل سنت کے ایک ممتاز عالم تھے حضرت معاویہ سے بدعقیدگی ظاہر کرنے اور آخر کار امیر شام سے بالکل فرنٹ ہو گئے رفتہ رفتہ مجھے بھی حضرت معاویہ سے کوئی ارادت باقی نہیں رہی اور آپ میری نظروں میں اپنے صاحبزادے سے کہیں زیادہ قابل حذر نظر آنے لگے۔

اس ہنگامہ کے کچھ عرصہ بعد راقم کا چھپرہ جانا ہوا چھپرہ میں راقم کے چچا مولوی سید فرزند علی صاحب ایک نہایت باوقار وکیل تھے۔ آپ کو سارٹیفکٹ صدر دیوانی عدالت کلکتہ کا حاصل تھا مگر آپ وکالت کا کام چھپرہ کی عدالت میں کیا کرتے تھے جناب مرحوم کا وقار اس درجہ کا تھا کہ یورپین اور ہندوستانی حکام کے علاوہ اس ضلع کے تمام کو مہ آپکو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ راقم کے اقران و امثال میں صفات انسانیہ کے اعتبار سے آپکا کوئی نظیر نہ تھا اور حق یہ ہے کہ جسقدر آپ کی توقیر کیجاتی تھی وہ آپ کیواسطے تھوڑی تھی جناب ممدوح نے ایک نادر دماغ پایا تھا عقل و فہم و فراست میں اپنے آپ جواب تھے جسقدر خدا تعالیٰ نے جمال ظاہری عطا فرمایا تھا اُسیقدر کمال باطنی بھی بخشا تھا۔

ان وہبی صفات کے ساتھ اہل علم سے بھی تھے۔ زواہد و صدرا و افق المبین کی تحصیل حنفی المذہب جناب مولانا واجد علی صاحب معقولی بنارسی سے فرمائی تھی۔ مولانائے ممدوح کے چھوٹے بھائی جناب

غفران مآب مجتہد العصر قبلہ وکعبہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے تھے جناب مسیح الزماں حکیم محمد علی عرف حکیم منا صاحب مرحوم مجتہد صاحب ممدوح کے صاحبزادے تھے۔ اسوقت بھی جناب حکیم صاحب کا نام نامی چھپرہ اور اطراف چھپرہ کے خاص و عام کی زبان پر جاری ہے۔ المختصر جناب مولوی سید فرزند علی صاحب مرحوم علوم عربیہ میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے اور اس عربی دانی کے ساتھ انگریزی میں بھی جناب ممدوح کو کافی دخل تھا۔

راقم اپنے چھپرہ کے قیام کے زمانے میں شام کے بعد استفادہ کی نظر سے حضرت چچا صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ حضرت غفران مآب کی ہر بات تعلیم سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ راقم حضرت کے ہر ارشاد کو بغور سنتا تھا اور اس سے فائدہ اٹھانے میں کوشاں ہوتا۔ یوں تو ہر روز بکار آمد باتیں مسموع ہوا کرتی تھیں مگر ایک روز کی صحبت میں حضرت نے چند احباب کیطرف متوجہ ہو کر یہ فرمایا کہ ہر چند بڑی بڑی کتابیں شیعوں کے اعتراضات کی رد میں تصنیف ہو گئی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کے اعتراضات کا کوئی بھی معقول جواب نہیں دکھائی دیتا۔ اس قول نے میرے دلپر ایک عجیب اثر پیدا کیا۔ اگر یہ قول مولوی سید فرزند علی صاحب کا نہوتا تو بالیقین میرے دل پر اسکی ایسی تاثیر پیدا ہوتی۔ چونکہ میں جانتا تھا کہ مولوی صاحب مرحوم کو ہر طرح کی مذہبی تحقیق حاصل ہے اور لغو گفتاری سے جناب ممدوح بمراحل دور ہیں حضرت کے اس قول سے ایک نیا میدان خیالات کا میرے پیش نظر ہو گیا۔ راقم نے دلمیں اسبات کو ٹھان لیا کہ تحقیق حق میں کوئی کوشش اٹھا نہ رکھنی چاہئے۔ اس صحبت کے بعد جناب چچا صاحب مرحوم نے معاملہ فدک کو بڑی تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت کی دولت سے جناب ممدوح کو مالا مال کیا تھا۔ چنانچہ حضرت کے دونوں نواسے آنریبل مسٹر سید علی امام صاحب بی۔ ایس۔ آئی۔ وزیر ہند اور آنریبل مسٹر جسٹس سید حسن امام صاحب بیرسٹر و جج ہائیکورٹ کلکتہ کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔ خیر۔ اس واقعہ کو حضار مجلس بغور سنتے رہے اور یقیناً بہت متاثر بھی ہوئے خود بھی معاملہ فدک کے بیان کے بعد بڑے ضابطہ اور صابر ہونے پر بھی اشک ریز رہے۔ اس دوسری صحبت نے راقم کو تحقیق حق کیطرف اور بھی زیادہ رجوع کر دیا۔ بار سوم ایک صحبت میں جناب ممدوح نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب میرے دفن کا وقت آئے تو میری میت پر وہی دعائیں پڑھی جائیں جو امامیہ حضرات اپنی میتوں کے دفن کے وقت پڑھا کرتے ہیں۔ اس قول نے میرے دل کو تحقیق پر اور بھی مجبور کر دیا اور راقم اب برملا مذہبی کتابیں فریقین کی دیکھنے اور اہل علم سے ہر ضروری امر کی تحقیق کرنے لگا۔ ابھی راقم مشغول تحقیق ہی تھا کہ جناب عموی مولوی سید فرزند علی صاحب نے یکبیک سفر آخرت اختیار فرمایا۔ مردہ بدست زندہ مجھے یہ موقع کہاں حاصل تھا کہ میں جناب غفران مآب کے وارثوں کے مقابلہ میں ان کی دلی وصیت کی تعمیل کر سکتا۔

اُسوقت مذہب امامیہ کے طریقہ تلقین وطریقہ صلوۃ جنازہ سے بھی راقم خبر نہیں رکھتا تھا اور اگر رکھتا بھی تو کیا کر سکتا تھا۔ جناب مولوی عبدالکریم صاحب نماز جنازہ پڑہانے کے لئے موجود ہی تھے۔ مجھے دم مارنے کی جگہ ہی کہاں تھی۔ خیر۔ ایسی بیچارگی کی حالت میں میں نے ایک کاغذ پر ناد علی لکھکر جناب غفران مآب کے کفن کے اندر رکھدی۔ حضرت عم تو دنیا سے رخصت ہو گئے مگر جناب مرحوم کے ارشادات حق پژوہ نے راقم کو تحقیق کی راہ سے ڈگنے نہ دیا۔ حق یہ ہے کہ اگر راقم کو ایسی صحبتیں جناب غفران مآب کی نصیب نہوئی ہوتیں تو تحقیق حق کیطرف راقم کے دلمیں اسقدر جلد کی آمادگی پیدا نہو سکتی۔ راہ حق کی تحقیق میں قدم رکھکر مجھے ویسا ہو جانا پڑا جیسا کہ میری تحریرات بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب راقم ذیل میں کسیقدر اپنی تحقیق مذہبی کی سرگذشت بھی حوالۂ قلم کرتا ہے۔

جناب عم مرحوم کی رحلت کے بعد راقم نے سرگرمی کے ساتھہ تحقیق مذہبی شروع کردی۔ جناب مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو میری کتب بینی نہایت ناگوار ہوتی تھی۔ ہر چند جناب مرحوم چاہتے تھے کہ میں کوئی کتاب فن تاریخ یا علم کلام کی نہ دیکھوں مگر اسکا انسداد بحالت موجودہ دشوار تھا روز بروز میری اطلاع بڑہنے لگی اور تحقیق سے یہ بات ظاہر ہونے لگی کہ مذہب امامیہ اور مذہب اہل سنت خاصکر مذہب امام ابو حنیفہ صاحب کا تمامتر دو مذہب ہیں اور ایسے دو مذہب ہیں کہ جنمیں کسیطرح کی موافقت نہیں پائی جاتی دونوں مذہبوں کے اغراض ایک دوسرے سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے یہ دوسری بات ہے کہ مرغی دونوں مذہبوں میں حلال ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ مذہب امامیہ کا خدا تک مذہب اہل سنت خاصکر مذہب حنفیہ کے خدا سے تمامتر علیحدہ ہے۔ اسیطرح اصول و فروع دونوں مذہبوں کے ایک دوسرے سے علاقہ نہیں رکھتے۔

ظاہر ہے کہ میں یہاں ان دونوں مذہبوں کے تمام اصولی اور فروعی اختلافات کے دکھلانے کا موقع نہیں رکھتا ہوں مگر مذہب حنفیہ سے اپنے کنارہ کش ہونیکی وجہ کو حوالۂ قلم کردینا مناسب جانتا ہوں اس مذہب پر تھوڑی نظر تحقیق ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس مذہب کے بانی امام ابو حنیفہ ابن ثابت نے اپنے سارے مذہب کی بنا قیاس پر رکھی ہے

ظاہر ہے کہ قیاس کی پابندی سے ایک نئے مذہب کا پیدا ہو جانا خلاف توقع نہیں ہے چنانچہ بعد تحقیق یہ بات راقم پر روشن ہو گئی کہ مذہب امام اعظم صاحب کا اور اُن مذہب سے جنکی بنائیں قرآن اور حدیث پر واقع ہوئی ہیں تمامتر نرالا ہے جناب مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام اعظم کا یہ احسان مسلمانوں پر بہت بڑا ہے کہ آپ نے اپنے اجتہادات کی بدولت مسلمانوں کو ایک نیا دین مکمل انداز کا عنایت فرمایا ہے۔ اسمیں کچھہ شک نہیں کہ حضرت امام صاحب ایک نئے دین کے مخترع ہوئے ہیں اور لاریب اگر حضرت ممدوح اجتہادات مسائل

میں قیاس کو دخل نہ دیا کرتے تو ایسے نئے دین کے وجود میں آنیکی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔
یہاں چند مثالیں حضرت امام کے غلبۂ قیاسات کی راقم پیش کرتا ہے۔

نمبر (۱)۔ حضرات اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت امام صاحب کے نزدیک کتے کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے (دیکھو شرح وقایہ) انسان اسکو پہنکر نماز پڑھ سکتا ہے اور چاہے تو قرآن پاک کی دفتیاں اُس سے بنائے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت امام صاحب کتے کو نجس العین نہیں سمجھتے ہیں۔
خوب ہوتا کہ سور کی کھال بھی دباغت کے بعد پاک قرار دیجاتی اگر ایسا ہوتا تو اس زمانہ میں اس اجتہاد سے بڑا کام نکلتا۔ عمدہ ساخت کے ولایتی زین سور ہی کے چمڑوں سے بنتے ہیں۔ اسوقت کے غیر انگریزی خواں مسلمان ابھی تک ایسے زین کے استعمال میں مضائقہ کیا کرتے ہیں۔

نمبر (۲) کتے کے چمڑہ کا جامہ ربع اُسکا نجاست غلیظہ میں ڈوبا ہوا ادائے نماز کے لئے جائز ہے جیسا کہ قفال نے ایسے چمڑے کو پہنکر سلطان محمود غزنوی کے روبرو نماز پڑھی تھی۔ اس معاملہ کو امام یافعی نے مرآت الجنان میں اور ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں کتاب مغیث الخلق امام الحرمین ابو المعالی جوینی کی نقل کیا ہے واضح ہو کہ یہ نماز مذہب امام اعظم کے اجتہادات کے مطابق ادا کی گئی تھی۔ قصہ اسکا طویل ہے اور چونکہ بیحد مکروہ ہے اسلئے راقم اسکے اعادہ سے اجتناب کرتا ہے۔
مگر سارے ارکان نماز وغیرہ پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی نماز معہ نیت ومع وضو حضرت امام کی پابندی رائے و قیاس کا نتیجہ ہے۔

نمبر (۳) کتاب ہدایہ اور شرح وقایہ کے رو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے نبیذ کو کھجور کی اور شراب کو انگور خشک کی اس مقدار سے پی لینا کہ نشہ نہ لائے درست فرمادیا ہے۔
اسیطرح فتاوائے عالمگیری میں ہے کہ اگر کھجور کی نبیذ کو کوئی شخص نو پیالے تک پئے اور نشہ پیدا نہو پھر دسویں پیالے کے پینے پر نشہ ہو جائے تو ایسے پینے والے پر شراب خواری کی حد نہیں لگائی جائیگی۔
پھر نبیذ سے وضو کرنا بھی حضرت امام صاحب نے جائز فرمادیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت امام صاحب کے یہ سب مسائل آپکی پابندی قیاس و رائے کے نتائج ہیں اور درحقیقت حکم قرآنی کے خلاف ہیں حضرت امام صاحب کے اسی اجتہاد کی بنا پر بیر شراب کو جو جو کی نبیذ ہے کچھ حنفی حضرات حلال سمجھتے ہیں۔

نمبر (۴) چلپی حاشیہ شرح وقایہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام صاحب زن زانیہ کی چکائی ہوئی خرچی کو اُس عورت کے لئے حلال سمجھتے ہیں۔
اسیطرح فتاوائے قاضی خاں اور کنز الدقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا مرد جو خرچی دیکر کسی عورت سے

زناکرے اسپر حد واجب نہیں ہوتی۔

اگر یہ اجتہاد حضرت امام صاحب کا درست ہے تو بازار کی کسبیاں اور اُن کسبیوں سے آشنائی کرنیوالے کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے اگر اسطرح کا تعلق عورت کے ساتھ حلال ہے تو بچارے متعہ نے گناہ کیا تھا کہ امر منصوص ہونے پر بھی حرام کردیا گیا۔

نمبر(۵) سوٗر کی جھلی میں گوشت جانوران حلال کو بھر کر مصرف میں لانا امام اعظم صاحب کے نزدیک حلال ہے۔ اس اجتہاد سے قیاس ہوتا ہے کہ سوٗر بھی کتے کیطرح امام صاحب کے نزدیک نجس العین نہیں ہے۔ اس روسے سوٗر کے چمڑے کے زین کو بھی مصرف میں لانا حرام نہیں ہوسکتا۔ بلکہ قیاس اُسی کا مقتضی ہے کہ جب سوٗر کی جھلی سے کام لیا جاسکتا ہے تو اُسکے چمڑے سے اجتناب ایک بے معنے امر ہے۔

نمبر(۶) فتاوائے قاضی خان میں درج ہے کہ حصول شفا کی نظر سے قرآن کا پیشاب۔ خون یا کسی دیگر نجس شئے سے لکھنا جائز ہے۔

کوئی شک نہیں کہ کلام پاک کی توہین ایسے امر سے ظاہر ہوتی ہے۔

نمبر(۷) ہدایہ کے صفحہ ۴۹۶ میں بین طور سے دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھکر اپنی ماں۔ بہن۔ بیٹی یا کسی دیگر محرمہ شرعیہ سے نکاح کرے اور ایسی منکوحہ کے ساتھ وطی کرے تو ایسے شخص پر حد لازم نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ یہ اجتہاد حضرت امام صاحب کا مجوس کی حالت محارم سے تشابہ رکھتا ہے اور یہ ہرگز اسلامی مسئلہ نہیں ہوسکتا۔

نمبر(۸) فتاوائے عالمگیری اور درالمختار کے روسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر اپنی زوجہ ہونے کا دعوےٰ کرے اور قاضی کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کرکے مقدمہ جیت لے اور حکم قاضی سے وہ عورت اس مقدمہ جیتنے والیکو ملجاوے تو ایسی عورت عنداللہ وعندالناس اسپر حلال ہوجاتی ہے اور وہ شخص تمام مواخذہ دین ودنیا سے بری ہوجاتا ہے۔ اسیطرح ہر طرح کی جائداد از قسم حویلی ومکان ومعاش وغیرہ وغیرہ جھوٹے دعوے کی سرسبزی سے جھوٹے دعویدار کا مال ہوجاتی ہے یہ عجب اجتہاد ہے۔ لاریب یہ اجتہاد جھوٹی دعویداری کی فروغ یابی کا ایک بڑا ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سب اجتہادات نتیجہ قیاس ہیں اور حضرت امام صاحب کی حیرت انگیز قابلیت اجتہاد سے خبر دیتے ہیں۔

راقم کو کم علمی کے زمانہ میں بڑا تعجب گذرا کرتا تھا کہ فرقہ غیر مقلدین یعنی فرقہ وہابیہ کو فرقہ حنفیہ کے ساتھہ اسقدر عداوت کیوں ہے

اطلاعیابی کے بعد یہ بات تحقیق میں آئی کہ وہابیہ کو دعوے تمسک تمامتر قرآن وحدیث کے ساتھ ہے اسکے برخلاف معاملہ حضرات احناف کا نظر آتا ہے کہ اس فرقہ کے حضرت امام صاحب کو بہت زیادہ تکیہ اپنی رائے اور قیاس پر رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب قرآن وحدیث کے اعتبار سے کسی مذہب میں رائے و قیاس کو زیادہ دخل دیا گیا ہوگا تو ایسا مذہب اس مذہب کے ساتھ جو قرآن وحدیث کی بنا پر قائم کیا گیا ہے مطلق تاملیل نہیں رکھ سکتا۔ پس وہابی حضرات کا حضرات احناف سے بیزار رہنا کوئی امر خلاف توقع نہیں ہے۔

یہ سرزنش وہابی حضرات کو فرقۂ شافعیہ کے ساتھ نہیں دیکھی جاتی۔

اسکی وجہ یہی ہے کہ امام شافعی اپنے اجتہادات میں امام اعظم صاحب کے اعتبار سے رائے و قیاس کو بہت دخل نہیں دیتے۔

راقم کے نزدیک حضرات وہابیہ کا مذہب حضرات حنفیہ کے مذہب اعتبار سے زیادہ اسلامی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف مذہب حنفی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو ثلث سے زیادہ نو احداث اور حضرت محمد مصطفےٰ کے دین سے بے لگاؤ ہے۔ کما لا یخفٰی علی اہل العلم۔ اب میں قلم کو روک لیتا ہوں ہمیں بس است مشتے نمونہ از خروارے۔ جاننا چاہیے کہ حضرت امام اعظم کے قیاسی اجتہادات کے بدولت اسلام ایک خاص رنگ کا مذہب ہو گیا جسکے باعث یہ مذہب مذاہب امامیہ و شافعیہ و حنبلیہ و مالکیہ سے تمامتر ممیز دکھائی دیتا ہے۔ اس مذہب کی جدت اسدرجہ کو پہنچ گئی تھی کہ آپکے ہر دو شاگرد گرامی امام ابو یوسف صاحب اور امام محمد صاحب نے بھی آپکا اتباع چھوڑ دیا ہے اور قریب قریب دو ثلث کے اپنے اُستاد نامی کے مذہب سے کنارہ کش دکھائی دیتے ہیں۔ اسی بنا پر امام غزالی علیہ الرحمتہ اپنی کتاب منخول میں فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے شریعت کو اُلٹ دیا۔ یعنی رو کو پشت اور پشت کو رو کر ڈالا وغیرہ وغیرہ عبارت عربی کی یہ ہے اِمّا ابو حنیفۃ فقلب الشریعۃ ظہر البطن اسمیں کوئی شک نہیں کہ امام غزالی کا یہ قول تمامتر قرین صحت ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم نے شرع محمدی کو بقول امام غزالی بیخ و بن سے اُکھاڑ ڈالا ہے اور ایک اپنا خاص مذہب قائم کر دیا ہے۔

میں اختصار کی نظر سے صرف اتنی ہی تحریر پر قناعت کرتا ہوں۔ ورنہ میری اطلاع میں اسقدر اور بھی اسی قسم کے تحقیق کردہ مضامین ہیں کہ اگر سب کو حوالۂ قلم کروں تو ایک مبسوط کتاب ہو سکتی ہے کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب کو اپنے اجتہادات میں قیاس کو زیادہ دخل دینے کیوجہ یہ ہوئی کہ بقول امام غزالی آپکو علم حدیث میں بہت کم دخل تھا۔ تب ہی تو آپ نے احادیث ضعاف سے تمسک فرمایا اور صحاح کیطرف مائل نہوئے۔ پھر امام غزالی فرماتے ہیں کہ امام اعظم فقیہ النفس بھی نہ تھے بلکہ تکالیف بے محل اصول شرعیہ کے توڑنیکے لئے عمل میں لایا کرتے تھے۔ فقیر کی آیندہ تحریر سے امام اعظم صاحب کے اور

بہی حالات ناظرین با تمکین پر روشن ہونگے۔ مگر قبل اسکے کہ میں حضرت امام اعظمؒ کے اور معاملات کو حوالۂ قلم کروں مناسب یہ ہے کہ اس قول پر بہی ایک نظر ڈال لوں جو حضرت ممدوح کی مجتہدانہ صفائی میں حضرت کے بعض پیروان طریقت پیش کرتے ہیں۔ وہ قول یہ ہے کہ حضرت امام اعظم نے کوئی کتاب علم فقہ میں تصنیف نہیں فرمائی ہے اگر کوئی ایسی کتاب تصنیف فرمائی ہوتی اور اسمیں اقسام بالا کے عبرت انگیز اجتہادات مسائل درج ہوتے تو امام صاحب پر الزام عائد ہو سکتا تہا۔ مگر جب حضرت کی کوئی تصنیف کسی قسم کی دیکھی ہی نہیں جاتی تو حضرت امام پر الزام بہی کسی طرح کا عائد نہیں ہو سکتا۔ جواب اسکا یہ ہے کہ اس قول کی بدولت حضرت امام صاحب کی امامت ہی غائب ہو جاتی ہے یعنی جب حضرت کی کوئی تصنیف نہیں دیکھی جاتی ہے جسکے باعث حضرت کے اجتہادات مسائل ایک امر نزاعی ہوئے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں حضرت کا کوئی اجتہادی مسئلہ یقینی حیثیت نہیں رکہہ سکتا۔

پس اس روسے اسوقت کے حنفی طریقے کے جتنے ایسے مسائل ہیں جنکی نسبت امام اعظم کیطرف کیجاتی ہے اُن سب کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب امام اعظم نے کوئی کتاب علم فقہ میں تصنیف ہی نہیں فرمائی تو وہ سب مسائل اُن کے کیونکر کہے جاسکتے ہیں کہ وہ حضرت کے اجتہاد کردہ مسائل ہیں ایسی حالت میں بدیہی طور پر امام صاحب کا مذہب پورے طور پر تباہ ہو جاتا ہے۔

ساری تصنیفات حنفی مذہب کی جیسے ہدآیہ و شرح وقایہ۔ فتاوائے قاضی خانؔ و فتاوائے عالمگیری وغیرہ وغیرہ ردّی ہوئی جاتی ہیں اور حق یہ ہے کہ حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور اسکے پیروان بلکہ جمیع علمائے احناف ایک بہاری معصیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ المختصر مذہب حنفی کے رخصت ہوتی ہی حضرت امام صاحب کی امامت اور مجتہدانہ حیثیت بہی تشریف لیجاتی ہے۔ پس وہ کیا حضرت امام صاحب کی دوستداری ہے کہ پیروان حضرت امام صاحب حضرت کو الزام اجتہادات نامطبوع سے بچانیکے لئے حضرت امام صاحب کی امامت ہی کو غتر بود کئے دیتے ہیں۔

حضرت امام اعظم سنہ ہجری میں پیدا ہوئے یا اس سے دو تین سال پہلے۔ یہی سنہ حضرت امام جعفرؑ صادق علیہ السلام کی پیدایش کا ہے۔ رحلت آپکی وفات امام برحق علیہ السلام کے دو تین سال بعد وقوع میں آئی غرض اس روسے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب پورے طور پر حضرت ہمام علیہ السلام کے ہمعصر تہے کتابوں کے دیکہنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام اعظم صاحب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تہے مگر کسی طرح کی ارادت حضرت امام برحق کے ساتھ نہیں رکہتے تہے یہ کیفیت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہی پوشیدہ نہیں تہی۔ حضرت امام اعظم کی یہ آمد و رفت ایک رسمی انداز کی تہی۔ امام اعظم صاحب کسی طرح تبعیت امام برحق کی نہیں کرتے تہے۔ بلکہ مدمقابل کی حیثیت سے امام برحق کا مقابلہ کیا کرتے تہے یہ ایک محض غلط قول عوام الناس میں جگہ

پایا گیا ہے کہ امام اعظم صاحب کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ تحقیق سے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب نہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو دوست رکھتے تھے اور نہ امام
اعظم صاحب آپکی دوستی کو اپنی فلاح کے حق میں مفید سمجھ سکتے تھے۔ امام اعظم صاحب کا ذاتی فائدہ
اسی میں تھا کہ امام وقت سے مقابلہ کرتے رہیں اور اس مقابلہ کی وجہ سے اپنے فروغ فقہی کو قائم رکھا
کریں۔ اتفاق وقت سے امام اعظم صاحب کو زمانہ بھی ایسا ہی مل گیا تھا کہ آپکو امام وقت سے مقابلہ کا
اچھا موقع حاصل تھا۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ منصور خلیفۂ وقت کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام
سے دلی عناد تھا یہ بدبخت غایت عداوت سے حضرت امام برحق کا جانی دشمن ہو رہا تھا حتی کہ اسی عاقبت
برباد کیوجہ سے وہ امام عالیمقام مسموم ہو کر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کیطرف سدھارے۔ یہ منصور
مقہور نہیں چاہتا تھا کہ حضرت امام برحق کے اجتہادات کی پیروی مسلمانان وقت کریں۔ اسلئے یہ خلیفۂ
گمراہ امام اعظم صاحب کے اجتہادات کے رائج ہونے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ یہ تو اس
بیدین کی ایک معمولی بات تھی کہ جو کوئی امام برحق علیہ السلام سے کسی مسئلہ کو دریافت کرتا تھا اسپر یہ
دشمن خدا ایک اشرفی جرمانہ کرتا تھا۔ اور جو کوئی امام اعظم صاحب کی طرف رجوع لاتا تھا اُسکو ایک اشرفی
انعام دیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ شاہی طرفداری سے امام اعظم صاحب کے مذہب نے بڑی ترقی پائی پس
ایسے وقت میں آپ اپنی فقہی ترقی کے مواقع کو کیوں ہاتھ سے دیتے۔ ایسے مواقع تو انسان کو
ہمیشہ ہمیشہ پیش نہیں آتے۔ پس آپکا امام برحق سے برابر برسر خلاف رہنا خلاف توقع نہ تھا۔ ظاہر
ہے کہ تبعیت امام برحق سے امام اعظم صاحب کسیطرح کا فروغ حاصل نہیں کر سکتے تھے خاصکر ایسی
حالت میں کہ خلیفۂ وقت کو امام برحق سے جانی عداوت لاحق ہو۔ امام اعظم صاحب تو منصور مقہور
کو ایک نعمت غیر مترقبہ مل گئے تھے۔ آپ ہی امام برحق کے مدمقابل بنکر خلیفۂ وقت کا دل ٹھنڈا
کرتے تھے۔ امام اعظم صاحب کے دربار منصور سے ملحق ہونیکی سرگذشت یہ ہے کہ جب آپ خلیفۂ
وقت کے حضور میں حاضر ہوئے تو اُسنے امام اعظم سے پوچھا کہ تم نے کس سے علم حاصل کیا۔ آپنے
جواب میں فرمایا کہ عمرؓ خطاب و علیؑ ابن ابی طالب و عبداللہ ابن عباسؓ کے راویوں کے ذریعہ سے
اور آخر میں یہ بھی ارشاد کیا کہ ابن عباس اپنے عہد میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے چونکہ منصور خود بھی بنی
عباس سے تھا امام اعظم صاحب کے اس آخر کے جملہ سے پھڑک اٹھا۔ اُسیوقت سے امام اعظم صاحب
اور منصور مقہور میں مرابطت پیدا ہو گئی جس سے امام صاحب کے مذہب کو روز افزوں ترقی نصیب
ہوتی رہی۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب بڑے دانا آدمی تھے اگر آپکی دانائی
میں کچھ بھی نقصان ہوتا تو آپ منصور کے سامنے حضرت عبداللہ ابن عباس کا ذکر اس خوبصورتی
کیساتھ پیش نہ کرتے۔ پہلی ہی حاضری میں خلیفۂ وقت کو اپنا مرید بنا لینا امام اعظم صاحب کی بڑی

دانشمندی سے خبر دیتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ آپکی فرزانگی بڑے اعلیٰ درجہ کی تھی۔ آپکا پیشۂ فقہ کو اختیار
فرمانا خود ایک ایسا امر ہے کہ جو آپکی دانشمندی کی ایک بڑی دلیل دکھائی دیتا ہے۔ آپ اپنے اس پیشہ
کے اختیار کرنیکی سرگذشت یوں بیان فرماتے ہیں کہ پہلے مینے چاہا کہ علم قرآن حاصل کروں اور حافظ
قرآن ہوجاؤں۔ مگر ملائے قرآنی ہونے سے کوئی فائدہ نہیں نظر آیا۔ تب مینے چاہا کہ علم حدیث حاصل
کروں یہ بھی غیر مفید معلوم ہوا۔ تب نحوی ہونے کا قصد کیا مگر اسکا انجام بھی معلمی اطفال کے سوا دوسرا
نہ دکھائی دیا۔ تب شاعر بننے کا ارادہ کیا یہ فن بھی کچھ فائدہ بخش نہ معلوم ہوا۔ آخر میں علم فقہ کو اپنے واسطے
تجویز کیا اسلئے کہ علم فقہ کی بدولت آدمی مرجوع خلائق ہوجاتا ہے۔ شہروں میں قاضی مقرر کیا جاتا ہے
امرا و بادشاہ سب کو اہل فقہ کی محتاجی لاحق رہتی ہے۔ اس بیان سے ہویدا ہے کہ امام اعظم
صاحب نہایت ہوش و گوش کے بزرگ تھے پیشہ بھی چنا تو ایسا جسکے نافع ہونے میں کسیطرحکا شک و
شبہ نہ ہے۔ یہ پیشہ خلفائے عرب کے زمانہ میں ویسا ہی نفع بخش ہوا کرتا تھا جیسا کہ اس زمانہ میں بیرسٹری
کا پیشہ ہے فی زماننا پیشۂ بیرسٹری کے ذریعہ سے آدمی مالا مال ہوجاتا ہے۔
لاممبر اور چیف جسٹس کے عہدے اسکی بدولت نصیب ہوتے ہیں۔ پس پیشۂ فقہ کو اختیار کرکے بلا گفتگو
امام اعظم صاحب منتہائے کامیابی کو پہنچ گئے کمال دانشمندی امام اعظم صاحب کی اس سے عیاں
ہے کہ آپ کبھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی فقہ پر نہ چلے تبعیت امام برحق کیطرف اگر ذرا بھی
میلان دکھلاتے تو جو فروغ آپکی فقہ کو امام برحق کی مخالفت سے ہوا ہے ہرگز نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے
کہ امام اعظم صاحب بڑے دانائے روزگار تھے کیونکر احمقوں کے خیال کے مطابق جناب امام جعفر
صادق علیہ السلام کی شاگردی اختیار فرماتے یا کس طرح امام عالی مقام علیہ السلام کی تبعیت کیطرف
مائل ہوتے اگر ایسا کرتے تو منصور مقہور سے بیخ ہوجاتی جسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ امام اعظم صاحب محنت برباد
گنہ لازم کے مصداق ٹھیرائے جاتے۔ یہاں تک تو ضرورت پیشہ سے امام اعظم صاحب جناب امام
جعفر صادق علیہ السلام سے مخالفت رکھتے تھے مگر ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپکو امام برحق سے کسیطرح
کی ہمدردی ہی نہیں تھی اگر ہوتی تو رحلت امام برحق پر امام اعظم صاحب براہ شماتت مومن الطاق سے
یہ نفرماتے مات امامکم تمہارے امام جعفر صادق مرگئے۔ مومن الطاق اسکے جواب میں ناخوش
ہوکر بولے ولکن امامک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم یعنی مگر تیرا امام روز قیامت تک مہلت
دیا گیا ہے۔ مومن الطاق کی مراد جو ابلیس امام سے تھی اسکا نام لینے کی کوئی حاجت نہیں لاحول ولا
قوۃ الا باللہ پڑھنا کافی ہے علاوہ اسکے امام اعظم صاحب کو علی مرتضیٰ علیہ السلام کیساتھ بھی انس کی
کیفیت کم پیدا تھی جیسا کہ اظہار محمد ابن نوفل کی روایت سے ہوتا ہے یہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم چند اشخاص
بیٹھے تھے کہ امام اعظم صاحب وہاں تشریف لائے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا ذکر چھڑ گیا

امام اعظم صاحب بولے کہ حدیث غدیر کا اقرار نہیں کرنا چاہئے یعنے اپنے تابعین کو اس ذکر سے ممانعت کردی ہے ہشیم بن حبیب صیرفی کو اسکے سننے سے غصہ آگیا یہ صاحب برہم ہوکر بولے کہ کیا اسکی تمھیں خبر نہیں کہ حضرت علیؑ نے صحابہ سے اس حدیث کی تصدیق فرمائی ہے۔ امام اعظم صاحب نے جواب میں فرمایا کہ اس حدیث کی صحت میں کلام نہیں ہے مگر شیعہ اسمیں زیادہ خوض کرتے ہیں اور اشخاص غیر شیعہ کو تنگ کرتے ہیں اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب کو علیؑ مرتضیٰ کیساتھ ہی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ تعجب ہے کہ جس حدیث کی تصدیق حضرت علیؑ صحابہ سے حاصل کریں اور جس حدیث کو رسول اللہ برسر منبر ایک جم غفیر میں اعلان کے طور پر ارشاد فرمائیں اس حدیث کا امام اعظم صاحب مسلمانوں کو اقرار نہ کرنے دیں اور اپنے تابعین کو اسکے ذکر سے باز رکھیں تانت باجی راگ پایا جناب امام جعفر صادق کیساتھ یہ مخالفت جناب علیؑ مرتضیٰ کیساتھ یہ بیگانگی اسپر بھی حضرت احناف ولائے اہلبیت امام اعظم صاحب کیطرف منسوب فرماتے ہیں۔ خوب خوب اور بہت خوب۔

اب میں ایک اور امر امام اعظم صاحب کی نسبت جو عند التحقیق راقم کو معلوم ہوا ہے حوالۂ قلم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت پیران پیر عبد القادر جیلانی دستگیر سنیاں امام اعظم صاحب کو اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرقہ اہل سنت سے خارج فرماتے ہیں۔ حضرت محبوب سبحانی اپنی تصنیف جلیل میں فرماتے ہیں کہ ہر چند حدیث نبوی یہ ہے کہ قریب ہے کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں متفرق ہو جائے۔

ستفترق امتی علیٰ ثلث وسبعین فرقۃ الخ مگر در حقیقت اصل کے اعتبار سے یہ تہتر فرقے دس فرقے ہیں یعنی اہل سنت۔ خوارج۔ شیعہ۔ معتزلہ۔ مرجیہ۔ مشبہہ۔ جہمیہ۔ حروریہ۔ بخاریہ۔ کلابیہ پھر ہر فرقہ کی شاخوں کو حوالۂ قلم فرماکر فرماتے مُرجیہ کی بارہ شاخیں بتلاتے ہیں اور فرقہ حنفیہ کو فرقہ مرجیہ کی ایک شاخ کہکر فرقہ اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اب حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت پیران پیر کے نزدیک صرف فرقہ اہل سنت ناجی ہے۔ پس امام اعظم صاحب اور آپکے تابعین کو جو حضرت پیران پیر غیر ناجی قرار دیتے ہیں کوئی امر خلاف توقع نہیں ہے اسلئے کہ جب امام اعظم صاحب اور اُنکے تابعین حسب تحریر حضرت پیران پیر فرقہ اہل سنت میں داخل ہی نہیں ہیں اور جب صرف اہل سنت ہی ناجی ہیں تو امام اعظم صاحب یا آپکے فرقہ کا کوئی متنفس کیونکر ناجی قرار پا سکتا ہے واضح ہو کہ صرف جناب پیران پیر ہی نے امام اعظم صاحب کو مُرجیہ نہیں فرمایا ہے بلکہ اور علمائے مستند نے بھی آپکو فرقہ مُرجیہ میں داخل کیا ہے چنانچہ ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب معارف میں آپکو اور آپکے اُستاد حماد بن ابی سلیمان اور آپکے دونوں شاگردان نامی قاضی ابو یوسف اور محمد بن الحسن کو مرجی قرار دیا ہے علاوہ اسکے خود آپکے شاگرد رشید امام ابو یوسف صاحب آپکے مرجی ہونیکے قائل نظر آتے ہیں بلکہ ایک موقع میں قاضی ابو یوسف نے امام اعظم صاحب کو جہمی بھی کہا ہے بلکہ آپکی طرف آپکے خارجی ہونیکی نسبت بھی کی ہے یہ فرمانا امام ابو یوسف صاحب کا مختصر تاریخ بغداد میں مندرج ہے۔ لاریب یہ سب امور عند التحقیق راقم کو نہایت حیرت انگیز معلوم ہوئے اور واقعی نہایت حیرت انگیز ہیں اس زمانہ کے حضرات حنفی المذہب نہ حضرت پیران پیر کی

سے دست بردار ہو سکتے ہیں اور نہ امام اعظم صاحب سے کنارہ کشی اختیار کر سکتے ہیں بیچارے حضرات احناف پر بڑا افسوس آتا ہے کہ یہ حضرات کس ارادت سے گیارہویں کی شیرینی و نیاز کرتے ہیں اسپر بھی حسب ارشاد خم خم پیران پیر اہل سنت سے خارج ہونے کیوجہ سے یہ حضرات جنت میں داخل ہونیکا کوئی حق نہیں رکھتے ایسی ایسی معاملات پر نظر ڈالنے سے تحقیق حق کے زمانہ میں کچھ عجیب کشمکش کا عالم ایک عرصہ تک راقم الحروف پر طاری تھا مگر خدائے پاک نے میری مشکل کو آسان کر دیا جیساکہ میری ذیل کی تحریرات سے روشن ہوگا۔

مذکورہ بالا میں جسقدر امور راقم نے حوالہ قلم کئے ہیں وہ تحقیق کے متعلق ہیں اور ایسے ہیں کہ کتابوں میں مندرج ہیں۔ جن حضرات کو ذاتی طور پر تحقیق منظور ہو تحقیق فرمالیں۔ اب راقم کچھ ایسے معاملات نذر ناظرین کرتا ہے کہ جنکو تحقیق و تدقیق سے کوئی علاقہ نہیں ہے اور نہ وہ امور کسی شخص کیواسطے کسیطرح کی دلیل ہو سکتے ہیں۔ مگر راقم کیلئے وہ ایسے امور ہیں کہ احکام خداوندی کا حکم رکھتے ہیں۔ ان ذاتیات نے میری مذہبی زندگی کے دھارے کو اُس سمندر کیطرف پھیر دیا جسمیں ولائے خاندان پیغمبر کی موجیں ہر آن اُٹھا کرتی ہیں اور جس سمندر سے گذر کر اہل ولا ساحل نجات پر جا پہنچتے ہیں۔ واضح ہو کہ میں تحقیق مذہبی میں دو یا تین سال تک مشغول رہا تھا کہ ایک روز چند اشعار منقبت امیر المومنین علیہ السلام میں تصنیف کئے اس تصنیف کے دو گھنٹہ کے بعد سو گیا تو خواب میں مولائے کائنات کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں۔ دوڑ کر فقیر نے دامن شاہ کو پکڑا اور بڑے جوش میں یوں چلانا شروع کیا کہ یا علیؑ آپکا دامن تا قیامت ہم نہیں چھوڑینگے آپ بھی ہمیں نہ چھوڑیئے۔ اسکے بعد راقم نے دست پاک پر بیعت کی اور دیر تک آنسو بہاتا رہا جب بیدار ہوا تو اپنے تمام چہرہ کو آنسوؤں سے تر پایا اُسوقت سے فقیر ہمیشہ ان دو مصرعوں کو پڑھا کرتا ہے۔ ؎

گر دو عالم پُر از ولی باشد　　　پیر ما مرتضےٰ علیؑ باشد

سچ ہے کہ اب راقم کو نہ کسی پیر کی ضرورت ہے اور نہ کسی سے دست بیع ہونے کی حاجت ؎

بیعت خدا سے مجھکو ہے بیواسطہ نصیب　　　دستِ خدا ہے نام مرے دستگیر کا

ایک دو سال کے بعد پھر یہ خواب دیکھا کہ ہم حضور میں حضرت خاتون قیامت صلوات اللہ علیہا و ابیہا و بعلہا و ابنیہا کے حاضر ہیں مگر حضرت جدہ ہماری ہم سے پردہ کے اُدھر سے کلام فرماتی ہیں ہمیں اس سے نہایت تکلیف معلوم ہوئی اور ہمنے نہایت دلیری کیساتھ یہ عرض کی کہ آپ ہماری دادی ہیں اور ہمسے آپ پردہ فرماتی ہیں ہماری اس عرض پر حضرت سیدہ صلوٰت اللہ علیہا نے فرمایا کہ تو اپنے کو اتنا کر کہ ہم تجھ سے پردہ نکریں خواب ہی میں علم نے اسکا یہ مطلب سمجھا دیا کہ چونکہ ہم اپنے مذہب آبائی یعنی مذہب ائمہؑ علیہم السلام سے کنارہ کش ہیں ہم اس قابل باقی نہیں رہے ہیں کہ ہمیں ہماری جدہ کی حضوری ہو۔ بیدار ہونے پر میرے دلکو بڑی خلش پیدا ہوئی اور یہ خلش میرے دل کو سولہ برس تک رہی حتی کہ میں نے اپنی جدہ محترمہ صلوات اللہ علیہا کی زیارت عالم خواب میں اسطور پر کی جیساکہ فرزند کو اس دنیا میں اپنی ماں کی زیارت نصیب ہوتی ہے اس سولہ برس کے عرصہ میں

راقم تحقیق مذہب کرچکا تھا اور اپنے بزرگواروں کے یعنی ائمۂ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کیطرف کبکا رجوع لاچکا تھا۔ ان دو خوابوں کے بعد راقم نے جناب رسول خدا کو دیکھا کہ کھڑے ہیں اور آپکے چند قدم کے فاصلے پر حضرت علی مرتضیٰ حضرت حسن مجتبیٰ اور حضرت حسین شہید کربلا علیہم السلام بھی کھڑے ہیں اور شاہزادوں سے کچھ کلام حضرت علی مرتضیٰ فرمارہے ہیں اور اس کلام فرمانیکے وقت حضرت مولائے کائنات کا چہرہ میری طرف سے صرف نصف نظر آرہا ہے۔ حضرت سرور عالم سے جو مجھے شرف حضوری حاصل ہوا تو مجھے دیکھکر آنحضرت دو قدم میری طرف بڑھے اور پھر ٹھیر کر حضرت علی علیہ السلام کیطرف یوں خطاب فرمایا کہ اے علیؑ امداد امام آیا ہے۔ یہ تمہارا اور تمہارے بیٹوں کا بڑا مداح ہے تم اسکو دیکھو۔ مولائے کائنات یہ سنکر میری طرف متوجہ ہوئے دونوں شہزادے گو کچھ نہیں بولے مگر میری طرف عاطفت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اسکے بعد مولائے کائنات نے مجھسے ارشاد فرمایا کہ اے امداد امام تو اپنی گردن کو میری گردن کیطرح صاف کر۔ ملہم نے فوراً اسکا مطلب ہمیں اسطرح سمجھایا کہ تو تعلقات دنیا کو اپنی گردن پر رہنے نہدے یعنی دنیا طلبی سے آزاد ہوجا۔ للہ الحمد کہ اُسیوقت سے اسوقت تک راقم تمام دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا دم مرگ فضل مرتضوی کی بدولت آزاد رہیگا یہ معجزہ احسان مرتضوی ہے کہ راقم جاہ و مال وغیرہ کی تمنا سے کسدرجہ تک محفوظ رہا ہے۔ واما بنعمۃ ربک فحدث

اشعار ذیل جو راقم کی تصنیف ہیں اس کرم مرتضوی کے شاہد حال ہیں ؎

ازروئے جام جمشیدی بروں سازی نی دل — قطرہ نوشی اگر از جام استغنائے من

پر الم گردد سرم کے از خمار احتیاج — لخت ہائے دل گزک خون جگر صہبائے من

از سپہر آرزو پرواز من بالاتر است — کے بدام حرص اُفتد گردن عنقائے من

کے بمردار جہاں رو افگند نسر دلم — کے خورد جیفہ ہمائے ہمت بالائے من

من کجا بر چہرۂ دنیا گزارم چشم آز — ریخت رنگ آرزو ویش طبع لاپروائے من

خواب مندرجۂ بالا دیکھنے کے بعد راقم نے واقعۂ کربلا کو خواب میں دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ ہم ایک عزاخانہ میں گئے ہیں۔ وہاں عزاداری کے سامان مہیا ہیں سامان عزاداری دیکھکر ہمیں رقت طاری ہوئی اسکے بعد ہم اس عزاخانہ سے باہر آئے۔ باہر آنے سے معلوم ہوا کہ وہ عزاخانہ ایک مرتفع پہاڑ پر واقع ہے۔ باہر آکر ہم اُس عزاخانہ کے ایک دروازہ پر بیٹھ گئے۔ یہ دروازہ اُتر رخ کا تھا اور اس دروازہ کے سامنے ایک جنگل واقع تھا جیسا کہ پہاڑوں کے دامن میں واقع ہوا کرتا ہے اس جنگل میں ایک ندی واقع تھی یہ ندی پچھم سے پورب کو بہتی تھی جسوقت یہ جنگل ہمیں نظر آیا اُسیوقت ایک ملہم غیبی نے ہمیں کہدیا کہ یہ جنگل دشت کربلا ہے اسی کیساتھ اُس ملہم نے یہ کہا کہ یہ ندی حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی عمر سے تعبیر رکھتی ہے پھر فوراً اُس ملہم نے یہ بتلایا کہ دیکھو جناب امام حسین علیہ السلام اس ندی کے بیچ سے ہوکر پچھم سے پورب جارہے ہیں مراد اس سے یہ ہے کہ جوں جوں آپ پورب کو جارہے ہیں آپکی عمر ختم ہورہی ہے اور شہادت کا عرصہ قریب آتا جاتا ہے

اسکے بعد اُس ملہم نے ہمیں سمجھایا کہ جب آپ اس ندی کی پورب کی حد کو پہنچ جائینگے۔ آپکی شہادت وقوع میں آجائیگی۔ اس امر کو دریافت کرکے ہمیں بڑا اضطراب پیدا ہوا اور جوں جوں آپ اس ندی کی حد کو پہنچتے جاتے تھے میرا اضطراب ترقی کرتا جاتا تھا یہانتک کہ آپ ندی کی حد کو پہنچ گئے اور تمام عالم میں آپکی شہادت کا شور مچگیا۔ اُسوقت آسمان رونیلگا آسمان کا رونا۔ زمین رونے لگی زمین کا رونا۔ دریا رونے لگا دریا کا رونا۔ جنگل رونے لگا جنگل کا رونا۔ طیور و وحوش رونے لگے طیور و وحوش کا رونا۔ مختصر یہ ہے کہ کوئی شے ایسی نہ تھی جو شہادت امام مظلوم پر نہ روتی تھی اُسوقت ہم بھی تمام عالم کے شریک بکا تھے اور اپنے کو بڑے درد و غم میں مبتلا محسوس کرتے تھے اُسوقت اُس ملہم نے ہم سے یہ کہا کہ خوشا بخت تیرا کہ تو شہادت امام حسین علیہ السلام میں اشک ریز ہے اُسکے یہ کہنے سے میرے دلکو بہت کچھ تسلی ہوئی اور ہم اپنے کو عزادار امام حسینؑ دیکھکر آسودہ خاطر معلوم ہوئے غم حسینؑ میں عالم یہی رہا تھا کہ اُتر کی جانب سے ایک شہسوار نقاب پوش ہاتھ میں ایک نیزہ لئے زرہ بکتر لگائے اور نہایت صاحب جلال اس ندی کیطرف آتا معلوم ہوا۔ ملہم نے ہم سے کہا کہ یہ شیر خدا علی ابن ابی طالب ہیں بیٹے کی تعزیت کیلئے تشریف لاتے ہیں۔ ندی تک پہنچکر شاہ مرداں نے پورب کیطرف رخ فرمایا پھر ندی کے کنارے کنارے اُسکی حد کو پہنچکر نظروں سے غائب ہوگئے اسکے بعد ملہم نے ہم سے کہا کہ اے شخص تجھے واقعہ کربلا اس نہج سے اسلئے دکھلایا گیا کہ کوئی امر بے ادبی کا تیری نظر سے نہ گذرے عزاداری نہایت ادب کے ساتھ کرنا چاہئے۔

مصائب حسینؑ پر بکا ایک امر ضروری ہے۔ دیکھو جناب علی مرتضیٰ خود بھی اپنے مظلوم بیٹے کی عزاداری کرتے ہیں اور یہ ہر دوستدار شاہ ولایت کا فرض منصبی ہے کہ آپکے فرزند کی عزاداری کا شریک ہوا کرے اے شخص جان لے کہ جو امام مظلوم کی عزاداری نہیں کرتا ہے آپکے پدر بزرگوار پر ستم کرتا ہے۔ راقم کو اس خواب سے عزاداری کا مسئلہ سمجھ میں آگیا اور اب ہمیں اسکی حاجت باقی نہیں رہی کہ کسی مولوی سے جا کر پوچھیں کہ غم حسینؑ میں روئیں یا نہ روئیں۔ واضح ہو کہ ان خوابوں تک راقم عبادات میں مذہب حنفی کا پابند تھا گو اسکے عقائد اب حنفی مذہب کے عقائد باقی نہیں رہے تھے راقم کے افعال و اقوال سے اُسکے ہمعصر اُسے تفضیلیہ سمجھتے تھے اور قریب قریب تین سال تک اور بھی اسکے عبادات کا یہی طور رہا مگر جب راقم کا سن قریب تیس ۳۰ کے پہنچا تو ایک شب یہ دولت انگیز خواب دکھائی دیا کہ جناب امام محمد باقر اور جناب امام جعفر صادق علیہما الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ کھڑے ہیں اور راقم بھی ان دونوں حجت خدا کے قریب کھڑا ہے۔ ملہم غیبی نے ہم کو دونوں اماموں کے نام نامی بھی بتلائے اسکی دریافت کے ساتھ ہی نے کمال ادب سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ اے بیٹے رسول کے کیا آپکا دین امام ابو حنیفہ کا دین ہے؟ حضرت امام عالیمقام نے نہایت زوروں کیساتھ جواب میں ارشاد فرمایا کہ

ہم کو ابو حنیفہ کیساتھ کسیطرح کا تعلق نہیں ہے۔ یہ جواب باصواب پاکر ہم بیدار ہوگئے۔ رات تو کسیطرح کٹی۔ صبح کو ہم نے نماز جعفری طریقہ پر پڑھی اور بفضلہ تعالیٰ اُسی طریقہ کی پابندی ہمیں آجتک ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تابقائے حیات مستعار رہیگی۔ ظاہر ہے کہ خواب ہائے بالا راقم کے سوا کسی کیلئے کسیطرح کی سند نہیں ہوسکتے مگر لاریب یہ سب کے سب خواب ہمارے لئے احکام خداوندی کا حکم رکھتے ہیں۔ ابتک راقم کو خوابوں کے ذریعہ سے امور دنیا و دین میں ہدایتیں ہوا کرتی ہیں اور یہ خواب ایسے صاف اور واضح طور کے ہوتے ہیں کہ ہمارے واسطے خواب و خیال کا حکم نہیں رکھتے۔ المختصر تحقیق حق اور بشارتوں کے ذریعہ سے ہم میں وہ مذہبی انقلابات پیدا ہوگئے ہیں جو دوستدار خاندان پیغمبرؐ ہونیکے لئے لازم ہیں۔ ہم وہی ہیں کہ تقاضائے تعلیم سے ایک وقت جناب امام حسینؑ کو باغی سرکار یزید سمجھتے تھے اور اب اُس شہنشاہ امامت کو برحق وارث و جانشین احمدؐ مختار اور اس خاندان پاک کے تمام دشمنوں کو ذلیل و خوار و مستحق نار جانتے ہیں یہ صرف رحمت خداوندی ہے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ۔ اگر ہمیں حضرت حر کا درجہ نصیب ہو تو عجب کیا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

امور ضروری متعلق خواب

اب ہم خواب کے متعلق کچھ ایسے امور عرض کرتے ہیں جو مذہبی اور روحانی پہلو رکھتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ خواب کا عالم نرالا ہے سچے خواب زاہد و فاسق اور مومن و کافر سب دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں گیارہ ستارے آفتاب اور ماہتاب کو اپنے کو سجدہ کرتے دیکھا تھا اور جیسا کہ خواب میں فرعون نے سات موٹی اور سات دُبلی گائیں دیکھی تھیں۔ یہ خواب کا مذہبی پہلو ہے۔

مگر خواب کا روحانی پہلو ایک ایسا امر ہے کہ ہر سنت اور مذہب کے علمائے ظواہر اسکی کچھ تحقیق نہیں کرسکے ہیں فلسفۂ قدیمہ اور جدیدہ دونوں اسکی حقیقت کے انکشاف سے عاجز نظر آتے ہیں۔ لیکن دونوں کو عالم خواب کے ایک حیرت انگیز معاملہ ہونیسے تمامتر اتفاق ہے۔ مجھے یہاں ماہیت خواب سے کوئی بحث مدنظر نہیں ہے۔

مجھے یہاں پر یہ عرض کرنا ہے کہ اگر عالم خواب کا وجود نہوتا تو بنی آدم کے کچھ افراد ان کوائف کے درک پر قادر نہو سکتے۔ جنکے درک کے ذرائع ہمارے قوائے حسیہ یا قوائے وجدانیہ نہیں ہوسکتے ہیں مثلاً ہم اپنے قوائے حسیہ کے ذریعہ سے اشیائے فی الخارج کو درک کیا کرتے ہیں یا قوائے وجدانیہ کے ذریعہ سے باطنی کیفیات سے باخبر ہوتے ہیں مگر ہمارے یہ قوائے ظاہریہ و قوائے باطنیہ ایسے نہیں ہیں کہ حالت بیداری میں خواب کی ان کوائف کو درک کرسکیں جنکے بیان کیلئے ابھی تک الفاظ کسی زبان میں وضع نہیں ہوئے ہیں۔

مثلاً تنعیم و تعذیب بعد الموت ایسے کوائف ہیں کہ اس دنیا میں اُن کا مفہوم ذرائع ظاہریہ و باطنیہ سے کسی زندہ بنی آدم کے نفس ذہنی میں جگہ نہیں کرسکتا۔

الحمد للہ کہ افضال مرتضوی کے صدقے میں راقم کو ایسی ایسی کیفیتیں سچے خوابوں کے وسیلے سے احاطۂ

درک میں آگئی ہیں جو اس عالم مادّی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ہیں اور عموماً بعد موت ہی انسان انکا مدرک ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسطرح کی اطلاع یابی کے بعد راقم یا راقم کیطرح کا اطلاع یافتہ آدمی دہریت کا پاس اختیار نہیں کر سکتا اسلئے کہ اسطرح کی اطلاع یابی کے ساتھ ہر شخص کو حیات بعد الموت کا معترف ہو جانا ایک امر مجبورانہ ہے۔ میں اس جگہ اپنے ذاتی معاملات خواب کی تصریح حوالۂ قلم نہیں کر سکتا مگر تمام بنی آدم سے یہ عرض کر دینا ضرور ہے کہ حیات دنیا کے بعد بھی ایک حیات ہے دہریہ کو چونکہ اسکی نسبت کوئی ذاتی علم حاصل نہیں اسلئے وہ حیات آخرت سے انکار رکھتا ہے ایسا شخص گو عالم ترین اشخاص دنیا میں مانا جائے مگر درحقیقت معاملۂ آخرت کے اعتبار سے ایسا شخص جاہل ترین اشخاص کا حکم رکھتا ہے۔ میری روح میرے آقا جناب علی مرتضیٰ پر فدا ہو جنکی دستگیری کے سبب میں دہریہ ہونے سے بچگیا ورنہ اس عہد میں ہر طرف دہریت کا ہی زور نمایاں ہے۔ جس سربرآوردہ قوم کو دیکھئے اسی دنیا کی بہبودی کی طالب نظر آتی ہے۔

بہبودی عقبیٰ سے کوئی بحث ہی نہیں رکھتی۔

ہزاراں ہزار کتابیں تصنیف ہوتی رہتی ہیں جن سے تدہّر کی تعلیم ہوا کرتی ہے۔

راقم نے ایسی کتابیں بہت پڑھی ہیں حق یہ ہے کہ اگر افضال مرتضوی اس عاصی کے شامل حال ہوتا تو نہ خدا کا اعتراف اس عاصی کو نصیب ہوتا نہ آخرت کا۔ اے مظہر العجائب والغرائب آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو کہ آپ نے اس ناچیز کو ممات ابدی سے بچالیا۔ آپکی ادنیٰ نظر توجہ نے اس کور باطن کو ایسی راہ راست سجھائی جو موصل الی المطلوب ہے اور جسپر چلنے والے کے قدم شیطان ڈگا نہیں سکتا۔

نامۂ توجہ طلب

واضح ہو کہ ہندوستان کے صوبۂ بہار میں بیشتر سادات رضویہ سکونت رکھتے ہیں کچھ سادات زیدیہ بھی ہیں مگر بہت کم۔ سادات زیدیہ اکثر مذہب امامیہ رکھتے ہیں۔ مگر سادات رضویہ سے کم حضرات اس مذہب کے پابند دیکھے جاتے ہیں۔ اکثر سادات رضویہ سنّی مذہب ہی ہیں۔ ان سادات رضویہ سے جن صاحبوں نے مروجہ طریقہ پر علوم عربیہ حاصل کئے ہیں یا حنفی مذہب ہیں یا غیر مقلد۔ سادات حنفی مذہب مختلف انداز کے ہیں کچھ تفضیل شیخین کے قائل ہیں کچھ پورے تفضیلیہ ہیں یعنی حضرت علیؑ کو بعد جناب رسول خدا کے جمیع خلفا اور صحابہ سے افضل جانتے ہیں۔ ان سادات بہار سے کچھ حضرات جناب امام حسینؑ علیہ السلام کی عزاداری کرتے ہیں۔ اور کچھ ایسی عزاداری کو شرک وکفر جانتے ہیں۔ وہ صاحب جنکی خدمت میں نامۂ ذیل لکھا گیا ہے میرے ایک عزیز ہیں۔ مذہب حنفی کے پابند ہیں۔

بڑے عزادار جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے ہیں حسب میں سید عالی نسب ہیں اسم مبارک انکا سید محمد خلیل ہے۔ پیشۂ ڈاکٹری کیوجہ سے ڈاکٹر صاحب کے خطاب کیساتھ اپنے وطن شریف میں معروف ہیں ڈاکٹری کیساتھ زمینداری کا شغل بھی رکھتے ہیں انکا پیشہ آبائی چند پشتوں سے زمینداری رہا ہے۔ علاوہ

عزاداری کی مجھے اُنکی ذات پُرصفات کیساتھ ایک قلبی تعلق بھی ہے اندنوں صاحب موصوف نے
عزاداری جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے متعلق مجھے ایک خط لکھا تھا چونکہ میں انکا خیر طلب دین اور
دنیا دونوں کا ہوں اپنے فہم کے مطابق نامۂ ذیل کو انکی خدمت میں ارسال کرنا مناسب سمجھا وہ نامہ یہ ہے
گیا۔ مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء

عزیز جانم سلمکم اللہ تعالیٰ بعد دعائے خیر عرض ہے کہ بخیریت ہوں اور خیریت کا طالب۔
ماشاء اللہ آپکو فطری ہمدردی امام مظلوم علیہ السلام کیساتھ ہے یہ دولت کوئی اختیاری امر نہیں ہے۔
تمامتر واہب العطایا کی دین ہے۔ ع این سعادت بزور بازو نیست + تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔
مگر پوری ہمدردی جناب امام حسینؑ علیہ السلام کیساتھ تب ہی ہو سکتی ہے کہ جب انسان کو معاملہ کربلا
سے پوری واقفیت حاصل رہے سب سے زیادہ غور طلب امر واقعہ کربلا کے متعلق اس واقعہ کے
اسباب کی دانست ہے۔ اسباب واقعہ کربلا سے ناواقف رہکر انسان کوئی ہمدردی جناب امام حسینؑ علیہ السلام
کیساتھ نہیں کر سکتا ہے مینے حال میں ایک کتاب موسوم بہ مصباح الظلم لکھی ہے جس سے اس واقعہ عظیم
کے اسباب وضاحت کیساتھ ذہن نشین ہو جا سکتے ہیں۔ یہ کتاب عنقریب اشاعت کی نظر سے چھاپی جانیوالی ہے۔
اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہو جائیگا کہ کن سببوں سے یہ واقعہ ظہور میں آسکا۔ مجھے سب اسباب کے بیان
کرنیکا موقع اس عریضہ میں نہیں ہے۔ لیکن اتنا عرض کر دینا تو سردست ضروری ہے کہ خلافت شیخین یعنی خلافت
حضرت ابوبکرؓ اور خلافت حضرت عمرؓ کو حق ماننے والا کوئی متنفس نہ امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت کو شہادت مان سکتا
ہے اور نہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری یا ہمدردی کا استحقاق رکھ سکتا ہے۔ اسجگہ پر قول یزید ابن معاویہ کا
قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کربلا کا واقعہ اُسکے حکم سے ظہور میں آچکا تو حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت
عبد اللہ ابن عمر نے جو دست یزید پر بیعت کر چکے تھے یزید کو اس مضمون کا خط لکھا کہ امام حسینؑ کا واقعہ ایک واقعہ
عظیمہ ہے۔ اسپر یزید نے حضرت عبد اللہ کو جواب میں لکھا کہ اے احمق میں ایک مرتفع مقام مخفوظ پر تکیہ لگائے
بیٹھا ہوں۔ اگر میرے مخالف یعنی حسینؑ کیساتھ قتال ظہور میں آیا تو یہ راہ دکھائی ہوئی تیرے باپ کی ہے اس میں
شک نہیں کہ یہ قول یزید کا راستی سے مملو ہے۔ سچ ہے کہ اگر سقیفہ کا معاملہ ظہور میں نہیں آتا تو کربلا کا واقعہ بھی ظہور
میں نہیں آتا۔ لاریب کربلا کا واقعہ سقیفہ کے معاملہ کا ایک فطری نتیجہ ہے۔ چہ خوش فرمود شخصے این لطیفہ +
کہ کشتہ شد حسینؑ اندر سقیفہ + پس جو شخص سقیفہ کے معاملہ کو حق سمجھتا ہے اُسے کوئی حق نہیں ہے کہ معاملہ کربلا کو
ہمدردی کی آنکھوں سے دیکھے اب میں دکھلاتا ہوں کہ کیونکر حضرت شیخین کی بدولت واقعہ کربلا کی بنیاد پڑی
علم تاریخ و علم کلام کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ہنگامہ سقیفہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ پر حضرت عمرؓ کی مدد سے
خلافت قائم ہو گئی اور حضرت علیؑ اور خاندان پیغمبر یعنی بنی ہاشم حکومت سے دور پڑ گئے تو ابو سفیان پدر معاویہ
حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ اے علیؑ تم اپنا ہاتھ نکالو میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں یہ کیا معاملہ

سے کہ اغیار نے خلافت حاصل کرلی اور تم اپنے حقوق سے محروم رہ گئے میں ابھی صحرائے مدینہ کو سواران مکہ سے بھرے دیتا ہوں۔ اور خلافت سقیفہ کو غت ربود کئے دیتا ہوں۔" حضرت علیؑ نے یہ سنکر فرمایا کہ اے ابوسفیان جب تم کافر تھے تب بھی شر و فساد میں سرگرم رہتے تھے۔ اور اب کہ مشرف بہ اسلام ہوئے ہو تب بھی وہی شر و فساد کی باتیں درمیان میں لاتے ہو یہ جواب حضرت علیؑ کا بڑی دور اندیشی پر مبنی تھا جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا۔ بہرحال یہ جواب پاکر ابوسفیان حضرت شیخین کیطرف سدہارے وہاں پہنچکر حضرت ابوبکرؓ سے سخت کلامی کرنے لگے اور کہا کہ "تم لوگ حکومت حاصل کرتے گئے اور میرے حقوق کو تم لوگوں نے ملحوظ نہیں رکھا میں ابھی تمہاری حاصل کردہ خلافت کو گاؤخورد کردیتا ہوں" حضرت شیخین ابوسفیان کا یہ انداز دیکھکر بولے کہ اگر تمہارے ساتھ سلوک معقول کیا جائے تو تب بھی تم ایسی ہی سخت کاروائی کے عامل ہوگے؟

ابوسفیان صاحب کو تو نہ حضرت علیؑ سے کوئی مطلب تھا اور نہ حضرت ابوبکرؓ کی حاصل کردہ خلافت سے کوئی غرض۔ اپنے حلوے مانڈے سے انکو کام تھا۔ اسکے جواب میں بولے کہ مجھے بھی اپنی حاصل کردہ حکومت میں کوئی حصہ دیدو۔ چنانچہ حضرت شیخین نے خلافت کی جان بچانیکی غرض سے ابوسفیان کو ملک شام کا حاکم کردیا۔ ابوسفیان خود جب پیرانہ سالی کیوجہ سے شام کو نہ جاسکے تب حضرت شیخین نے اُنکے بیٹے یزید ابن ابوسفیان کو انکی جگہ پر شام کو بھیجدیا۔ واضح ہو کہ خلافت کیطرف سے یہ وہ تقرری ہے جو بنی امیہ کی اُس ثروت کی بنا ہوئی کہ جس سے تھوڑے عرصہ میں بنی امیہ سلطنت اسلامیہ کے فرمانروا ہوگئے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس ثروت کے زور پر بنی امیہ حضرت علیؑ کی خلافت کے مخالف ہوکر حضرت علیؑ سے خوب لڑے یہاں تک کہ حضرت علیؑ کو خلافت سے معزول ہونا پڑا اور نیز امام حسنؑ کو خلع خلافت کی نوبت پہنچی اور ان واقعات افسوسناک کے بعد امام حسینؑ بڑی بے رحمی کیساتھ دشت کربلا میں قتل کئے گئے حق یہ ہے کہ جتنی بلائیں خاندان پیغمبرؐ پر نازل ہوتی گئیں اُنکے سبب اول جناب شیخین دیکھے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اپنی خلافتِ سقیفہ کو بچانیکی نظر سے حضرت شیخین نے ابوسفیان کے بیٹے کو حاکم شام بنادیا جس سے بنی امیہ کی ثروت کی بنا ڈالی گئی بعد یزید ابن ابوسفیان کے اُنکے بھائی معاویہ ابن ابی سفیان حضرت عمرؓ کے حکم سے حاکم شام مقرر ہوئے۔ یہانتک کہ حضرت علیؑ کے معزول ہونیکے بعد وہ بھائی خلیفۂ وقت بھی ہوگئے اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد سولہ برس تک بادشاہ بلاد اسلام کے رہے اُنکے فوت ہونیکے بعد استخلاف کے رو سے انکا بیٹا یزید ابن معاویہ خلیفہ ہوا جسنے خاندان پیغمبرؐ کا قریب قریب خاتمہ کردیا۔ بلاشبہ اس ثروت بنی امیہ نے خاندان پیغمبرؐ اور دوستداران خاندان پیغمبرؐ بلکہ خود اسلام کو بیحد زیر و زبر کر ڈالا۔ حق یہ ہے کہ خلفائے بنی امیہ کے وقت میں اسلام معرض تزلزل میں پڑگیا تھا اور کوئی شک نہیں کہ عہد بنی امیہ میں اسقدر فسق و فجور کی کثرت ہوگئی تھی کہ اس وقت اسلام دین خدا باقی نہیں رہا تھا۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ قبیلۂ بنی امیہ ہر وقت

قابل تنفر تھا۔ اس قبیلہ سے حضرت رسول خدا کو نفرت تامہ لاحق تھی آنحضرت نے اس قبیلہ پر لعنت کی ہے۔ قرآن شریف میں اس قبیلہ کو خدا تعالیٰ شجرۂ ملعونہ کے خطاب کیساتھ یاد فرماتا ہے۔ مخفی نہیں ہے کہ یہ قبیلہ اسلام کا اور حضرت رسول خدا کا سخت دشمن تھا۔ جبتک حضرت رسول خدا مکہ میں رہے یہ قبیلہ آنحضرت کی ہلاکت کیلئے کوشاں رہا اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لیگئے تو یہی قبیلہ بار بار مدینہ پر حملہ آور ہوتا رہا۔ بدر۔ احد اور خندق کی لڑائیاں حضرت رسول سے لڑتا گیا۔ آخرکار یہ قبیلہ ملعونہ جنگ حنین میں سرہوا مختصر یہ ہے کہ دس برس کی محنت شاقہ میں حضرت رسول خدا قبیلہ بنی امیہ کو زیروزبر کرسکے حضرت رسول خدا کی وفات کیوقت یہ قبیلہ اسقدر مجبور ہوچکا تھا کہ اسکو اسلام کے خلاف میں سر اٹھانیکی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ حضرت رسول خدا کی رحلت کے ساتھ ہی خلافت سقیفہ قائم ہوگئی اور ابوسفیان نے جو قبیلہ بنی امیہ کا سردار تھا موقع معقول پاکر اپنا کام کرلیا۔ حق یہ ہے کہ حضرت رسول خدا کی دس برس کی محنت جناب شیخین نے دم بھر میں رائیگاں کرڈالی۔ حضرات شیخین کی ایسی کارروائی سے بنی امیہ نہ صرف ازسرنو برسر ثروت ہوگئے بلکہ انکی ثروت اسقدر ترقی کرگئی کہ تمام ممالک اسلام کے پرزور بادشاہ ہوگئے اہل خلافت کیطرف سے یہ ایک بڑی مذہبی اور پولیٹکل غلطی ظہور میں آئی کہ بنی امیہ اسطرح پر درجہ ثروت کو پہنچائے گئے۔ اس قبیلہ نے پرزور ہوکر نہ صرف خاندان پیغمبر کو بدحال کردیا بلکہ اسلام کی جڑی خرابیوں کے باعث بھی ہوتے گئے۔ یہ قبیلہ بنی امیہ ہرگز اسکا مستحق نہ تھا کہ اسلام کی جانب سے کسیطرح کی فلاح کا منہ دیکھتا۔ یہ قبیلہ ملعونہ تو حضرت رسول خدا کے وقت میں اسلام کا بڑا بدخواہ رہا۔ اس قبیلہ کو حضرات شیخین کا حاکم شام بنانا واقعی ایکطرفہ مضمون ہے۔ ظاہر ہے کہ جناب علیؑ ابوسفیان کی بیعت یا طرفداری نہیں قبول کرسکتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ یہ قبیلہ سخت فتنہ انگیز ہے اور اس قبیلہ سے خدا اور رسول دونوں بیزار رہے ہیں۔ جان بوجھکر کیونکر حضرت علیؑ ابوسفیان کی طرفداری قبول کرسکتے۔ ابوسفیان کی طرفداری قبول کرکے حضرت علیؑ کو ابوسفیان کے ساتھ معاوضہ معقول کرنا پڑتا۔ حضرت علیؑ کا ایسا فعل حضرت رسول خدا کی پالیسی Policy کے خلاف واقع ہوتا حضرت علیؑ جو حضرت رسول خدا کے سچے پیرو تھے۔ کیونکر حضرت رسول خدا کے خلاف میں کاربند ہوسکتے تھے۔ آپ کا ابوسفیان سے کنارہ کش ہونا مصالح دنیا و دین پر مبنی تھا۔ آپ ہرگز ابوسفیان کی طرفداری گوارا نہیں فرماسکتے تھے۔ اسکے برخلاف حضرات شیخین کو صرف اپنی حاصل کردہ خلافت کی خیر منانی تھی۔ آپ دونوں صاحبوں کو ابوسفیان کی فساد انگیزی کے مقابلہ میں رسول اللہ کی پالیسی یا خوشنودی کا خیال رکھنا توقع سے بہت باہر تھا حق یہ ہے کہ صرف علیؑ اور علیؑ کے ساتھی ہی ایسے بزرگوار تھے جو حضرت رسول خدا کی خوشنودی کا خیال رکھنے والے تھے اگر حضرات شیخین بھی ایسے بزرگواروں کے مانند ہوتے تو رسول اللہ کو جنگ احد و جنگ حنین میں چھوڑ کر میدان سے

قرار گوارا نہ کر سکتے یا جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود سے مقابلہ کرنے میں انکار نہ کرتے۔ المختصر یہ کارروائی جناب شیخین کی کہ بنی امیہ حاکم شام بنا دیئے گئے نہایت مقدوح نظر آتی ہے اس نامطبوع کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرات خاندان پیغمبرؐ ہر طرح کی ایذائیں اُٹھاتے گئے اور ہزاروں مصائب میں گرفتار ہوتی گئے لاریب واقعۂ کربلا بھی اسی امر مقدوح کے نتائج بد کا ایک نتیجۂ بد ہے ظاہر ہے کہ اگر خلافت سقیفہ نہ قائم ہوئی ہوتی تو نہ بنی امیہ کو فروغ حاصل ہوتا اور نہ امام حسینؑ اسطرح کی ایذا یابیوں کے ساتھ دشت کربلا میں شہید کئے جاتے۔ ایسی صورت میں تمامتر عقل سلیم کے خلاف یہ امر ہے کہ کوئی شخص اپنے کو امام حسینؑ کا ہمدرد اور عزادار قرار دے اور حضرات شیخین کا بھی جاندادہ ہو امام حسینؑ علیہ السلام کا ہمدرد یا عزادار آواز بلند کیساتھ حضرات شیخین کیطرف خطاب کر کے کہہ سکتا ہے کہ اے صاحبو خاندان پیغمبرؐ پر ساری آفتیں آپ ہی کی لائی ہوئی ہیں ؎ اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ الحق خلافت شیخین اور شہادت امام حسینؑ بلا گفتگو علت و معلول کی نسبت رکھتی ہیں۔ اور دونوں ایسی شئے ہیں کہ انمیں سے ایک کا اراد تمند ضرور ہے کہ دوسرے کا منکر ہو۔ ناممکن ہے کہ شخص واحد دونوں کی حقیت کا اعتراف رکھے۔ خلافت اگر ہے شہادت نہیں۔ شہادت اگر ہے خلافت نہیں۔ لاریب دوستدار خلافت شیخین کو کوئی حق امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ ہمدردی کا نہیں ہے جو حضرات معترف خلافت ہو کر امام حسینؑ کی شہادت پر اشک ریز ہوتے ہیں ایک بلا معنی فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ایسے رونیوالے امام حسینؑ کے امام حسینؑ پر رونے کا حق نہیں رکھتے ہیں ایسے رونیوالوں کی عزاداری انہیں کسیطرح کا فائدہ نہیں دیسکتی ہے امام حسینؑ کے ہمدرد یا عزادار ہونیکے لئے واجبات سے ہے کہ انسان بنی امیہ اور اُنکے سر چڑھانیوالے بزرگواروں کی محبت سے اپنے دل کو پاک کرے۔ ایک دل میں دو فریق مخالف کی محبت جگہ نہیں کر سکتی یار دار ابودن و دل با سکندر داشتن ایک نہایت منقح قول ہے۔ واضح ہو کہ جن صاحبوں کو خلافت امامت اور شہادت کی تحقیق منظور ہو۔ راقم کی کتاب مصباح الظلم کو مطالعہ فرما دیں۔ اس کتاب میں امور تاریخی و مذہبی بحوالہ اسناد درج ہوتے گئے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ بعد طبع کے آپکے ملاحظہ سے وہ کتاب گذریگی آپ عزادار امام حسینؑ علیہ السلام کے ہیں۔ آپ کے لئے اُس کتاب کا ملاحظہ فرمانا امر ضروری ہے۔ مجھے ایسے حضرات سے کوئی بحث نہیں ہے کہ جنکو خاندان پیغمبرؐ سے بے تعلقی ہے یا مخالف خاندان پیغمبرؐ کے دلدادہ ہیں میں ایسا خط کسی مخالف اہل بیت کو نہیں لکھہ سکتا تھا۔ کسی مخالف اہل بیت کو ایسے خط لکھنے کی مجھے ضرورت ہی کیا ہوتی۔ خیر آخر میں اتنا اور بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت علی مرتضیٰ حضرت رسول خدا کے بعد ہی خلیفہ قرار پا جاتے تو واقعۂ کربلا ظہور میں نہ آتا۔ آپ خلیفہ ہو کر بنی امیہ کے سرپرست نہیں بن سکتے تھے لیکن

بعزض محال اگر رسول خدا کی مرضی کے خلاف قبیلہ بنی امیہ کو سرچڑھاتے تو خون حسینؑ وعزیزان وانصاران حسینؑ کا الزام آپکی گردن پر ویسا ہی عائد ہوتا جیسا کہ عقل سلیم کے نزدیک اسوقت حضرات شیخین کی گردن پر عائد ہے۔ آپ کے ایسا کرنے سے آپ ایسے الزام سے بری نہ قرار دیے جا سکتے۔ اسوقت جیسا کہ واقعہ کربلا خلافت سقیفہ کا ایک بدیہی نتیجہ نظر آتا ہے ویسا ہی یہ واقعہ حضرت علیؑ کی بنی امیہ پروری کا نتیجہ سمجھا جاتا اگر نعوذ باللہ حضرت علیؑ حضرت رسول خدا کے لعنت کردہ قبیلہ کو حضرات شیخین کیطرح سرچڑھا بیٹھتے۔

راقم نے خلافت سقیفہ کے نتائج وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب "مصباح الظلم" میں دکھلائے ہیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جب وہ کتاب اشاعت پذیر ہو تو آپ غور کے ساتھ اُس کتاب کو ملاحظہ فرمائیں۔ حق یہ ہے کہ اس خلافت نے طرح طرح کے تماشے پیدا کیے ہیں اگر یہ خلافت ظہور میں نہ آتی تو فدک جسکو حضرت علیؑ اہل بیت کا قوت فرماتے ہیں حضرت فاطمہ سے اس بدترکیبی کیساتھ نہ چھین لیا جاتا حضرت فاطمہؑ کا گھر نہ جلایا جاتا۔ حضرت علیؑ پر بیعت کیلئے سختیاں عمل میں نہ لائی جاتیں بنی ہاشم ذلیل نہ کیے جاتے۔ حضرت فاطمہؑ کے پہلوئے مبارک پر حضرت عمرؓ ایسی ضربت نہ لگاتے جس سے آپکا حمل ساقط ہو گیا اور جس صدمہ کیوجہ سے آپ بہت جلد دنیا سے رخصت ہو گئیں حضرت علیؑ کا جمع کردہ قرآن معدوم نہ کیا جاتا۔ حضرت علیؑ کے مذہب کی جگہ پر زید ابن ثابت کا مذہب جو مذہب اہل سنت کا ہے رواج نہ پا سکتا۔ بنی امیہ سر نہ چڑھائے جاتے۔ بنی امیہ حضرت علیؑ سے مقابلہ نہ کر سکتے حضرت علیؑ خلافت سے معزول نہ کیے جا سکتے۔ بنی امیہ امام حسنؑ سے خلع خلافت نہ کرا سکتے۔ بنی امیہ امام حسینؑ اور عزیزان وانصاران امام حسینؑ کو دشت کربلا میں شہید نہ کر سکتے۔ بنی امیہ اہل حرم کو اسیر کرکے دمشق کو نہ بھیجا سکتے۔ بنی امیہ خانہ کعبہ میں گھوڑے نہ باندھ سکتے۔ بنی امیہ بہت سے اصحاب رسول اللہ کیساتھ بڑی بڑی سختیوں کیساتھ پیش نہ آسکتے۔ بنی امیہ شراب خواری۔ غنا پردازی زناکاری اور لواطت کو رواج نہ دے سکتے۔ بنی امیہ قرآن مجید کو نہ جلا سکتے۔ بنی امیہ قرآن مجید کو جھنڈے پر آویزاں نہ کر سکتے۔ بنی امیہ قرآن شریف کو تیر باراں نہ کر سکتے۔ بنی امیہ خون سادات کو پانی کیطرح بہاتے بنی امیہ ہزاروں جھوٹی حدیثیں وضع نہ کرا سکتے۔ بنی امیہ حضرت علیؑ پر تبرا کو رواج نہ دے سکتے۔ علاوہ ان مکروہات کے خلافت سقیفہ نے اسلام میں بڑے بڑے مذہبی تفرقے ڈالے سچ یہ ہے کہ اگر یہ خلافت سقیفہ نہوتی تو اسقدر مذہب مختلفہ کا ظہور نہوتا اور عرب کی تاریخ اسقدر روانحدار نہ دکھائی دیتی۔ بلاشبہ یہ پہلی غلطی اسلام کی تھی کہ حضرت علیؑ خلافت سے محروم رکھے گئے۔ اگر علیؑ خلیفہ قرار پا جاتے تو بنی امیہ اور بنی عباس کے آیندہ پولیٹیکل فسادات ظہور میں نہ آتے۔ اجماع سقیفہ کی اس ناعاقبت اندیشانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنی ہاشم اپنے استحقاق کی بنیاد پر ایک عرصہ درا

تک بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفا سے لڑتے جھگڑتے رہے اور ایسی ایسی خانہ جنگیوں سے عرب کی سلطنت روز بروز ضعیف ہوتی چلی گئی یہانتک کہ تاتاریوں وغیرہ کے ہاتھوں سے اُسکا نشان تک باقی نہیں رہا اس اجماع کی کارروائی نے نہ صرف بنی ہاشم کے خون کا دریا بہایا بلکہ ہزاروں بنی ہاشم کی جانیں بھی تلف ہوتی رہیں۔ بنی ہاشم ہر خلافت میں اپنا اور اپنے دشمنوں کا خون بہاتے رہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ بنی ہاشم اپنے کو ہر عہد میں خلافت کا حقدار جانتے تھے۔ اور یہ سے اہل عرب کو بھی اُنکے حق کا اعتراف تھا۔ ظاہراً اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری نظر آتی ہے۔ ان سب خروجوں کا منشا وہی طلب حق تھا۔ اور یہ حق وہی حق تھا جسے بنی ہاشم اجماع سقیفہ کے ہاتھوں کھو بیٹھے تھے اور جسکے کھوئے جانیکا باعث حضرت عمرؓ ہوئے تھے ان تمام امور کی تصریح راقم کی کتاب "مصباح الظلم" میں حوالہ قلم ہوئی ہے۔ شائقین تحقیق اس کتاب کو ملاحظہ فرمائیں اور حق و ناحق کی تجویز خود فرمالیں۔ اس کتاب کے ملاحظہ سے ہویدا ہوجائیگا کہ ساری سادات کشیاں چہ واقعہ کربلا وچہ شہادت حضرت علیؑ و شہادت حضرت امام حسنؑ وچہ شہادت ہائے ائمۂ خاندان پیغمبرؐ اُسی خلافت سقیفہ کے بدیہی نتائج ہیں۔ اور اسوجہ سے ان سب خونریزیوں کی جوابدہی اہل سقیفہ کی گردن پر عائد ہوتی ہے ؎ خشت اول چوں نہد معمار کج ✤ تا ثریا میرود دیوار کج ✤ فقط والتسلیم۔

طالب خیر

سید امداد امام عفی عنہ۔ معروضہ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء

مقام۔ گیا۔

یہ کتاب مصباح الظلم حسب ذیل پتہ سے ملسکتی ہے ہے فی جلد پیشگی بھیجدیجئے یا بذریعہ ویلیوپے ایبل طلب فرمائیے جس کتاب پر ہمارے مہر و دستخط نہوں وہ مال مسروقہ تصور کیجائے۔

المشتہر

سید وزارت علی و سید نظامت علی رضوی سبزواری کٹرہ حاجی حسن آگرہ